اوقاف

احکام و مسائل

ترتیب

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایفا پبلیکشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	اوقاف-احکام ومسائل
مرتب	:	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات	:	۸۳۲
سن اشاعت (اول)	:	فروری ۱۹۹۹ء
سن اشاعت (دوم)	:	فروری ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۴۰۰/روپے
کمپوزنگ	:	محمد خالد اعظمی

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
ابتدائیہ	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	۱۴
باب اول: تمہیدی امور		۲۱
سوالنامہ		۲۳
اکیڈمی کا فیصلہ		۲۸
تلخیص مقالات		۳۵
عرض مسئلہ		
۱-سوال:۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹	۱-مولانا عتیق احمد بستوی	۴۲
۲-سوال:۵، ۶	۲-مولانا ظفر عالم ندوی	۶۹
۳-۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳	۳-مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی	۷۸
باب دوم: تعارف مسئلہ		۸۵
قانون وقف-تاریخ، مقاصد اور اہم نکات کا مختصر جائزہ	جناب عبدالرحیم قریشی	۸۷
ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام-ایک رپورٹ	جناب سالار محمد خان ایڈوکیٹ	۱۱۴
باب سوم: تفصیلی مقالات		۱۲۷
وقف سے متعلق احکام ومسائل	مفتی حنیف صاحب	۱۲۹
مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق، احکام اور مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۸۵

اوقاف کا تحفظ اور آمدنی کا صحیح استعمال	مولانا عبید اللہ اسعدی	۲۰۲
اوقاف اور ترقیاتی سرگرمیوں کا معیار	شیخ عبد الحسن محمد عثمان	۲۲۵
قدیم قبرستان میں مسجد کی تعمیر کا حکم	مولانا زبیر احمد قاسمی	۲۴۴
ناقابل استعمال اوقافی جائداد فروخت کرکے نئے اوقاف قائم کرنا	مفتی ابوسفیان مفتاحی	۲۵۵
تقسیم ہند کے بعد ویران شدہ اوقاف	مفتی شبیر احمد قاسمی	۲۷۸
موقوف علی المساجد اراضی کا دوسرے مقاصد کے لئے استعمال	ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب	۲۹۷
قاضی کی عدم موجودگی میں استبدال وقف کا مسئلہ	مفتی جمیل احمد نذیری	۳۰۸
وسیع قبرستان میں واقع مسجد کی توسیع کا حکم	مفتی نسیم احمد قاسمی	۳۲۲
ویران اوقاف کو نفع بخش بنانے سے متعلق اصول	مفتی جنید عالم ندوی قاسمی	۳۴۳
ویران مساجد کا حکم اور استبدال وقف	مولانا انیس الرحمن قاسمی	۳۷۴
اوقاف	مولانا ظفر عالم ندوی	۳۹۷
اوقاف کی خرید وفروخت اور اس میں تبدیلی کا شرعی حکم	مولانا ابوبکر قاسمی	۴۰۸
دوسرے مصارف میں اوقاف کی آمدنیاں صرف کرنا	مولانا محمد ارشد فاروقی	۴۴۴
ختم شدہ مصارف اوقاف کے احکام	مفتی منظر توحید مظاہری	۴۶۲
استبدال وقف کے شرائط واحکام	مولانا محمد ارشاد القاسمی	۴۷۲
غیر آباد مساجد سے متعلق احکام	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری	۴۹۵
تدفین پر پابندی لگائے گئے قبرستان سے انتفاع کی شکل	مولانا محمد نور القاسمی	۵۳۴
زائد از ضرورت اوقافی جائداد کا حکم	مولانا قمر الزماں ندوی	۵۵۲
استبدال وقف کے احکام ومسائل	مولانا محمد ابرارخاں ندوی	۵۶۳

مخدوش اوقافی عمارتوں کی تعمیر نو کا مسئلہ	مولانا تنویر عالم قاسمی	۵۸۱
وقف کی حیثیت اور استعمال کی شرعی ضابطہ	مولانا محمد سمیع اللہ ندوی	۵۹۱
قبرستان کے کنارے دوکانوں کی تعمیر کا مسئلہ	مولانا اسعد اللہ قاسمی	۶۱۱
باب چہارم: مختصر تحریریں		۶۲۹
وقف کی حقیقت اور شرعی حکم	مفتی نظام الدین اعظمی	۶۳۱
تبادل اوقاف کا قیام اور مساجد کی فاضل آمدنی کا مصرف	مولانا عتیق احمد بستوی	۶۳۴
محکمہ آثار قدیمہ کے تحت داخل شدہ مسجد کا حکم شرعی	مولانا محمد رضوان القاسمی	۶۳۶
مساجد کی فاضل آمدنی بطور قرض دوسرے مصرف کے لئے لینا	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۶۴۴
مساجد پر وقف اراضی پر تعلیمی ادارے کا قیام	قاضی عبدالجلیل قاسمی	۶۵۱
ویران اوقاف کی جگہ نئے اوقاف کا قیام	مفتی محمد حبیب اللہ قاسمی	۶۵۹
بہتر مقاصد کے لئے وقف کی تبدیلی کا حکم	مفتی محبوب علی وجیہی	۶۶۳
اوقافی جائداد کی خرید وفروخت، احکام ومسائل	ڈاکٹر مسعود عالم قاسمی	۶۶۸
اوقاف کی آمدنی دوسرے نوع کے مصارف میں صرف کرنا	مولانا اخلاق حسین قاسمی	۶۷۴
اوقاف میں واقف کے مقاصد کی پابندی	جناب شمس پیرزادہؒ	۶۸۰
وقف جائداد کے تبادلہ کا حکم اور آمدنی کا مصرف	مفتی شبیر علی گجراتی	۶۸۴
مسجد کی اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۶۹۲
اوقاف کی آمدنی کے مصارف اور استعمال	مولانا شکیل احمد سیتاپوری	۶۹۵
مساجد ومدارس اور اوقاف کی آمدنی عصری تعلیم پر خرچ کرنا	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۶۹۷
مساجد کی فاضل آمدنی دوسرے مصرف میں صرف کرنا	مولانا ایوب ندوی	۷۰۵

واقف کے منشاء کی رعایت کا دائرہ	ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی	۷۰۷
مخدوش اوقاف اور واقف کے مقاصد	ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	۷۰۹
ویران اوقاف کی جگہ متبادل اوقاف کا قیام	مفتی عبد اللطیف پالنپوری	۷۱۳
اوقاف کی آمدنی مدارس ومساجد میں صرف کرنا	مولانا عبد القیوم پالنپوری	۷۱۹
حکومت یا فرد کو خستہ حال اوقاف حوالہ کرکے دوسرا حاصل کرنا	مفتی محمد ابراہیم گجیا	۷۲۸
محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی مساجد کے احکام	مولانا صدر عالم قاسمی	۷۳۶
اوقاف	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۷۴۵

باب پنجم: مناقشہ ۷۵۳

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اچھے کام انجام دینے اور خدمت کرنے کا ایک فطری جذبہ رکھا ہے، ایک ایسا انسان جس کے اندر حقیقی انسان زندہ ہو اور جس کا ضمیر بالکل مردہ نہ ہو چکا ہو، وہ جب کسی انسان کو نفع پہنچاتا ہے تو اندر سے ایک خوشی محسوس کرتا ہے، یہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کی آواز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے قلب کے ساتھ ایک ایسی ملکوتی طاقت لگی ہوئی ہے، جو اسے بھلائی کی طرف بلاتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، (الدر المنثور فی تفسیر المأثور عن ابن عباس موقوفا: ۶ ے ۴۶۸) —— انسان خواہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا سرے سے مذہب کا باغی ہو، وہ خیر واحسان کے اس جذبے سے خالی نہیں ہوتا، اسی جذبہ کے تحت انسان حسن سلوک اور نفع رسانی کا کام کرتا ہے اور اگر دینی مزاج رکھتا ہو تو یہ داد و دہش مذہبی کاموں کے لئے بھی سامنے آتی ہے۔

عام طور پر یہ حسن سلوک وقتی اور عارضی نوعیت کا ہوتا ہے، جیسے آپ نے کسی کو کھانا کھلا دیا، کسی شخص کو کپڑے کی ضرورت تھی، آپ نے اسے کپڑے بنوا دئے، اس طرح کی خدمت کا فائدہ عارضی ہوتا ہے، شریعت اسلامی کے امتیازی احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بر واحسان اور خدمت خلق کی ایک دائمی صورت کو وجود بخشا ہے، جس کو حدیث میں 'صدقہ جاریہ' کہا گیا ہے، یعنی ایسا خیراتی کام جس کا نفع دیر تک قائم رہے، (أبو داؤد ، باب ما جاء في الصدقة عن الميت ، حدیث نمبر: ۲۴۹۴) اسی کو فقہ کی اصطلاح میں ''وقف'' کہتے ہیں، وقف کا بنیادی حکم یہ ہے کہ جب کوئی شئ کسی کار خیر کے لئے وقف کی جاتی ہے تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے اور اب کوئی خاص فرد اس کا مالک باقی

نہیں رہتا، وقف کے سلسلہ میں دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ وقف متنوع مقاصد کے لئے ہوسکتا ہے، جیسے مسجد اور مدرسہ کے لئے کوئی جائداد وقف کی جاسکتی ہے، اسی طرح مریضوں، تیمارداروں، مسافروں، بے سہارا لوگوں؛ یہاں تک کہ خود اپنی اولاد اور اپنی نسل پر بھی وقف کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی اجر وثواب کا کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام ترکہ کو وقف فرمادیا تھا، آپ ﷺ کے علاوہ حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ اور متعدد صحابہ نے خیر کے کاموں میں اپنی جائیدادیں وقف کی تھیں؛ چنانچہ مسلمان سلاطین، اصحاب ثروت عوام اور مشائخ وصوفیاء کی جانب سے ہر دور میں بکثرت جائیدادیں وقف کی گئی ہیں؛ یہاں تک کہ پرندوں کی خوراک کے لئے بھی جائیداد وقف کی جاتی تھی، خود ہمارے ملک ہندوستان میں اتنے زیادہ اوقاف ہیں کہ اگر حکومت دیانتداری کے ساتھ مسلمانوں کو ان کے اوقاف حوالے کردے اور ان کو نفع آور بنا کر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا جائے تو اندازہ کیا جاتا ہے کہ کوئی مسلمان بچہ تعلیم سے محروم نہیں رہے گا اور کسی مسلمان نوجوان کو بے روزگاری اور معاشی مجبوری کا سامنا نہیں ہوگا، اس وقت اوقاف کو جو نقصان پہونچ رہا ہے، اس میں ایک طرف حکومت ذمہ دار ہے، جس نے بہت سے اوقاف پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو ان کا کرایہ تک نہیں ملتا، حکومت کی زیادتی ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گورنمنٹ وقف کے قانون کو قصداً غیر مؤثر بنا کر رکھنا چاہتی ہے، اوقاف کو وہ حقوق نہیں دیے جاتے جو پبلک پراپرٹی کو حاصل ہیں، وقف بورڈ کو عاملانہ اختیارات نہیں دیے جاتے کہ وہ ناجائز قابضین کے خلاف کوئی کارروائی کرسکے اور وقف بورڈ کی ہیئت ترکیبی ایسی رکھی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے نمائندے اس میں بے اثر ہوجائیں اور حکومت کے چشم وابرو کے اشارہ پر کام کرنے والے سرکاری نمائندوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوجائے، ایسا لگتا ہے کہ حکومت منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کو ان کے اوقاف سے محروم کرنے پر تُلی ہوئی ہے؛ چنانچہ ’ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ‘ اس سلسلہ میں مسلسل کوشاں ہے، خدا کرے کہ اس کی جد وجہد ثمر آور ہو۔

اوقاف کو دوسرا بڑا نقصان خود مسلمانوں سے پہونچ رہا ہے؛ بلکہ یہ کہنا مشکل ہے کہ حکومت اور مسلمانوں میں سے کون اس کا زیادہ قصوروار ہے؟ ——— متولی حضرات وقف کی جائیداد کو اپنی ذاتی املاک کی طرح فروخت کرر ہے ہیں، وقف کی عمارتوں کے کرایہ داروں کا حال یہ ہے کہ جس عمارت کا کرایہ دس ہزار ہونا چاہئے، اس کا کرایہ سودوسوروپے ادا کیا جارہا ہے؛ بلکہ یہ کرایہ بھی ادا نہیں کیا جاتا اور وقف کی جائیدادوں کے قابضین کسی قیمت پر اس کو خالی کرنے کو تیار نہیں ہیں، جب تک مسلمانوں میں خود دینی غیرت پیدا نہ ہو اور وہ اپنے نظام کو خود بہتر نہ بنائیں، یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ دوسرے لوگ ان کے مسائل کو حل کریں گے۔

وقف کے کچھ مسائل شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں، خاص کر وہ اوقاف جو اَب ویران ہو چکے ہیں یا ایسے مقبوضہ ہیں کہ ان کا تحفظ دشوار ہے یا وہاں مسلم آبادی باقی نہیں رہی ہے، ایسے اوقاف کا تحفظ کس طرح کیا جائے گا اور انہیں کس طرح ثمر آور بنایا جاسکتا ہے؟ یہ بہت اہم مسئلہ ہے، فقہاء نے ایک طرف اوقاف کی حفاظت کے لئے اس کی فروخت اور تبدیلی پر روک لگانے کی کوشش کی ہے، جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، دوسری طرف یہ بھی کہا ہے کہ ہمیشہ وقف کے مفاد کو ترجیح دیا جائے، اگر کہیں وقف کا تحفظ اس کو تبدیل کرنے ہی میں ہو تو یقیناً اس کا استبدال ہی شریعت کے منشأ اور وقف کے مفاد کا تقاضا ہوگا، اسی طرح وقف کی اراضی کو ڈیولپ کرانے کا مسئلہ ہے، بعض ملکوں میں اس کا تجربہ کیا گیا ہے اور اس سے اوقاف کی آمدنی میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے، ایک اہم مسئلہ ان اوقاف کا بھی ہے، جن کے متعینہ مصارف باقی نہ ہوں، مسجد کے علاوہ جتنے اوقاف ہیں، ان کا بنیادی مصرف غریب مسلمانوں کی اعانت ہے؛ اسی لئے وقف کا اصول ہے کہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں، گذشتہ ادوار میں فقراء کے تعاون کا دائرہ محدود تھا، یعنی کھانے اور کپڑے کی فراہمی ہی فقراء کی ضرورت سمجھی جاتی تھی؛ لیکن موجودہ عہد میں خوراک و پوشاک سے بڑھ کر انسان کی ضرورت تعلیم ہے، تعلیم کے بغیر کوئی قوم باعزت زندگی گذار نہیں سکتی، تعلیم سے محروم قوم چاہے کتنی ہی بڑی تعداد میں ہو، وہ مٹی کا

ڈھیر ہے، جس کو قدموں سے روندا اور پامال کیا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہے کہ پہلے تعلیم ایک خدمت تھی، اور اب تعلیم ایک تجارت بن چکی ہے؛ اس لئے موجودہ حالات میں غریب بچوں کی تعلیم اور غریب بے روزگار نوجوانوں کے لئے ووکیشنل تربیت بھی فقراء کی اعانت کی ایک اہم صورت ہے، جو خورد و نوش اور لباس و پوشاک سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے؛ کیوں کہ کسی قوم کے لئے تنگ دست ہونے سے زیادہ عار کی بات یہ ہے کہ وہ جاہل و ناخواندہ ہو، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے دسویں سیمینار منعقدہ ممبئی کے لئے وقف کا موضوع منتخب کیا تھا، بیت الحجاج ممبئی کی پرشکوہ عمارت میں یہ سیمینار منعقد ہوا، کویت کی وزارت اوقاف کے ایک بھرپور وفد نے بھی سیمینار میں شرکت کی، اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ بنفس نفیس شروع سے اخیر تک سیمینار میں شریک رہے، وقف کے مختلف پہلوؤں پر غالباً پہلی بار اس تفصیل کے ساتھ بحث ہوئی اور ایسی تجاویز پاس ہوئیں جو خاص کر ہندوستان کے پس منظر میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

سیمینار کے مقالات، فیصلے اور مناقشات کا یہ مجموعہ بانی اکیڈمی کی زندگی ہی میں طبع ہوگیا؛ لیکن ایک تجربہ یہ کیا گیا کہ بجائے اس کے کہ شرکاء کے مکمل مقالات شائع کئے جائیں، ہر سوال کے جوابات ایک جگہ مرتب کردئے جائیں، اس کے لئے مقالہ نگاروں کی تحریروں سے جوابات سے متعلق اقتباسات لے لئے گئے، اس سے ایک فائدہ تو ہوا کہ ایک سوال پر تمام لوگوں کے جوابات ایک جگہ آگئے؛ لیکن ایک مکمل مقالہ کے پڑھنے سے جو علمی نفع ہوتا ہے اور باہمی ارتباط کی وجہ سے بات سمجھ میں آتی ہے، وہ کیفیت اس مجموعہ سے پیدا نہ ہوسکی، خود حضرت قاضی صاحبؒ کو بھی اس کا احساس تھا؛ چنانچہ اس کے بعد جو مجموعے شائع ہوئے، ان کو آپ نے سابق نہج پر ہی مرتب کرایا، اصحاب ذوق کا تقاضا تھا کہ اس مجموعہ کو بھی دوسرے مجلات کے نہج پر ہی مرتب کردیا جائے، جس سے استفادہ آسان بھی ہوتا ہے اور جو مروج طریقہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لئے زیادہ مانوس منہج بھی ہے، موجودہ ایڈیشن اسی خواہش کی تکمیل ہے۔

اس کے طبع اول کی ترتیب کا کام محبّ عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اور ظاہر ہے کہ انہوں نے اس کام کو بہت محنت سے انجام دیا تھا؛ کیوں کہ مختلف مقالات سے اقتباس کو جمع کرنا ایک مشکل کام ہے، اب دوبارہ اس کی ترتیب کا کام عزیز گرامی مولانا احمد نادر القاسمی رفیق شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے ازسرنو انجام دیا ہے، بکھرے ہوئے اقتباسات کو پھر یکجا کرنا بھی کچھ کم دشوار کام نہیں ہے؛ اس لئے ان کا یہ کام بھی ترتیب اور ایڈیٹنگ کا ایک معرکہ سر کرنے کے مترادف ہے، اوقاف سے متعلق مقالات چوں کہ بہت زیادہ اور بہت مفصل تھے اور ان کی ضخامت بہت بڑھ رہی تھی؛ اس لئے مختلف مقالات سے الگ الگ ذیلی موضوعات لے لئے گئے؛ تاکہ تمام موضوعات شامل رہیں اور مجلّہ کی ضخامت بھی بہت بڑھ نہ جائے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیڈمی کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور علماء اور ارباب افتاء کے لئے نافع بنائیں۔ وباللّٰہ التوفیق

خالد سیف اللہ رحمانی	۱۴؍محرم ۱۴۳۳ھ
(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)	۱۰؍دسمبر ۲۰۱۱ء

ابتدائیہ

انسانی فلاح، مصیبت زدوں کی مدد، سماج سے فقر و افلاس کو دور کرنے کی کوشش، فاقہ کشوں تک روٹی پہنچانا، بیماروں کی تیمارداری اور ان کا علاج، یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی سرپرستی اور کفالت، لاوارث اموات کی عزت کے ساتھ تجہیز اور تدفین، مساجد کے نظام کو استوار رکھنا اور اس کے اخراجات کی کفالت کا مستقل نظم، قوم کے بچوں کو تعلیم اور ہنر سے آراستہ کرنا، مدارس و مکاتب اور صنعتی تربیت گاہوں کا قیام، اسپتال اور شفاخانوں کا جاری کیا جانا، قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو قرض کی قید سے نجات دلانا وغیرہ، ایسے سیکڑوں کام ہیں جن کو منظم اور مربوط طریقے پر انجام دیا جانا کسی بھی سماج کی فلاح کے لئے بنیادی ضرورتوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(الف) ''وما أدراک ما العقبة فک رقبة أو إطعام في يوم ذي مسغبة، يتيماً ذا مقربة أو مسكيناً ذا متربة، ثم كان من الذين آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة'' (سورۂ بلد: ۱۲-۱۷)۔

(اور تو کیا سمجھا، کیا ہے وہ گھاٹی، چھڑانا گردن کا، یا کھلانا بھوک کے دن میں، یتیم کو جو قرابت والا ہے، یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہے، پھر ہووے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی)۔

(ب) ''كلا بل لا تكرمون اليتيم ولا تحاضون على طعام

المسكين" (سورۂ فجر: ۱۷-۱۸)۔

(کوئی نہیں! پر تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم اور تاکید نہیں کرتے آپس میں محتاج کے کھلانے کی)۔

(ج)"فأما اليتيم فلا تقهر" (سورۂ ضحیٰ: ۹)۔

(سو جو یتیم ہو اس کو مت دبا)۔

(د)"فذلک الذی یدع الیتیم" (سورۂ ماعون: ۲)۔

(سو یہ وہی ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو)۔

(ھ)"لا تعبدون إلا الله وبالوالدين إحسانا و ذى القربى واليتامى والمساكين" (سورۂ بقرہ: ۸۳)۔

(عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے)۔

(و)"وآتى المال على حبه ذوى القربىٰ واليتامىٰ والمساكين" (سورۂ بقرہ: ۱۷۷)۔

(اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو)۔

(ز)"وأن تقوموا لليتامىٰ بالقسط" (سورۂ نساء: ۱۲۷)۔

(اور یہ کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر)۔

(ح)"وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل" (سورۂ توبہ: ۶۰)۔

(اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور راہ کے مسافر کو)۔

اسی طرح حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کے وسیع اور عظیم الشان ذخیرہ کے

اندر ان تمام فلاحی اور انسانی خدمات کا ذکر موجود ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمت انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو، بلکہ اس کے گذر جانے کے بعد بھی وہ فائدہ رسانی جاری ہے اور اس کا اجر و ثواب بلا انقطاع اس کو مسلسل ملتا رہے۔

جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱-''وإذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله'' (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۷)۔

(جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین عمل کے: ۱-صدقہ جاریہ، ۲-ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، ۳-اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔

۲-''وعن ابن عمرؓ أن عمر أصاب أرضاً من أرض خيبر فقال: يا رسول الله! أصبت مالاً بخيبر لم أصب قط مالاً أنفس منه، فبما تأمرني، فقال: ''إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، غير أنه لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث'' فقال: فتصدق بها عمر على ألاتباع ولا توهب ولا تورث وتكون في الفقراء و ذوي القربى والرقاب والضيف وابن السبيل ولا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف ويطعم غير ممول'' (رواہ الجماعۃ)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر کی ایک زمین ملی تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایک مال ملا ہے جس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا، تو آپ ﷺ مجھے کس چیز کا حکم کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کے اصل کو باقی رکھ کر اس (کی پیداوار) کو صدقہ کردو، مگر یہ کہ اس کی اصل نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ خریدی جاسکتی ہے، نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ نے اس کو صدقہ کردیا اس شرط کے ساتھ کہ نہ وہ فروخت کی جائے گی، نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، اور (اس کی منفعت) فقراء، اہل قرابت، غلام کی آزادی، مہمان اور مسافر کے لئے ہوگی، اور اس کے متولی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ اس میں سے معروف طریقے پر کھائے اور کھلائے، اس کو اپنے لئے مال نہ بنائے)۔

۳-"وعن عثمان رضي الله عنه أن النبي ﷺ قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب غير بئر (رومة) فقال: "من يشتري بئر رومة فيجعل منها دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منه في الجنة"، فاشتريتها من صلب مالي فجعلت دلوي فيها مع دلاء المسلمين" (رواہ النسائی والترمذی، وقال: حدیث حسن)۔

(حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، وہاں رومہ کے کنواں کے علاوہ کوئی میٹھا پانی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کون بئر رومہ کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ اس میں مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرے گا کہ اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے خیر ہو؟ تو میں نے اپنے اصل مال سے اسے خرید لیا اور اس میں اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو بھی شریک کرلیا)۔

۴-"وأول وقف خيري عرف في الإسلام هو وقف النبي ﷺ لبسبع حوائط (بساتين) بالمدينة كانت لرجل يهودي اسمه مخيريق قتل على رأس اثنين وثلاثين شهراً من مهاجر رسول الله ﷺ وهو يقاتل مع المسلمين في واقعة أحد، وأوصى: إن أصبت – أي قتلت – فأموالي لمحمد يضعها حيث أراه الله تعالى، فقتل يوم أحد – وهو على يهوديته – فقال النبي ﷺ: (مخيريق خير يهود)، وقبض النبي ﷺ تلك الحوائط السبعة فتصدق بها–أي وقفها – ثم تلاه وقف عمر، ثم تتابعت بعد ذلك أوقاف الصحابة" (الإسعاف في أحكام الأوقاف لبرہان الدین بن ابراہیم بن أبی بکر الطرابلسی، ص ۹ -۱۰)۔

(نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا، یہ باغ مخیریق نامی ایک یہودی کے تھے جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال تھا، اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد (ﷺ) کے لئے ہوں گے، وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے، احد کے دن یہودیت پر ہی وہ مارا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مخیریق اچھا یہودی تھا''، نبی کریم ﷺ نے ان ساتوں باغ کو قبضہ میں لیا پھر انہیں صدقہ (یعنی وقف) کردیا، پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ کا وقف ہوا، پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے)۔

وقف کی روح بھی یہی ہے کہ کوئی بھی جائداد اس طرح رضائے ربانی کی خاطر کسی مصرف خیر کے لئے محبوس کردی جائے کہ اصل شی محفوظ رہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی متعین مصارف خیر پر صرف ہوتی رہے، لیکن وہ شی جس کی اصل محفوظ نہ رکھی جاسکے بیع اور اجارہ وغیرہ کے ذریعہ جس کی ملکیت بدلتی رہے تو اس کا نفع پائیدار نہیں ہوگا، وقف کا ثبوت خود عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ملتا ہے اور پورے عالم اسلامی میں اور جملہ بلاد اسلامی میں اتنی جائدادیں وقف کی گئیں کہ وقف کا ایک وسیع نظام وجود میں آگیا، اور اسی لئے وقف سے متعلق بہت سے سوالات ہر دور میں پیدا ہوتے رہے جن کا تعلق املاک وقف کے تحفظ، ان کی افادیت میں اضافہ اور ان کے بہتر انتظام سے تھا، یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی کا بہت بڑا ذخیرہ احکام وقف سے متعلق ہے۔

اس دور میں بھی اوقاف سے متعلق بہت سارے سوالات روز پیدا ہورہے ہیں، جن میں سے کچھ سوالات کا تعلق اصحاب حرص وہوس سے وقف کی حفاظت سے ہے۔ اس طرح وقف کے بہتر انتظام، وقف کی افادیت میں اضافے اور ویران اوقاف کو مفید بنانے کی صورتیں، ان اہم موضوعات پر ''مجمع الفقہ اسلامی الہند'' نے ایک اہم سمینار مورخہ ۲۴/ ۲۵/ ۲۶/ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو ممبئی کے حج ہاؤس میں منعقد کیا۔ اس لحاظ سے یہ سمینار بہت اہم تھا کہ اس میں ملک اور

بیرون ملک سے صاحب نظر علماء اور دانشور شریک ہوئے۔

مجھے خوشی ہے کہ اس سمینار میں پیش کئے جانے والے مباحث اور مناقشات کے فیصلوں کی یہ مفصل روداد ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں، اس میں وقف کے بنیادی اصول واحکام پر قیمتی تحریروں کے علاوہ اکیڈمی کی طرف سے بھیجا گیا سوالنامہ، مقالات کی تلخیص، عرض مسئلہ، نیز استبدال وقف، نا قابل انتفاع اوقاف پر تعلیمی اور رفاہی اداروں کا قیام، مساجد اور قبرستان کی زائد اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال، اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف وغیرہ دیگر اہم ترین سوالات پر علماء کے جوابات کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں اوقاف کے موضوع پر ایک اہم تعارفی تحریر شائع کی جارہی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ فقہ اسلامی اور خاص کر فقہ اوقاف کے لٹریچر میں ایک اہم اضافہ ہوگا اور اس کی افادیت دیر اور دور تک محسوس کی جاتی رہے گی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمالے اور ہم سب کو خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

واللہ الموفق

مجاهد الاسلام قاسمی

۴/۲/۱۹۹۹ء مطابق ۱۷/شوال ۱۴۱۹ھ

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں مختلف مقاصد کے لئے بے شمار اوقاف ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے حکومت نے سنٹرل وقف بورڈ اور صوبائی وقف بورڈس بھی قائم کرر کھے ہیں، مختلف صوبوں کے مختلف وقف ایکٹ ہیں اور مرکزی حکومت نے ۱۹۹۵ء میں نیا وقف ایکٹ بنایا، اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ مختلف ریاستوں میں نافذ قانون وقف اور سنٹرل وقف ایکٹ کا جائزہ وقف کے شرعی احکام کی روشنی میں لیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف ریاستوں میں نافذ قوانین وقف اور سنٹرل قانون وقف کے جائزہ کے لئے ماہرین قانون کو زحمت دی جارہی ہے، ان کی رپورٹس آنے کے بعد انشاء اللہ کچھ متعین سوالات آپ حضرات کی خدمت میں شرعی نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ارسال کئے جائیں گے، فی الوقت اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات جو بار بار اوقاف کے ذمہ داروں اور قانون وقف کے ماہرین کی طرف سے علماء کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کئے جاتے رہے ہیں، انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ان مسائل پر آپ کی واضح ومدلل رائے مطلوب ہے:

۱- بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب وہریانہ اور دہلی ومغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے۔ اس میں قبرستان، مدارس وخانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ایسے اوقاف کوفروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب۔کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟

ج۔کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، نا قابل استعمال اوقاف کوفروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردئے جائیں۔

۲- بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

الف-کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

ب-کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

۳- بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہوکر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے۔جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جاسکتا ہے، اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً:

الف-اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں؟

ب-دیگر ملی، دینی و علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں؟

۴- بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلّہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

۵- بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر، کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا، یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ۔ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

۶- الف-بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہے۔ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کر لیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب-اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے، وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ

فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جبکہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

۷ - مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین۔ جو کہ ضرورت سے زائد ہے۔ اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟

۸ - جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ قبضہ ہو رہا ہے۔ تو ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا۔ اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

۹ - بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں۔ ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کردیا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے، کیا حکومت کو اس طرح کا کوئی حق ہے؟

۱۰ - قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے۔ جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے۔ جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے۔

۱۱ - آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم

قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

۱۲ – ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، اور شائد واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

☆☆☆

اکیڈمی کا فیصلہ:

مسائل اوقاف

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا دسواں فقہی سمینار ہندوستان کے شہر عروس البلاد ممبئی میں بمقام حج ہاؤس منعقد ہوا، اس سمینار میں چند دوسرے موضوعات کے ساتھ اوقاف کے چند اہم مسائل پر بھی غور وخوض اور مذاکرہ کیا گیا، اس موضوع پر فقہ اکیڈمی کے سوالنامہ کے جواب میں جو مقالات اور تحریریں آئیں اور شرکاء سمینار کی جو آراء سامنے آئیں ان سب کو پیش نظر رکھ کر دسویں فقہی سمینار کے شرکاء نے درج ذیل فیصلے کئے:

۱- اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کار ثواب اور صدقہ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں، نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی وخیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲- اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: " لا تباع ولا توهب ولا تورث" (نہ فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ ہبہ

کیا جا سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جس سے اوقاف کی جائداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳- دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس و احترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتی کہ اگر مسجد ویران ہوجائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس اور احترام حاصل ہوتا ہے وہاں مسجد بنانے اور اسے آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً'' (سورۂ جن/ ۱۸)۔

''إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله و اليوم الآخر'' (سورۂ توبہ/ ۱۸)۔

۴- مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها'' (سورۂ بقرہ/ ۱۱۴)۔

کسی مسجد میں مسلمانوں کو خواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا ہو یا عمارت منہدم کردی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵- آثار قدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے، ارشاد باری ہے:

''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها'' (سورۂ بقرہ/ ۱۱۴)۔

۶ – تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے، ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں، ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہوچکی ہیں، وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

۷ – مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا اور ان اوقاف پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کرکے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کرلی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہوچکی ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والا متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ساتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دَین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کردیا جائے۔

ھ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء، مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی، جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸- الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر کی جائے اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو اس سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹- مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں

درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلّہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب نہیں، دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰- مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جا سکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱- جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہے اور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، مستقبل قریب میں بھی مساجد کو اس زائد سرمایہ کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، تو مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کی جائیں۔

۱۲- مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدام بھی ہیں، شرکاء سمینار کا

احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ ومؤذنین وخدام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳ – دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدات میں صرف کیا جائے مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴ – اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ھ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵ – جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے

سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہوجائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چندمنزلہ عمارت کی ایک منزل یا دومنزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہوجائے۔

۱۶- قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد چہار دیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت وضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متاثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷- حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

مسائل اوقاف

۱-الف: جو اوقاف مسلمانوں کی آبادی وہاں سے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں، اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے، نیز ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کرنے کے جواز پر تقریباً تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے، کیونکہ وقف کا مقصد ہی اس کی نافعیت کو برقرار رکھنا ہے، موجودہ صورت میں یہ مقصد متبادل وقف قائم کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے تو خواہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو، یا نہ دی ہو، یا واقف کی کوئی صراحت نہ ہو، استبدال جائز ہوگا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"قال هشام: سمعت محمداً يقول :الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي" (البحر الرائق ۲۱۹/۵)۔

متعدد حضرات نے استبدال وقف کی اجازت کے لئے علامہ شامی وغیرہ کی عائد کردہ شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے جن میں اہم ترین یہ ہیں:

۱-اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ مروجہ قیمت حاصل کی جائے۔

۲-تبادلہ اوقاف کا مجاز عام متولیوں کے بجائے دیانتدار و ذمہ دار ادارہ کو بنایا جائے،

یا معتمد منتظمین صاحب نظر علماء سے رجوع کر کے قدم اٹھائیں (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی جنید عالم ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی وغیرہ)

ب: ایسے ویران اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا بھی مذکورہ نقطۂ نظر اور اس کے دلائل کے تحت تمام حضرات کے نزدیک جائز ہے۔

ج: لیکن ایسے ویران اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کے مسئلہ میں مقالہ نگار علماء کرام کی آراء مختلف ہیں۔ بیشتر حضرات کی رائے میں مقاصد واقف کی رعایت ضروری ہے، فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

"إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار ۴؍۴۴۵)

(مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)

☆ بعض حضرات نے مقاصد واقف کی رعایت کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے دینی تعلیم کے ادارے یا ایسے عصری تعلیمی ادارے جہاں دینیات و دینی تربیت کا بھی نظم ہو، قائم کرنے کی گنجائش ذکر کی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی وغیرہ)۔

۲- الف: مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، ان میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے ادارے کے قیام کے مسئلہ میں بیشتر حضرات کے نزدیک دینی تعلیم کے ادارے اور مدارس قائم کئے جاسکتے ہیں، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ بالخصوص موجودہ زمانہ میں مسجد کی آبادکاری اور تحفظ کا سب سے اہم ذریعہ مدرسہ کا قیام ہے، لہذا مدرسہ کے قیام میں خود اراضی وقف کا تحفظ ہے، اور مقاصد واقف کی تکمیل بھی، دوسری جانب مسجد اور مدرسہ کا تصور تقریباً لازم وملزوم سا اس زمانہ میں ہو چکا ہے۔ (مولانا خالد سیف اللہ

رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ جواز کے قائلین میں متعدد حضرات نے دینی ادارے کی قید نہیں لگائی ہے، بلکہ دینی یا عصری دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے (مفتی محبوب علی وجیہی، حکیم ظل الرحمن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا ایوب ندوی، مولانا عتیق احمد قاسمی)

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسی اراضی پر تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ زائد آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف پر صرف کی جاسکتی ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ظفر الاسلام، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شکیل احمد وغیرہ)۔

☆ مفتی محمد عبید اللہ اسعدی صاحب نے اس مسئلہ پر معاصر اور ماضی قریب کے اکابر مفتیان کرام کے دونوں طرح کے فتاوے ذکر کرکے ان پر سیر حاصل تنقیدی گفتگو کی ہے، اور آخر میں ایسی اراضی پر دینی اداروں کے قیام کی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

مسجد کے لئے وقف زمینوں اور مکانات کی زائد از ضروریات آمدنی بعض حضرات کی رائے میں دینی تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

☆ بعض لوگوں نے دینی تربیت کے ساتھ عصری تعلیم کے لئے استعمال کی بھی اجازت دی ہے (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا شمس پیرزادہ)۔

☆ لیکن متعدد حضرات نے اس جواز سے اختلاف کرتے ہوئے ایسی زائد آمدنی کو اسی جنس کے مصارف یا باعتبار قرب مصارف میں خرچ کرنے کی رائے دی ہے (مولانا ظفر الاسلام، مولانا جنید عالم ندوی)۔

۳- الف: اوقاف کی زائد از ضرورت آمدنی کو اسی نوع کے دیگر اوقاف میں صرف کے جواز پر تمام مقالہ نگار علماء کرام کا اتفاق ہے۔

ب: دیگر ملی دینی وعلمی کاموں میں ایسی آمدنی کے صرف کی بابت متعدد حضرات کی

رائے یہ ہے کہ اگر ضرورت درپیش ہوتو یہ رقم ان کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے (ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، **مولانا فضیل** الرحمٰن ہلال عثمانی، **مولانا** ابوسفیان مفتاحی، جناب شمس پیرزادہ، **مولانا** ایوب ندوی)۔

☆ دوسری رائے کی رو سے ایسے کاموں میں وہ رقم خرچ نہیں کی جاسکتی (**مولانا** زبیر احمد قاسمی، **مولانا** جنید عالم ندوی، **مولانا** عتیق احمد، **مولانا** ظفر احمد وغیرہ)۔

۴- کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے ایسا متبادل وقف قائم کرنا جس سے زائد آمدنی حاصل ہو، بیشتر حضرات کے خیال میں درست ہے۔

☆ بعض حضرات کی رائے میں جب تک کوئی وقف کسی بھی درجہ میں منفعت بخش ہے، محض زائد آمدنی کی نیت سے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی (مفتی محبوب علی، **مولانا** عبدالقیوم پالنپوری، **مولانا** ایوب ندوی، **مولانا** شکیل احمد، **مولانا** عتیق احمد بستوی)۔

۵- جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، ان کی آمدنی کا مصرف اسی نوع کے دوسرے اوقاف یا قریب ترین نوع کے اوقاف ہوں گے۔ بعض حضرات نے مزید یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اگر اسی نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء مصرف ہوں گے، کچھ لوگوں نے صدقات جاریہ کے کاموں میں صرف کرنے کی بات کہی ہے۔

۶- اوقاف کی مخدوش عمارتوں کی ازسرنو تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کہ ایک دو منزل اس کی ملکیت ہوگی اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، متعدد حضرات کی رائے میں درست ہے (**مولانا** فضیل الرحمٰن، **مولانا** ظفر الاسلام، **مولانا** عبدالقیوم پالنپوری، **مولانا** شمس پیرزادہ، **مولانا** خالد سیف اللہ رحمانی، **مولانا** عتیق احمد)۔

☆ جبکہ بعض حضرات نے ایک دو منزل بلڈر کی ملکیت میں دینے کے بجائے اس سے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے، یعنی ایک محدود مدت تک عمارت کے مخصوص حصہ پر اس کا قبضہ رہے گا، جس دوران وہ اپنا خرچ وصول کرسکتا ہے، مالکانہ حقوق وقف ہی کے

رہیں گے (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی وغیرہ)۔

۷ -وقف کی حفاظت کے لئے وقف کا کوئی حصہ فروخت کر کے آمدنی سے نئی تعمیر کرنے کے مسئلہ میں بھی بیشتر حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ اگر حفاظت کی کوئی دوسری شکل نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

☆ بعض حضرات نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، اور وقف کی زمین فروخت کرنے کو درست قرار نہیں دیا ہے (مفتی حبیب اللہ قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا عبد القیوم پالنپوری)۔

۸ -مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے، مدرسہ کی تعمیر کو متعدد حضرات نے درست قرار دیا ہے (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ)۔

☆ بعض حضرات نے کرایہ داری کا معاملہ کرنے کی رائے دی ہے، تاکہ مسجد یا قبرستان براہ راست مستفید بھی ہوتے رہیں (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا فضیل الرحمٰن، مولانا عتیق احمد)

☆ دوسرے متعدد حضرات نے اسے درست نہیں قرار دیا ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن)

۹ -ایسے غیر مستعمل قبرستان سے خواہ وہاں سے مسلم آبادی ختم ہو جانے یا آبادی کے اندر آ جانے کی وجہ سے استعمال متروک ہو، انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے مختلف حضرات نے مختلف شکلیں تجویز فرمائی ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ ایسے قبرستان کے گرد دیواریں اٹھا کر انہیں محفوظ کر دیا جائے (مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی عبدالرحیم)۔

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ اسے فروخت کر دیا جائے اور آمدنی سے دوسری جگہ قبرستان بنالیا جائے (**مولانا** حبیب اللہ قاسمی، **مولانا** اخلاق الرحمٰن، **مولانا** عتیق احمد، جناب شمس پیرزادہ، **مولانا** ایوب ندوی، **مولانا** شکیل احمد)۔

☆ تیسری رائے کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اگر چہار دیواری سے تحفظ یقینی نہ ہو تو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان بنایا جائے، اور تحفظ کے لئے مسجد یا مدرسہ یا رفاہی ادارہ بھی اس میں قائم کیا جا سکتا ہے (**مولانا** ابو سفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، **مولانا** عبد القیوم پالنپوری)۔

۱۰ – اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ کسی بھی مسجد میں، خواہ آثار قدیمہ کے تحت آتی ہو، نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکومت کو ہرگز اختیار نہیں ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پابندی کو ختم کرائیں۔

۱۱ – قبرستان کے تحفظ کے لئے پیشگی کرایہ کی رقم لے کر اطراف میں دوکانیں بنادی جائیں جن میں قبرستان کی چند فٹ زمین دوکان میں چلی جائے گی، بیشتر حضرات کے نزدیک یہ درست ہے۔

☆ قائلین جواز میں سے بعض حضرات نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ دوکانیں وقف ہوں گی (**مولانا** زبیر احمد قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی)۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، جناب شمس پیرزادہ اور حکیم ظل الرحمٰن نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اسے درست قرار نہیں دیا ہے۔

۱۲ – قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کے جواز سے اکثر حضرات نے اتفاق کیا ہے، ان میں سے متعدد حضرات نے یہ تفصیل بھی کی ہے کہ قبرستان بہت کشادہ ہو یا ویران ہو، زیر استعمال قبرستان یا تنگ قبرستان میں اگر مسجد کی توسیع کی ضرورت درپیش ہو تو ستون اٹھا کر اوپر مسجد بنالی جائے تاکہ نیچے تدفین کا سلسلہ جاری رہے (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی

وجیہی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ)۔

☆مفتی حبیب اللہ قاسمی اور مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی کا خیال ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع درست نہیں ہوگی، کیونکہ قبرستان کے لئے وقف زمین میں مسجد بنانا درست نہیں، جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کردی گئی ہے اس میں نماز تو ہوجاتی ہے، لیکن شرعاً وہ مسجد ہی نہیں ہے۔

☆مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب نے بھی قبرستان میں مسجد کی توسیع کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

۱۳- مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے میں یہ درست ہے، کیونکہ تولیت اوقاف کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

ان میں سے متعدد حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر غیر مسلم ادارہ مناسب طریقہ پر دیکھ ریکھ انجام دے رہا ہو تو بہتر ہے، ورنہ وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔

☆بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ چونکہ تولیت کے لئے امانت شرط ہے، اور امانت کا تصور بغیر اسلام ممکن نہیں لہذا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے (مولانا ظفر عالم ندوی، جناب شمس پیرزادہ)۔

☆حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے وضاحت کی ہے کہ کسی ہندو وقف بورڈ کا وجود میرے علم کے مطابق نہیں ہے، البتہ بعض مساجد کا انتظام غیر مسلم ادارے یا اشخاص کرتے ہیں، اور جب تک ان کا نظم ونسق درست ہے ان کی تولیت میں رکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ :

سوال ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله و أصحابه أجمعين

''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' نے دسویں فقہی سیمینار (منعقدہ بمبئی) کے لئے جو سوالنامہ جاری کیا اس کے پہلے محور میں اوقاف سے متعلق چند اہم سوالات ہیں، اوقاف سے متعلق سوالات میں سے سوال ۱، ۲، ۳، ۴، ۷، ۹ کا عرض مسئلہ میرے ذمہ کیا گیا ہے۔ اسی خدمت کو انجام دینے کے لئے کھڑا ہوا ہوں، یہ سوالات بنیادی طور پر اوقاف کے استبدال اور ایک وقف کی زائد زمین یا آمدنی دوسرے وقف پر صرف کرنے کے بارے میں ہیں۔

اوقاف کے موضوع پر مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۷ء تک فقہ اکیڈمی کے آفس کو چالیس مقالات اور مختصر جوابات موصول ہوئے، بتیس مقالات وجوابات علماء اور اصحاب افتاء کے ہیں۔ ۶ر مقالات ان ہونہار فضلاء مدارس کے ہیں جو'' دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد'' کے شعبہ تخصص فی الفقہ میں زیر تربیت ہیں۔ ایک مقالہ جناب عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہے جس میں انہوں نے نئے وقف ایکٹ کا جائزہ لے کر اوقاف کے زیر بحث

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مسائل میں غور وفکر کے چند پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے، ایک تحریر جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب دہلی کی ہے جس میں انہوں نے مسائل اوقاف کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے۔

۳۲ علماء و اصحاب افتاء جن کی تحریریں اوقاف کے موضوع پر اکیڈمی کو موصول ہوئیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت **مولانا** مفتی نظام الدین صاحب (دارالعلوم دیوبند)، **مولانا** زبیر احمد قاسمی (سیتا مڑھی بہار)، مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)، مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی (ہتھورا باندہ)، **مولانا** خالد سیف اللہ رحمانی (حیدرآباد)، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی (پنجاب)، مفتی شکیل احمد سیتاپوری (دارالعلوم اسلامیہ بستی)، **مولانا** شمس پیرزادہ (ممبئی)، **مولانا** ظفر عالم ندوی (ندوۃ العلماء لکھنؤ)، **مولانا** ابوبکر قاسمی (شکرپور بھروارہ بہار)، **مولانا** عبد القیوم پالنپوری (گجرات)، **مولانا** محمد ایوب ندوی (بھٹکل)، مفتی حبیب اللہ قاسمی (اعظم گڑھ)، **مولانا** تنویر عالم قاسمی (سیتا مڑھی بہار)، **مولانا** ابراہیم گجیا فلاحی (گجرات)، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی (علی گڈھ)، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی (میسور کرناٹک)، **مولانا** سمیع اللہ قاسمی (سیتا مڑھی بہار)، **مولانا** اسعد اللہ قاسمی (ٹانڈہ بادلی رامپور)، **مولانا** عبد اللطیف پالنپوری (گجرات)، **مولانا** اقبال احمد قاسمی (شکرپور بھروارہ بہار)، **مولانا** محمد نور القاسمی (جے پور راجستھان)، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی (کوپا گنج مئو)، **مولانا** ابرار خاں ندوی (جے پور راجستھان)، **مولانا** محمد مصطفی قاسمی آواپوری (شکرپور بھروارہ، بہار)، **مولانا** صدر عالم قاسمی (مئو)، مفتی جمیل احمد نذیری (مبارکپور)، **مولانا** ابو سفیان مفتاحی (مئو)، **مولانا** ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (مئو)، **مولانا** قمر الزماں ندوی (پرتاپ گڈھ)، **مولانا** اخلاق الرحمٰن قاسمی (اکل کوا مہاراشٹر)، **مولانا** عتیق احمد بستوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)۔

''دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد'' میں زیر تربیت فضلاء مدارس جن کے مقالات اوقاف کے موضوع پر موصول ہوئے ہیں ان کے اسماء یہ ہیں:

مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد مستفیض الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد شاہد سہرساوی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی۔

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں زیر تربیت فضلاء مدارس کے مقالات کے بارے میں اس تاثر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مقالات کافی محنت اور مطالعہ کے ساتھ لکھے گئے ہیں، ان میں تحقیق و تحریر دونوں کا سلیقہ پایا جاتا ہے اور مقالہ نگاروں کے روشن مستقبل کی غمازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان ہونہار فضلاء مدارس کو دین کا خادم و مجاہد اور میدان تحقیق و تصنیف کا شہسوار بنائے۔ جناب مولانا محمد رضوان القاسمی اور جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی قابل مبارکباد ہیں جن کی توجہات اور کوششوں سے فضلاء مدارس کی تربیت کا مفیدتر کام ''دارالعلوم سبیل السلام'' میں انجام پارہا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۱

اوقاف کے سوالنامہ کا سوال نمبر ۱۔ یہ ہے:

بہت سے اوقاف (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی و مغربی یوپی میں) ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے، اس میں مساجد، قبرستان، مدارس و خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل سوالات ہیں:

الف۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

ب۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

ج ۔کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران، نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردئے جائیں؟

اس سوال کے تمام اجزاء کا تعلق ان صوبوں اور علاقوں کے اوقاف سے ہے جہاں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی بڑی آبادیاں تھیں، بڑے بڑے آباد اوقاف تھے، لیکن تقسیم ہند کا حادثہ پیش آنے پر وہ صوبے اور علاقے مسلمانوں سے خالی ہوگئے، مساجد و مدارس ویران ہو گئے، ان پر دوسروں کا قبضہ ہوتا گیا، خانقاہیں اور ان کے اوقاف اجاڑ ہوگئے، سب سے برا حال طویل وعریض قبرستانوں کا ہوا، ان کا کوئی پرسان حال نہیں رہا، ناجائز قبضے بڑھتے گئے اگر ہمارے سامنے پنجاب، ہماچل پردیش، ہریانہ، دہلی کے اوقاف کا جائزہ ہو، تاکہ تقسیم ہند سے پہلے وہاں کتنے اور کیسے کیسے اوقاف تھے اور تقسیم کے بعد ان کا کیا حشر ہوا، کتنے اوقاف باقی ہیں، کتنے ناپید ہوگئے اور کتنے معرض خطر میں ہیں تو صورت حال کی سنگینی سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی ۔

سوال نمبر ا ۔ جز الف ۔ب کے جواب میں تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ مساجد کے علاوہ دوسرے ویران اوقاف جن کی آبادکاری مستقبل میں بھی ممکن نظر نہیں آتی اور ان پر قبضۂ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے تو انہیں فروخت کر کے متبادل اوقاف قائم کرنا یا دوسری زمین یا مکان ودوکان سے ان کا تبادلہ جائز ہے، اس بارے میں بہت سے حضرات نے ائمہ مذاہب کی تصریحات اور مختلف فقہاء اور اصحاب افتاء کی عبارتیں اور فتاوی پیش کئے ہیں ۔

سوال نمبر ا ۔(الف، ب) میں ذکر کردہ صورتوں میں استبدال کی اجازت دینے کے بعد متعدد حضرات نے یہ بنیادی سوال اٹھایا ہے کہ اوقاف کے استبدال میں عام طور پر فقہاء اذن قاضی کی شرط لگاتے ہیں ۔بعض فقہاء نے اس سے بڑھ کر قاضی الجنۃ ہونے کی شرط لگائی ہے، ہر قاضی کے اذن کو کافی نہیں سمجھا ہے، ہندوستان میں بہت کم علاقوں میں نظام قضاء قائم ہے تو اذن قاضی کی شرط کس طرح پوری ہوگی، کیا وقف بورڈ کی اجازت اذن قاضی کی جگہ لے سکتی ہے؟

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اپنے مقالہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

اوقاف کے تعلق سے سوالات کے جوابات سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ: وقف کے مصرف میں تبدیلی، وقف کے تحفظ کے لئے اس کی فروخت اس طرح کے تمام معاملات میں قاضی اسلامی عدالت کے فیصلے کی شرط رکھی گئی ہے۔ ہمیں ہندوستان کے موجودہ نظام میں اس کا بدل تلاش کرنا ہوگا، اتنے اہم معاملے کو وقف بورڈ کے ارکان یا افسران کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب نہ ہوگا، وقف بورڈ کی رکنیت میں سیاسی مصلحتوں کو اہمیت دی جاتی ہے نہ کہ اہلیت وصلاحیت کو۔ قاضی یا اسلامی عدالت کا بدل کیا ہو اس کے لئے ایک صورت ''اوقاف کی شرعی کمیٹی'' ہوسکتی ہے، جس میں سرکردہ ماہرین قانون اور علمائے دین شامل ہوں۔

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی صاحب اذن قاضی کی شرط کے بابت لکھتے ہیں:

''رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں تبادلہ وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط یعنی قاضی کے فیصلہ، نظر وحکم کی قید لگائی ہے، لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کرلیا گیا ہے، معتمد و دیانتدار علماء و ذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرورتاً دیدی گئی ہے، لہٰذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد منتظمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ واستفتاء کریں، شامی نے بعض معاملات میں محلّہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے، اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد و منتظمین جب مناسب سمجھیں یعنی ضروری وبہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں، ''امداد الفتاوی'' (۲/ ۶۳۷) میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہوتو کیا کیا جائے''۔

بہر حال یہ مسئلہ کافی اہم اور نازک ہے کہ قاضی نہ ہونے کی صورت میں استبدال وقف کی اجازت کون دے سکتا ہے، جن صوبوں اور علاقوں میں مسلمانوں نے نظام قضاء قائم کررکھا

ہے وہاں کا مسئلہ تو کسی حد تک آسان ہے لیکن ہندوستان کے اکثر صوبے نظام قضاء سے محروم ہیں، متولی خواہ کتنا دیانت دار ہو، اسے اپنی صوابدید سے استبدال کی اجازت دینا درست نہیں۔ اگر استبدال وقف متولی کے دائرے کا عمل ہوتا تو فقہاء نے اذن قاضی کی شرط نہ لگائی ہوتی۔ متولیوں کو استبدال اوقاف کا اختیار دینے میں (خواہ یہ اختیار کتنی پابندیوں کے ساتھ دیا جائے) اوقاف کی تباہی اور بربادی ہے۔ وقف بورڈوں کی صورت حال محتاج بیان نہیں۔ عیاں راچہ بیان۔ وقف بورڈ کے افسران یا ارکان کی اجازت کو بھی اذن قاضی کا قائم مقام قرار نہیں دیا جاسکتا، ورنہ اوقاف کی صورت حال مزید بد سے بدتر ہوتی چلی جائے گی۔

حاکم مسلم اور قاضی کی عدم موجودگی میں فقہاء نے متعدد مسائل میں عامۃ المسلمین یا ارباب حل وعقد کو قاضی کے قائم مقام مانا ہے، مثلاً متولی کے عزل ونصب کے مسئلہ میں فقہاء کی ایسی صراحتیں ملتی ہیں، علامہ شامی نے ''فتاوی تاتارخانیہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے:

''إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح، ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف'' (ردالمحتار ۳؍۴۳۳)۔

مفتی جمیل احمد نذیری لکھتے ہیں: ''موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہے، اکثر علاقوں کا یہی حال ہے، لہذا عوام بمنزلہ قاضی قرار پائیں گے، مساجد ومدارس اور اداروں کی کمیٹیاں عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں، لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور وخوض اور فیصلہ عوام کے فیصلہ کے درجہ میں ہوگا''۔

لیکن حالات سے باخبر اصحاب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج کل عموماً کمیٹیاں عوام کی نمائندہ کم ہوتی ہیں، اوقاف کے متولی اور اداروں کے ذمہ دار ایسی کمیٹیاں تشکیل دے لیتے ہیں جن میں عوام کی نمائندگی کا لحاظ کم سے کم ہوتا ہے۔ ایسے افراد کو کمیٹی کا ممبر بنایا جاتا

ہے جومتولیان کے ہر فیصلہ اور رائے کی تصدیق وتصویب کریں، اس لئے میرے خیال میں استبدال وقف جیسے نازک مسئلے میں کمیٹی پر اعتماد کرنا اوقاف کے مفاد میں نہیں ہوگا، مناسب اور محتاط بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر صوبہ یا ہر ضلع میں ایک کمیٹی بنادی جائے جس میں بالغ نظر علماء و اصحاب افتاء، متدین وامانت دار ماہرین قانون شامل ہوں، یہ کمیٹی استبدال اوقاف کے مسائل کو دیکھے، اس کمیٹی کی تحقیق وتفتیش اور فیصلہ واجازت کے بعد ہی متولی کو استبدال کا حق حاصل ہو، یہ کمیٹی تحقیق کرتے وقت اس علاقہ کے چند سرکردہ، دیانت دار مسلمانوں کو بھی شریک کار کرلے جہاں متعلقہ وقف واقع ہے۔

ہندوستان کے علماء کا اجماعی فیصلہ ہے کہ مسجد کی مسجدیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اس لئے مسجد کے استبدال کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آل انڈیا پرسنل لا بورڈ کے فیصلے کا حوالہ اس سلسلہ میں دیا جاسکتا ہے۔

فقہاء مجتہدین کی غالب اکثریت اسی رائے پر ہے، اس سلسلے میں مختلف فقہی مسالک کے مصنفین کی چند عبارتیں درج کی جاتی ہیں:

علامہ ابن ہمام ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں:

''استغنى عن الصلاة فيه أهل تلك المحلة أو القرية بأن كان في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجدا على حاله عند أبي يوسف وهو قول أبي حنيفة و مالك و الشافعي'' (فتح القدیر جلد ۴۴۶/۵)۔

علامہ حصکفی الدرالمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

''ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام الثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى'' (الدرالمختار مع الشامی جلد ۳۵۸/۴)۔

امام نووی شافعی ''شرح المہذب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وإن وقف مسجداً فخرب المكان وانقطعت الصلوة فيه لم يعد إلى

الملک و لم یجز التصرف فیه" (شرح المہذب ۱۵/ ۳۶۰)۔

مشہور شافعی فقیہ امام قفال شاشی ''حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء''میں لکھتے ہیں:

''فإن وقف مسجدا فخرب أوخرب المکان الذی کان خلیه وانقطعت الصلاۃ فیه لم یعد إلی الملک ولم یجز التصرف فیه ولا یجوز نقصه و لا نقله الی غیره وبه قال مالک(جلد۶/ ۳۷)۔

علامہ احمد بن یحیی الونشریسی مالکی ''المعیار المعرب عن فتاوی علماء افریقیہ والاندلس وبلاد المغرب''میں لکھتے ہیں:

سئل (سیدی عبد الله المعبدوسی) عن مسجد قائم معطلت منفعة وخرب ما حوله من الدور لمن یصرف وقفه المجلس علیه والمسجد ما ترجی له عمارة فی الوقت أصلا وربعه أما أرض ارجزاء لمن یکون معل للجامع الأعظم أو لا ثوب المساجد إلیه أو یبقی موقوفا؟ فأجاب أما المسجد المصکور، فإن احتاج إلی بناء یقام به رسمه و تبقی علیه به حرمة المسجد مخافة دثوره، فإنه یبنی من غلة إحباسه وما فضل من ذلک فقیل یصرف إلی أقرب المساجد إلیه وقیل إلی أحو جها و أن بعد وبه أفتی(۷/ ۵۶)۔

فقہ حنبلی کے بارے میں معروف بات تو یہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک ویران مساجد جن کے آباد ہونے کی کوئی امید نہ ہو ان کی فروختگی جائز ہے لیکن ابن حنبل کا دوسرا قول جسے بعض حنبلی فقہاء نے راجح قرار دیا ہے یہ ہے کہ مسجد کی زمین کی بیع جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کی عمارت کے بارے میں چوروں ڈاکوؤں وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسے منتقل کیا جا سکتا ہے یا فروخت کیا جا سکتا ہے۔

ہریانہ و پنجاب وغیرہ کے ویران اوقاف خصوصاً ویران مساجد کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے اس پہلو پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس دور میں کسی علاقہ سے آبادی ختم ہونا پھر دوبارہ

آباد ہوجانا پہلے زمانوں کی طرح مشکل نہیں رہا، پنجاب اور ہریانہ کے جو شہر تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہو چکے تھے وہاں اب دوبارہ مسلمان رفتہ رفتہ آباد ہورہے ہیں، ملازمت اور تجارت کے سلسلے میں مسلمان وہاں آباد ہورہے ہیں، پنجاب وہریانہ کی زرعی، صنعتی ترقیات نے مزدوروں کا رخ اس علاقہ کی طرف موڑ دیا ہے، اس میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے، پنجاب وہریانہ کی فیکٹریوں اور کھیتوں میں مسلمان مزدور بھی کام کررہے ہیں، اسی طرح شہروں ہی میں نہیں، بلکہ قصبات اور دیہاتوں میں مسلمان کچھ نہ کچھ آباد ہورہے ہیں اور جہاں بھی چند مسلمان جمع ہوجائیں مسجد ان کی سب سے پہلی دینی ضرورت ہے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ہمارے غور وفکر کا رخ یہ ہونا چاہئے کہ ان ویران مساجد کو کس طرح آباد کیا جائے اور ان کے تحفظ کے لئے کیا کیا قانونی اور عملی تدبیریں اختیار کی جائیں، اس پہلو کی طرف جناب عبد الرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے مقالہ میں متوجہ کیا ہے۔

میرے خیال میں فقہ اکیڈمی کو پوری صراحت اور قوت سے اس بات کا اعلان و اظہار کرنا چاہئے کہ مساجد کی فروختگی اور استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف مضبوط اور پختہ ہے، مصالح وحالات کے مطابق بھی ہے۔ ہندوستان میں مساجد پر غاصبانہ قبضہ کرنے اور انہیں مندروں میں تبدیل کرنے کی منظم اور طاقتور تحریک چل رہی ہے، ایسے حالات میں استبدال مساجد کی گنجائش پیدا کرنا تمام مساجد واوقاف کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔

سوال نمبر ا۔ (ج) میں دریافت کیا گیا تھا: کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کردئے جائیں؟

اس سوال کے جواب میں اکیس حضرات نے لکھا ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، اس کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے، چند حضرات نے کچھ گنجائش ذکر کی ہے، لیکن ان حضرات کا منشا یہ نہیں ہے کہ فروخت شدہ اوقاف

کی قیمت صرف کرنے میں واقف کے مقاصد کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں: تبادلہ میں اس کا لحاظ کیا جائے کہ اصل وقف کی جو جہت ہو اس کا نظم کیا جائے، اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے .....استبدال اور تبادلہ کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہے، مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافر خانے اور اسپتال آج بھی بنائے جاسکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہر حال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیمانے کے ٹیکنکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے اور بچیاں اور عورتیں ہنر سیکھ کر اپنی معیشت کا نظم کرسکیں، خالص عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں، لہذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کرسکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کی شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے غرباء ومساکین اور پھر دینی وملی ضروریات پر خرچ کی جاسکتی ہیں۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تاہم مجوزہ شرعی کمیٹی یا قاضی کی اجازت سے مسلمانوں کے ایسے رفاہی اور تعلیمی اداروں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے جہاں دینی تربیت ہو۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں: اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں: قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کے فیصلہ سے تعلیمی یا

رفاہی ادارہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی لکھتے ہیں: ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے اگر مصلحت متقاضی ہو ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ تقریباً تمام ہی شرکاء ویران اوقاف کی قیمتوں کے صرف کرنے میں مقاصد وقف کی رعایت ضروری قرار دیتے ہیں اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مقاصد وقف کا خیال کئے بغیر "کیف ما اتفق" کوئی بھی تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کر دیا جائے۔ مقاصد واقف کی پابندی دشوار ہو یا اس کے بعد فاضل رقم بچ جاتی ہو تو ایسی صورت میں کسی اور نیک کام میں صرف کرنا علیحدہ مسئلہ ہے جو یہاں زیر بحث نہیں ہے، قاضی شریعت یا شرعی کمیٹی بھی اجازت دینے میں اس بات کی پابند ہوگی کہ مقاصد وقف کا خیال رکھے، کسی انتہائی مجبوری اور ضرورت ہی میں مقاصد وقف سے باہر صرف کرنے کی اجازت دے۔

سوال ۲ کا متن یہ ہے:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلے میں دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

الف - کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

ب - کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا۔

سوال ۲ (الف) کے جواب میں علماء اور اصحاب افتاء کے کئی موقف سامنے آئے ہیں:

ایک موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی میں نہ دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں نہ عصری تعلیم کے ادارے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبداللطیف پالن پوری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا نورالقاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی۔

ان حضرات نے بطور استدلال فقہاء کی وہ عبارتیں پیش کی ہیں جن میں واقف کے مقاصد و شرائط کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے اور ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف میں لگانے کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی کا ایک فتوی بھی پیش کیا گیا ہے، حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے۔ اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب'' (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۷)۔

دوسرا موقف یہ ہے کہ مسجد کی زائد اراضی جن کی مسجد کو فی الحال ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی ضرورت ہوگی اس پر دینی تعلیم کے ادارے تو قائم کئے جا سکتے ہیں۔ عصری تعلیم کے ادارے قائم نہیں کئے جا سکتے، یہ موقف درج ذیل حضرات کا ہے:

حضرت مولانا نظام الدین صاحب۔ دارالعلوم دیوبند، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی (۱)، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی۔

یہ موقف اختیار کرنے والوں کا استدلال سمجھنے کے لئے مولانا زبیر احمد قاسمی کے مقالہ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں، موصوف لکھتے ہیں: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں: ''والأصح ما قال الإمام ظهير الدين إن الوقف على عمارة المسجد ومصالح المسجد سواء، كذا في فتح

القدیر'' (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۲)، اب اگر مصالح مسجد کے مصداق ومفہوم میں کچھ مزید عموم کردیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت، اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بہ ظن غالب عام طور پر مسجد کے محافظ، مصلی، امام، موذن اور دیگر صالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل وموثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتے ہیں، لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذ ونادر ہی نکلا کرتے ہیں۔ اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں، کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کہا جاسکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ حال وماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اس طرح کے ملتے ہیں۔

اس موقف کی تائید میں حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ، مفتی عبد الرحیم صاحب، حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی بھی مختلف حضرات نے پیش کئے ہیں۔

بعض حضرات نے مسجد کی فاضل اراضی میں دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں کے ادارے قائم کرنے کو درست قرار دیا ہے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا شمس پیرزادہ بمبئی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بہ ظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو زائد اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کیلئے (بنیادی دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ) مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف لوٹے اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

اسی سے ملتی جلتی رائے مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے بھی ظاہر کی ہے، موصوف لکھتے ہیں: زائد اراضی کرایہ پر لے کر اس میں دینی تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جا سکتا ہے، مولانا ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کی رائے ہے کہ ان اراضی کو دینی تعلیم کیلئے استعمال کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اگر مدرسہ کی تعمیر کر کے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جا رہا ہے تو مسئلہ زیادہ اختلافی نہیں رہ جاتا، خواہ دینی مدرسہ ہو یا عصری تعلیم گاہ، جن حضرات نے مسجد کی زائد اراضی میں دینی مدرسہ اور عصری تعلیم گاہ دونوں کے قیام کی اجازت دی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی تھی اور مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے، اس کے لئے واقف کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ دونوں باتیں ان لوگوں کے حق میں جاتی ہیں جو مساجد کی زائد اراضی پر صرف دینی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے حق میں ہیں، کیونکہ عہد نبوی میں مساجد میں دین ہی کی تعلیم ہوتی تھی، اور مساجد کے احاطہ میں اگر مدارس کا ہونا معروف ہے تو وہ دینی مدارس ہیں نہ کہ عصری تعلیم کے مدارس۔

مساجد کی فاضل اراضی کا مسئلہ مساجد کی فاضل آمدنی کی طرح ہے، دونوں کی نوعیت تقریباً یکساں ہے، اوقاف کی زائد آمدنی کے مسئلہ پر سوال ۳(ب) کے تحت گفتگو آئے گی، وہاں اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

سوال ۲ کا جز (ب) تھا: کیا مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے، جبکہ وقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کیلئے وقف کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں درج ذیل حضرات نے لکھا ہے کہ مسجد کی زائد آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جا سکتی۔

مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ایوب ندوی بھٹکلی، مولانا ابراہیم فلاحی ۔گجرات، مولانا

عبدالقیوم پالن پوری، مولانا عبد اللطیف پالن پوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی۔

چند حضرات علماء کی رائے یہ ہے کہ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی مستقبل قریب میں بہ ظاہر مسجد کو ضرورت نہ ہوگی دینی تعلیم اور مدرسہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی۔

مفتی محبوب علی وجیہی لکھتے ہیں: دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد ہی میں خرچ کی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے، کیونکہ ہندوستان میں ابھی ہزارہا ہزار دیہات اور قریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں.... وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کی رائے ہے: مسجد کی فاضل آمدنی بطور قرض لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے ادارے یا عصری تعلیم اور ٹیکنکل تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (مئو) لکھتے ہیں: قاضی یا جماعت مسلمین کی اجازت سے سارے فاضل پیسوں کو جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے الاقرب فالاقرب کا لحاظ کرتے ہوئے اس طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے ہے: مساجد کی فاضل آمدنی بہتر ہے دوسری مساجد

پر خرچ کریں، اگر ضرورت نہ ہو تو دوسرے تعلیمی ورفاہی مقاصد میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: مسجد کی فاضل آمدنی کسی دوسری مسجد پر صرف کی جائے، اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو البتہ تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال کی جائے۔

مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا مسئلہ پہلے دور میں بھی کافی معرکۃ الاراء رہا ہے، اس سلسلے کے مختلف سوالوں کے جواب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے مساجد کی فاضل آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنے سے منع کیا ہے اور دوسری مساجد پر صرف کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے برخلاف اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک مفصل فتوی لکھا اور فتوی کے آخر میں بطور خلاصہ لکھا: ''مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اس طرح جمع رہنے میں ضائع ہوجانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے'' (کفایت المفتی ۷/۲۷۵)۔

اس فتوی پر دیوبند اور دہلی کے اٹھارہ علماء کے تصویبی دستخط ہیں، ان میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد نعمانی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسی بلند پایہ شخصیات بھی ہیں، لہذا اس فتوی کی حیثیت انفرادی نہیں، بلکہ اجتماعی اور دستاویزی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنے بعض دوسرے فتاوی میں مساجد کی فاضل رقم کو بعض دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنے کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً مدارس دینیہ کے طلبہ کو وظائف دینا، جائز ومباح علوم معاشیہ کے نادار وغیر مستطیع طلبہ کو وظائف دینا، مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء، دینی ضرورتوں کے تحت دار المطالعہ کا قیام، ترک مجاہدین ومجروحین کی امداد وغیرہ۔

ماضی قریب اور حال کے ممتاز اصحاب افتاء میں سے مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ، مفتی عبدالرحیم لاجپوری و مفتی نظام الدین صاحب نے مساجد کی فاضل رقم کو دینی مدارس کے اجراء و امداد میں صرف کرنے کا بار بار فتوی دیا ہے۔

میرے خیال میں مساجد کی فاضل آمدنی اگر ضرورت ہو تو سب سے پہلے خود ان مساجد کو آباد کرنے میں صرف کی جائے، مثلاً جن مساجد کے آس پاس مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے یا بہت معمولی ہے اس کی وجہ سے مسجد ویران رہتی ہے، بعض اوقات مسجد میں اتنے لوگ بھی نہیں ہوتے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا سکے ایسی مساجد کی فاضل اراضی پر فاضل آمدنی سے دینی مدارس قائم کردئے جائیں، تاکہ مساجد اچھی طرح آباد ہو جائیں اور مساجد کی اراضی اور جائدادوں پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ بھی کم ہو جائے۔

جو مساجد ہر طرح آباد ہیں اور ان کے پاس اتنی بڑی مقدار میں فاضل آمدنی ہے کہ مساجد کو مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، نیز اتنی بڑی رقم جمع رہنے کی صورت میں اس کے خرد برد ہونے کا بھی قوی اندیشہ ہے ایسی مساجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے۔ ہندوستان میں اب بھی بے شمار گاؤں ہیں جہاں مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی ہونے کے باوجود کوئی مسجد یا مکتب نہیں ہے، ان مسلمانوں کے کان اذان کی آواز سے نا آشنا ہیں اور وہاں کے مسلمان اور ان کے بچے بچیاں کلمہ، ایمان، روزہ، نماز اور دین کے مبادی سے ناواقف ہیں، مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسے گاؤں میں مساجد کی تعمیر کی جائے اور بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب قائم کئے جائیں۔

کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے اگر کسی مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا امداد میں صرف کرنا ممکن نہ ہو یا ان پر صرف کرنے کے بعد بھی فاضل بچ رہی ہو تو اسے دوسرے دینی اور رفاہی کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر۳ (الف،ب)

سوال ۳ کا متن یہ ہے:

بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو سال بہ سال جمع ہوکر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ، بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جاسکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو کیا ایسی فاضل آمدنی کو دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا مثلاً

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں۔

ب۔ دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں۔

سوال ۳(جز۔الف) کے جواب میں تمام حضرات متفق ہیں کہ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، مثلاً مساجد کی فاضل آمدنی مساجد میں، مدارس کی فاضل آمدنی مدارس میں، مسافر خانوں کی فاضل آمدنی مسافروں خانوں میں، لیکن (جز۔ب) کے جواب میں اختلاف ہے۔

اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں اس سلسلے میں کچھ حضرات کا جواب صریح نفی میں ہے، ان کے نام یہ ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالن پوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری۔

اس مسئلہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ اگر اس نوع کے اوقاف کی ضرورت نہ ہو یا اس نوع کے اوقاف میں صرف کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تب دوسرے دینی، ملی کاموں پر فاضل

آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اس میں بھی **الاقرب فالاقرب، الانسب فالانسب** کا لحاظ کیا جائے، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ایوب بھٹکلی ندوی۔

تیسری رائے یہ ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو دوسری نوع کے ملی، دینی اور تعلیمی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے، خصوصا دینی تعلیم کے اجراء فروغ میں، اس رائے کے حاملین یہ حضرات ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا نور القاسمی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی لکھتے ہیں: قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے دوسرے دینی، ملی کاموں میں اوقاف کی فاضل آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (مئو) کی رائے ہے: مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں صرف ہوگی، دوسرے اوقاف کی زائد آمدنی دیگر ملی و رفاہی اداروں میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: اگر اس نوع کے اوقاف میں ان کا استعمال ممکن نہ ہوتو ایسے رفاہی اور تعلیمی کاموں میں ان کا استعمال ہونا چاہئے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں کیونکہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں۔

مولانا ابوبکر قاسمی اور مولانا ابراہیم فلاحی کے نزدیک ضرورۃً اوقاف کی فاضل آمدنی دوسرے ملی اور رفاہی کاموں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر۔۴

سوال نمبر ۴ کا متن ہے:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّہ کے اندر واقع ہے، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، کیا ایسا کیا جا سکتا ہے کہ مکان موقوفہ کو فروخت کر کے ایسی کوئی بھی شکل اختیار کی جائے جس میں وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے؟

استبدال بالانفع کا مسئلہ فقہاء عہد قدیم میں بھی مختلف فیہ رہا ہے، اکثر فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام محمد کی یہی رائے ہے، ہاں امام ابو یوسفؒ کے پیش نظر اوقاف کو زیادہ نفع پہنچانا ہے، جمہور فقہاء کا استدلال دو باتوں سے ہے:

۱- اوقاف میں اصل تابید اور عدم بیع ہے، استبدال کی گنجائش انتہائی مجبوری میں ہوتی ہے جب اوقاف کو خطرہ لاحق ہو یا اس کی منفعت کلیۃً ختم ہو چکی ہو اور یہاں اس درجہ کی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے، وقف فی الجملہ منفعت بخش ہے اور اس سے واقف کے مقاصد کسی نہ کسی درجہ میں پورے ہو رہے ہیں۔

۲- استبدال بالانفع کی اجازت سے اوقاف کی تباہی کا راستہ کھلتا ہے، بد دیانت متولیان اس بہانہ اوقاف کو کھا لیتے ہیں جیسا کہ ماضی میں ایسا بہت ہوا اور فقہاء نیز اصحاب افتاء نے اس پر خون کے آنسو بہائے۔ فقہ حنفی میں اوقاف کے مختلف فیہ مسائل میں عموماً امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جو قول وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اس پر فتویٰ ہوتا ہے، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں اوقاف کا زیادہ فائدہ ہے یا اس پر بندش لگانے میں، فتاویٰ قاری الہدایۃ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو مفتی بہ کہا گیا ہے، لیکن علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی وغیرہ استبدال بالانفع کے جائز نہ ہونے کو راجح قرار دیتے ہیں۔ جوں جوں متولیان اوقاف اور قاضیوں میں دیانت و امانت کی کمی آتی گئی متاخرین

فقہاء احناف نے استبدال بالانفع کو ناجائز قرار دینا ہی اوقاف کے لئے مجموعی طور پر مفید سمجھا۔

اوقاف کے موضوع پر جن حضرات علماء و اصحاب افتاء کے مقالات اور تحریریں موصول ہوئی ہیں ان کے درمیان بھی دو رائیں پائی جاتی ہیں۔

استبدال بالانفع کو ناجائز قرار دینے والے حضرات یہ ہیں:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مفتی شکیل احمد سیتا پوری، مولانا ایوب بھٹکلی ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ابو بکر قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اقبال قاسمی، عتیق احمد بستوی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے ہے: کوئی دیانت دار ادارہ ہو تو گنجائش ہے، لیکن حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مولانا جمیل نذیری لکھتے ہیں: محتاط طریقہ سے گنجائش نظر آتی ہے، لیکن سداً للذرائع جواز کا عام فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ مولانا نور القاسمی نے بھی اسی طرح کی رائے ظاہر کی ہے۔

درج ذیل حضرات نے استبدال بالانفع کو جائز قرار دیا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی مئو، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا قدرت اللہ باقوی، مولانا قمر الزماں ندوی۔

میرے نزدیک درج ذیل وجوہ کی بنا پر استبدال بالانفع کی اجازت نہ دینا ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

۱- اوقاف میں اصل یہی ہے کہ انہیں فروخت نہ کیا جائے، بلکہ حتی الامکان باقی رکھا جائے استبدال کی اجازت انتہائی ضرورت و مجبوری کی بنا پر ہوتی ہے، استبدال بالانفع میں ایسی

کوئی مجبوری نہیں ہے۔

۲- جمہور فقہاء کا مذہب استبدال بالانفع کی ممانعت کا ہے۔

۳- استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں، خواہ یہ اجازت کتنی شرطوں اور پابندیوں کے ساتھ ہو اوقاف کو بیچ کھانے اور ان میں خرد برد کرنے کے مواقع بڑھ جائیں گے، موجودہ دور میں امانت ودیانت کا شدید قحط ہے، وقف بورڈوں کا نظام صحیح نہ ہونے اور غلط ہاتھوں میں چلے جانے کی وجہ سے دیانت دار افراد کا اوقاف کا متولی بننا اور رہنا مشکل ہو رہا ہے، دن بہ دن حالات بدتر ہوتے جارہے ہیں، ان حالات میں استبدال بالانفع کی اجازت اوقاف کی ابتری میں اضافہ کرے گی، استبدال بالانفع کی اجازت دینے میں جلب منفعت بلکہ ازدیاد منفعت ہے اور اجازت نہ دینے میں دفع ضرر ہے اور دفع ضرر جلب منفعت سے مقدم ہے۔

استبدال بالانفع کی بحث ختم کرنے سے پہلے دو باتوں کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱- جن اوقاف کو کم منفعت سمجھ کر بیچنے کی بات سوچی جاتی ہے ان کے کم منفعت بخش ہونے میں اکثر خود ہمارا دخل ہوتا ہے، پچیس پچاس سال پہلے وقف کی کوئی جائداد کرایہ پر دی گئی، اس وقت جو کرایہ (مثلاً دس بیس روپیہ) طے ہوا تھا وہی کرایہ اب بھی چل رہا ہے، حالانکہ مارکیٹ میں اس جیسی جائداد کا کرایہ بیس گنا ہو چکا ہے، اولاً تو کسی انتہائی مجبوری کے بغیر اتنے طویل زمانے کے لئے وقف کی جائداد کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، اور اگر کسی مجبوری میں ایسا کرنا پڑا ہے تو متولیان اور کرایہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ کرایہ میں بھی اضافہ کریں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نہ مسلمان کرایہ دار کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے کہ میں وقف کی دوکان یا مکان کتنے معمولی کرایہ میں استعمال کر رہا ہوں، نہ متولی کو فکر ہوتی ہے کہ کہہ سن کر معقول کرایہ مقرر کرائے۔ اوقاف کا کرایہ معقول اور مناسب کرنے میں اگر کچھ سرکاری قوانین حائل ہیں تو انہیں بدلوانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۴- کسی وقف پراپرٹی کی آمدنی اگر اتنی قلیل اور مختصر ہے کہ خود اس وقف کے اخراجات اس آمدنی سے پورے نہیں ہوتے، بلکہ قرض لے کر وقف کے اخراجات پورے کئے جارہے ہیں اس طرح وقف پر قرض کا بار بڑھتا جارہا ہے، اور متولی کی فکر و تدبیر اور جدوجہد کے باوجود اس وقت کی آمدنی بڑھنے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں ہے، ایسی وقف پراپرٹی کو فروخت کر کے دوسری زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا استبدال بالانفع کے قبیل کی چیز نہیں ہے بلکہ فائت النفع وقف کا استبدال ہے، اس لئے شرائط استبدال کی پابندی کے ساتھ اس وقف کے استبدال کی اجازت ہونی چاہئے۔

سوال نمبر ۷ کا متن ہے:

کیا کسی وقف شدہ مخدوش عمارت نئی تعمیر کیلئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کیلئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جبکہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟

اس صورت معاملہ کو ان حضرات نے جائز کہا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ظفر الاسلام۔ منو، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا ایوب ندوی بھٹکلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی۔ درج ذیل حضرات نے اس صورت معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالن پوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالن پوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا قدرت اللہ باقوی۔

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی میں گنجائش نہیں ہے، ہاں انتہائی مجبوری

اورضرورت میں فقہ حنبلی سے اس کی گنجائش اختیار کی جاسکتی ہے۔

فقہ مالکی اور فقہ شافعی کے مطابق تعمیر وقف کی کوئی شکل نہ نکلنے پر بھی وقف کے بعض حصہ کو باقی کی تعمیر کے لئے فروخت کرنا درست نہیں ہے، فقہ حنبلی کے مطابق اس کی اجازت ہے جیسا کہ المغنی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''إن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها ....إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته'' (المغنی ۵/ ۶۳۱، ۶۳۲)۔

فقہ حنفی کے معروف واصح قول کے مطابق ویران وقف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کی فروختگی جائز نہیں ہے، ناجائز کہنے والوں نے عام طور پر فتاوی عالمگیریہ کی اس عبارت کو پیش کیا ہے:

''وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمَّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۱۷)۔

بعض حضرات نے جامع الرموز کی یہ عبارت پیش کی ہے:

''ولا يملك الواقف بالبيع ونحوه ولو لإحياء الباقي''۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے سوال نمبر ۷ کے جواب میں لکھا ہے: ''تحفظ وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی''۔ پھر جامع الرموز کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے، حالانکہ یہ عبارت گنجائش کے بجائے عدم گنجائش پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ صدر الشریعہ صاحب ''شرح وقایہ'' کی صراحت کے مطابق بعض متاخرین فقہاء احناف نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ مجبوری کی صورت میں وقف کے کچھ حصہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے باقی وقف کی تعمیر ومرمت کرائی جائے، صدر الشریعۃ کی عبارت ہے:

''اعلم أن بعض المتاخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة

الباقي والأصح أنه لا يجوز'' (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی عمدۃ الرعایۃ میں اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''يعني إذا خرب الموقوف ولم يكن في غلته ما يعمر به جاز أن يبيع بعضا منه فيعمر الباقي بثمنه؛ لأن في بيع البعض إبقاء البعض وفي تركه ذهاب كله واعدام انتفاع به ومن ابتلي ببليتين يختار أهونهما'' (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴، حاشیہ ۱۰)۔

اوقاف کے مسائل میں فقہاء کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اوقاف کے تابید کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے کلاً یا جزءاً اوقاف کی فروختگی کی اجازت بالکل آخری درجہ کی مجبوری میں دی ہے، عام حالات میں یا معمولی پریشانیوں میں اس کی اجازت نہیں دی ہے، اس لئے ویران یا محتاج تعمیر وقف کی تعمیر یا مرمت کی ضرورت پر کوئی اور راستہ نہ ہونے کی صورت میں فقہاء نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وقف جائداد مختصر یا طویل عرصہ کے لئے کسی کو کرایہ پر دے دی جائے اور اس کرایہ سے اس کی تعمیر یا مرمت کی جائے، فقہاء احناف نے مجبوری کی صورت میں مسجد کی چھت کو کرایہ پر اٹھانے کی اجازت دی ہے، یہ سب اسی لئے کیا ہے کہ اصل وقف پورا پورا کا برقرار رہے، اس لئے میرے خیال میں عام حالات میں تو اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وقف کا ایک حصہ بیچ کر باقی کی تعمیر کر لی جائے، لیکن جہاں آخری درجہ کی مجبوری ہو، جدوجہد کے باوجود تعمیر وقف کی کوئی صورت نہ بن پا رہی ہو، نہ اہل خیر متوجہ ہو رہے ہوں، نہ کرایہ پر اٹھا کر تعمیر کی کوئی شکل پیدا ہو رہی ہو اور نہ قرض پر تعمیر کے بقدر رقم مل پا رہی ہو، اور وقف کے ویران پڑے رہنے میں اس کے لئے خطرہ ہو، ایسی مجبوری کی صورت حال میں فقہ حنبلی کے مطابق اور بعض متاخرین احناف کی رائے کے مطابق اس کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وقف پراپرٹی کا کچھ حصہ فروخت کر کے باقی وقف کی تعمیر یا مرمت کر لی جائے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ براہ راست وقف کی ہوئی زمین وجائداد اور وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین وجائداد کے حکم میں بڑا فرق ہے۔ پہلی قسم کی زمین وجائداد

کو فروخت نہیں کیا جاسکتا، اور دوسری قسم کی زمین وجائداد کو اصل وقف کی ضرورت ومصلحت سے فروخت کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی آمدنی سے ایک زمین خریدی گئی، اور اب مسجد کی تعمیر نو کی ضرورت ہے تو اس خرید کردہ زمین کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

''أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط (أي تعذر الانتفاع)، لأن في صيرورته وقفاً خلافاً والمختار أنه لا يكون وقفاً فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت'' (ردالمحتار ۴۱۹/۳)۔

عرض مسئلہ بابت سوال نمبر ۹

سوال نمبر ۹ کا متن یہ ہے:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہورہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ختم ہورہا ہے تو اب ان قبرستانوں کے لئے کیا حکم ہوگا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

اس سوال میں دوطرح کے قبرستانوں کی بابت دریافت کیا گیا ہے:

۱- جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہورہا ہے۔

۲- جو قبرستان آبادی کے اندر آگیا اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی جس کی وجہ سے قبرستان کی اراضی پر ناجائز قبضہ ہورہا ہے۔

جواب تحریر کرنے والے بعض حضرات نے دونوں قسم کے قبرستان کو نفع بخش بنانے کی تدبیریں لکھی ہیں، بعض حضرات نے جواب لکھتے وقت صرف ایک قسم کے قبرستان کو پیش نظر

رکھا اور اسی کو نفع بخش بنانے کا طریقہ بتایا۔

پہلے قسم کا قبرستان (جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے) سوال نمبر ۱ (الف، ب) کے ذیل میں آ گیا، اس کا جواب وہی ہوگا جو سوال نمبر ۱ (الف و ب) کے تحت دیا گیا یعنی اس قبرستان کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو متبادل قبرستان بنا دیا جائے، خصوصاً اس وقت جب کہ قبرستان کی اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہو، خطرہ نہ ہونے کی صورت میں اور نگہداشت ممکن ہونے کی صورت میں ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ قبرستان کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے یا اس میں باغبانی یا کاشت کی جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرا قبرستان بنایا جائے یا دوسرے قبرستان پر اس آمدنی کو صرف کیا جائے۔

دوسرے قسم کے قبرستان کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ تر جوابات تحریر کئے گئے ہیں، ان جوابات میں قبرستان کو نافع بنانے کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً:

۱- قبرستان کا احاطہ کروا دیا جائے اور اس میں دفن پر عائد پابندی ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔

۲- اسے فروخت کر کے دوسرا قبرستان بنالیا جائے۔

۳- اس قبرستان میں مسجد، مدرسہ یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کرلیا جائے۔

۴- اس میں باغبانی یا زراعت کی جائے اور اس کی آمدنی دوسرے محتاج قبرستانوں پر صرف کی جائے یا مسجد مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے۔

عرض مسئلہ:

سوال نمبر ۵ اور نمبر ٦

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

مسئلہ اوقاف سے متعلق میرے ذمہ سوال نمبر ۵ اور ٦ کا عرض مسئلہ ہے، سب سے پہلے ہم مقالہ نگاروں کے نام، آراء اور دلائل ذکر کریں گے، پھر اپنی بات پیش کریں گے، میرے پاس جن حضرات کے مقالے آئے ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

مفتی نظام الدین صاحب۔ صدر مفتی دار العلوم دیوبند، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابو بکر قاسمی، مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ایوب ندوی شافعی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب حکیم ظل الرحمٰن، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شکیل احمد۔ دار العلوم اسلامیہ بستی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی، مولانا شمس پیر زادہ، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد نور القاسمی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا شاہد سبیلی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا مستفیض الرحمٰن سبیلی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا تنویر

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

عالم قاسمی۔

ان علماء اور ارباب افتاء کی آراء اور دلائل ذکر کرنے سے قبل ہم سوال پڑھ دیتے ہیں تاکہ صورت مسئلہ ذہن میں تازہ رہے۔

سوال نمبر ۵: بہت سے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی کا کیا مصرف ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ اسی نوع کے مصارف پر وہ آمدنی صرف ہوگی۔ یعنی اگر کسی خاص خاندان کے فقراء پر کوئی جائداد وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہو گیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے تو اس کی آمدنی عام فقراء پر صرف ہوگی۔ اگر مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی تو اس مسجد کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مسجد اور اس مدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں اس سے قریب تر مدرسہ پر صرف ہوگی۔

اس رائے کے حاملین درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی، **مولانا** ابوبکر قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا** خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، **مولانا** قمر الزماں ندوی، مفتی محمد عبد اللہ الاسعدی، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی، **مولانا** قمر عالم سہیلی، **مولانا** محمد اقبال قاسمی، **مولانا** ارشد قاسمی، **مولانا** عبد اللطیف پالنپوری، **مولانا** محمد نور القاسمی، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی، **مولانا** صدر عالم قاسمی، **مولانا** ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، **مولانا** ابراہیم فلاحی، **مولانا** ابوسفیان مفتاحی، **مولانا** مستفیض الرحمٰن قاسمی، **مولانا** تنویر عالم قاسمی، **مولانا** عبد القیوم پالنپوری، **مولانا** ابرار خاں ندوی، **مولانا** ظفر الاسلام اعظمی، **مولانا** شاہد سہرساوی، **مولانا** اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، جناب شمس پیرزادہ، مفتی حبیب اللہ قاسمی، **مولانا** سمیع اللہ قاسمی۔

دلائل:

ان حضرات نے جو دلائل دیئے ہیں ان میں عام طور پر ''رد المحتار'' کے حوالہ سے ''شرح الملتقی'' کی یہ عبارت ہے: "يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (رد المحتار ۳/۳۷۲)۔ دوسری دلیل ''ردالمحتار'' ہی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے: "وحكى أنه وقع مثله في زمن الإمام الأجل في رباط بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر لينتفع الناس به؟ قال نعم! لأن غرض الواقف انتفاع المارة ويحصل ذلک بالثانی" (رد المحتار ۳/۳۷۱)، بعض حضرات نے قاضی خاں کے حوالہ سے یہی دلیل اس عبارت میں پیش کی ہے:

''رباط فی طريق بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبوشجاع: يصرف عنه إلى الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب واستغنى أهل القرية فرفع ذلک إلى القاضي فباع الخشب و صرف الثمن إلى مسجد آخر جاز'' (قاضی خاں علی الہندیہ ۲/۳۱۵)۔

کچھ حضرات نے ''البحر الرائق'' کی یہ عبارت بھی درج کی ہے:

''ولو وقف على إنسان بعينه أو عليه وأولاده أوعلى قرابته وهم يحصون أو على أمهات أولاده فمات الموقوف عليه فعلى الأول يعود إلى ورثة الواقف، قال الناطقي: إلى الاجناس وعليه الفتوى'' (البحر ۵/۲۰۳)۔

بعض حضرات نے مزید جزئیات بھی درج کئے ہیں، لیکن حاصل استدلال ایک ہی ہے۔

مذکورہ رائے کے علاوہ بعض حضرات نے کچھ اور رائیں دی ہیں جو قدرے جدا ہیں، ہم ہر ایک کو ان کے ضروری دلائل کے ساتھ مختصراً ذکر کررہے ہیں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ جن لوگوں پر یہ جائداد وقف تھی ان میں سے اگر

کوئی بھی زندہ ہوگا تو ان کے لئے ان کا حصہ الگ کردیا جائے گا اور جو آمدنی بچ جائے گی وہ فقراء پر صرف ہوگی۔ انہوں نے ''معارف السنن'' کے حوالہ سے مزید یہ بات بھی کہی ہے کہ فقراء پر صرف کرنے کے بجائے اس آمدنی سے اگر مدارس قائم کئے جائیں یا وہ آمدنی اشاعت علم میں صرف کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مماثل مصارف پر خرچ کرنے کے ساتھ فقراء پر صرف کرنے کی دو شکلیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ آمدنی براہ راست فقراء پر صرف ہو، دوسری یہ کہ اس آمدنی کو کسی ایسے رفاہی کام کے لئے استعمال کیا جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کیلئے مخصوص ہو۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کی رائے ہے کہ یہ آمدنی قومی ورفاہی کام کے لئے صرف کی جاسکتی ہے۔ مولانا ایوب صاحب ندوی شافعی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو واقف کے غریب رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا، چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر صرف کیا جائے گا۔ جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کی رائے ہے کہ اس طرح کی آمدنی کو جس کے مصارف ختم ہو چکے ہوں دیگر صدقات جاریہ پر صرف کر سکتے ہیں۔ جناب مفتی محبوب علی وجیہی نے اپنی رائے یہ پیش کی ہے کہ اگر ان اوقاف کے شرائط معلوم ہوں تو شرائط کے مطابق آمدنی صرف کی جائے گی۔ ورنہ مسلمان غرباء، تعلیم، علاج، مساجد ومدارس وغیرہ پر صرف کی جائے گی۔

جناب ابرار خاں ندوی نے ہم جنس مصارف پر صرف کرنے کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس نوٹ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر اس خاندان کے فقراء ایسی جگہ منتقل ہو گئے ہیں جو سابق بستی ہی میں شمار ہوتی ہے تو وہ اپنے حصے سے محروم نہیں کئے جائیں گے اور اگر اس جگہ کا شمار سابق بستی میں نہ ہو تو وہ حصے سے محروم ہونگے۔ انہوں نے ''فتاوی بزازیہ'' کے حوالہ سے یہ جزئیہ بھی نقل کیا ہے:

''وقف على فقراء أقربائهم المقمين بخوارزم فانتقلو إلى بلد آخر إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم وإن كان لا يحصون تنقطع ثم إن بقي هناک منهم أحد يصرف الكل إليه وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء''

(بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۶)۔

جناب مولانا مصطفی صاحب قاسمی نے تقریباً اسی طرح کا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہوگئے ہوں تو وہ رقم ان فقراء تک پہنچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے۔

جناب سید محمد ایوب سہیلی کا خیال ہے کہ اس آمدنی کو دوسرے مدارس، دینی، ملی و رفاہی کاموں پر صرف کرسکتے ہیں، البتہ ہم جنس پر صرف کرنا بہتر ہے۔

جناب مستفیض الرحمن صاحب نے ایک نکتہ یہ واضح کیا ہے کہ یہاں منشاء واقف ومنشاء شارع دونوں یکساں ہیں اس لئے اس وقف کی آمدنی کو ہم جنس مصارف پر بھی صرف کرسکتے ہیں اور دینی وعصری تعلیم گاہ پر بھی، اور ذمہ داران وقف کو اپنی صوابدید سے صرف کرنے کا بھی اختیار رہے گا۔ اگر وہاں وقف بورڈ ہوتو اس کے بھی حوالہ کیا جاسکتا ہے۔

ان تمام آراء اور دلائل کو اختصار سے ذکر کرنے کے بعد ناچیز اپنی بات بھی چند جملوں میں ظاہر کردینا مناسب سمجھتا ہے، میرے نزدیک اس طرح کے اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر صرف کی جائے گی جیسا کہ اکثر مقالہ نگاروں کی رائے ہے۔ جن حضرات نے دوسری رائیں دی ہیں ان کی آراء اور دلائل سے محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف اور ان کے مصارف کو عام صدقات اور کار خیر کی طرح تصور کیا ہے، حالانکہ عام صدقات وکار خیر اور اوقاف میں بڑا فرق ہے، باب وقف میں منشاء واقف کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی لئے فقہا نے صراحت کی ہے: ''قول الواقف كنص الشارع'' أو ''شرط الواقف كنص الشارع'' اگر ہم اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھیں تو بات واضح ہوجاتی ہے کہ واقف کی منشاء جس مصرف میں صرف کرنے کی

ہو اس وقف کی آمدنی کو اسی مصرف میں صرف ہونا چاہئے اور منشاء واقف کی رعایت اسی وقت ہوسکے گی جبکہ ہم جنس مصرف پر وہ آمدنی صرف ہو۔ اس باب کے تمام جزئیات وفتاوی اور فقہاء کی تصریحات کا احاطہ کرنے سے اسی رائے کی تائید ہوتی ہے (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)۔

آیئے! اب سوال نمبر ۶ کو ذہن میں تازہ کرلیں:

بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اوقاف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھاکر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے۔ کیا شرعا ایسا معاملہ درست ہے؟ اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے، اس زمین سے فائدہ اٹھانے کیلئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی رائیں مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- ایک رائے یہ ہے کہ بلڈر کی ملکیت میں ایک یا دو منزل کا دینا درست نہیں ہے، البتہ بلڈر کو بقدر اخراجات ایک خاص مدت تک کے لئے کچھ حصوں سے انتفاع کی اجازت دی جاسکتی ہے جو کرایہ کی شکل ہوگی۔

اس رائے کے حاملین میں درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا زبیر احمد قاسمی، **مولانا** ابوسفیان مفتاحی، جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی، **مولانا** اسعد اللہ قاسمی، جناب حکیم ظل الرحمن، **مولانا** ابوبکر قاسمی، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی، **مولانا** عبد اللطیف پالنپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا** تنویر عالم قاسمی، **مولانا** محمد نور القاسمی، **مولانا** قمر الزماں ندوی، **مولانا** سمیع اللہ قاسمی، **مولانا** قمر عالم سہیلی، **مولانا** صدر عالم قاسمی، **مولانا** ارشد قاسمی۔

ان حضرات نے عام طور پر درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱-''وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلک'' (ہندیہ ۲/ ۴۱۷)۔

۲-''انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به بناؤه دفع النقض إلى الواقف أو وارثه'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۷۲)۔

۳-''أن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتاً أو بيتين وأنفق عليه'' (رد المحتار ۳/ ۳۷۶)۔

۴- شجرة جوز في دار وقف فخربت الدار لم يبيع القيم الشجر لأجل عمارة الوقف لكن يكرى الدار و يعمرها ويستعين بالجوز على العمارة لا بنفس الشجرة'' (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۱۷)۔

۵-بعض حضرات نے شرح وقایہ کے حوالہ سے یہ عبارت بھی درج کی ہے، جس میں مفتی بہ قول کی بھی صراحت ہے:

''إعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لايجوز، فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملک كالحر لا يقبل الرقبة'' (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)۔

۲-دوسری رائے یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ وقف کے تحفظ ہی غرض سے کیا جارہا ہے اس لئے اس کی اجازت ہوگی، یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد ایوب ندوی شافعی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی شکیل احمد دارالعلوم بستی، مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد شاہد سبیلی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا

مستفیض الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد شاہد سہرساوی۔

ان حضرات نے اپنی رائے کی تائید میں درج ذیل دلائل ذکر کیے ہیں:

۱- ''إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تكن عمارتها أو مسجدا انتقل أهل القرية عنه صار في موضع لا يصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يكن توسيعه في موضعه و تشعب جميعه فلم تكن عمارته، ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته وإن لم يكن الإنتفاع بشئ منه بيع جميعه'' (المغنی ۵/ ۶۳۲)۔

۲- ''وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز'' (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۷۲)۔

۳- ''الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره'' (البحر ۵/ ۶۳۲)۔

۴- مفتی عبدالقیوم پالنپوری نے فتاوی ہندیہ کی یہ عبارت بھی درج کی ہے:

''وكذا وقف صحيح إذا خرب ولا ينتفع به وهو بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه، وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفا، وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ فاما عند أبي يوسف ففيه نظر'' (ہندیہ ۲/ ۳۶۵)، آگے رد المحتار کی اس عبارت ''ويفتي بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه'' سے اس مختلف فیہ قول میں أنفع جواز کے پہلو کو بتایا ہے۔ مفتی محبوب علی وجیہی نے ''قانون العدل والإنصاف'' کے حوالہ سے جواز کی یہ دلیل بھی دی ہے: ''ولا تباع إلا إذا تعذر الانتفاع بها'' (ص ۱۷، مادہ ۳۶)۔

بعض حضرات نے کچھ جزوی شرطوں کے ساتھ جواز کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلائل بھی دیئے ہیں۔ لیکن سب کا حاصل یہی ہے کہ بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ عمارت کے کچھ حصے یا منزل کو مستقل طور پر بلڈر کی ملکیت میں دینا صحیح نہیں ہے، ہاں! جس قدر رقم اس کی تعمیر یا مرمت میں صرف ہو اس کے عوض ایک خاص مدت تک انتفاع کیلئے کچھ حصے دیئے جاسکتے ہیں، البتہ اگر کوئی بھی بلڈر اس کیلئے تیار نہ ہو اور نہ ہی کوئی اورصورت مرمت یا تعمیر کی ہو اور مخدوش عمارت کے اس طرح رہنے سے وقف کا نقصان ہو تو ایسی صورت میں قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں عالم دین بھی ہو، کی اجازت سے اس مخدوش عمارت یا غیر نفع بخش زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری عمارت یا کار آمد زمین وقف کے لئے خریدی جاسکتی ہے۔ فقہاء کی تصریحات اس سلسلہ میں بکثرت ملتی ہیں، ہم یہاں چند ضروری عبارتوں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اختصاراً مسئلہ کی وضاحت ہوجائے۔

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں:

''الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلک إلاللقاضي فالحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها مايكون وقفا'' (ردالمحتار ۳/ ۳۸۴)۔

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں نقل کرتے ہیں:

''سئل عن وقف إنهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر و طوب وخشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلک صح بيعه بأمر الحاكم ويشتري بثمنه وقف مكانه'' (ردالمحتار ۴/ ۶۷ ۳ جدید نسخہ)۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وقف کی مخدوش عمارت یا زمین بلڈر کے حوالہ کر کے مرمت یا تعمیر کا کام کرانا اور اس کے عوض چند منزلیں بلڈر کی ملکیت میں دے دینا صحیح نہیں ہے، ہاں جب کرایہ کی شکل ممکن نہ ہو تب استبدال کی شکل باذن قاضی یا باذن جماعت اہل حل وعقد اختیار کی جاسکتی ہے (ہذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب)۔

عرض مسئلہ

سوال نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

حضرات علماء کرام! ہم سب جانتے ہیں کہ قانون میں سب سے اہم چیز اس کا مقصد ہوتا ہے، مقصد کو پورا کرنے کے لئے اصول مقرر کئے جاتے ہیں اور اصولوں کے تحت احکامات دئے جاتے ہیں۔

قانون وقف کا مقصد آخرت کا اجر وثواب اور دنیا میں مخلوق کی نفع رسانی ہے۔ وقف کے ذریعے انسان اپنی عارضی ملکیت کو جو اس دنیا میں تصرف کرنے کے لئے اس کے خالق و مالک نے عطا کی ہے، مالک حقیقی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ **الوقف لا یملک**۔ وقف کا کوئی انسان مالک نہیں ہوتا، اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اسی لئے وقف کو بیچا نہیں جاسکتا، اس میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور اس کا تحفظ اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ وقف کرنے والے کے لئے صدقہ جاریہ بنا رہے، جس مقصد کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ مقصد پورا ہوتا رہے اور اس کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

اس وقت میں آپ کی خدمت میں وقف کے موضوع پر عرض مسئلہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ وقف کے متعلق سوالات میں سے سوال نمبر ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳ یہ چار سوال میرے سامنے ہیں۔

سوال نمبر ۸ یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کیلئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس

☆ مالیر کوٹلہ پنجاب۔

پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو۔

اس سوال کے جوابات ۳۸ علماء کرام کی طرف سے دیے گئے ہیں جن میں سے ۲۴ علماء نے مسجد یا قبرستان کی وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز قرار دیا ہے:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی ابوسفیان مفتاحی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد صدر عالم قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سید محمد ایوب سبیلی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد ایوب ندوی، مفتی نظام الدین۔ دارالعلوم دیوبند۔

دس علماء کرام نے اس کو ناجائز فرمایا ہے:

مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد مطیع الرحمٰن، مولانا محمد شاہد سہرساوی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری۔

اور چار حضرات نے مسجد اور قبرستان کی زمین میں فرق کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا نور القاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا محمد اقبال قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ قبرستان کی زمین پر جائز نہیں ہے مسجد کی زمین پر درست ہے۔

مولانا مصطفیٰ قاسمی صاحب لکھتے ہیں مسجد کی زمین پر جائز نہیں ہے قبرستان کی زمین پر جائز ہے۔

مولانا عبد اللطیف پالنپوری کے نزدیک جائز نہیں ہے، بوقت ضرورت کرائے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے اکثر کی دلیل علت مشترکہ ہے، کیونکہ مسجد اور قبرستان بھی وقف ہے اور دینی مدرسہ بھی وقف ہوتا ہے، اس لئے اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہونی چاہئے۔اس سلسلہ میں سب سے محتاط رائے یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے متولی یا اس کی انتظامیہ اس جگہ کو مدرسہ کی تعمیر کیلئے کرائے پر دے دے، تا کہ واقف کا منشا بھی فوت نہ ہو اور اس کا فائدہ بھی زیادہ عام ہو جائے جس سے واقف کے اجر وثواب میں مزید ترقی کی امید ہے۔

جن حضرات نے اس کو جائز قرار نہیں دیا ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ وقف کے مصرف کو بدلا نہیں جاسکتا۔

جن حضرات نے مسجد اور قبرستان کے وقف میں فرق کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مدرسہ جنس مسجد سے نہیں ہے، البتہ قبرستان کی جائز زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

تمام دلائل کا وزن اپنی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے اور آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وقف کے سلسلے میں منصوص احکام بہت کم ہیں اور زیادہ تر مسائل کا تعلق اجتہاد اور مصالح عامہ سے ہے، اور غالباً اسی لئے وقف کے مصرف کو بدلنے کے سلسلے میں بہت ہی اہم شرط قضائے قاضی کی ہے، قاضی وقت مفاد عامہ کا نگراں ہوتا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کو ترجیحی اختیارات دیئے ہیں۔

اس ملک میں اس سہولت سے محروم ہونے کی وجہ سے اور قوت نافذہ نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات پیش آتی ہیں ہمیں اس مؤتمر مجلس میں اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کیا اس کا حل ایک باوقار اور معتبر وقف کونسل کی صورت میں ممکن ہے یا نہیں ہے۔

وقف کے تعلق سے سوال ۱۱ یہ ہے:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے

اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اوراس سے یہ کام کرایا جائے۔جس میں قبرستان کے اطراف کا چندفٹ دوکانوں میں چلا جائے گا کیا یہ درست ہوگا،اور بقیہ میں فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگادی جائے؟

اس سوال کا جواب ۳۷ علماء کرام نے دیا ہے،حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے براہ راست جواب نہیں دیا، بلکہ وقف کے متعلق بنیادی امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ۳۷ میں سے ۳۳ حضرات نے اس کو جائزقرار دیا ہے اور ۴ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

جواز کے قائلین یہ ہیں:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی،مولانا زبیر احمد قاسمی،مولانا تنویر عالم قاسمی،مولانا ظفر عالم ندوی،مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی،مفتی حبیب اللہ قاسمی،مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی،مفتی محبوب علی وجیہی،مولانا ابوسفیان مفتاحی،مفتی جمیل احمد نذیری،مولانا محمد قمرالزماں ندوی،مولانا محمد صدر عالم قاسمی،مولانا عبدالعظیم اصلاحی،مولانا عبدالقیوم پالنپوری،مولانا سمیع اللہ قاسمی،مولانا نور القاسمی،مولانا ابرارخاں ندوی،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،مولانا مصطفٰی قاسمی،مولانا ابراہیم فلاحی،مولانا ابوبکر قاسمی،مولانا عبداللطیف پالنپوری،مولانا عطاء اللہ قاسمی،مولانا اسعد اللہ قاسمی،مولانا محمد ارشد قاسمی،مولانا محمد مطیع الرحمٰن،مولانا محمد طاہر مظاہری،مولانا محمد شاہد سہر ساوی،قمر عالم سبیلی،مولانا سید محمد ایوب،ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی،مولانا محمد ایوب ندوی،مفتی شکیل احمد سیتاپوری۔

جن ۴ حضرات نے اس کو ناجائزقرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی،حکیم ظل الرحمٰن،مولانا شمس پیرزادہ،مولانا محمد اقبال قاسمی۔

جن حضرات نے اس کو جائزقرار دیا ہے ان کے سامنے وقف کا تحفظ اور اس کو ناجائز قبضوں سے بچانے کی یہ ایک مناسب صورت ہے، اور جن حضرات نے اس کو ناجائز فرمایا ہے ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اس طرح قبرستان کے گرد دوکانیں بنانے سے نہ صرف یہ کہ اس کی

شکل تجارتی ہوجائے گی، بلکہ قبرستان کا سوگوار ماحول بھی متاثر ہوگا۔

وقف کے تعلق سے سوال نمبر ۱۲ یہ ہے:

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دو چار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے، تو کیا قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے؟

اس سوال کے جوابات بھی ۳۸ علماء کرام سے موصول ہوئے ہیں جن میں ۳۵ علماء نے مسجد کی توسیع کو جائز قرار دیا ہے، اور صرف ۳ حضرات ہیں جنہوں نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا۔

قائلین جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، حکیم ظل الرحمٰن، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، محمد صدر عالم قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا نور القاسمی، محمد ابرار خاں ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، محمد ارشد قاسمی، محمد مطیع الرحمٰن، محمد طاہر مظاہری، محمد شاہد سہر ساوی، قمر عالم سبیلی، سید محمد ایوب سبیلی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، محمد ایوب ندوی، مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مفتی نظام الدین صاحب دیوبند۔

قائلین عدم جواز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ۔

بعض حضرت نے نئی اور پرانی قبروں میں بھی فرق کیا ہے اور بعض حضرت نے یہ صورت تجویز کی ہے کہ مسجد کی توسیع اس طرح کی جائے جس میں نیچے تدفین ہوتی رہے اور چھت ڈال کر اوپر سے مسجد کا کام لیا جائے۔ اس سلسلے میں نئی پرانی قبروں کے فرق کے علاوہ غالباً وارثوں کے جذبات سے بھی اس کا تعلق ہے اس لئے ان کی اجازت اور مرضی کے پہلو کو بھی ضرور سامنے رکھنا چاہئے۔

وقف کے سلسلے میں سوال نمبر ۱۳ یہ ہے:

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو کیا مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے؟

اس سوال کے بھی ۳۷ علماء کرام نے جوابات عنایت فرمائے ہیں، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے اس سوال کا جواب براہ راست تحریر نہیں فرمایا۔ ۳۷ میں سے ۲۲ حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور پندرہ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے۔

جنہوں نے جائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، حکیم ظل الرحمٰن دہلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا نور القاسمی، محمد ابرار خاں ندوی، مولانا خالد سیف

اللہ رحمانی، مولانا محمد اقبال قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابو بکر قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد ایوب ندوی۔

جائز قرار دینے والوں نے اپنے موقف کی یہ دلیل دی ہے کہ جس طرح غیر مسلم کا وقف کرنا درست ہے اسی طرح اس کا متولی بننا بھی ناجائز نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ دیانت دار مسلم کو تولیت کا حق دیا جائے۔

جنہوں نے ناجائز قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد صدر عالم قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ابراہیم فلاحی بارڈولی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا محمد مطیع الرحمٰن، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد شاہد سہرساوی، مولانا قمر عالم سہیلی، مولانا سید محمد ایوب، مفتی شکیل احمد سیتاپوری۔

جن حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ متولی ہونا بھی ایک طرح کی ولایت ہے اور مسلم پر غیر مسلم کو ولایت کا حق نہیں ہے۔

لیکن سوال جہاں تولیت اور ولایت کے فرق کا ہے وہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ سوال ان اوقاف کے بارے میں ہے جو غیر مسلموں نے ہی وقف کی ہیں، اس لئے اگر وہ وقف کے مقصد کے مطابق دیانت و امانت کے ساتھ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں تو ان کو اس سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

☆☆☆

دوسرا باب

تعارف مسئلہ

قانون وقف

تاریخ، مقاصد اور اہم نکات کا مختصر جائزہ

جناب محمد عبد الرحیم قریشی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اس سمینار میں غور وفکر کا ایک اہم موضوع وقف ہے اور اوقاف سے متعلق کئی سوالات اس سمینار میں زیر غور ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں رائج قانون وقف کا جائزہ لیا جائے۔ اس جائزہ میں اس قانون اور اس قانون کے بارے میں عدالتی نکتہ آفرینیوں کے ایسے پہلو بھی سامنے آئیں گے جن سے ان سوالات پر غور و بحث میں مدد ملے گی جو اس سمینار کے موضوعات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ وقف سے متعلق اہم مسائل کو سمجھا جاسکے گا۔

قانون وقف کے ارتقاء کی تاریخ:

وقف کا نظریہ کہ کسی مال متعین کو روک کر اس کی منفعت کو خیر کے کاموں میں صرف کیا جائے، یہ اسلام ہی کی دین ہے، اور ایسا کوئی نظریہ یا ادارہ دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں پایا جاتا۔ وقف کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے اور یہ ثواب جاریہ ہے، اس لئے مسلم معاشروں میں مال وجائداد کو وقف کرنے کی روایت چلی آرہی ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد اوقاف کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور لاکھوں لاکھ اوقاف قائم ہوئے جن کی نگرانی حکومت کے مقرر کردہ قاضی کیا کرتے تھے اور ہر مملکت کے اندر واقع اوقاف کی عام نگرانی صدر الصدور کی

☆ صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

ذمہ داریوں میں شامل تھی۔ قاضی اور دیگر خدمات شرعیہ پر مامور اصحاب صدر الصدور کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور ملک میں افراتفری نے اوقاف کے اس نظام کو متاثر کیا۔ انگریزوں کے قبضہ کے ساتھ ساتھ یہ صورتحال ابتر ہوتی چلی گئی۔

۱۔ انگریز کے غلبہ کے بعد صورت حال:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انگریزوں کا دہلی پر مکمل قبضہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے شاہ عالم ثانی کے دور حکومت میں ۱۸۰۳ء ☆ میں ہو چکا تھا۔ انگریزوں کی مدد سے ہی شاہ عالم ثانی نے دہلی کا تخت حاصل کیا تھا اور اس کے بعد اکبر شاہ ثانی انگریزوں کا صرف وظیفہ خوار تھا۔ ان حالات میں اوقاف کی صورتحال مزید ابتر ہونے لگی، انگریزوں نے بھی اس میں مداخلت سے احتراز کیا۔ لیکن ۱۸۱۰ء میں انگریزوں نے جب اس ابتری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو اوقاف اور عطیات کے تحفظ کے مقصد سے فورٹ ولیم (کلکتہ) کے ماتحت تمام علاقوں کیلئے ایک قانون وریگولیشن Regulation XIX of 1810 پاس کیا، اس کے ابتدائیہ میں یہ مقاصد بیان کئے گئے۔

> ''......کہ انڈومینٹس کو معطی کے حقیقی منشاء اور مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے اور .....عوام کے استعمال اور سہولت کیلئے پلوں، سرایوں، گھروں اور دیگر عمارات کی جو حکومت یا افراد کے صرفہ سے تعمیر کئے گئے ہوں، نگہداشت اور مرمت کی جائے.....''

انڈومینٹس کے بارے میں اس ابتدائیہ میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ اس سے مراد مساجد، ہندو مناور، تعلیمی اداروں (کالجز) کی مدد اور دیگر مقدس اور منفعت بخش اغراض کے لئے

☆ انگریزوں کے دہلی پر ۱۸۴۷ء سے پہلے مکمل قبضہ کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے ۳۰/جون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست دہلی کے انگریز ریذیڈنٹ کے توسط سے سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واگذاشت کی جائے۔ ۱۰/جولائی ۱۸۰۷ء کو سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے ریذیڈنٹ کو جائزہ واگذاشت کرنے کی درخواست کی منظوری کی اطلاع دی اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کو دہلی میں دوبارہ رہنے کی اجازت مل گئی۔

سابقہ حکومتوں یا افراد کی جانب سے دی گئی اراضیات ہیں۔

اس ابتدائیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۱۰ء تک تعلیمی اداروں کی اوقافی جائدادیں بڑی تعداد میں موجود تھیں اور پلوں، سراؤں، کنوؤں وغیرہ کی قابل لحاظ تعداد ایسی تھی جو وقف تھے۔ ۱۸۱۷ء میں ایسا ہی قانون فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کے تحت کے علاقوں میں نافذ کیا گیا (ریگولیشن ۷ بابت ۱۸۱۷، مدراس) ان قوانین کے ذریعہ ان تمام اوقاف کی عام نگرانی و نگہداشت بورڈ آپ ریوینو اور بورڈ آف کمشنرس کے تحت کردی گئی۔

۲۔ کمپنی حکومت کی پالیسی:

۱۹۶۳ء میں یہ پالیسی بدل دی گئی اور اس نظریہ کے تحت کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی اداروں کے ساتھ ایک عیسائی حکومت کا تعلق بے قاعدہ اور خلاف مصلحت ہے، برطانوی حکومت ہند نے قانون ACt XX of 1863 کے ذریعہ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۷ء کے قوانین منسوخ کردیئے گئے اور ہندو مسلم مذہبی اوقاف کو حکومت کی نگرانی سے خارج کردیا گیا لیکن حکومت نے ان تمام اوقاف کو اپنے تحت رکھا جن کے مقاصد بالکلیہ مذہبی نوعیت کے نہیں تھے۔ اس قانون کے ذریعہ مذہبی اوقاف اور خیراتی "Charitable" اوقاف کے درمیان فرق پیدا کیا گیا۔ خیراتی اوقاف کو حکومت نے اپنے تحت رکھا، اور مذہبی اوقاف کو مکمل طور پر متولیوں کے حوالے کرنے کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ یہ وقف صرف مذہبی اغراض کے لئے قائم کیا گیا ہو۔ یہ قانون اوقاف کی بڑی تباہی کا باعث بنا۔ سرکاری نگرانی کے اٹھ جانے سے متولیوں نے من مانی شروع کردی اور اوقاف کو اپنی ذاتی جائداد کی طرح بیچنا اور منتقل کرنا شروع کردیا، اور انگریزوں نے ان اوقاف کو جو تعلیمی اغراض کے لئے قائم کئے گئے تھے اور ملک کے گوشے گوشے بلکہ تقریباً ہر بڑے شہر میں پائے جاتے تھے، اپنے تحت لے کر ایک پالیسی کے تحت ان کو ختم اور ہڑپ کرنا شروع کیا جس سے مسلمانوں کی تعلیم کا اس وقت کا نظام ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا اور جس ملت میں تعلیم وخواندگی، مرد وخواتین میں عام تھی، اس میں ناخواندگی بڑھتی گئی، اور یہی کیفیت پیدا کرنا

انگریزوں کی پالیسی تھی۔ ۱۸۹۰ء میں خیراتی اوقاف کے لئے خیراتی اوقاف قانون Charitable Endowment Act 1890 پاس کیا گیا لیکن اس وقت تک کئی اوقاف ختم ہو چکے تھے۔ ان کی وقف کی حیثیت ختم کر دینے سے خیراتی اوقاف ٹرسٹ بن گئے اور ختم ہوتے گئے، کیونکہ ٹرسٹ میں دوامی برقراری کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۳۔ وقف علی الاولاد:

قانون اسلامی کے تحت ایک شخص اپنی جائداد و مال کو نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولاد کی منفعت کے لئے وقف کر سکتا ہے کیونکہ اہل خانہ اور اولاد کی کفالت اور پرورش بھی کار خیر اور کار ثواب ہے، لیکن اولاد کی کفالت اور پرورش کو دیگر قوانین اور بالخصوص برطانوی قانون میں کار خیر (Charity) نہیں گردانا جاتا۔ برطانوی حکومت ہند میں عدالتیں چونکہ برطانوی قانون کے نظریات اور اصولوں کی پیروی کرتی تھیں اس لئے وقف علی الاولاد کا مسئلہ ایک قانونی نزاع بن گیا اور ۱۸۹۴ء میں ابو الفتح محمد اسحٰق بنام رسامو ئے دھر چودھری کیس میں پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو وقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف مسلمانوں میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ ملکہ وکٹوریہ اور وائسرائے کے نام مسلسل اور متعدد نمائندگیوں کے بعد پریوی کونسل کے اس فیصلہ کو زائل کرنے کے لئے "مسلمان وقف جواز قانونی" قانون The Musalman Wakf Validating Act of 1913 پاس کیا گیا جس کے ذریعہ وقف علی الاولاد کو وقف کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا اور اس قانون کو استقدامی اثر (Retrospective Effect) دیا گیا۔

۴۔ قوانین اوقاف قبل آزادئ ملک:

۱۹۲۰ء میں خیراتی اور مذہبی ٹرسٹوں کے لئے ایک قانون The Charitable & Religious Trust Act پاس کیا گیا، لیکن اس کے ذریعہ اوقاف کے انتظام ونگرانی کا کوئی نظم قائم نہیں کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مسلمان وقف ایکٹ پاس کیا گیا جس کے ذریعہ متولیوں کو پابند

کیا گیا کہ وہ ڈسٹرکٹ جج کو سالانہ آمدنی و اخراجات کی تفصیلات پیش کیا کریں۔ ان عدالتوں کو حسابات کی تنقیح کے اختیارات بھی دیئے گئے، ملک میں مرکزی اور صوبائی سطح کے کئی قوانین بنائے گئے۔ دیسی ریاستوں میں مختلف قوانین رائج رہے، ان میں قابل ذکر یہ ہیں:

بنگال واڑیسہ مسلمان وقف ایکٹ	(۱۹۲۶ء)
بنگال وقف ایکٹ	(۱۹۳۴ء)
بمبئی مسلمان وقف ایکٹ	(۱۹۳۵ء)
یوپی مسلم وقف ایکٹ	(۱۹۳۶ء)
دہلی مسلم وقف ایکٹ	(۱۹۴۳ء)
بمبئی مسلمان وقفس (ترمیمی) ایکٹ	(۱۹۴۵ء)
بہار وقف ایکٹ	(۱۹۴۷ء)

ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست مملکت آصفیہ نظام حیدرآباد میں ۱۳۴۹ء فصلی کے دستور العمل کے تحت حکومت نے ہندو مسلم اوقاف کے انتظام ونگہداشت کو اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ اس کے لئے محکمہ امور مذہبی قائم تھا اور جس طرح اس ریاست میں مذہبی وخیراتی اوقاف کا انتظام اور ان کی نگہداشت ہوتی رہی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے، یہ قانون ریاست حیدرآباد میں جنوری ۱۹۵۵ء تک نافذ العمل رہا۔

۵۔ آزادئ ملک کے بعد قوانین وقف:

ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۵۳ء میں اوقاف کے تحفظ اور ان کی نگہداشت ونگرانی کے لئے پارلیمنٹ میں مشہور مسودہ قانون "کاظمی بل" پیش ہوا۔ اس بل پر عوامی رائے جاننے کے لئے ایک سلیکٹ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں قانون وقف بابت ۱۹۵۴ء کی پارلیمنٹ نے تدوین کی۔ اس قانون کی بعض دفعات اور بعض فقروں کی عدالتوں کی جانب سے قانون کے منشاء کے خلاف تشریحات اور فیصلوں کے اثر کو زائل کرنے

کے لئے ترمیمات کا مطالبہ ہوتا رہا ہے، اور چند مطالبات کو قبول کرتے ہوئے ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۹ء میں ترمیمات کی گئیں، لیکن اس قانون پر اعتراضات ہوتے رہے، اور اس قانون کے تحت قائم وقف بورڈس، اوقاف کے تحفظ ونگہداشت میں ناکام رہے۔ ۱۹۵۴ء کے مرکزی قانون کے باوجود مغربی بنگال میں بنگال وقف ایکٹ بابت ۱۹۳۴ء، یوپی میں یوپی مسلم وقفس ایکٹ بابت ۱۹۳۶ء اور اس کے بعد یوپی مسلم وقفس ایکٹ ۱۹۶۰ء نافذ العمل رہے۔ گجرات میں کچھ کے علاقہ میں اور مہاراشٹرا میں مرہٹواڑہ کے علاقہ میں قانون بابت ۱۹۵۴ء نافذ کیا گیا۔ ان دونوں ریاستوں کے باقی علاقوں میں بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء کا نفاذ کیا جاتا رہا ہے۔

اوقاف کے تحفظ میں ان قوانین کے تحت قائم بورڈس اور عہدہ داروں کی ناکامی پر مسلسل توجہ دلانے کے بعد مرکزی حکومت نے ۱۹۷۰ء میں وزارت قانون، انصاف وکمپنی امور کے تحت وقف انکوائری کمیٹی قائم کی۔ جس نے ۱۹۷۳ء میں ایک عارضی رپورٹ اور ۱۹۷۶ء میں آخری رپورٹ ایک نئے قانون کے مسودہ کے ساتھ پیش کی۔ ان رپورٹس اور سفارشی مسودہ کے جائزے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ بالآخر ۱۹۹۴ء میں ایک نئے قانون کا بل پارلیمنٹ میں پیش اور منظور ہوا۔ اس پر صدر جمہوریہ نے بھی دستخط کردیئے، لیکن کئی گوشوں سے اس کی مخالفت ہوئی۔ چنانچہ حکومت ہند نے اس قانون کے نفاذ کو روکنے کا اعلان کیا۔ بعد میں اس قانون کے صرف دو دفعات کو نافذ کیا گیا جن میں سے ایک تخلیہ کنندگان کے چھوڑے ہوئے اوقاف کو وقف بورڈ کے تحت کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری دفعہ کے ذریعہ قبضہ مخالفانہ کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی معیاد بڑھا کر (۳۰) سال کردیا گیا۔

۶۔ قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء:

ایک نئے قانون وقف کے لئے مسلسل مطالبہ ہوتا رہا چنانچہ ۱۹۹۳ء میں حکومت نے پارلیمنٹ میں ایک مسودہ قانون پیش کیا اور جو بالآخر قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی شکل میں منظور

ہوا اور اس کو سارے ملک میں نافذ العمل قرار دیا گیا۔ حکومت ہند نے ۲۷ ؍دسمبر ۱۹۹۵ء کو بجز جموں وکشمیر سارے ملک میں یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے اس قانون کے نفاذ کا اعلان کیا۔ البتہ اس قانون کا اطلاق درگاہ حضرت خواجہ صاحب اجمیر پر نہیں ہوگا جس کے لئے علیحدہ ۱۹۵۵ء کا قانون موجود ہے۔

قانون بابت ۱۹۹۵ء کے اہم نکات:

☆ اس قانون کے ذریعہ تمام ریاستوں میں اوقاف پر یکساں قوانین کا نفاذ ہوگا اور پچھلی صورت حال جو بعض ریاستوں میں الگ قوانین اور بعض ریاستوں کے دو مختلف حصوں میں دو قوانین نافذ تھے ختم ہوجائے گی۔

☆ اس قانون میں بھی کئی نقائص ہیں، جن کے تعلق سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اجلاس اور کمیٹیوں میں غور کیا، اور ترمیمات کے لئے حکومت سے نمائندگی کی ہے، سطور ذیل میں ان ہی نکات کا ذکر ہے جو اس سمینار کے موضوع سے متعلق ہیں۔

ا۔ <u>ٹرسٹ اور وقف:</u> جس کے مستفیدلہ میں غیر مسلم بھی شامل ہوں کیا اس کو وقف قرار دیا جا سکتا ہے؟

سپریم کورٹ نے کیس نواب زین یار جنگ بنام ڈائرکٹر آف انڈومنٹ (آندھرا پردیش) ودیگر (AIR 1963 SC. 985) میں اس سوال پر غور کیا کہ آیا نظام کی جانب سے قائم کردہ چیریٹیبل ٹرسٹ وقف ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق کیا جا سکے یا اس قانون کے حیطہ اختیار سے باہر ایک عوامی خیراتی ٹرسٹ ہے۔ جسٹس گجیندر گڈکر نے پانچ ججوں کے اجلاس کی جانب سے یہ فیصلہ سنایا کہ:

(الف) ٹرسٹ، وقف سے بالکل مختلف ہے۔ ٹرسٹ میں ٹرسٹ قائم کرنے والا، ٹرسٹ جائداد ٹرسٹیوں کو منتقل کرتا ہے جب کہ وقف میں موقوفہ شئے اللہ تعالی کی ملک میں دی جاتی ہے اور واقف کا حق ملکیت ختم ہوجاتا ہے۔

(ب) وقف کے مستفید لہ (Beneficiaries) افراد کے علاوہ اغراض بھی ہوسکتے ہیں، یہ اغراض قانون وقف ۱۹۵۴ء کی رو سے مسلم فرقہ کے فائدے سے متعلق ہونا چاہئے۔ نظامس چیریٹیبل ٹرسٹ عوام کو بلا لحاظ مذہب وذات وعقیدہ فائدہ پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا اس لئے یہ ٹرسٹ وقف نہیں ہے۔

اس فیصلہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے قانون میں لفظ مستفید لہ کی تعریف میں تبدیلی کرکے الفاظ ''مسلم فرقہ کے فائدے کے لئے'' کے بجائے ''مسلم لا میں تسلیم شدہ'' کے الفاظ داخل کرنے کی تجویز رکھی گئی، اور یہ ترمیم ۱۹۶۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ کی گئی۔ لیکن اہم مسئلہ یہ تھا کہ مذہبی اور خیراتی اغراض کے لئے مسلمانوں کی جانب سے قائم ٹرسٹ کو بھی وقف کی تعریف میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ یہ تجویز رکھی گئی اور وقف انکوائری کمیٹی نے یہ سفارش کی کہ متولی کی تعریف میں ٹرسٹ اور سوسائٹی کو شامل کیا جائے۔ مسلسل کوشش اور کئی کمیٹیوں کی سفارش کے باوجود حکومت نے اسکو قبول نہیں کیا ہے اور ایسے ٹرسٹ اب بھی نئے قانون وقف کے دائرہ سے باہر ہیں۔

۲۔ فہرست اوقاف کی قبضہ مخالفانہ کے خلاف قطعیت:

قانون وقف کی رو سے ریاستی حکومت سروے کمشنر کا تقرر کرتی ہے، اور سروے کمشنر قانون وقف کے آغاز نفاذ کی تاریخ پر ریاست میں موجود اوقاف کا سروے کرتا ہے (دفعہ ۴)۔ سروے کمشنر کی رپورٹ وصول ہونے پر حکومت یہ رپورٹ وقف بورڈ کو روانہ کرتی ہے اور وقف بورڈ جانچ کے بعد اس کو سرکاری گزٹ میں شائع کرواتا ہے (دفعہ ۵)۔ سرکاری گزٹ میں اشاعت کے ایک سال بعد فہرست میں شامل کسی جائداد وقف ہونے کے سوال پر وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے شخص کا کوئی مقدمہ ٹربیونل میں سماعت کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔

(الف) گذشتہ سال کرناٹک ہائی کورٹ نے کرناٹک وقف بورڈ بنام ریاست کرناٹک کیس (AIR1996. Kantk.55) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایک سال کے اندر فہرست

اوقاف میں اندراج کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی تحدید کا اطلاق حکومت پر نہیں ہوتا اور حکومت بحیثیت مدعی اس تحدید کی پابند نہیں ہے۔ اس فیصلہ نے بڑے مسائل پیدا کردیئے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں، ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی دیسی ریاستیں تھیں اور بالخصوص آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ، مہاراشٹرا کے علاقہ مرہٹواڑہ اور کے علاقہ حیدرآباد کرناٹک میں قبرستانوں اور عیدگاہوں کی زمینوں کو ریونیو ریکارڈس میں سرکاری ملک بتایا گیا ہے، اور ایسے اکثر علاقوں میں اوقاف کا سروے ہوچکا ہے اور فہرستیں سرکاری گزیٹوں میں شائع ہوچکی ہیں اور کئی مرتبہ نمائندگیوں کے باوجود ریونیو ریکارڈس میں گزٹ کے مطابق اندراجات نہیں کئے گئے۔ اس صورت حال کا استحصال کرتے ہوئے بعض بددیانت اور فرقہ پرست عہدہ داروں نے وقف کی ایسی اراضیات کو بے زمین و بے مکان غریبوں کی بہبودی کی اسکیمات کے تحت دلتوں اور دیگر پس ماندہ طبقات میں تقسیم کردیا۔ موجودہ دور کی زمینیں ہڑپ کرنے کے حرص کے مارے اور مسلمانوں سے عناد رکھنے والے بھی ایسے بددیانت عہدہ داروں کی ملی بھگت سے ایسی جائدادوں کو حاصل کررہے ہیں۔ آندھراپردیش آسمبلی میں اوقاف کے اطلاق پر تیز وتند بحث کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے جنوری ۱۹۹۷ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس میں ضلع حیدرآباد کے ایک سابق کلکٹر وڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بارے میں باوثوق حوالوں سے بتایا گیا کہ اس نے قبرستانوں کی زمینوں پر عمداً دلتوں کو بسایا۔ اس لئے ریاستی حکومتوں سے یہ مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ اراضی اور جائدادوں سے متعلق وہ اپنے تمام ریکارڈس کو گزٹ شدہ فہرست ہائے اوقاف کے مطابق بنائے، اور مرکزی حکومت سے ایسی ترمیم کا مطالبہ کرنا چاہئے کہ کرناٹک ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کا اثر زائل ہو اور تحدید کا اطلاق حکومتوں پر بھی ہو۔

(ب) فہرست وقف میں شامل کسی جائداد کے، اس کے وقف ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نزاع ہوتو اس تعلق سے عذرداری کا حق وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفاد رکھنے والے ہر شخص کو حاصل ہے۔ یہی بات ۱۹۵۴ء کے قانون میں بھی تھی۔ تعریفات کی دفعہ میں ’’وقف

میں مفادر کھنے والے شخص'' کی تعریف موجود ہے۔

راجستھان ہائیکورٹ نے رادھا کرشنن بنام راجستھان وقف بورڈ کیس میں AIR) (1967 RAJ. یہ فیصلہ دیا کہ سروے کمشنر کے فرائض تاریخ آغاز قانون نیز موجود اوقاف' تک محدود ہیں۔ اس لئے یہ سوال کہ ایک جائیداد وقف ہے یا نہیں کمشنر طے نہیں کر سکتا۔ اس فیصلہ کے خلاف مرافعہ میں سپریم کورٹ نے (AIR 1979 Sc. 289) فیصلہ کے اس حصہ کو رد کر دیا کہ جب کمشنر کو سروے کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اس میں یہ بات مخفی ہے کہ ان اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے وہ اس کی چھان بین کرے گا کہ آیا ایک وقف موجود ہے، ہائیکورٹ نے صاف طور پر غلطی کی ہے۔ راجستھان ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ بھی دیا تھا کہ فہرست وقف صرف ان کے خلاف قطعیت پاتی ہے جنہیں عذرداری کا حق ہے یعنی 'وقف بورڈ یا متولی یا اس میں مفادر کھنے والے شخص' کے خلاف یہ فہرست قطعی قرار پائے گی، اور اجنبی پر یعنی جس کو قبضہ مخالفانہ حاصل ہے اور جو اس کو وقف ہی نہیں مانتا، اس پر اس تحدید کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مرافعہ میں سپریم کورٹ نے فیصلہ کے اس جز کی توثیق کر دی۔

اس فیصلہ کے اطلاق کو بے اثر کرنے کیلئے ۱۹۸۴ء کے قانون کے ذریعہ وضاحت کا اضافہ کیا گیا کہ الفاظ 'اس میں مفادر کھنے والے ہر شخص' میں ہر وہ شخص شامل ہے جو متعلقہ وقف میں مفاد نہ رکھتا ہو، لیکن ایسی جائداد میں مفاد رکھتا ہو اور جس کو سروے میں انکوائری کے دوران نوٹس کی تعمیل کے ذریعہ اپنے کیس کی نمائندگی کا معقول موقع دیا گیا ہو۔ یہ وضاحت ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں بھی موجود ہے، اس کے باوجود مخالف قابضین کے تعلق سے اس قانون میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے دو ترمیمات کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ تعریفات کی دفعہ میں 'وقف میں مفادر کھنے والے شخص' کی تعریف میں ان اشخاص کو جو قانون وقف کے تحت وقف بورڈ یا اس کی جانب سے مجاز کردہ کسی افسر کے جاری کردہ نوٹیفکیشن یا حکم سے شاکی یا متاثر ہوں، اور ایسے اشخاص کو جو جائداد وقف ہیں حقیت ملک یا کسی حق کا ادعاء رکھتے ہوں شامل کیا جائے۔ اس

ترمیم کے علاوہ سروے کمشنر کے فرائض کی دفعہ ۴ ذیلی دفعہ ۳، میں انکوائری میں کسی جائداد کے وقف ہونے یا نہ ہونے کی انکوائری کو اس شرط کے ساتھ شامل کیا جائے کہ اس سے متاثر ہونے والے تمام فریقین کو ان کے عذرات کی سماعت کا معقول موقع دیا جائے گا۔ یہ ترمیمات قانون میں موجود ابہام کو دور کریں گی۔

۳۔ غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف:

ہندوستان کے طول وعرض میں ایسے اوقاف بڑی تعداد میں موجود ہیں جن کو غیر مسلم اصحاب نے قائم کیا، جب کہ مسلم فرمانرواؤں نے غیر مسلم رعایا کیلئے منادر، گردوارے، گرجا گھروں کی تعمیر میں مدد دی اور ان کو رقمیں اور اراضی کے عطیات وجاگیریں دیں۔ اسی طرح ہندو راجا، والیان ریاست، جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں نے اپنی رعایا کے لئے مسجدیں، عاشور خانے اور عیدگاہیں بنوائیں اور زندہ وگذرے ہوئے بزرگان کے لئے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مزارات ومقبرے اور ان کے اطراف زائرین کی سہولتوں کے لئے عمارتیں تعمیر کروائیں اور ان کو وقف کیا۔ اسی طرح دیگر مخیر غیر مسلموں نے بھی اس نوعیت کے کام کئے۔ یہ ان کاموں کو اپنے اعتقاد کے لحاظ سے بھی نیکی اور پُن کا کام جانتے تھے، ان اوقاف میں مذہبی فرائض یا متعلقہ رسومات کی انجام دہی کے لئے مشروط الخدمت معاشیں بھی دیں اور اکثر یہ معاشیں اراضی کی صورت میں دی گئی تھیں۔

قانون وقف ۱۹۵۴ء کی رو سے اسلام کو ماننے والے اشخاص یعنی مسلمانوں کے قائم کئے ہوئے اوقاف ہی وقف متصور ہوں گے (دفعہ ۳ تعریفات شق 'ایل')۔ اس تعریف کی رو سے غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف قانونی اعتبار سے اوقاف نہیں ہیں۔ ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ 'اسلام کو ماننے والے شخص' کے الفاظ کے بعد 'یا کسی اور شخص' کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا جس سے وقف کی تعریف میں وسعت پیدا ہوگئی، البتہ یہ شرط لگائی گئی کہ اگر وقف کرنے والے غیر مسلم کی وفات کے بعد، اس کے قانونی نمائندگان میں سے ایک یا زیادہ اس وقف کے

قیام پر اعتراض کریں تو یہ وقف کالعدم ہوگا۔ اس وقت ایسے اوقاف کی بڑی تعداد ایسی ہے جن پر اس شرط کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے واقفین کو فوت ہوئے عرصہ گذر چکا ہے۔ ۱۹۸۴ء کی یہ ترمیم بہت موزوں اور مناسب تھی۔ لیکن اس کو نافذ نہیں کیا گیا اور ۱۹۹۵ء کے نئے قانون میں اس کو شامل بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ ۱۹۵۴ء کے قانون والی صورتحال ہی برقرار ہے۔

ایک خیال یہ ہے کہ 'اسلام کو ماننے والے' کی شرط لگائی نہ گئی تو دوسرے فرقوں کے تمام خیراتی اور کئی مقدس انڈومینٹس قانون وقف کے تحت آ جائیں گے کیونکہ ایسے خیراتی اور مقدس مقاصد کو مسلم لا میں بھی کار خیر اور کار ثواب گردانا جاتا ہے اور ان کو قانون وقف کے تحت لانا اس قانون سازی کا منشا نہیں ہے، لیکن یہ خیال زیادہ قابل اعتناء نہیں ہے، کیونکہ جہاں تک دوسرے فرقوں کے 'مقدس' اغراض کا سوال ہے ان کو اسلامی قانون میں قطعاً 'مقدس' نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں تک خیراتی مقاصد کا تعلق ہے اگر وہ مسلمانوں یا اوقاف سے وابستہ نہ ہوں تو ان کو موزوں الفاظ کے ذریعہ قانون وقف کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال غیر مسلم اشخاص کے قائم کردہ اوقاف کو قانون وقف کے تحت لانے کے لئے ترمیم ضروری ہے۔

۱۹۶۴ء میں قانون وقف ۱۹۵۴ء میں جو ترمیمات کی گئیں ان میں ایک نئی دفعہ ۶۶ (ج) کا اضافہ ہے جس کے ذریعہ قانون یہ بنایا گیا کہ ''اسلام کو نہ ماننے والے کسی شخص'' نے اگر ایک وقف کی مدد کے لئے کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کا عطیہ دیا ہو تو یہ عطیہ اس وقف کا جز متصور ہوگا۔ یہ وقف (الف) مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، خانقاہ یا مقبرہ یا (ب) مسلم قبرستان یا (ج) سرائے یا مسافر خانہ ہونا چاہئے۔ ۱۹۶۴ء میں داخل کی گئی دفعہ ۶۶ (ج) اب نئے قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں دفعہ ۱۰۴ ہے، اس دفعہ کی رو سے کوئی غیر مسلم کوئی مسلم وقف قائم نہیں کرسکتا، اور اگر وہ کرے تو اس پر قانون وقف کا اطلاق نہیں ہوگا۔ البتہ کسی مسجد، عیدگاہ، امام باڑے، درگاہ، مقبرے، قبرستان، سرائے یا مسافر خانہ کی مدد وسہارے کے لئے قابل انتقال یا نا قابل انتقال جائداد کا عطیہ دے سکتا ہے جس پر قانون وقف کا اطلاق ہوگا۔

اس تعلق سے وقف انکوائری کمیٹی کی آخری رپورٹ میں کئے گئے اس تبصرے کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ:

”جب کہ غیر مسلم کی جانب سے اس دفعہ کی فہرست میں درج وقف کی مدد کے مقصد سے عطیہ میں دی گئی قابل انتقال یا نا قابل انتقال جائداد، جائداد وقف متصور ہوگی، ایک غیر مسلم کی طرف سے عطا کردہ یا مختص کردہ وقف، وقف متصور نہیں۔ صاف طور پر قانون کا یہ بھونڈا نظریہ ہے...... یہ ہماری تاریخ کی منفرد خصوصیت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے منادر، آشرم، گوشالے اور گردووارے بنائے یا ان کے لئے نگہداشت کی جاگیریں عطا کیں، اور ہندو اور سکھ حکمرانوں نے نہ صرف مساجد، درگاہوں، امام باڑوں وغیرہ کی مدد کے لئے زمین اور جائدادیں عطا کیں بلکہ درحقیقت اس طرح کی مقدس جائدادیں عطا کیں اور ان کی تعمیر کروائی“۔

اس لئے ان کو وقف کی تعریف میں شامل کرنے کی تجویز مسلم پرسنل لا بورڈ نے پیش کی تھی۔ اس کے لئے نمائندگیوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

۴۔وقف تعامل:Waqf By User

ایسے اوقاف کو جن کے وقف کئے جانے کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو، لیکن جن کا استعمال وقف کی حیثیت میں کیا جاتا رہا ہو ان کو قانوناً وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا ہے۔ قانون کا تحفظ ایسی جائدادوں کو حاصل ہے۔ ملک میں موجود اوقاف کی ایک بڑی بھاری تعداد اس نوعیت کے اوقاف پر مشتمل ہے۔ جگہ جگہ موجود مساجد، قبرستانوں، مقبروں وغیرہ کے وقف کئے جانے کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا لیکن ان کا سابقہ یا موجودہ استعمال ہی ان کی نوعیت وقف کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے ۱۹۵۴ء کے قانون میں وقف تعامل یا وقف بالاستعمال کو وقف کی تعریف میں شامل کیا گیا۔ مساجد، مقبرے، خانقاہیں، امام باڑے جیسے اوقاف تو اپنی عمارت یا اس کے باقیات وآثار ہی سے ظاہر ہوجاتے ہیں کہ یہ اوقاف ہیں۔ لیکن ان قبرستانوں کی صورت حال جو مدت سے ممنوع

الدفین ہوں یا کسی وجہ سے جن کا استعمال نہ ہو رہا ہو اور مرور زمانہ کی وجہ سے قبروں کے نشان زیادہ نمایاں نہ ہوں، مختلف ہے۔ قبرستانوں کے وقف تعامل پر اہم فیصلہ پریوی کونسل کا بلدھرداس بنام نور محمد (AIR 1936 LUCK.85) کیس میں ہے کہ دستاویزی ثبوت کے طور پر خسرہ (KHASRA) میں اس زمین کا بحیثیت قبرستان اندراج کافی ہے، اور خسرہ یا ریونیو ریکارڈ میں ایسے اندراج کی عدم موجودگی میں اس زمین کے بطور قبرستان استعمال کے بارے میں تدفین کے کئی واقعات کی شہادت ضروری ہوگی اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ یہ زمین قبرستان ہے۔ تاہم اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ کسی زمین میں ایک فرد کی تدفین اس کو فوری اور لازمی طور پر قبرستان نہیں بنادیتی۔ پنجاب ہائیکورٹ نے کیس پنجاب وقف بورڈ بنام پنچایت گرھی برہمن (AIR 1971 PUNJ. 482) میں یہ فیصلہ دیا کہ ایسا وقف تعامل، جس کا ایک عرصہ سے اس حیثیت میں استعمال ترک کردیا گیا ہو وقف باقی نہیں رہے گا۔

اس کیس میں دستاویزی اور زبانی شہادتیں موجود تھیں کہ زیر نزاع زمین قدیم قبرستان تھی۔ لیکن اس فیصلہ میں ایک ایسا نکتہ پیدا کیا گیا جس کا کوئی جواز قانون شریعت میں نہیں ہے اور جس کو اس سے پہلے کسی عدالت نے قابل اعتناء نہیں سمجھا کہ اگر تعامل ترک ہوجائے تو نوعیت وقف بھی ختم ہوجائے گی۔ چونکہ اس سمینار میں ہریانہ اور مغربی یوپی کے اوقاف کا مسئلہ زیر غور ہے اس لئے اس فیصلے کے بعض حصوں کو نقل کرنا مناسب ہوگا۔

فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ:

''اکثر پیش کردہ نظائر...... تقسیم ملک کے پہلے برسوں کے ہیں یا ان دور دراز کی ریاستوں کے ہیں جو ۱۹۴۷ء کی ملک کی تقسیم میں اس طرح راست متاثر نہیں ہوئیں جس طرح کہ ملک کا یہ حصہ متاثر ہوا ہے۔ ملک کی تقسیم سے پیدا شدہ حالات کی پیش بینی یا پیش قیاسی وہ عدالتیں نہیں کرسکتی تھیں جنہوں نے یہ فیصلے دیئے جن کا حوالہ (بطور نظیر) دیا گیا ہے۔ ان نظائر میں ظاہر کئے گئے کسی خیال کا مقصد زیر تصفیہ مقدمہ کو طے کرنا تھا

اور اس اظہار خیال کو اس کے اپنے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ عدالتیں ان غیر معمولی اور غیر متوقع حالات یا قانون و نظم کی صورتحال کی ابتری کا اندازہ نہیں لگا سکتی تھیں جو ملک کی تقسیم کے بعد پیدا ہوئی..... یہ صحیح ہے کہ چند میتوں کی تدفین ایک قطعہ زمین کو قابل احترام بنا دیتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس نقطہ نظر کے اختیار کرنے میں اس حقیقت پر غور نہیں کیا گیا کہ اس زمین پر تعمیرات کھڑی ہو چکی ہیں۔ اس فیصلہ میں تعامل کے بارے میں یہ نقطہ نظر اختیار کیا کہ...... جب ایک فریق تعامل پر اس جائداد کے وقف ہونے کی شہادت کے طور پر اعتبار کر رہا ہے تو ہم کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ تعامل ایک خاص وقت سے ترک ہو گیا تھا''۔

اس فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ:

......اگر زمین برسوں کے عرصہ پر پھیلے ہوئے تعامل سے ایک کردار اختیار کر لیتی ہے تو ایک خاص وقت پر اس تعامل کا ترک ایک وقت کی حیثیت میں اس زمین کے حرمت والے کردار کا ازالہ کر سکتا ہے جس سے گرام پنچایت کو دیہات کے موجودہ باشندگان کے فائدے کے لئے اپنی زمین قرار دینے کا جواز فراہم ہوتا ہے۔ اقلیتی فرقہ کی جانب سے اس کے استعمال کو ترک کر دینے کی وجہ سے اب زمین کا بحیثیت قبرستان انتظام و نگہداشت کرنے کے لئے کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔''

اس فیصلہ سے پیدا شدہ مشکلات پر وقف انکوائری کمیٹی نے غور کیا اور اس پیچیدگی کو ختم کرنے کی سفارش کی، چنانچہ ۱۹۸۴ء کے ترمیمی قانون کے ذریعہ ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا کہ:

''لیکن ایسے وقف کی نوعیت وقف محض اس سبب سے ختم نہ ہوگی کہ اس کا تعامل ختم ہو چکا ہے۔ بلالحاظ مدت عدم تعامل۔''

۱۹۹۵ء کے قانون وقف میں بھی یہ صراحت موجود ہے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اس صراحت سے پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلہ کے اس جز کا قانونی اثر ختم ہو جائے گا کہ ایک دفعہ

قبروں کی موجودگی کی شہادت قیام وقف کی واضح شہادت کی عدم موجودگی میں، وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ جہاں ایک وسیع قطعہ زمین میں ایک قبر یہاں اور ایک قبر وہاں دور دور موجود ہوں، قبروں کا کسی جگہ جم گھٹا نہ ہو تو یہ قرائنی شہادت وقف تعامل کو ثابت نہیں کرتی۔ تاہم وقف تعامل کے بارے میں یہ وضاحت کہ بلالحاظ مدت ترک تعامل، یہ وقف قرار پائیں گے، اور اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دفعہ (۱۰۷) کی رو سے کسی وقف کی ناقابل انتقال جائداد کا قبضہ لینے کے لئے، مقدمہ دائر کرنے کے لئے اب کسی مدت کی تحدید نہیں رہی۔ قانون تحدید معیاد کا اطلاق ختم کر دیا گیا ہے۔ پہلے یہ معیاد ۲۰ سال تھی جس کا شمار قبضہ مخالفانہ کی تاریخ سے ہوتا تھا، وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ کیا جاتا رہا۔ وقف انکوائری کمیٹی نے تحدید (Limitation) کے قانون سے اوقاف کو مستثنیٰ کرنے کی تجویز رکھی تھی کیونکہ ایسا استثناء بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء میں دیا گیا ہے۔ ۱۹۹۵ء کے قانون میں ان دفعات کی موجودگی سے ان اوقاف کو واگذاشت کرانے اور ان کا قبضہ حاصل کرنے کے مواقع نکلتے ہیں جن کی پنجاب، ہریانہ اور مغربی یوپی میں ویرانی سے فائدہ اٹھا کر حکومت یا غیر مسلم قبضہ کر چکے ہیں یا اس طرح کا اندیشہ جن کے تعلق سے پیدا ہو چکا ہے، ان اوقاف سے متعلق سوال پر غور کے دوران ان نکات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

۴۔ وقف اراضی پر ترقیاتی تعمیر:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کی دفعہ (۳۲) ایک طویل دفعہ ہے جس کی کئی ذیلی دفعات اور ان میں شقیں ہیں۔ یہ دفعہ بورڈ کے اختیارات اور فرائض سے متعلق ہے۔ ذیلی دفعات (۴) تا (۶) اراضی وقف سے متعلق ہیں۔ ذیلی دفعہ (۴) میں کہا گیا ہے کہ جہاں وقف بورڈ مطمئن ہو کہ کسی وقف اراضی کو شاپنگ سنٹر، مارکٹ، رہائشی فلیٹس یا ایسی ہی کسی نوعیت میں ترقی دینے کے قابل عمل امکانات موجود ہیں تو متعلقہ وقف کے متولی پر ایک نوٹس کی تعمیل کر کے اس کو ایسی مدت کے اندر جس کا ذکر نوٹس میں کر دیا جائے اور جو (۶۰) دن سے کم نہ ہو، یہ جواب دینے کے لئے کہا

جاسکتا ہے کہ آیا وہ نوٹس میں صراحت کردہ ترقیاتی کام کو انجام دینے پر راضی ہے۔ دفعہ (ن) میں ہے کہ اگر کوئی جواب وصول ہو اور اس پر غور کرنے کے بعد بورڈ اس پر مطمئن ہو کہ متولی رضامند نہیں ہے یا اس کام کو روبہ عمل لانے کا اہل نہیں ہے تو حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے بعد بورڈ اس جائداد کو لے سکتا ہے، اس کی عمارت اور اس کی تعمیرات کو منہدم کرسکتا ہے اگر اس کی رائے میں یہ انہدام ترقیاتی کام پر عمل آوری کے لئے ضروری ہو، اور اس ترقیاتی کام کو انجام دے سکتا ہو، اس کے لئے سرمایہ وقف فنڈ سے یا متعلقہ وقف کی جائدادوں کی ضمانت پر حاصل کیا جاسکتا ہے، ان جائدادوں پر بورڈ اپنا کنٹرول اور انتظام، اس پر کئے گئے اخراجات اور اس پر سود، ان تعمیرات کی نگہداشت کے اور دیگر جائز اخراجات کی اس جائداد کی آمدنی سے پابجائی ہونے تک رکھ سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بورڈ متولی کو ہر سال، تحویل میں لینے سے پہلے کے تین سالوں کی آمدنی کی سالانہ اوسط کے حساب سے معاضہ ادا کرتا رہے۔ ذیلی دفعہ (۲) کہتا ہے کہ ترقی یافتہ جائداد کی آمدنی سے صراحت کردہ اخراجات کی پابجائی کے بعد یہ جائداد متولی کو منتقل کردی جائے گی۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اس اضافہ کا مقصد وقف کی آمدنی میں اضافہ ہے، اس مقصد سے اتفاق کے باوجود بعض سوالات کا جواب تلاش کرنا ضروری ہے اور ان ہی جوابات کی روشنی میں قانون وقف کے اس جز کے بارے میں ملت کے موقف کو طے کرنا ہوگا، سوالات یہ ہیں:

الف) کیا وقف کو ترقی دینے کے لئے سود پر رقم حاصل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

ب) کیا اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ شاپنگ سنٹر، مارکٹ، رہائشی فلیٹس وغیرہ کے کرایہ دار اگر زیادہ تر غیر مسلم ہوں تو آئندہ کسی وقت وقف کے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ نئی تعمیریں مسجد کے اطراف ہوں تو اذان پر اعتراضات کے علاوہ بھی کئی اور

مشکلات پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اور ایسی مشکلات کو دور کرنے میں وقف بورڈ بھی بے بس ہوسکتا ہے، جبکہ قانون وقف اس کی اجازت دیتا ہے بورڈ کے کسی فیصلے کے چیف ایکزیکٹیو آفیسر اس عذر پر تعمیل نہ کرے اگر اس کے خیال میں ایسی تعمیل سے فساد یا نقض امن کا خطرہ ہے یا کسی انسانی جان، صحت و سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے (دفعہ ۲۶ (ج) شق iii) وقف بورڈ کے فیصلہ کی عدم تعمیل کے تعلق سے سیاسی اثر ونفوذ رکھنے والے ارکان اسمبلی یا دیگر سیاسی لیڈروں کے ذریعہ حکومت کی توثیق حاصل کرنا چیف ایکزیکٹیو آفیسر کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اگر اس نوعیت کے اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں تو کیا یہ شرط عائد کرنا ضروری نہ ہوگا کہ ان نئی تعمیروں کے کرایہ داروں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور ان کو پابند کیا جائے کہ وہ کسی صورت کسی غیر مسلم کو اس کا قبضہ نہیں دیں گے۔

ج) قانون میں اس کی کوئی پابندی نہیں ہے، اس لئے کوئی وقف بورڈ، شاپنگ سنٹر یا مارکیٹ یا رہائشی فلیٹس تعمیر کر کے حق ملکیت کے ساتھ قیمت کی بالاقساط ادائیگی پر یا ایک مشت رقم کی ادائیگی پر دوکانیں اور رہائشی مکانات فروخت کر سکتا ہے۔ اس سے رقم تو حاصل ہو جائے گی، لیکن ایک ناقابل انتقال جائداد وقف ختم ہو جائیگی۔ کیا اس طرح کے عمل سے اوقاف کا اتلاف نہیں ہوگا؟

د) ۱۹۹۵ء کا نیا قانون بھی اوقاف کے حقیقی مفادات کو پیش نظر رکھنے والے افراد کو بورڈ کا رکن بنانے میں ناکام رہا۔ آندھرا پردیش کے تجربے سے واضح ہوگیا کہ کاغذی مسلم تنظیموں کے ذریعہ برسر اقتدار جماعت اپنے ارکان کو نامزد کرسکتی ہے، اور متولیوں کے زمرے سے بھی اپنے ارکان یا اپنی پسند کے افراد کو منتخب کرواسکتی ہے۔ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ نئے قانون کے تحت بھی وقف بورڈ میں برسر اقتدار پارٹی سے تعلق رکھنے والے یا ان کے پسندیدہ سیاسی افراد کی اکثریت رہے گی، اور ایسی صورت میں ظاہر ہے

کہ کئی فیصلے محض سیاسی مفادات کے تحت ہوں گے۔ آج کل شہر کی زمینوں پر کثیر منزلہ کمرشیل یا رہائشی کامپلیکس کی تعمیر دولت پیدا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ جائدادوں کی ترقیات دینے والوں (Builders and Estate Developers) کے لئے سیاست کاروں اور علاقے کے غنڈوں اور دھونس بازوں کا تعاون لینا ضروری ہوتا ہے، اس دھندے میں سیاست کار بھی شریک ہوتے ہیں اور اس پورے گروہ کی نظریں شہر کی خالی جائدادوں پر چیل کی طرح لگی ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں اگر وقف بورڈ کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تو خالی زمینوں پر ان ترقیات کا مقصد مفاد وقف نہیں بلکہ سیاسی مفاد ہوگا۔

ھ) تقریباً ہر شہر میں عام آبادی کے ساتھ مسلمانوں کی آبادی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قدیم مسجدیں ناکافی ثابت ہورہی ہیں، یا اب کافی ہیں تو امکان یہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ ناکافی محسوس ہوں۔ ایسی ہی کیفیت دیگر اوقاف کے بارے میں پیدا ہوسکتی ہے، اس کیفیت میں وقف کا مفاد اس میں ہوگا کہ اس خالی اراضی کو آئندہ توسیع کیلئے خالی رکھا جائے، اس صورت میں متولی کا انکار واجب ہوگا۔ ''ہر متولی کو بددیانت اور خائن قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن قانون وقف ۱۹۹۵ء کے اکثر نکات کے پیچھے یہی ذہن کارفرما نظر آتا ہے کہ ہر متولی خائن اور بددیانت ہے''۔ اس لئے وقف بورڈ کو ہر صورت میں متولی کے انکار پر اوقاف کو اپنی تحویل میں لینے کا حق واختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ ۱۹۹۵ء کے قانون میں وقف بورڈ کے اختیارات ترقیاتی تعمیرات سے متعلق پہلو غور طلب ہے۔

۵۔ غیر درج فہرست اوقاف:

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں اوقاف کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا گیا اس کی ذمہ

داری متولی پر عائد کی گئی (دفعہ ۳۶)، لیکن جو اوقاف رجسٹرڈ نہ ہوں ان کو اس قانون نے تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ دفعہ (۸۷) میں کہا گیا ہے کہ جو وقف رجسٹرڈ نہ ہوں اس کے کسی حق کے استقرار اور نفاذ کے لئے کوئی دعویٰ، کوئی مرافعہ، کوئی قانونی ادعاء، کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

یہ دفعہ ان اوقاف کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے جو وقف تعامل یا وقف بالاستعمال ہیں اور جن کا کوئی متولی یا سجادہ یا مجاور نہیں ہے۔ ایسے اوقاف بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اس دفعہ میں ترمیم کی تجویز آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے پیش کی گئی تھی اور اس پر نمائندگیاں کی جاتی رہی ہیں۔ اس کے نقصان سے بچنے کی ایک شکل یہ ہے کہ عوام اور ایسے اوقاف کی خدمت کرنے والوں سے اپیل کی جائے کہ وہ ہر وقف کو درج رجسٹر کروائیں۔ درج رجسٹر کرنے کی درخواست ہر وہ شخص جو مسجد میں نماز پڑھتا ہو، عاشور خانہ یا امام باڑے میں عزاداری کے لئے جاتا ہو، درگاہ پر فاتحہ خوانی یا گل افشانی کرتا ہے غرض یہ کہ جو بھی مستفیدلہ (Beneficiary) کی تعریف میں آ سکتا ہے دے سکتا ہے۔

اس تحریر میں قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کے ان نکات کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے اس فقہی سیمینار میں زیر بحث سوالات پر غور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس قانون میں کئی اور مفید و مضر دونوں طرح کے پہلو ہیں ان کو اس تحریر میں زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء کا ایک خاکہ

باب(۱)

مراتب ابتدائی

دفعہ۔۱　مختصر نام، وسعت اور تاریخ نفاذ

''۔۲　قانون کا اطلاق

''۔۳　تعریفات۔ اس دفعہ میں اصطلاحات کے علاوہ ان الفاظ کی تعریف شامل ہے جو اپنے مخصوص معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔ جیسے مستفیدلہ، متولی، وقف میں مفاد رکھنے والا شخص، وقف تعامل، وقف علی الاولاد۔

باب(۲)

اوقاف کا سروے

دفعہ۔۴　اوقاف کا ابتدائی سروے

''۔۵　فہرست اوقاف کی اشاعت

''۔۶　اوقاف کی نسبت نزاعات

''۔۷　اوقاف کی نسبت نزاعات طے کرنے کے ٹریبونل کے اختیارات

''۔۸　سروے کے اخراجات کی وصولی

باب(۳)

مرکزی وقف کونسل

دفعہ۔۹　مرکزی وقف کونسل کا قیام اور اس کا دستور

''۔۱۰　کونسل کا مالیہ

''۔۱۱　حسابات اور تنقیح

" ۱۲۔ قواعد بنانے کا مرکزی حکومت کا اختیار

باب (۴)

بورڈ کا قیام اور اس کے فرائض

دفعہ۔ ۱۳ تشکیل
" ۱۴۔ بورڈ کی ترکیب
" ۱۵۔ عہدہ کی میعاد
" ۱۶۔ بورڈ کے رکن کی حیثیت سے تقرر کئے جانے یا برقرار رہنے کی نا اہلیت
" ۱۷۔ بورڈ کے اجلاس
" ۱۸۔ بورڈ کی کمیٹیاں
" ۱۹۔ صدر نشین اور ارکان کا استعفیٰ
" ۲۰۔ صدر نشین اور ارکان کی علیحدگی
" ۲۱۔ خالی جگہ کا پر کرنا
" ۲۲۔ خالی جگہیں وغیرہ.... بورڈ کی کاروائیوں کا بے ضابطہ قرار نہ پانا
" ۲۳۔ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کا تقرر اور اس کے عہدہ کی معیاد اور خدمت کے دیگر شرائط
" ۲۴۔ بورڈ کے عہدیدار اور دیگر ملازمین
" ۲۵۔ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے فرائض و اختیارات
" ۲۶۔ بورڈ کے احکام یا قراردادوں کے بارے میں چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے اختیارات
" ۲۷۔ بورڈ کی جانب سے تفویض اختیارات
" ۲۸۔ چیف ایکزیکیٹو کا کلکٹر کی وساطت سے اختیارات کا استعمال کرنا وغیرہ
" ۲۹۔ ریکارڈ، رجسٹر وغیرہ کے معائنہ کے چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے اختیارات
" ۳۰۔ ریکارڈ کا معائنہ

''۔۳۱ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عدم قابلیت کا انسداد
''۔۳۲ بورڈ کے اختیارات و فرائض
''۔۳۳ چیف ایگزیکٹیو آفیسر کی یا اس کے مجاز کردہ اشخاص کی جانب سے معائنہ کے اختیارات
''۔۳۴ دفعہ ۳۳ کے تحت متعینہ رقم کی وصولیابی
''۔۳۵ ٹریبونل کی جانب سے شروط قرقی

باب(۵)

اوقاف کی رجسٹری

دفعہ۔۳۶ رجسٹری
''۔۳۷ اوقاف کا رجسٹر (کتاب الاوقاف)
''۔۳۸ ایگزیکٹیو آفیسر کے تقرر کا بورڈ کو اختیار
''۔۳۹ ان اوقاف کی نسبت بورڈ کے اختیارات جن کا وجود ختم ہو چکا ہے۔
''۔۴۰ اس امر کا فیصلہ کہ کوئی جائداد موقوفہ جائداد ہے۔
''۔۴۱ وقف کی رجسٹری کرنے اور (اوقاف کے) رجسٹر میں ترمیم کا اختیار
''۔۴۲ اوقاف کے انتظامیہ میں تبدیلی کی اطلاع
''۔۴۳ قانون ہذا کے آغاز کی تاریخ سے قبل درج رجسٹر اوقاف درج رجسٹر متصور رہوں گے۔

باب(۶)

اوقاف کے حسابات کا رکھنا

دفعہ۔۴۴ میزانیہ (بجٹ)
''۔۴۵ بورڈ کے راست زیر انتظام اوقاف کے میزانیہ کی تیاری
''۔۴۶ اوقاف کے حسابات پیش کرنا

''۔۴۷ اوقاف کے حسابات کی تنقیح

''۔۴۸ تنقیح ساز (آڈیٹر) کی رپورٹ پر بورڈ احکام صادر کرے گا۔

''۔۴۹ مصدقہ وصول طلب رقم مثل بقایا زر مالگزاری اراضی قابل وصول۔

''۔۵۰ متولی کے فرائض

''۔۵۱ بورڈ کی منظوری کے بغیر موقوفہ کی جائداد کی منتقلی کا کالعدم قرار پانا

''۔۵۲ دفعہ ۵۱ کی خلاف ورزی میں منتقل کی ہوئی موقوفہ جائداد کی بازیابی

''۔۵۳ وقف کی جانب سے جائداد کی خرید پر پابندی

دفعہ۔ ۵۴ موقوفہ جائداد سے غاصبانہ قبضہ ہٹانا

''۔۵۵ دفعہ ۵۴ کے تحت صادر احکام کا نفاذ

''۔۵۶ موقوفہ جائداد کو نزول (لیز) پر دینے پر پابندی

''۔۵۷ جائداد موقوفہ کی آمدنی سے بعض اخراجات کی ادائیگی کا متولی کو اختیار

''۔۵۸ متولی کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بقایا ادا کرنے کا بورڈ کو اختیار

''۔۵۹ محفوظ فنڈ (ریزرو فنڈ) کا قیام

''۔۶۰ مدت میں توسیع

''۔۶۱ سزائیں

''۔۶۲ متولی اپنی ذات کی مدافعت کے لئے وقف کی کسی رقم کو خرچ نہ کرے۔

''۔۶۳ بعض صورتوں میں متولیوں کے تقرر کا اختیار

''۔۶۴ متولی کی علیحدگی

''۔۶۵ بورڈ کی جانب سے بعض اوقاف کے راست انتظام کی ذمہ داری

''۔۶۶ متولی کے تقرر اور علیحدگی کے اختیارات ریاستی حکومت کی جانب سے کب استعمال ہوں

''۔۶۷ انتظامی کمیٹی پر نگرانی اور ان کی منسوخی

''۔۶۸ ریکارڈ وغیرہ کا قبضہ دینے کا متولی یا کمیٹی کا فرض

''۔۶۹ وقف کے نظم ونسق کے لئے اسکیم مرتب کرنے کا بورڈ کو اختیار

''۔۷۰ وقف کے نظم ونسق سے متعلق تحقیقات
''۔۷۱ تحقیقات منعقد کرنے کا طریقہ

باب(۷)

بورڈ کا مالیہ

دفعہ۔۷۲ بورڈ کو واجب الادا سالانہ حصہ رسیدی
''۔۷۳ بینکوں اور دیگر اشخاص کو ادائیگی کرنے کی ہدایت دینے کا چیف ایکزیکیٹو آفیسر کو اختیار
''۔۷۴ وقف کو قابل ادائیگی دوامی سالیانہ سے حصہ رسیدی کی منہائی
''۔۷۵ قرض لینے کا بورڈ کو اختیار
دفعہ۔۷۶ بغیر منظوری متولی نہ قرض لے نہ قرض دے
''۔۷۷ وقف فنڈ
''۔۷۸ بورڈ کا میزانیہ (بجٹ)
''۔۷۹ بورڈ کے حسابات
''۔۸۰ بورڈ کے حسابات کی تنقیح
''۔۸۱ تنقیح ساز (آڈیٹر) کی رپورٹ پر ریاستی حکومت کا احکام صادر کرنا
''۔۸۲ بورڈ کو وصولی طلب رقم کی مثل بقایا زر مالگزاری اراضی وصول

باب(۸)

عدالتی کارروائیاں

دفعہ۔۸۳ ٹربیونل وغیرہ کی تشکیل
''۔۸۴ ٹربیونل کا تیزی سے کارروائی چلانا اور فریقین کو اپنے فیصلے کی نقلیں فراہم کرنا۔
''۔۸۵ دیوانی عدالتوں کے دائرہ اختیار پر امتناع

''۔۸۶ بعض کیسوں میں ریسیور کا تقرر

''۔۸۷ غیر درج رجسٹر اوقاف کی جانب سے حق کے نفاذ پر امتناع

''۔۸۸ کسی نوٹیفکیشن وغیرہ کے جواز کو چیلنج کرنے پر روک

''۔۸۹ بورڈ کے خلاف مقدمہ کی فریقین کی جانب سے نوٹس

''۔۹۰ مقدموں وغیرہ کی نوٹس عدالتوں کی جانب سے

''۔۹۱ لینڈ ا کویزیشن ایکٹ ۱۹۸۴ء کے تحت کارروائیاں

''۔۹۲ مقدمہ یا کارروائی میں بورڈ کا فریق بنا

''۔۹۳ متولی کے یا اس کے خلاف مقدمہ میں مصالحت پر امتناع

''۔۹۴ فرائض کی انجام دہی میں متولی کی ناکامی کی صورت میں ٹریبونل میں درخواست گذاری کا اختیار

''۔۹۵ متعینہ مدت کے ختم ہونے کے بعد مرافعہ (اپیل) کو (مہلت) کے لئے قبول کرنے کا مقتدرادارہ مرافعہ کو اختیار

باب(۹)

متفرقات

دفعہ۔۹۶ اوقاف کی سیکولر سرگرمیوں کو باقاعدہ بنانے کا مرکزی حکومت کو اختیار

''۔۹۷ ریاستی حکومت کی ہدایت

''۔۹۸ ریاستی حکومت کی سالانہ رپورٹ

''۔۹۹ بورڈ کی معزولی کا اختیار

''۔۱۰۰ نیک نیتی سے کی گئی کاروائی کا تحفظ

''۔۱۰۱ سروے کمشنر، بورڈ کے ارکان وعہدیداروں کا سرکاری ملازم متصور رہنا

''۔۱۰۲ بعض بورڈ کی دوبارہ تنظیم کے لئے خصوصی قانونی گنجائش

'' ۔۱۰۳ کسی ریاست کے حصہ کے لئے بورڈ کے قیام کے لئے خصوصی قانونی گنجائش
'' ۔۱۰۴ اسلام کو نہ ماننے والے اشخاص کی جانب سے اوقاف کی مدد کے لئے دیئے ہوئے یا عطا کئے ہوئے جائدادوں پر قانون کا اطلاق
'' ۔۱۰۵ دستاویزات کی نقلیں وغیرہ فراہم کرنے کا حکم دینے کا بورڈ اور چیف ایکزیکیٹو آفیسر کو اختیارات
'' ۔۱۰۶ مشترکہ بورڈ کی تشکیل کا مرکزی حکومت کو اختیار
'' ۔۱۰۷ موقوفہ جائدادوں کی بازیابی کے لئے قانون ۳۶ بابت ۱۹۶۳ء کا عدم اطلاق
'' ۔۱۰۸ تخلیہ کنندگان کی موقوفہ جائدادوں کی نسبت خصوصی قانونی گنجائش
'' ۔۱۰۹ قواعد بنانے کا اختیار
'' ۔۱۱۰ بورڈ کی جانب سے ضابطہ بنانے کا اختیار
'' ۔۱۱۱ قواعد وضوابط کو ریاستی قانون سازیہ (لیجسلیچر) کے آگے پیش کرنا۔
'' ۔۱۱۲ تنقیح وتحفظ
'' ۔۱۱۳ مشکلات کو دور کرنے کا اختیار

☆☆☆☆

ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام - ایک رپورٹ

جناب سالار محمد خان ☆

ہندوستان میں اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال مختلف وقف قوانین کے مطابق صوبائی سطح پر وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جا رہا ہے، حکومت ہند نے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ کے ذریعہ اوقاف کے انتظام میں یکسانیت لانے کی کوشش کی ہے لیکن اب تک کئی صوبوں میں ۱۹۹۵ کے ایکٹ کو نافذ نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجہ میں بیشتر صوبوں میں وقف ایکٹ ۱۹۸۴ء کے تحت اوقاف کا انتظام اور دیکھ بھال کیا جا رہا ہے، درج ذیل وقف بورڈس یہ کام انجام دے رہے ہیں:

۱- آندھرا پردیش اسٹیٹ وقف بورڈ
۲- آسام بورڈ آف وقف
۳- بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ
۴- کرناٹک بورڈ آف وقف
۵- کیرالہ بورڈ آف وقف
۶- کچھ وقف بورڈ
۷- مدھیہ پردیش وقف بورڈ
۸- منی پور وقف بورڈ
۹- مراٹھواڑا وقف بورڈ
۱۰- اڑیسہ وقف بورڈ
۱۱- پنجاب وقف بورڈ
۱۲- راجستھان وقف بورڈ
۱۳- تمل ناڈو وقف بورڈ
۱۴- تری پورہ وقف بورڈ
۱۵- دہلی وقف بورڈ
۱۶- انڈمان نکوبار وقف بورڈ
۱۷- دادرہ اور نگر حویلی وقف بورڈ
۱۸- لکشدیپ وقف بورڈ
۱۹- پانڈیچری وقف بورڈ
۲۰- یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقف
۲۱- بورڈ آف ویسٹ بنگال

☆ ایڈوکیٹ، دہلی۔

اس کے علاوہ کچھ صوبوں میں الگ شیعہ وقف بورڈ ہیں۔

اوقاف کے انتظام اور دیکھ بھال اور فروغ(Development) کے راستہ میں متعدد رکاوٹیں ہیں، ان میں سب سے سنگین ترین مسئلہ اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں انٹر اسٹیٹ وقف کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اس وقت کے مرکزی وزیر برائے آبپاشی بجلی اور اوقاف جناب حافظ محمد ابراہیم نے کہا تھا: ''وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ جائداد اوقاف پر غاصبانہ قبضہ ہے، یہ بھی تقسیم ملک کے نتائج میں ایک ہے جس کی وجہ سے متعدد افراد اوقاف کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے یا جانے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ایسی متعدد جائداد کسٹوڈین کے قبضہ میں چلی گئی۔ حالانکہ اب عبادت گاہ اور دوسرے مقدس مقامات وقف بورڈ کے حوالہ کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اب بھی متعدد ایسی جائدادیں ہیں جو غیر قانونی قبضہ میں ہیں اور جنہیں حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بازی ناگزیر ہے۔''(۱)

تقریباً ۴۷ سال بعد بھی درج بالا جملے کم وبیش صادق سمجھے جا سکتے ہیں۔ نہ صرف ملک کی تقسیم کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر غاصبانہ قبضے ہوئے بلکہ مختلف دوسری وجوہات کی بنا پر اس طرح کے قبضے ہوئے ہیں، اور اب بھی یہ عمل جاری ہے۔ اس کی وجوہات میں اوقاف کی جائدادوں کا آبادی کے درمیان آ جانا، زمین کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ، اوقاف کی دیکھ بھال کے لئے درکار وسائل کی کمی، اور متولیان کی بددیانتی اہم ترین ہیں۔

ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، اور مرکز کے زیر انتظام علاقہ چنڈی گڈھ میں ۳۵۵۸۹ جائداد اوقاف ہیں(۲)۔ دراصل اس علاقہ سے تقسیم ہند کے وقت بڑی تعداد میں مسلمانوں نے پاکستان ہجرت کی تھی جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جائداد اوقاف ناجائز قبضوں میں چلے گئے۔ متعدد اوقاف کو بشمول مساجد کو رہائش گاہوں، گردواروں، گوداموں میں تبدیل کر دیا گیا، مثلاً ہریانہ کے انبالہ ضلع میں ۹۱ مساجد ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ۸ مساجد پنجاب

وقف بورڈ کے پاس ہیں، باقی تمام مساجد ناجائز قبضہ میں ہیں (۳)۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کے سروے کے مطابق ہریانہ پنجاب، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڈھ میں ۳۴۲۲۳ وقف کی جائدادیں تھیں اور پنجاب وقف بورڈ کے مطابق یہ سروے قابل اطمینان نہیں تھا۔ اور تقریباً ۴۰ فیصد اوقافی جائدادوں کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سروے میں جن جائدادکو اوقاف کی جائداد تسلیم کیا گیا تھا ان میں سے اب تک ۴۰ فیصد ایسی ہیں جو کہ پنجاب وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ تقریباً ۳۰ فیصد اوقافی جائدادیں حکومتی اداروں، پرائیویٹ اداروں اور دیگر افراد کے قبضے میں ہیں۔ جبکہ ۲۰ فیصد جائداد اوقاف ان صوبوں کے کسٹوڈین اور (Rehabilitation departments) نے فروخت کردیے ہیں ان صوبوں میں ۵۸۸ اوقافی جائدادیں حکومت کے ناجائز قبضوں میں ہیں، اس وقت پنجاب وقف بورڈ تقریباً ۱۴۳۶۲ مقدموں میں الجھا ہوا ہے۔ جس میں غاصبانہ قبضوں کو ہٹانا، جائداد سے غیر قانونی غاصبین کا انخلاء، اور کرایہ کی وصولی شامل ہیں (۴)۔

اترپردیش سنی وقف بورڈ کے زیر نگرانی تقریباً ۶ ہزار اوقاف ہیں۔ اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ سب سے سنگین ہے۔ بورڈ کی رپورٹ کے مطابق وقف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کی شکایتیں تقریباً روزانہ موصول ہوتی ہیں۔ اس وقت الہ آباد ہائی کورٹ کی الہ آباد بنچ کے زیر سماعت ۲۱۸ مقدمے ہیں، جبکہ لکھنؤ بنچ کے زیر سماعت ۸۸ مقدمے ہیں، مختلف ضلعی عدالتوں میں ۵۳۲ مقدمے اور دیوانی عدالتوں میں ۸۵۵ اور منصف کی عدالتوں میں ۱۰۹۸ مقدمے زیر سماعت ہیں (۵)۔

دہلی میں وقف کمشنر کے سروے کے مطابق ۱۹۵۷ اوقاف کی جائدادیں ہیں، ان میں سے ۱۰۴۶ دہلی وقف بورڈ کے زیر انتظام ہیں۔ دہلی وقف بورڈ کے مطابق دہلی میں اوقاف کا ایک بڑا مسئلہ اوقاف کی جائداد، قبرستانوں، خانقاہوں، مساجد اور دیگر جائداد پر غاصبانہ قبضہ ہے (۶)، دہلی میں اوقاف کی جائداد سے متعلق مسئلہ ایک منفرد مسئلہ ہے۔ انگریز حکومت کے

خلاف مسلمانوں کی پہلی جنگ آزادی میں سرگرمی سے شرکت کی وجہ سے سزا کے طور پر جائدادوں کو انگریز حکومت نے زبردستی قبضہ کرلیا تھا۔ جن میں متعدد اوقافی جائدادیں بھی شامل ہیں، اس مسئلہ کے حل کے لئے ۲۳رمئی ۱۹۵۶ء کو ایس ایم ایچ برنی کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ۲۰۴ ایسی جائدادوں کی نشاندہی کی جن کے متعلق سرکاری محکموں اور دہلی وقف بورڈ کے درمیان مقدمے چل رہے تھے، ان میں سے ۱۲۳ جائدادیں دہلی وقف بورڈ کو منتقل کرنے کی سفارش کی گئی، جس کے نتیجے میں ۱۹۸۴ء میں یہ دہلی وقف بورڈ کو (Lease) پر منتقل کردئے گئے، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ ان جائدادوں کی اصل ملکیت قانونی طور پر حکومت کے پاس رہے گی (۷)۔ اس کے علاوہ مختلف اوقاف بشمول مساجد دیگر افراد کے غاصبانہ قبضوں میں ہیں، اور زمین کی قیمتوں میں اضافہ اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے اوقاف کی جائداد پر قبضوں کا عمل جاری ہے۔

مدھیہ پردیش میں اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضوں کا مسئلہ کافی سنگین ہے، مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے مطابق اس صوبہ میں تقریباً ۷۵ فیصد اوقاف کی زمینیں سرکاری قبضوں میں ہیں (۸)۔ ان کے علاوہ متعدد افراد نے بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضے کرلئے ہیں۔ ایسی جائدادوں میں بھوپال شہر میں (Capital Hotel) کے پیچھے ایک بڑا قبرستان بھی شامل ہے، اس قبرستان پر ایک بلڈر نے (Co-oprative society) کی آڑ میں کئی منزل کا شوپنگ کمپلیکس بنانا شروع کردیا ہے۔ اس قبرستان کو بچانے کے لئے مقامی مسلمانوں کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے لیکن ہائی کورٹ تک جانے کے باوجود کوئی قابل غور کامیابی نہیں مل سکی (۹)۔ مدھیہ پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد پندرہ ہزار ایک سو پچاس ہے، جن میں سے چودہ ہزار سات سو اکتالیس سنی اور چار سو شیعہ اوقاف ہیں (۱۰)۔ صوبہ میں اوقاف کی جائدادوں پر ناجائز قبضوں یا مقدموں کے متعلق کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اوقاف کے مسائل پر تمام تر مقدمے مقامی مسلمان یا متولین اپنے طور پر

لڑتے ہیں، اس ضمن میں ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ مدھیہ پردیش وقف بورڈ نے صوبے میں ۷۵ فیصد اوقاف کی زمین حکومتی یا نیم حکومتی اداروں کے قبضے میں چلے جانے کے باوجود اس معاملہ میں کسی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہیں کیا ہے، جس کی وجہ سے ایسی تمام جائدادیں مکمل طور پر حکومت کے قبضہ میں چلے جانے کا خدشہ ہے(۱۱)۔

آندھرا پردیش میں اوقاف کی دیکھ بھال آندھرا پردیش وقف بورڈ کے ذریعہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش میں اوقافی جائدادوں کی کل تعداد تقریباً ۳۵ ہزار سات سو نوے ہے۔ جن کی زمین کا رقبہ ایک لاکھ ۳۳ ہزار ایکڑ ہے (۱۲)۔ ناجائز قبضوں میں چلے گئے اوقاف اور ان سے متعلق مقدموں کے بارے میں وقف بورڈ نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ چند اوقاف کے بارے میں مقامی طور پر کچھ شکایتیں موصول ہوئی ہیں جن کے مطابق ان اوقاف کی جائداد متولین غیر قانونی طور پر فروخت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی جائدادیں حکومت کے اداروں کے قبضوں میں ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق پچاس ایسی جائدادیں ہیں جن کے بارے میں وقف بورڈ اور حکومت کے اداروں کے درمیان مقدمے چل رہے ہیں۔

اڑیسہ میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کے زیر اہتمام ہے، اس صوبے میں تین ہزار چھ سو بیس اوقافی جائدادیں ہیں۔ وقف بورڈ کی اطلاع کے مطابق صوبہ میں پندرہ اوقافی جائدادوں پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے (۱۳)۔

آسام میں صرف ۶۷ اوقافی جائدادیں ہیں جن میں سے تین جائدادوں پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں۔ صوبے میں صرف سات اوقاف کی آمدنی پچاس ہزار سالانہ سے زائد ہے (۱۴)۔

بہار میں سنی اوقاف کی دیکھ بھال بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کرتا ہے، اس صوبے میں آج تک اوقاف کی جائداد کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ بہر حال اس وقت صوبے میں ۲۲۸۰ اوقافی جائدادیں سنی وقف بورڈ میں رجسٹرڈ ہیں۔ اس صوبے میں تین اوقاف صوبائی سنی وقف

بورڈ کے انتظام میں ہیں۔ اس صوبے میں چار اوقاف پر ناجائز قبضے کی اطلاع صوبائی سنی وقف بورڈ کے دفتر سے ملی، ان میں سے ایک صوبائی بورڈ کے سیدھے انتظام میں تھا۔ اس صوبے میں ۳۵۱ اوقافی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں جہاں ناجائز قبضوں کو روک پانا بہت مشکل ہورہا ہے۔کئی اوقاف کے مقدمے مختلف عدالتوں میں زیرغور ہیں(۱۵)۔

مغربی بنگال میں اوقاف کی دیکھ بھال صوبائی وقف بورڈ کرتا ہے۔ اس صوبے میں اب تک اوقاف کا سروے نہیں کیا گیا ہے۔ حال ہی میں یہ سروے شروع کیا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس صوبے میں تقریباً ۸۰۰ اوقاف کی جائدادیں شہری علاقوں میں ہیں۔ اس صوبے کے وقف بورڈ کے پاس ناجائز قبضوں کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ہے۔حالانکہ وقف بورڈ یہ اعتراف کرتا ہے کہ صوبے میں اوقاف کی جائدادوں کا ناجائز قبضہ ہوا ہے۔صوبے میں ۵۴ ایسی جائدادیں ہیں جنہیں غیر قانونی طور پر مختلف افراد کو منتقل کردیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی ۲۸ جائدادیں دوسری جائدادوں سے ادلا بدلی کی گئی ہیں جس سے ایک اندازہ کے مطابق ۱۵ کروڑ روپے سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے، ان میں سے زیادہ تر جائدادیں کلکتہ اور ہوڑہ شہر کی ہیں(۱۶)۔

کرناٹک میں اوقاف کی دیکھ بھال کرناٹک وقف بورڈ کے زیر انتظام ہے، کرناٹک میں تقریباً ۲۲ہزار وقف کی جائدادیں ہیں(۱۷) پوری کوشش کے باوجود کرناٹک وقف بورڈ سے ان اوقاف کے متعلق اطلاعات حاصل نہیں کی جاسکی ہیں، لیکن دوسرے ذرائع سے موصول اطلاعات کے مطابق اس صوبے میں بھی اوقاف کی جائداد پر ناجائز قبضوں کا عمل جاری ہے، اطلاعات کے مطابق صرف چتر درگ ضلع میں ۱۲ اوقاف کی جائداد کو غیر قانونی قبضہ میں کرلیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ غاصبین حکومت کے ادارے ہیں، جبکہ مختلف افراد بھی یہ قبضے کرنے میں شامل ہیں(۱۸)۔

کسی بھی جائداد کی دیکھ بھال، انتظام اور ترقی کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی

ہے، وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ تو اطمینان بخش دیکھ بھال ہوسکتی ہے اور نہ ترقی۔ ہندوستان میں اوقاف کے انتظام اور ترقی میں دوسرا بڑا مسئلہ وسائل کی قلت کا ہے۔ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع کافی محدود ہیں، عام طور پر اوقاف کی واحد آمدنی کا ذریعہ جائداد کا کرایہ ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ اوقاف ہیں، ان میں سے بیشتر اوقاف کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔ عام طور پر اوقاف کی دیکھ بھال اور انتظام کا کام مقامی طور پر متولین یا مقامی طور پر تشکیل شدہ کمیٹیاں انجام دیتی ہیں۔ مختلف وقف قوانین کے تحت تشکیل شدہ وقف بورڈ اپنے دائرۂ اختیار میں موجود اوقاف کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وقف بورڈ کچھ مخصوص حالات میں اوقاف کا براہ راست انتظام کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ وقف بورڈ کی آمدنی کے دو اہم ذرائع ہیں۔ ایک ان کے براہ راست انتظام میں موجود اوقاف کی جائداد کو کرایہ پر دینے سے ہونے والی آمدنی، اور دوسرا ان کے دائرۂ اختیار میں موجود ۵ ہزار سالانہ سے زائد آمدنی والے اوقاف سے چھ فیصد سالانہ کی در سے وصولی کیا جانے والا (Contribution) ہے، اس کے علاوہ سنٹرل وقف کونسل مختلف ترقیاتی منصوبوں کے لئے وقف بورڈ کو قرض دیتی ہے۔ سینٹرل وقف کونسل کی آمدنی کا ذریعہ صوبائی وقف بورڈ سے حاصل کردہ ان کی آمدنی کا ایک فیصد (Contribution) اور مرکزی حکومت سے ملنے والی امداد ہوتا ہے۔

ہندوستان میں پنجاب وقف بورڈ کے براہ راست انتظام میں تقریباً پندرہ ہزار اوقاف ہیں۔ ملک کے کسی دوسرے وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام میں اتنی بڑی تعداد میں اوقاف نہیں ہیں۔ پنجاب وقف بورڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ان جائداد اوقاف سے ملنے والا کرایہ ہے۔ ۱۹۹۵/۹۶ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی آمدنی اس ذریعہ سے تقریباً چھ کروڑ روپے تھی، جب کہ مختلف اوقاف سے حاصل ہونے والے چھ فیصد سالانہ (Contribution) سے تقریباً ۴۲ لاکھ روپے حاصل ہوئے۔ پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے دولت مند وقف بورڈ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقف بورڈ کی یہ آمدنی پنجاب

،ہریانہ، ہماچل پردیش، اور چنڈی گڈھ میں موجود اربوں روپے کی جائداد اوقاف کو دیکھتے ہوئے کافی کم ہے(۱۹)۔

دہلی وقف بورڈ کے براہ راست زیر انتظام ایک ہزار ۴۶ جائدادیں ہیں اتنی بڑی تعداد میں جائداد ہونے کے باوجود ۹۵/ ۱۹۹۴ کے دوران دہلی وقف بورڈ کی آمدنی صرف ۶۱ لاکھ روپے تھی(۲۰)۔ اور مقامی متولین کے زیر انتظام اوقاف میں صرف چار اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار سالانہ سے زائد ہے، دہلی وقف بورڈ کی اتنی کم آمدنی ہونے کی ایک بڑی وجہ جائداد کا کرایہ معمولی ہونا اور جائداد پر ناجائز قبضے ہونا ہے، دہلی وقف بورڈ کرائے پر دی گئی جائدادوں کا کرایہ بھی پوری طرح وصول نہیں کرپاتا ہے(۲۱)۔

بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/ ۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۱۶ لاکھ روپے تھی جس میں سے اس کی اپنی آمدنی تقریباً سوا چھ لاکھ روپئے تھی، جب کہ ۱۰ لاکھ روپئے حکومت کی طرف سے امداد کے طور پر ملا، ۹۷/ ۱۹۹۶ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی اپنی آمدنی تقریباً ۵ لاکھ ۷۰ ہزار روپئے جو گذشتہ مالی سال سے ۵۰ ہزار روپئے کم تھی، اس مالی سال کے دوران صوبائی حکومت نے پندرہ لاکھ روپئے کی امداد اس وقف بورڈ کو دی اس کے باوجود بورڈ کے اخراجات پورے نہیں ہوسکے۔ مارچ ۱۹۹۷ تک اس بورڈ پر تقریباً ۵۰ لاکھ روپئے کا قرض تھا، نتیجۃً مئی ۱۹۹۷ میں موصول ایک اطلاع کے مطابق وقف بورڈ کے ملازمین کو گذشتہ بارہ مہینوں سے تنخواہ نہیں دی جاسکی ہے(۲۲)۔

اڑیسہ وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/ ۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۵۸ ہزار روپئے تھی۔ جب کہ پورے صوبے میں صرف سات اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار روپیہ سالانہ سے زائد ہے۔ صوبے میں شہری علاقوں میں ۳۰۰ اوقافی جائدادیں ہیں، ان اوقاف میں سے متعدد اوقاف کی آمدنی بڑھائی جاسکتی ہے(۲۳)۔

اترپردیش سنی وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۹۶/ ۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران تقریباً

ایک کروڑ ۶۳ لاکھ روپئے تھی، جبکہ صوبائی حکومت نے دو کروڑ پچاس لاکھ روپئے امداد فراہم کی تھی، اس کے باوجود بورڈ اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکا، جسکے نتیجے میں ۹۵/ ۱۹۹۴ اور ۹۶/ ۱۹۹۵ کے مالی سال کے دوران ملازمین کی تنخواہیں اور بونس وغیرہ ادا نہیں کئے جاسکے۔ ٹیلیفون اور بجلی کے بل، وکلاء کی فیس، اسٹیشنری وغیرہ کے بل بھی اس دوران ادا نہیں کئے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے صوبے میں موجود ایک لاکھ ایک سو انتیس اوقاف میں سے بیشتر اوقاف کی کوئی آمدنی نہیں ہے، بورڈ کے مطابق ۴۷ اوقاف ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپئے سے زائد ہے، جب کہ ۴۴ اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار روپئے سے زائد مگر ایک لاکھ سے کم ہے (۲۴)۔

آندھراپردیش وقف بورڈ کی آمدنی ۹۶/ ۱۹۹۵ مالی سال کے دوران تقریباً ۹۰ لاکھ روپئے تھی، جب کہ ۹۷/ ۱۹۹۶ مالی سال کے دوران یہ آمدنی ایک کروڑ گیارہ لاکھ روپئے تھی، یہ آمدنی اس صوبے میں موجود تقریباً ۳۵ ہزار سے زائد اوقاف کو دیکھتے ہوئے کافی کم ہے۔ اس وقف بورڈ کے براہ راست انتظام میں چارسو انتیس اوقاف ہیں۔ یہ جائداد اوقاف مختلف افراد کو کرائے پر دی گئی ہے جنکا ماہانہ کرایہ ۵ روپیہ سے لے کر چار ہزار روپئے تک ہے، سب سے زیادہ کرایہ دار سو روپئے ماہانہ سے کم کرایہ ادا کرتے ہیں۔ ۳ ہزار ماہانہ سے زائد کرایہ دینے والے صرف چار کرایہ دار ہیں۔ پورے صوبے میں صرف ایک سو چودہ اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ۵۰ ہزار سالانہ سے زائد ہے (۲۵)۔

منی پور وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۹۵/ ۱۹۹۴ کے مالی سال میں تقریباً ۷۳ ہزار رہی ہے، جبکہ اس صوبے میں نامکمل سروے کے مطابق ۱۶۶ اوقاف ہیں، یہ وقف بورڈ اپنے اخراجات کے لئے صوبائی حکومت پر منحصر ہے (۲۶)۔

پانڈیچیری وقف بورڈ کا بھی کم وبیش یہی حال ہے۔ ۹۴/ ۱۹۹۳ کے مالی سال کے دوران اس وقف بورڈ کی آمدنی تقریباً ۲۲ ہزار روپئے تھی، جبکہ صوبائی حکومت نے ۴۱ ہزار

روپے کی امداد فراہم کی (۲۷)۔

کیرالہ وقف بورڈ کی اپنی آمدنی ۱۹۹۶/۹۷ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۳۵ لاکھ روپے تھی، جب کہ صوبائی حکومت ۱۵ لاکھ روپے سالانہ کی امداد فراہم کرتی ہے، جب کہ صوبہ میں ۶ ہزار ۹۲۷ اوقاف ہیں جن کے تحت زمین کا رقبہ ۲۲ ہزار چار سو ساٹھ ایکڑ ہے۔ پورے صوبے میں تقریباً ۲۰۰ اوقاف ہی ایسے ہیں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ سے زائد ہے (۲۸)۔

مدھیہ پردیش وقف بورڈ کی آمدنی ۱۹۹۵/۹۶ کے مالی سال کے دوران تقریباً ۱۲ لاکھ ۵۴ ہزار روپے تھی جبکہ ۱۵ لاکھ روپے کی امداد صوبائی حکومت سے اس وقف بورڈ کو حاصل ہوئی (۲۹)۔

آسام وقف بورڈ کی ۱۹۹۵/۹۶ کے مالی سال کے دوران آمدنی صرف ۵۷ ہزار روپے تھی۔ جبکہ ایک لاکھ روپے کی امداد صوبائی حکومت نے فراہم کی اس صوبے میں صرف ۶۷ اوقاف ہیں اور ان میں سے صرف سات اوقاف کی آمدنی ۵۰ ہزار روپے سالانہ سے زائد ہے۔ اس صوبے میں ۲۳ جائداد اوقاف شہری علاقوں میں ہیں (۳۰)۔

اس طرح کم وبیش ملک کے تمام وقف بورڈ کی آمدنی اور اخراجات کی حالت یکساں ہے، آمدنی اور اخراجات کا موازنہ منسلک ٹیبل کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے، ان وقف بورڈوں کی آمدنی ان کے اخراجات سے یا تو کافی کم ہے، یا اگر زیادہ ہے تو بھی اتنی زیادہ نہیں کہ اس سے کوئی ترقیاتی منصوبہ ہاتھ میں لیا جا سکے۔ اس کے علاوہ متولین کی بددیانتی اور قانونی پیچیدگیاں اوقاف کے انتظام اور ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں، متولین کی بددیانتی سے ہونے والے نقصان کو روکنے کے لئے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ میں قانونی حل موجود ہے۔ جس کا سہارا لے کر مقامی مسلمان اس مسئلہ سے نپٹ سکتے ہیں۔ دیگر قانونی پیچیدگیوں میں صوبائی سطح پر موجود کرایہ داری سے متعلق قوانین، زمینوں سے متعلق حد بندی کے قوانین، میونسپلٹی کے نافذ کردہ ٹیکس اور شہری ترقیاتی

منصوبے قابل ذکر ہیں، ان مشکلات کے حل کے لئے سیاسی اور قانونی راستے موجود ہیں لیکن اس کے لئے مسلمانوں میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح وسائل کی قلت بذات خود ایک بڑا مسئلہ ہے، اس مسئلے کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اوقاف کی جائداد کی بازاری قیمت عموماً کافی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان جائداد پر قبضہ کرنے والے لوگ بڑی رقومات اپنے قبضے کو بنائے رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر سماج کے با اثر لوگ ہوتے ہیں جو اپنا اثر ورسوخ بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس طرح اوقاف کی جائداد کو ناجائز قبضوں سے بچانے کے لئے بہتر دیکھ بھال کا متبادل نہیں ہے۔ بہتر دیکھ بھال کے لئے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ مالی وسائل یکجا کرنے کے لئے اوقاف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے ترقیاتی منصوبے اپنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے ترقیاتی منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

آج ملک میں بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے، کئی اوقاف کی کوئی آمدنی ہی نہیں ہے، اوقاف پوری طرح عوامی عطیات پر منحصر ہیں، چونکہ بیشتر اوقاف کی آمدنی بہت کم ہے اس لئے ان اوقاف کی دیکھ بھال نہیں ہو پاتی جس کی وجہ سے غاصبین کو ناجائز قبضہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ناجائز قبضہ ہوجانے کے بعد ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بھی مالی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی وجہ سے ان جائداد کو دوبارہ حاصل کرنا نہ صرف مشکل ہوجاتا ہے بلکہ بعض حالات میں صرف مالی مشکلات کی وجہ سے یہ جائداد وقف کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، اگر قانونی چارہ جوئی سے ایسی جائداد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو وقف کی تھوڑی سی آمدنی پر اور برا اثر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے اس وقف کی جائداد کی دیکھ بھال مزید متاثر ہوتی ہے جس سے بقیہ جائداد پر ناجائز قبضہ ہونے کے خطرات بڑھتے ہیں۔

Table

نمبر شمار	نام وقف بورڈ	اوقاف کی تعداد	ناجائز قبضے میں چلی گئی جائداد وقف	آمدنی ۹۵/۱۹۹۴ مالی سال بورڈ کی اپنی آمدنی	سرکاری امداد	اخراجات مالی سال ۹۵/۱۹۹۴
۱۔	آسام وقف بورڈ	۱۶۷ رجسٹرڈ وقف	۶	۲۳۸۲۹	۱،۰۰۰۰۰	۱۵۳۵۷/۷۶۰
۲۔	بہار اسٹیٹ سنی وقف بورڈ	کل تعداد دستیاب نہیں لیکن بورڈ میں ۲۲۸۰ اوقاف رجسٹرڈ ہیں	تعداد دستیاب نہیں	۵۵۳۵۵/۷۵	۱۰،۰۰۰۰۰	۱۵۲۹۸۲۸۸۵
۳۔	کرناٹک بورڈ آف وقف	۲۱۱۳۳	تعداد دستیاب نہیں	۲۵،۰۰۰۰۰	۶۷،۲۰۰۰	۸۰،۰۰۰۰۰
۴۔	کیرالہ وقف بورڈ	۶۷۹۴	کل تعداد ۹ جن کا رقبہ ۱۹۶۱ ایکڑ	۱۰،۹۹۸۸/۷۵	۱۵،۰۰۰۰۰	۱۷،۶۸۰۶/۰۰
۵۔	مدھیہ پردیش وقف بورڈ	کل تعداد ۱۵،۱۵۰	تقریباً ۷۵ فیصد جائداد اوقاف ناجائز قبضے میں	۱۰،۲۹۵۳۹	۱۱،۵۵۶۶۴	۲۴،۱۴۰۹۴
۶۔	مراٹھواڑا وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	۱۰،۰۱۰۳۰/۰۰	....	۱۹،۰۳۱۳۲/۰۰
۷۔	منی پور وقف بورڈ	کل تعداد ۱۶۶ (سروے مکمل نہیں)	تعداد دستیاب نہیں	۳۷،۳۲۷	۵۰،۰۰۰	۵۷،۸۴۵/۱۵
۸۔	اڑیسہ وقف بورڈ	کل تعداد ۳۶۲۰	۱۵	۳،۹۴۱۸۵۷۴	۲،۰۰۰۰۰	۳،۹۳۹۴۱
۹۔	پنجاب وقف بورڈ	کل تعداد ۳۵۵۸۹	تقریباً ۶۰ فیصد جائداد اوقاف	۷۲۳۹۳۱/۳۵	......	۳،۲۳۷۳۱/۹۸
۱۰۔	راجستھان وقف بورڈ	تقریباً ۵ ہزار	تعداد دستیاب نہیں	۲۷۱۰،۰۰۰	......	۳۰،۶۶۰۰۰

۱۱۔	تری پورہ وقف بورڈ	دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	....	۹،۸۰،۰۰۰	۲۶،۱۱۰۰۰
۱۲۔	یو پی سنی سینٹرل وقف بورڈ	۱۰۰،۰۳۱	تعداد دستیاب نہیں	۲۹،۵۷۸۹/۷۹	.....	۶۰،۳۸۰۰۰
۱۳۔	وقف کمشنر مغربی بنگال	کل تعداد دستیاب نہیں	۵۴	۱۱،۳۴۴۴	۲۴،۰۰۰۰۰	۲۵۴۸۵/۴۴
۱۴۔	لڈمان کو بار وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	کل تعداد دستیاب نہیں	۱۰،۸۶۴	۳۰۲۰۰۰	۳،۲۶۱۰۲/۲۰
۱۵۔	دہلی وقف بورڈ	کل تعداد ۱۹۵۷	کل تعداد دستیاب نہیں لیکن کم از کم سات جائداد اوقاف مرکزی حکومت اور ۹۴ مساجد دیگر افراد کے ناجائز قبضے میں ہیں	۶۱،۱۷۱۴۴	.....	۴۹،۱۶۹۱۱/۲۵
۱۶۔	لکھدیپ وقف بورڈ	تعداد دستیاب نہیں	کل تعداد دستیاب نہیں	۱۳،۱۷۰۳۴	.....	۹،۸۵۶۷۱
۱۷۔	پانڈیچری وقف بورڈ	دستیاب نہیں	تعداد دستیاب نہیں	۲۶،۶۶۷	۱،۰۰۰۰۰	۱،۱۶۳۳۹/۸۰
۱۸۔	آندھرا پردیش وقف بورڈ	۳۵،۷۰۰	تعداد دستیاب نہیں لیکن کم سے کم ۵۰ جائداد اوقاف سرکاری اداروں کے قبضوں میں ہونے کی اطلاع ہے۔	۷۵،۶۶۳۲۰	......	۷،۰۱۵۴۵۴۲۷

Source: Various reports. Central Waqf Council 94-95 and States Waqf Boards

تیسرا باب

تفصیلی مقالات

وقف سے متعلق احکام ومسائل

مولانا مفتی محمد حنیف صاحب ☆

الوقف فی اللغۃ: وقف کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں، پھر اسم مفعول یعنی موقوف کے معنی میں مشہور ہوگیا۔

"**الوقف لغة الحبس وهو مصدر ثم اشتهر في الموقوف**" (الدر مع الرد ۳/ ۳۵۷)۔

الوقف فی الشرع: وقف کی شرعی تعریف میں حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے:

امام صاحب کے نزدیک ملکیت باقی رکھتے ہوئے منافع کو صدقہ کردینے کا نام شریعت میں وقف ہے:

"**وشرعاً حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده**" (درمختار ۳/ ۳۵۷)۔

اورحضرات صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک کسی چیز کو اللہ رب العزت کی ملکیت میں دے کر اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ جائز مصارف پر صرف کرنے کا نام شریعت میں وقف ہے:

"**وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب**" (درمختار ۳/ ۳۵۸)۔

☆ صدر شعبہ افتاء، جامعہ ریاض العلوم جونپور۔

حکمه عند الامام: امام صاحب کے نزدیک صیغۂ وقف استعمال کرنے سے شئی موقوف وقف ہوجاتی ہے، لیکن ملک ید واقف کی باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے ملکیت کے احکام، یعنی بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری ہوں گے، اور ملکیت سے اخراج کے لئے چار چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

"والصحيح أنه جائز عند الكل وإنما الخلاف بينهم في اللزوم وعدمه فعنده يجوز جواز الإعارة، فتصرف منفعة إلى جهة الوقف مع بقاء العين على حكم ملك الواقف، ولو رجع عنه حال حياته جاز مع الكراهة ويورث عنه" (ردالمحتار رص۳۵۸) "وقال: فالرقبة باقية على ملكه في حياته وملك للورثة بعد وفاته فانه بحيث يباع ويوهب" (ردالمحتار ر۳۵۷)۔

اسباب خروج: چار جہتوں سے امامؒ کے نزدیک شئی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے:

(۱) موقوف اگر مسجد ہے تو اسکو الگ کردینے (حد بندی) سے واقف کی ملکیت ختم ہوکر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

(۲) قاضی لزومیت وقف کا فیصلہ کرکے متولی وغیرہ کے سپرد کردے۔

(۳) وقف کو اپنی وفات پر معلق کرنے کی صورت میں شئی موقوف ترکہ کے تہائی حصہ سے واقف کی ملکیت سے بعد وفات نکل جائے گی، اس تہائی موقوفہ حصہ میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

الحاصل: یہ بعینہ وصیت کے حکم میں ہے، لہذا اسکو اپنی زندگی میں رجوع کا اختیار ہوگا (تنبیہ: تعلیق بالوفات حقیقت میں زوال ملک کا سبب نہیں ہے)۔

(۴) کسی چیز کو اپنی زندگی اور بعد وفات دونوں میں ہمیشہ کے لئے وقف کردینے سے واقف کی ملکیت بعد وفات شئی موقوف سے ترکہ کے تہائی حصہ کے اعتبار سے ختم ہوجائے گی، اگر

رجوع نہ کیا تو اس پر وراثت بھی جاری نہ ہوگی، اورزندگی میں اس کی آمدنی تصدق کی نذر ہوگی جس کو پورا کرنا واجب ہے یعنی اس کی آمدنی کا صدقہ کرنا بوجہ نذر واجب ہے۔

''والملک يزول عن الموقوف بأربعة: (۱) بإفراز مسجد كما سيجئ (۲) وبقضاء القاضي، لأنه مجتهد فيه وصورته أن يسلمه إلى المتولي (۳) أو بالموت إذا علقه به أي بموته كإذا مت فقد وقفت داري على كذا، فالصحيح أنه كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبله (۴) أو بقوله وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً، فإنه جائز عندهم لكن عند الإمام ما دام حيا هو نذر بالتصدق بالغلّة فعليه الوفاء وله الرجوع ولو لم يرجع حتى مات جاز من الثلث'' (الدرالمختار ۳/۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳)۔

خلاصہ: حضرت امام صاحب کے نزدیک زوال ملکیت کے ذکرکردہ اسباب اربعہ میں سے دوسبب یعنی افرازمسجد اورقضاء قاضی ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت شئی موقوف سے ختم ہوجاتی ہے اوردوسبب ایسے ہیں جن سے فی الحال واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ علی حالہ اس کی ملکیت پر باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے اپنی زندگی میں واقف کو حق رجوع حاصل رہتا ہے، البتہ بعد وفات، یعنی فی الحال رجوع نہ پائے جانے کی صورت میں شئی موقوف ترکہ کے ثلث کے بقدر ملکیت نکل جائے گی، جس پروراثت جاری نہ ہوگی (کمافی الرد ۳/ ۳۶۴)۔

وحکمه عند الصاحبين: صاحبین اوراکثر علماء کے نزدیک صیغۂ وقف کے استعمال کرنے اوروقف کے تمام ہونے کے بعد وقف ہوکر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے شئی موقوف کا ہبہ، وصیت اوراس کی بیع وغیرہ باطل ہے اورروراثت کے احکام اس پر جاری نہ ہوں گے، البتہ تمامیتِ وقف میں حضرت امام محمدؒ اورحضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔

''وعندهما: هو حبسها على ملك الله تعالى و صرف منفعتها على

من أحب فیلزم، فلا یجوز له إبطاله ولایورث عنه و علیه الفتوی، وفی الحاشیة: وعندهما یلزم بدون ذلک وهو قول عامة العلماء وهو الصحیح، ثم إن أبا یوسف یقول: یصیر وقفا بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة العتاق عنده وعلیه الفتوی، و عند محمد: لا إلا بأربعة شروط ستأتی'' (الدرمع الرد ۳/۳۵۸)۔

شروط تمامیت وقف:

وعند محمد: حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وقف کے تام ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں، مندرجہ ذیل چاروں شرطیں جب پائی جائیں گی تو واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی پھر اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز ہوجائے گا۔

''قال محمد: إنما یجوز بأربع شرائط'':

۱- واقف اپنے قبضہ سے نکال کر متولی کے سپرد کردے۔

''أحدها: أن یخرجه من یده ویسلمه إلی المتولی''۔

۲- شئی موقوف مشترک نہ ہو بلکہ الگ ہو۔

''والثانی: أن یکون فی المفروز دون المشاع''

۳- شئی موقوف کے منافع میں سے اپنے لئے کوئی شرط نہ لگائے۔

''والثالث: أن لا یشترط لنفسه شیئا من منافع الوقف''۔

۴- ہمیشہ کے لئے وقف کردے۔

''والرابع: أن یکون مؤبدا بأن یجعل آخره إلی فقراء المسلمین'' (تحفۃ الفقہاء ۳/۳۷۷)۔

''وهکذا فی الدر المختار: ولا یتم الوقف حتی یقبض ویفرز فلا یجوز وقف المشاع ویجعل آخره لجهة لا تنقطع، هذا بیان شرائطه الخاصة علی قول محمد لأنه کالصدقة'' (درمختار ۳/ ۳۶۴-۳۶۵)۔

مذہب ابو یوسف: حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرائط مذکورہ میں سے تمامیت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، ان کے نزدیک وقف، اعتاق کی طرح ہے جو صرف الفاظ وقف کے استعمال سے لازم وتام ہوجاتا ہے۔

''علی قول أبی یوسف ولا یشترط شئ من هذه الأشیاء'' (تحفۃ ۳؍۳۷۷)

''وفی الدر: وجعله أبو یوسفؒ کالاعتاق'' (درمختار ۳؍۳۶۵)۔

القول المفتی بہ: احتیاطاً فتوی کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا گیا ہے، باوجودیکہ امام محمد اور امام ابو یوسفؒ دونوں حضرات کے قولوں پر حضرات متقدمین کی جانب سے فتوی کی تصریح موجود ہے لیکن احتیاط وآسانی حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول میں ہے اس لئے حضرات فقہاء نے ان ہی کے قول کو راجح کہا ہے۔

''واختلف الترجیح والأخذ بقول الثانی أحوط وأسهل بحرو فی صدر الشریعة والدر وبه یفتی(قوله واختلف الترجیح) مع التصریح فی کل منهما بأن الفتوی علیه، لکن فی الفتح إن قول أبی یوسف أوجه عند المحققین'' (درمختار ۳؍۳۶۶)۔

خلاصہ: عبارت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق الفاظ کے استعمال کرنے سے وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز اور حرام ہوجاتی ہے۔

وقف جبری: اگر کسی شخص نے کوئی چیز وقف تو نہیں کیا، لیکن دوسرے کے قبضہ میں کوئی چیز دیکھی اور اسکو اس نے وقف کی چیز کہا اور قابض اس کے وقف ہونے سے انکار کرتا رہا، پھر وہی شخص جس نے وقف کی چیز کہا تھا اس کا مالک ہوگیا، خواہ بیع وشراء وہبہ سے یا وصیت ووراثت سے مالک ہوا ہو، اس شخص کے ملک میں داخل ہونے کے بعد وہ چیز اگر وقف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بغیر وقف کئے اس کی ملکیت میں دخول سے وقف ہوجائے گی۔

''أقر بأرض فی ید غیره أنها وقف وکذّبه ثم ملکها صارت وقفا'' (در

مختار ۵۵۹) ''قوله ملكها أى المقر ولو بسبب جبرى قوله صارت وقفا مواخذة له بزعمه'' (شامی ۶/۵۵۹)۔

مثلاً اشیاء غیر منقولہ اور وہ اشیاء منقولہ جن کے وقف کرنے کا عرف ہو جیسے کتب وغیرہ، اگر ان کو کسی کے قبضہ میں دیکھ کر موقوفہ کہے اور قابض انکار کرے تو ایسی صورت میں جس نے وقف کی کہا ہے اگر وہ اس کا مالک ہو جائے تو وہ چیز وقف کی ہو جائے گی۔

جہات اوقاف: جن کے لئے وقف صحیح و درست ہوتا ہے وہ تین ہیں:

۱- صرف فقراء کے لئے وقف ہو۔

۲- اولاً اغنیاء کے لئے بعدہ فقراء کے لئے وقف ہو۔

۳- ایسا وقف ہو جس میں اغنیاء وفقراء دونوں برابر ہوں (درمختار ۶/۶۰۳)۔

ایسے اوقاف جس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں وہ مساجد اور دیگر رفاہی کام ہیں، مثلاً مساجد، مسافر خانہ، قبرستان، پل، نہر وغیرہ، یعنی ہر وہ چیز جس کی ضرورت فقراء واغنیاء دونوں کو پڑتی ہو اور دونوں کے لئے وقف کرنے کا عرف ہو، تو ایسی صورت میں اگر واقف کسی کی تخصیص نہ کرے کہ یہ مدرسہ صرف غریبوں کے لئے ہے یا مسافر خانہ صرف محتاجوں کے لئے ہے بلکہ مطلق رکھے تو ایسی صورت میں المعروف کالمشروط کی بناپر ان چیزوں کو اغنیاء اور فقراء دونوں کے لئے برابر مشترک سمجھا جائے گا، بغیر تخصیص کے تخصیص نہ ہوگی۔

''فى الدر كرباط وخان ومقابر وسقايات وقناطر ونحو ذلك كمساجد وطواحين طست لاحتياج الكل لذلك'' (درمختار ۶/۶۰۳)۔

''وزاد فى الهداية أن الفارق بين الموقوف للغلة و بين هذا هو العرف، فإن أهل العرف يريدون بذلك فى الغلة للفقراء وفى غيرها التسوية بينهم وبين الأغنياء'' (شامی ۶/۶۰۳)۔

اور اگر ایسی چیز کے لئے وقف کیا جس کی ضرورت اغنیاء وفقراء دونوں کو برابر نہیں پڑتی

ہے اور دونوں کے لئے مشترک طور پر وقف کرنے کا عرف بھی نہیں ہے تو ایسے وقف میں اغنیاء صرف اس صورت میں داخل ہونگے جب واقف صراحت کے ساتھ اغنیاء کے شریک ہونے کو بیان کردے، یا عمومیت کی تصریح کردے کہ سب کے لئے ہے تو اغنیاء بھی فقراء کے تابع ہوکر داخل ہوجائیں گے، اور اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت کی وضاحت نہ کرے تو اغنیاء ایسے وقف میں شریک نہ ہوں گے، مثلاً دوا کے لئے وقف ہوتو اگر اغنیاء کی تصریح یا عمومیت ہوتو اغنیاء علاج کرواسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

''بخلاف الأدوية فلم يجز لغنى بلا تعميم أو تنصيص، فيدخل الأغنياء تبعاً للفقراء قنية، قوله بخلاف الأدوية.. أى الموقوفة فى التيمارخانة، فإن الحاجة إليها دون الحاجة إلى السقاية،فإن العطشان لو ترك شرب الماء يأثم، ولو ترك المريض التداوى لا يأثم'' (شامی/۶۰۳)۔

شرائط صحت وقف: وقف کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

۱۔فسق وفجور میں وقف نہ ہو۔

۲۔صرف اغنیاء پر نہ وقف ہو۔

کیونکہ وقف ایک عبادت ہے جو شئی موقوف کو اپنی ملک سے نکال کر منافع کو علی الدوام صدقہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس لئے اگر کار خیر میں وقف نہ کرے بلکہ فسق وفجور کے لئے وقف کرے یا صرف اغنیاء پر وقف کرے تو صدقہ وعبادت ہونے کی وجہ سے وقف درست نہ ہوگا (کمافی الشامیہ)۔

''ويشترط أن يكون قربة فى ذاته'' (شامی ۵۲۱/۶) **''ولو وقف على الأغنياء وحدهم لم يجز لأنه ليس بقربة''** (شامی۵۱۹/۶)۔

حالات وقف: شئی موقوف کی پانچ حالتیں ممکن ہیں، لہذا پہلے ان کو ذکر کیا جاتا ہے بعدہ انشا اللہ ان کے بیع واستبدال کا حکم مع شرائط ذکر کیا جائے گا:

۱-شئ موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے شرط لگائی ہو۔

"الأول: أن يشترط الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره"۔

۲-شئ موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے شرط تو نہ لگائی ہو (یعنی سکوت ہو یا عدم استبدال کی شرط ہو) لیکن وہ اس طرح ہو جائے کہ اس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ انقطاع انتفاع بالکلیہ، خواہ آبادی کے منتقل ہونے یا انہدام اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

"والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أى سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شئ أصلا"۔

۳-شئ موقوف کا اپنا ذاتی خرچ بھی اس کی آمدنی سے پورا نہ ہو سکے۔

الثالث: "لا يفي بمؤنته"۔

۴-شئ موقوف ایسی ہو جس سے انتفاع تو ہو رہا ہو لیکن بیع واستبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو یعنی اس کا بدل انفع ہو۔

"الرابع: "أن لا يشرطه أيضا لكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعاً و نفعاً"۔

۵-شئ موقوف ایسی ہو جس کے استبدال و بیع کی نہ شرط ہو اور نہ ہی استبدال کی صورت میں نفع زیادہ ہو اور شئ موقوف سے انتفاع ہو رہا ہو (شامی ۶/ ۵۸۳-۵۸۴)۔

بیع واستبدال: پہلے بیع واستبدال کے شرائط بیان کئے جاتے ہیں پھر ذکر کردہ اشیاء موقوفہ کی قسموں کا حکم لکھا جائے گا۔

شرائط استبدال: وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کی نو شرطیں ہیں:

۱-شئ موقوف سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

الأول: "أن يخرج عن الانتفاع بالكلية"۔

۲-شئ موقوف کا کوئی ایسا فنڈ اور کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس کے ذریعہ اسکو قابل انتفاع بنایا جاسکے۔

الثاني: "وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به"۔

۳-بیع واستبدال کھلے ہوئے گھاٹے کے ساتھ نہ ہو۔

الثالث: "أن لا يكون البيع بغبن فاحش"۔

۴-بدلنے والا قاضی الجنۃ، یعنی صاحب علم وتقوی وطہارت ہو اور قاضی کے فقدان کی صورت میں جو بھی بدلنے والا ہو اس کے لئے علم وعمل تقوی وطہارت کا ہونا ضروری ہے۔

الرابع: "أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطريق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو غالب في زماننا"۔

۵-مبدل منہ دراہم ودنانیر نہ ہو، یعنی ایسی چیز سے نہ بدلا جائے جس کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

الخامس: "ويجب في زماننا أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير"۔

۶-ایسے شخص سے بیع واستبدال نہ کیا جائے جس کے حق میں بائع کی شہادت مقبول نہ ہو، اور مشتری غیر مقبول الشہادۃ ہو بائع کے حق میں۔

السادس: "وهو أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له" (یعنی اپنے اولاد سے بیع نہ ہو وغیرہ)۔

۷-بدل کی جگہ اور محل وقوع مبدل منہ سے ادنی وکمتر نہ ہو۔

السابع: "يبيع إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز"۔

۸-مشتری بائع کی اولاد صغیرہ نہ ہو۔

الثامن: "أن لا يبيع من ابنه الصغير، فإنه لا يجوز اتفاقاً كالوكيل بالبيع من ابنه الصغير"۔

۹- بیع اپنے قرض خواہ سے اس کے قرض کے بدلے نہ ہو،یعنی وہ وقف کو ایسے شخص سے فروخت نہ کرے جس کا متولی (فروخت کرنے والے) کے ذمہ قرض ہو اور اسی قرض کے بدلے وقف کو فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔

التاسع: "أن لا يبيع الوقف ممن له على المستبدل دين باعه الوقف بالدين، فإنه لا يجوز على قول أبي يوسف وهلال لأ نهما لا يجوز أن البيع بالعروض فبالدين أولى" (شامی ۶/۵۸۶)۔

تنقیح: شرائط استبدال کو ذکر کرنے کے بعد ان کے تنقیح کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے شرائط مذکورہ میں سے خاص طور سے قاضی اور عقارات سے بدلنے اور اپنے نابالغ بچے سے نہ فروخت کی شرطیں قابل ذکر ہیں، اس لئے فائدہ کے عنوان سے ان شرائط کی تنقیح کی جاتی ہے۔

فائدہ ۔۱: امور اوقاف خواہ وہ بیع و استبدال ہوں یا دیگر امور اوقاف، تمام امور میں واقف اور اس کے وصی نہ ہونے کی صورت میں حضرات فقہاء قاضی کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ شرط انتظامی ہے، اس شرط کے ذریعہ اوقاف کی حفاظت مقصود ہے، اسی لئے اگر قاضی سے وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہیں کیا جائے گا، حضرات فقہاء نے اس زمانہ میں قاضیوں کی خیانت کی وجہ سے قاضی کو امور اوقاف میں شریک نہ کرنے کا فتوی دیا ہے، لہذا قاضی کے خائن یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دیندار عامۃ المسلمین کے مشورہ اور انتظام سے امور اوقاف انجام دیئے جائیں گے۔ كما في الشامية و حاشية البحر وغیرہ۔

"وفي منحة الخالق: قوله فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره الخ"۔

''قال الرملی: لاتنس ماقدمه بأسطر عن شمس الائمة الحلوانی بنقل الذخیرة حین سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت، هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانها أخری قال: نعم، ولقولهم الولایة الخاصة أقوی من الولایة العامة ولاتفاق المشائخ المتأخرین علی أن الأفضل لأهل المسجد أن ینصبوا متولیا ولا یعلموا القاضی فی زماننا لما علم من طمع القضاة فی أمور الأوقاف، صرح به فی التتارخانیة وغیرها فی کثیر من کتب المذهب''(منحۃ الخالق/۲۱۷)۔

''وفی الشامیة: ذکر عن التتارخانیة ما حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الأفضل کونه بإذن القاضی ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل أن لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی أموال الوقف''(شامی۶/۴۲۳)۔

فائدہ۔۲: اسی طرح عقارات سے بدلنے کی شرط حضرات فقہاء متاخرین نے اوقاف کی حفاظت کے لئے لگائی ہے،لہذا اگر دراہم ودنانیر سے فروخت کرکے دوسرا وقف خرید لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

''قال فی البحر: ولو شرط أن یبیعها ویشتری بثمنها أرضا أخری ولم یزد صح استحسانا وصارت الثانیة وقفا بشرائط الأولی'' (شامی/۵۸۵)۔

عقارات سے بدلنے کی شرط فقہاء متاخرین نے تغیر عرف وزمانہ کی بناپر لگائی ہے کہ دراہم ودنانیر سے بدلنے میں اس زمانہ میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے کہ متولی خود کھا جائے دوسرا وقف نہ خریدے،ضیاع سے بچانے کے لئے متاخرین نے یہ شرط لگائی، چنانچہ قاضی خان سے جواز کی صراحت منقول ہے۔

'' قال الرملی: کیف یخالف قاضی خان مع صراحته بالجواز الخ'' (منحۃ الخالق/۲۲۳) ''ویجب أن یزاد آخر فی زماننا وهو أن یستبدل بعقار لا بالدراهم

والدنانیر، فإنا قد شاهدنا النظار یأکلونها وقل أن یشتری بها بدل ولم نر أحدا من القضاة یفتش علی ذلک مع کثرة الاستبدال فی زماننا'' (ص، ۲۲۳)۔

فائدہ-۳: اپنے نابالغ بچے سے فروخت کرنے میں روایتیں مختلف ہیں:

ایک روایت میں یہ ہے کہ موکل کی اجازت کے باوجود وکیل کے لئے اپنے چھوٹے نابالغ بچے سے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ والد ہی اپنے نابالغ بچے کا وکیل ہوتا ہے اور متولی ہونے کی وجہ سے اوقاف کا وکیل ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ بیوع میں کوئی شخص جانبین کا وکیل نہیں ہوسکتا ہے (بحر، ۲۵۸)۔

''وفی السراج: لو أمره بالبیع من هؤلاء، فإنه یجوز إجماعا لا أن یبیعه من نفسه أو ولده الصغیر أو عبده ولا دین علیه فلا یجوز قطعا وإن صرح به المؤکل'' (شامی ۴/۴۰۷)۔

دوسری روایت میں ہے کہ اگر موکل اجازت دے دے تو اپنے چھوٹے بچے سے فروخت کرنا جائز ہے۔

''وإن أمره الموکل أن یبیعه من نفسه وأولاده الصغار أو ممن لا تقبل شهادته فباع منهم جاز'' (شامی ۴/۴۰۷)، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں دونوں قول میں تعارض ظاہر ہے تو معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں دو قول ہیں۔

''ولا یخفی ما بینهما من المخالفة و ذکر مثل ما فی السراج فی النهایة عن المبسوط، ومثل ما فی البزازیة فی الذخیرة عن الطحاوی وکان فی المسئلة قولین'' (شامی ۴/۴۰۷)۔

لہذا اگر عامۃ المسلمین متولی کو اجازت دیں تو ایک روایت کے مطابق درست ہے دوسرے کے مطابق نہیں۔

مذکورہ تینوں شرطوں کے علاوہ بقیہ جو شرائط ہیں وہ بھی وقف کو ضائع ہونے سے بچانے

کے لئے ہیں، جیسا کہ شرائط استبدال میں غور کرنے سے واضح ہے۔

احکام حالات وقف: اب اشیاء موقوفہ کے احکام شروع کئے جاتے ہیں، جیسا کہ حالات وقف کے تحت ان کا وعدہ کیا گیا تھا۔

(۱) شئی موقوف ایسی ہو جس کے بدلنے کی واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے بدلنے کی شرط لگائی ہو، اس شرط کی بنا پر حق استبدال کے حاصل ہونے اور نہ ہونے کے سلسلے میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، جو متفرع ہے اس مسئلہ مختلف فیہ پر جس میں واقف نے اپنے لئے تولیت وقف یا پیداوار وقف کی شرط لگائی ہو، تو امام محمدؒ کے نزدیک شرط تسلیم اور عدم تخصیص منافع کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے وقف درست نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ صحت وقف کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، اس لئے وقف جائز و درست ہے۔

''**كما في الدر: وجاز جعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه عند الثاني وعند محمد لا يجوز بناء على اشتراطه التسليم إلى متول**'' (الدر المختار مع الرد ۵/ ۵۸۴، ۵۸۳)۔

اسی اختلاف پر شرط استبدال لنفسہ کا مسئلہ بھی متفرع ہے۔ لیکن اس شرط کی بنا پر امام محمدؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جاتا ہے اور شرط باطل ہو جاتی ہے، ''**وأبطل محمد الشرط وصحح الوقف**'' (بحر ۲۸۱)۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط استبدال لنفسہ میں بھی وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں۔

''**وفرع في الهداية على الاختلاف بين الشيخين شرط الأستبدال لنفسه، فيجوزه أبو يوسف وأبطل محمد الشرط وصحح الوقف**'' (بحر ۲۲۳، شامی ۴/ ۵۸۴)۔

القول المفتی بہ: شرط استبدال کی وجہ سے شئی موقوف کو فروخت کرنے کے سلسلے میں فتوی حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، لہذا شرط استبدال کی وجہ سے مذکورہ شرائط استبدال

میں سے قاضی، خروج عن الانتفاع، عدم قدرت تعمیر، ان تینوں کے علاوہ بقیہ تمام شرائط استبدال کے ساتھ حضرت امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق شئی موقوفہ کو ایک مرتبہ بدلنا جائز ہوگا، اگر دوسری مرتبہ بدلنے کی شرط سے سکوت ہو، اور اگر دوسری مرتبہ بھی بدلنے کی شرط مذکور ہو تو دوسری مرتبہ بھی بدلنا جائز ہے۔

(۱) ''جاز جعل غلة الوقف لنفسه عند الثاني، وعليه الفتوى، قوله: وعليه الفتوى، كذا قاله الصدر الشهيد، وهو مختار أصحاب المتون ورجحه في الفتح واختار مشائخ بلخ، وفي البحر عن الحاوي أنه المختار للفتوى ترغيبا للناس في الوقف وتكثيرا للخير'' (شامی ۳/۵۸۳)۔

(۲) ''ولو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له وعدم ريع يعمر به كما لا يخفى'' (شامی ۵۸۶/۶)۔

نوٹ: اگر واقف نے شئی موقوفہ کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے دوسرا وقف خریدنے کی شرط لگائی تو یہ بھی جائز ہے۔

''قال في البحر: ولو شرط أن يبيعها و يشتري بثمنها أرضا أخرى ولم يزد صح استحسانا وصارت الثانية وقفا بشرائط الأولى'' (شامی ۵۸۵/۶)۔

(۲) شئی موقوفہ ایسی ہو جس سے انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں، کیونکہ وہ شئی موقوفہ یا تو منقولہ ہوگی، یا غیر منقولہ، اگر غیر منقولہ ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ آمدنی کے لئے وقف ہو (۲) آمدنی کے لئے وقف نہ ہو۔ اور اگر منقولہ ہے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) عمارت موقوفہ کا ملبہ ہو (۲) عمارت موقوفہ کے آلات ہوں۔ تو اس طرح سے چار شکلیں بنتی ہیں:

اقسام:

(۱) آمدنی کے اوقاف ہوں جو ویران ومنہدم ہو جائیں، جیسے دوکانیں اور زراعت کی

زمین جو نا قابل کاشت ہوجائے۔

(۲) غیر آمدنی کے اوقاف ہوں، مثلاً مدارس، مساجد، مقابر وغیرہ۔

(۳) ملبہ اوقاف ہو، یعنی عمارت موقوفہ کے وہ اجزاء جن کی ضرورت نہ رہ جائے ان کے خراب ہوجانے کی وجہ سے یا عمارت کے ویران ومنہدم ہوجانے کی وجہ سے، مثلاً اینٹ، پتھر وغیرہ۔

(۴) آلات وقف یعنی وہ چیزیں جو وقف کی ضروریات کے لئے ہوں، مثلاً فرش، چٹائی، پنکھا وغیرہ۔

اختلاف علماء: اقسام مذکورہ سے جب انتفاع نہ ہوسکے ان اوقاف کے ویران ومنہدم ہوجانے کی بناپر، اور لوگوں کی عدم ضرورت کی وجہ سے، یا اس جگہ سے مسلمانوں کے ہجرت کرجانے کی بناپر اوقاف معطل غیر منتفع ہوجائیں تو ان کے حکم میں حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، اور امام صاحبؒ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کے قولوں کے مطابق روایت ہے۔

امام محمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) بطلان وقف ورجوع الی الواقف کی ہے، یعنی وقف باطل ہوجائے گا اور واقف کی ملکیت میں چلا جائے گا۔

(۲) دوسری روایت عدم بطلان وقف وعدم رجوع الی الواقف کی ہے۔ پہلی روایت کو ضعیف کہا گیا ہے۔

"قال في الذخيرة: وفي المنتقع قال هشام: سمعت محمدا يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه فيشتري بثمنه غيره وليس ذلک إلا للقاضي، وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملک الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه" (شامی ۵۷۲/۳)۔

قول ابن ہمام: علامہ ابن ہمام امام محمدؒ کے قول کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ویران اور منہدم ہونے والے اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک تو جس کی ویرانی اور انہدام کی وجہ سے واقف کا مقصود بالکل فوت ہو جاتا ہے، اور کوئی ایسی صورت نہیں ہوتی جس کے ذریعہ واقف کے مقصود کو بحال کیا جا سکے، مثلاً دکان جو منہدم ہو جائے اور اس کے تعمیر کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ خالی زمین کرایہ پر بھی نہ نکل سکتی ہو، یا مسافر خانہ، مدرسہ، یا حوض، تالاب وغیرہ جو کسی وجہ سے اس طرح ویران ہو جائے یا منہدم ہو جائے کہ ان کو دوبارہ آباد کرنے پر قدرت نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی حالت میں یہ سب اوقاف واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے۔

(۲) اور دوسرے اوقاف وہ ہوتے ہیں جن کی ویرانی اور انہدام سے واقف کا مقصود بالکل فوت نہیں ہوتا ہے، بلکہ ویران اور منہدم ہونے کے بعد بھی ان کے ذریعہ سے کسی نہ کسی درجے میں واقف کے مقصود کو باقی رکھا جا سکتا ہے، مثلاً کوئی زمین وقف کی ہو اور لوگ ہجرت کر جائیں، یا کرایہ کے ہوٹل وغیرہ ہوں، منہدم ہونے کے بعد ان سے انتفاع ممکن ہے، مثلاً زمین میں پودے لگوا دیئے جائیں یا کسی کو کرایہ پر دے دے جو اس زمین اور جگہ پر تعمیر وغیرہ کر کے آمدنی حاصل کر کے زمین کا کرایہ ادا کرتا رہے، تو ایسے اوقاف جو منہدم ہونے کے بعد بھی واقف کے مقصود سے بالکل نہیں نکلتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وقف باطل نہیں ہوگا اور جو آمدنی حاصل ہوگی واقف کے بیان کردہ مصرف میں صرف کر دی جائے گی، ایسے اوقاف واقف کے ملک میں واپس نہ ہوں گے۔

''كما في الشامية نقلا عن الفتح، ذكر في الفتح: ما معناه أنه يتفرع على الخلاف المذكور ما إذا انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعمر به فيرجع إلى الباني أو ورثته عند محمد، خلافا لأبي يوسف، لكن عند محمد إنما يعود إلى ملكه ما خرج عن الانتفاع المقصود الواقف بالكلية كحانوت احترق ولا يستأجر بشيئ، ورباط وحوض محلة خرب وليس له ما يعمر به، فأما كان معدا للغلة فلا يعود إلى الملك إلا نقضه وتبقى ساحته وقفا توجر ولو بشيئ قليل

بخلاف الرباط ونحوه، فإنه موقوف للسکنی وامتنعت بانهدامه، أما دار الغلة فإنها قد تخرب وتغیر کوما وهی بحیث لو نقل نقضها لیستأجر أرضها من یبنی أو یغرس ولو بقلیل فیغفل عن ذلک وتباع لواقفها مع أنه لا یرجع إلیه منها إلا النقض واستند فی ذلک للخانیة وغیرها ظاهر کلامه واعتمده" (شامی ۶/۵۴۹)۔

عند ابی یوسفؒ: امام ابو یوسفؒ سے اس سلسلے میں روایت یہ ہے کہ وقف ہو جانے کے بعد وقف کبھی باطل نہیں ہوتا، خواہ انتفاع کی کوئی صورت باقی رہے یا نہ رہے۔

"واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی قوله عند الإمام والثانی فلا یعود میراثا، فلا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا" (درمختار مع الرد ۶/۵۴۸)۔

البتہ اس صورت میں اشیاء موقوفہ سے انتفاع نہ ہو، اس کی بیع کے سلسلے میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں منقول ہیں:

(۱) ان کو علی حالہ چھوڑ دینا واجب ہے، اس کو فروخت کرنا یا بعینہ ان اوقاف کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔

"لا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر" (شامی ۶/۵۴۸)۔

(۲) ایسی اشیاء موقوفہ کو منتقل کرنا یا اس کی قیمت فروخت کر کے اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا واجب ہے۔

"ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود إلی ملک الواقف، عند أبی یوسف: ویباع نقضه بإذن القاضی ویصرف ثمنه إلی بعض المساجد" (شامی ۵۴۹)۔

عند الامام: حضرت امام ابو حنیفہؒ سے حضرت امام محمدؒ کی روایت کے مطابق عدم انتفاع کی صورت میں بطلان وقف کی روایت، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق عدم

بطلان وقف کی روایت منقول ہے۔

"قال في الإسعاف: ذكر بعضهم أن قول أبي حنيفة كقول أبي يوسفؒ وبعضهم ذكره كقول محمدؒ" (شامی ۶/۵۴۸)۔

حاصل: امام محمدؒ کی دونوں روایتوں اور ابن ہمام کی توضیح کا یہ حاصل نکلتا ہے کہ بطلان وقف کی روایت ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے ویران اور انہدام یا لوگوں کے استغناء کی وجہ سے واقف کا مقصد بالکل ختم ہوجائے تو ایسے اوقاف ویران اور لوگوں کے مستغنی ہوجانے کی صورت میں واقف کی ملک میں لوٹ جائیں گے، خواہ اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہوں یا غیر منقولہ کی قبیل سے ہوں، مثلاً مدارس، جہاد کے لئے وقف کی ہوئی سواری، مسجد کی چٹائی، پنکھا وغیرہ اور جیسے اوقاف کے ملبے وغیرہ۔ اور عدم بطلان کی روایت جو بروایت ہشام ہے ایسے اوقاف پر محمول ہے جن کے تعطل اور لوگوں کے استغناء سے واقف کا مقصود نہیں فوت ہوتا ہے، مثلاً زراعت کی زمین اور باغات، یعنی ایسے اوقاف جو حصول آمدنی کے لئے ہوں تو ان کے انہدام اور تعطل کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں واقف کا مقصود باقی رہتا ہے، لہذا ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اگر آمدنی بہت کم ہوجائے تو اسکو فروخت کر کے نیا وقف آمدنی کے لئے تیار کیا جائے، اگر چہ اس کی آمدنی پہلے والے سے کم ہو، البتہ اگر اس کی قیمت سے نیا وقف بھی تیار نہ ہوسکے تو اس صورت میں مقصود ختم ہوجانے کی وجہ سے واقف کی ملک میں لوٹ جائے گا۔

"والحال أنه إن أمكن شراء شئ يستغل ولو قليلا أو إجارة الأرض بشئ ولو قليلا فعل وحفظ لعمارة مابقي ولو خرب الكل و تعذر أن يشترى بثمنه مستغل ولو قليلا حينئذ يرجع إلى الواقف" (فتح القدیر ۶/۲۳۸)۔

لہذا امام محمدؒ کی روایت کے مطابق غیر آمدنی کے اوقاف اور اوقاف کے ملبے جو کار آمد نہ ہوں اور اوقاف کے دوسرے سامان تعطل یا استغناء کی صورت میں واقف کی ملک ہوجائیں گے، اسی طرح آمدنی کے وہ اوقاف بھی واقف کی ملک ہوجائیں گے جن کے انہدام

وتعطل سے مقصد ختم ہوجائے اور اس کی قیمت سے بھی دوسرے وقف کی تیاری ممکن نہ ہو، البتہ آمدنی کے وہ اوقاف جن کی اجرت وقیمت سے مقصد کی بحالی ممکن ہو ایسے اوقاف کا وقف باطل نہ ہوگا بلکہ اس کے مقصد کو بحال کیا جائے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق وقف باطل نہ ہوگا، اور جواز بیع والی روایت کی بنا پر بیع واستبدال جائز ہے۔ لہذا تمام اوقاف جومنہدم یا مستغنی ہوجائیں ان کی بیع یا نقل واجب ہے۔

القول المفتی بہ: اقسام مذکورہ میں سے قسم رابع بھی وقف کے آلات (سامان ضرورت وغیرہ) کے سلسلہ میں فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ اگر آلات نا قابل انتفاع ہوجائیں تو اگر واقف یا اس کے ورثاء کو معلوم ہوتو ان کی ملکیت میں لوٹ جائیں گے ورنہ بحکم لقطہ ہیں، ''کما صرح به فی فتح القدیر''(۶/ ۲۳۸)''إن الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر'' (شامی ۵۴۹) ''وهکذا فی البحر''(۵/ ۲۵۴)۔

آمدنی کے یا غیر آمدنی کے اوقاف وملبۂ وقف میں قول مفتی بہ:

فرش اور چٹائی وغیرہ، یعنی آلات وقف کے علاوہ وقف کی دوسری تمام چیزوں میں فتوی امام ابو یوسفؒ کی دونوں روایتوں پر مصرح ہے، متقدمین کا فتوی عدم جواز بیع ونقل پر ہے، یعنی ان لوگوں کے نزدیک وقف کے سامان کو فروخت کرنا یا بغیر فروخت کئے اس سامان کو ضرورت نہ ہونے کے وقت دوسرے وقف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

''(عند الثانی) لا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا، وهو الفتوی حاوی القدسی وأکثر المشائخ علیه مجتبی، وهو الأوجه فتح'' اھ (شامی ۵۴۸)۔

اور متاخرین نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت پر فتوی دیا ہے، یعنی جب وقف

ویران اور منہدم ہوجائے اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے تو اس کے سامان کو یا اس کی قیمت کو قریبی جہت کے دوسرے وقف میں صرف کردیا جائے گا۔

''ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبى يوسف، فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى المساجد'' (شامی ۵۴۹/۶) ''وفي الدر: فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر عليه تفريع إلى قولهما، هذا التفريع إنما يظهر على ما ذكره الشارح من الرواية الثانية عن أبي يوسف، وقدمنا أنه جزم بها في الإسعاف'' (درمختار مع الرد ۵۴۹/۶)۔

نوٹ: لیکن حضرات متاخرین مسجد کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی روایت اولیٰ کو ترجیح دیتے ہیں۔

حاصل: مسجد اور اسی طرح دوسری موقوفہ عمارتوں کے ملبے، یعنی اینٹ، پتھر، کڑی وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اسی موقوفہ کو تعمیر کرنا ممکن ہو تو اس کی تعمیر میں ان کو یا ان کی قیمتوں کو صرف کردیا جائے گا، اور اگر اس وقف کی تعمیر ممکن نہ ہو تو اسی جہت کے کسی دوسرے قریبی وقف میں وہ اشیاء اگر قابل استعمال ہوں ورنہ ان کی قیمتوں کو لگا دیا جائے گا۔ دوسری جہت کے اوقاف میں صرف کرنا جائز نہیں۔

''سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا أو تداعى مسجدها إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشبه و ينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم، وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به، قال: نعم، لأن

الواقف فرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني" (شامی ۶/۵۵۰)۔

(۳) تیسری قسم، یعنی جب موقوفہ اشیاء ایسی ہو جائیں کہ ان سے ان پر ہونے والا خرچ بھی حاصل نہ ہو سکے، چاہے وہ جائداد ہو یا دیگر اوقاف **مستغلہ**، ان کا حکم دوسری قسم کا حکم ہے کہ یہ انتفاع سے بالکلیہ خارج ہیں، لہذا اس کی بیع واستبدال جائز ہے۔

"**أولا يفي بمؤنته فهو جائز على الأصح**" (شامی ۶/۵۸۴)۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ شئی موقوفہ سے انتفاع ہو رہا ہو، لیکن بیع واستبدال کی صورت میں نفع زائد ہو، یعنی بدل انفع ہو، اس کے حکم میں حضرات علماء کے دو قول ہیں:

۱۔ استبدال کی صورت میں اگر نفع زیادہ ہو تو بیع واستبدال جائز ہے۔

"**الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى الخ**" (شامی ۳/۳۸۹)۔

۲۔ اگر شئی موقوفہ سے انتفاع ہو رہا ہو تو اس کی بیع واستبدال جائز نہیں اگر چہ بدلے میں نفع زائد ہو۔

"**والعمل على قول أبي يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة نحن لا نفتي به، وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ويحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين الخ**" (شامی ۳/۳۸۹)۔

ترجیح: علامہ شامیؒ نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ بیع واستبدال اگر شرط واقف کی بنا پر نہ ہو تو بغیر ضرورت کے جائز نہیں اس بنا پر کہ وقف میں اصل اشیاء موقوفہ کو علی حالہ باقی رکھنا ہے اصل کے خلاف بغیر ضرورت کے نہ کیا جائے گا اور جب انتفاع بالکل ختم ہو جائے تو مجبوراً ضرورتاً بیع جائز ہے، اور جب نفع بالکل ختم نہ ہو، بلکہ انتفاع ہو رہا ہو اور بدلے میں نفع زائد ہو تو اس صورت میں بیع واستبدال صرف نفع کو زائد کرنے کے لئے مقصد وقف کے بالکل خلاف ہے، لہذا بیع ناجائز ہوگی۔

''قال العلامة البيري بعد نقله: أقول وفي فتح القدير: والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أولا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به، فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه، لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل نبقيه كما كان الخ، أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب'' (شامی ۳/۳۸۹)۔

(۵) پانچویں قسم وہ اوقاف جن سے آمدنی جاری ہو اور واقف نے بدلنے کی شرط نہ لگائی ہو اور نہ ہی استبدال میں نفع زیادہ ہو تو ایسے اوقاف کی بیع باطل ہے۔ بیع کے بعد مشتری اگر اس سے نفع اٹھائے اور پھر بیع کو لوگ ختم کر دیں اور مشتری کو اس کا ثمن واپس کر دیں تو ایسی صورت میں جتنے دن مشتری نے اس وقف سے فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

''وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه'' (ہدایہ ۶۴۰)۔

اگر چہ وہ اوقاف آمدنی حاصل کرنے کے نہ ہوں، مثلاً مسجد ہو یا مدرسہ، کما صرح۔

''ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسة سكن فيه فتجب فيه أجرة المثل'' (شامی ۶۱۵)۔

بطلان بیع وقف سے انتفاع کا حکم: پانچویں قسم جس کا بیان سطور بالا میں ہوا اس سے انتفاع بیع کے باطل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور بیع کو ختم کر دینا واجب ہے، اگر بیع کو فوراً ختم نہ کیا اور وقف سے نفع اٹھاتا رہا تو جب لوگ بیع کو ختم کر کے مشتری کا پیسہ واپس کریں گے تو جتنے دن فائدہ حاصل کیا ہے اتنے دن کی اجرت مثل لازم ہوگی۔

''كما في الشامي حتى لو باع المتولي دار الوقف فسكنها المشتري ثم أبطل القاضي البيع كان على المشتري أجرة المثل (فتح) وبه أفتى الرملي وغيره كما قدمناه وما في الإسماعيلية من الإفتاء بخلافه تبعا للقنية فهو ضعيف كما صرح به في البحر''(شامی ۶/۶۱۵)۔

خلاصہ: بیع واستبدال کی سب پانچ صورتیں منتج ہیں: (۱) واقف نے بدلنے کی شرط لگائی ہو، (۲) وقف سے انتفاع بالکل ختم ہوجائے، خواہ وقف کی آمدنی صرف اتنی ہو جس سے وقف کا اپنا ذاتی خرچ بھی پورا نہ ہوسکے، (۳) کسی ایسے غاصب نے غصب کرلیا جس سے واپس لینا ناممکن ہو اور غاصب اس کا عوض دینے پر راضی ہو، (۴) وقف سے انتفاع جاری ہو، لیکن بیع واستبدال کی صورت میں واقف کی آمدنی زیادہ ہوجائے اور بدل مبدل عمدہ وانفع ہو، (۵) وقف سے انتفاع جاری ہو اور بدلنے کی صورت میں کوئی نفع بھی نہ ہو۔

حکم: مذکورہ صورتوں میں سے تین صورتوں میں مفتی بہ قول کے مطابق بیع واستبدال ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اور چوتھی صورت میں حضرات علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے علماء نے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیع کو جائز کہا ہے اور اسی کو قول مفتی بہ بھی بتلایا ہے، اور بہت سے علماء نے بیع ناجائز وحرام کہا ہے، علامہ شامیؒ نے استدراک قائم کرکے صاحب فتح کے قول کے ذریعہ عدم جواز کو ترجیح دیا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اگر بیع واستبدال کو جائز کہا جائے تو اس کے ذریعہ ابطال اوقاف کا دروازہ کھلے گا، نیز یہ استبدال بلاضرورت ہے، کیونکہ اوقاف کا مقصود آمدنی کا بڑھانا نہیں، بلکہ ان کو حالت سابقہ پر باقی رکھنا ہے تو خلاف مقصود کے ذریعہ بلاضرورت اس کے ضیاع کا اندیشہ کیوں پیدا کیا جائے، لہذا راجح عدم جواز ہے۔ پانچوں قسم کی بیع واستبدال بالاتفاق باطل ہے۔

نوٹ: بیع کے جواز وعدم جواز کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے: ۱۔ شرط واقف، ۲۔ ضرورت، ان دونوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو بیع واستبدال جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

''إلا فی أربع الأولی لو شرطه الواقف، الثانية إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القيمة ویشتری المتولی بها أرضا بدلا، الثالثة أن یجحده الغاصب ولا بینة أی وأراد دفع القيمة فللمتولی أخذها یشتری بها بدلا، الرابعة أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن صقعا، فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهداية، قال صاحب النهر فی کتابه إجابة السائل: قول قاری الهداية والعمل علی قول أبی یوسف معارض، فما قال صدر الشريعة: نحن لا نفتی به وقد شاهدنا فی الاستبدال مالا یعد و یحصی فإن ظلمة القضاة جعلوه حیلة لإبطال أوقاف المسلمین وعلی تقدیره فقد قال فی الإسعاف: المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل ولعمری إن هذا أعز من الکبریت الأحمر وما أراه إلا لفظا یذکر فالأقوی فیه السدّ خوفا من مجاوزة الحد والله سائل کل إنسان''۔

وقف کے بدل کے احکام:

بدل کی سب پانچ صورتیں ممکن ہیں، کیونکہ جس کو بدلا جائے گا دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو وہ وقف کا ملبہ یعنی انقاض وقف ہوگا (۲) یا تو اوقاف ہوں گے، اگر اوقاف ہوں تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) یا تو آمدنی کے لئے اوقاف ہوں گے (۲) یا تو آمدنی کے لئے نہ ہوں گے۔ پھر یہ بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) اصل وقف کو قائم کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) یا نہ ہوگی۔

(۱) انقاض: اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے اوقاف موجود ہوں تو ان کو اگر قابل استعمال ہیں، ورنہ اس کی قیمت کو ان کے اوقاف میں صرف کیا جائے گا۔

''فإن احتاج الوقف إلی عود النقض أعاده الحصول المقصود به، وإن

استغنی عنه أمسكه إلى أن يحتاج إلى عمارته (ولا يجوز) وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل۔ ملخصا'' (بحر الرائق رص ۲۲۰)۔

غیر آمدنی کے اوقاف:

(۲) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنا ضروری ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے میں اسی نوع کا دوسرا وقف قرب وحسن مکانی کی رعایت کرتے ہوئے قائم کیا جائے جو بعینہ پہلے والے وقف کے درجہ میں وقف ہوگا۔

"وفي الخانية الصحيح قول أبي يوسف، لأنه شرط لا يبطل حكم الوقف، لأن الوقف يحتمل الانتقال من أرض إلى أرض أخرى ويكون الثاني قائما مقام الأولى الخ'' (بحر الرائق ر۲۲۱)۔

(۳) غیر آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور فروخت کرنے کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو اور اس کے بدلے دوسرے وقف کا قیام عدم ضرورت یا کسی اور وجہ سے متعذر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی جہت کے دوسرے اوقاف میں اس کی قیمت اور بدل کو استعمال کیا جائے۔

''رباط بعيد و استغنى عنه المارة و بجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز '' (شامی ر۵۵۰)۔

آمدنی کے اوقاف:

(۴) آمدنی کے جس وقف کو بدلنے اور بیع کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بدلے یا اس کی قیمت کے بدلے ایسا وقف حاصل کیا جائے جو پہلے وقف

سے انفع یا کم سے کم اس کے مساوی ہو، اور اس کی آمدنی کو موقوف علیہم پر اگر موجود ہوں ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

''وإذا كانت موقوفة الاستغلال فالظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس على المنظور فيها كثرة الريع وقلة المرمة وقابلية البقاء. شرط آخر وهو اتحاد المحلة أو كون الثانية أحسن'' (منحۃ الخالق ۲۲۳) ''لو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالاولى على شروطه وإن لم يذكر شيئاً'' (شامی ۶۲۷) في الخلاصة قال المسجد إذا خرب أو الحوض إذا خرب ولم يحج إليه لتفرق الناس عنه صرفت أوقافه في مسجد آخر أو حوض آخر'' (شامی ۶۳۶)۔

(۵) آمدنی کے جس وقف کو بدلنا لازم ہو اور اسی جیسے دوسرے وقف کا قیام ناممکن ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا بدل اور اس کی قیمت موقوف علیہم ورنہ اسی جیسے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

''ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر فقال: نعم، و مثله في البحر عن القنية'' (شامی ۵۵۰)۔

اقسام اوقاف عامرہ: آباد اوقاف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وقف حصول آمدنی کے لئے ہوں یا حصول آمدنی کے لئے تو نہ ہوں، لیکن ان اوقاف کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

(۲) اوقاف حصول آمدنی کے نہ ہوں اور نہ ہی ان کے لئے آمدنی کے اوقاف ہوں۔

احکام: پہلی قسم کا حکم: جس وقف کے پاس آمدنی ہو خواہ وہ آمدنی اسی وقف سے حاصل ہو یا ان پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہو تو اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے:

(ا) کہ اگر واقف نے اس وقف کے اخراجات کے لئے آمدنی کا کوئی حصہ متعین نہیں کیا ہے تو آمدنی میں سے پہلے اس وقف کے اخراجات ضرور یہ نکالے جائیں گے اگر ضرورت ہو ورنہ اسکو موقوف علیہم کے اخراجات میں صرف کیا جائے گا۔

۱۔ "الثانی عشر لو وقف علی المساکین ولم یذکر العمارة یبدأ من الغلة بالعمارة وبما یصلحها وبخراجها ومؤنتها ثم یقسم الباقی علی المساکین" (۲۱۶/۵)۔

۲۔ "فالمراد بالوقف الذی یبدأ من غلته بعمارته العین الموقوفة للغلة والعین الموقوف علیها کالمسجد إذ لا شک أن کلا موقوف علیه الغلة بمعنی أنهما مشروط صرف الغلة إلی عمارتها" (تقریرات رافعی ۸۱) (شامی ۵۵۹/۶)۔

(۲) اور اگر واقف نے آمدنی سے اوقاف کے ذاتی اخراجات کے لئے حصہ مقرر کیا ہے یا مقرر نہیں کیا ہے، لیکن آمدنی سے اخراجات وقف کی شرط لگائی ہے تو پہلے آمدنی سے اوقاف کے اخراجات کے لئے حصہ متعینہ یا جتنی ضرورت پڑسکتی ہو نکال لیا جائے گا اگر چہ فی الحال کوئی ضرورت نہ ہو، کیونکہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ جب ضرورت ہو اس وقت آمدنی نہ رہے تو اسی وضع کردہ واقف کے ذکر کردہ مصارف میں شرائط واقف کی رعایت کے ساتھ صرف کیا جائے گا۔

"لوشرط الواقف تقدیم العمارة ثم الفاضل للفقراء أو للمستحقین لزم الناظر إمساک قدر العمارة کل سنة وإن لم یحتجه الان لجواز أن یحدث حدث ولا غلة بخلاف ما إذا لم یشترطه فلیحفظ الفرق بین الشرط وعدمه" (درمختار ۵۶۵/۶، ۵۶۶) "وکذا فی البحر لو اجتمع من الغلة مقدار ما یحتاج الأرض والمسجد إلی العمارة ویمکن العمارة بها و یفضل تصرف الزیادة إلی الفقراء علی ما شرط الواقف" (بحر الرائق ۲۱۵/۵، ۲۱۶)۔

(۳) اوقاف کا خرچ نکالنے کے بعد اگر موقوف علیہم افراد اور جماعت متعینہ نہ ہوں تو اخراجات ضروریہ کے بعد سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو تعمیر سے معنوی طور پر زیادہ قریب ہیں، یعنی جن کے نہ ہونے کی صورت میں تعطل وقف ہوجاتا ہے تو یہ بھی حقیقت میں عمارت سے ملحق ہیں پھر دوسرے مصالح میں صرف کیا جائے گا، مثلاً مسجد و مدرسہ پر وقف ہوتو اس صورت میں پہلے آمدنی سے اخراجات عمارت نکالے جائیں گے پھر امام و مؤذن اور معلمین مدرسہ کو ان کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا، پھر چٹائی، روشنی، و دیگر مصالح وقف میں صرف کیا جائے گا۔

''ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد و مدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج و البساط کذلک إلی آخر المصالح'' (درمختار ۵۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱)۔

''قوله ثم ما هو أقرب لعمارته الخ أی فإن انتهت عمارته و فضل من الغلة شئ یبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنویة التی هی قیام شعائره'' (شامی ۵۶۰) ''إلی قوله هذا إذا لم یکن معینا یعنی أن الصرف إلی ما هو أقرب إلی العمارة کالإمام ونحوه إنما هو فیما إذا لم یکن الوقف معینا علی جماعة معلومین کالمسجد و المدرسة'' (شامی ۶/۵۶۱)۔

(۴) اور اگر موقوف علیہم افراد و جماعت متعینہ ہوں تو اس کے اخراجات نکالنے کے بعد آمدنی ان لوگوں پر صرف کردی جائے گی بغیر تقدم وتاخر کی رعایت کے، جیسے وقف علی الأولاد یا وقف علی الفقراء۔

''أما لو کان معینا کالدار الموقوفة علی الذریة أو الفقراء، فإنه بعد العمارة یصرف الریع إلی ما عینه الواقف بلا تقدیم لأحد علی أحد۔ فاغتنم هذا التحریر'' (شامی ۵۶۱)۔

اگر واقف نے وقف حصول آمدنی کے لئے کیا، لیکن موقوف علیہم اس کو اپنی دوسری ضرورتوں میں استعمال کریں تو جائز ہے۔ ان کے ذمہ اجرت بھی نہیں لازم ہوگی، البتہ اخراجات وقف ان کے ذمہ ہوں گے، اور موقوف علیہم کا آمدنی کے علاوہ دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔

''فلا عمارة على من له الاستغلال، لأنه لا سكنى له فلو سكن هل تلزمه الأجرة الظاهر لا لعدم الفائدة إلا إذا احتيج للعمارة فيأ خذ ها المتولى ليعمر بها'' (درمختار ۵۷۰،۵۷۱)۔

''قوله: لأنه لا سكنى له قال في البحر وظاهر كلام المصنف وغيره أن من له الاستغلال لايملك السكنى ومن له السكنى لا يملك الاستغلال إلى قوله: قلت ويؤيده أن الخصاف سوى بين المسئلتين لكنه فرق بينهما في محل آخر بأن من له الاستغلال له السكنى، لأن سكناه كسكنى غيره بخلاف العكس، لأنه يوجب فيها حقا لغيره ومن له الاستغلال إذا سكن لايوجب حقا لغيره وادعى الشرنبلالي في رسالته أن الراجح هذا'' (شامی ۶/ ۵۷۰،۵۷۱)۔

نوٹ: اور اگر رہائش کے لئے وقف کیا تو اس کو حصول آمدنی کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

(۶) اور اگر واقف نے حصول آمدنی کے لئے وقف کیا اور اس کے اخراجات کی شرط موقوف علیہم کے ذمہ رکھا تو یہ شرط کالعدم ہے۔

''ولو شرط الواقف غلتها له و مؤنتها عليه صحّا و هل يجبر على عمارتها؟ الظاهر لا'' (درمختار ۶/ ۵۷۱،۵۷۲) ''وفي الرد قلت علمت أن صحة الشرط غير صحيحة في عبارة التاتارخانية و تعليل الهداية شامل للشرط وغيره فهو دليل على عدم صحته إلى قوله؛ لأن كلام الواقف لا يصلح ملزما له

بتعميرها إذ لا ولاية له على المستحق" (شامی ۶/ ۵۷۲)۔

حاصل یہ ہے کہ اگر وقف سے آمدنی ہورہی ہو یا اس وقف کے پاس آمدنی کے دوسرے اوقاف ہوں تو اس کے اخراجات اسی کی آمدنی سے پورے کئے جائیں گے اگر چہ واقف نے اخراجات کی ذمہ داری موقوف علیہم کے ذمہ رکھی ہو۔

ابقاء وقف: واقف نے آمدنی کے اوقاف کو جس عمل میں وقف کیا تھا اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا، اگر باغات ہیں تو سوکھنے والے پودوں کی جگہ دوسرے نئے پودے لگائے جائیں گے، زراعت کی زمین ہے تو اس کو قابل زراعت رکھنے کی پوری کوشش کی جائے گی، اگر دوکان ومکانات ہیں تو ان کی اصلاح ومرمت وغیرہ، یہ سب اسی وقف کی آمدنی سے اپنی اسی حالت پر باقی رکھے جائیں گے، مکانات میں رنگ وروغن وغیرہ نہیں کرتا تھا تو بغیر موقوف علیہم کی اجازت کے نہیں کئے جائیں گے۔

وقف میں زیادتی: اور اگر اس وقف میں ایسی زیادتی کی ضرورت پڑے جس سے وقف کی آمدنی بڑھ جائے اور وقف کا اپنا خرچ کم ہوجائے جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو تو ایسی زیادتی جس میں موقوف علیہم کا فائدہ ہو، بغیر اجازت کے بھی جائز ہے۔ آمدنی میں اضافہ کرنے والی زیادتی ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے اجازت شرط ہے۔

"**ولو كان الوقف على معين فالعمارة في ماله بقدر ما يبقى الموقوف على الصفة التي وقفه، فإن خرب يبني كذلك ولا تجوز الزيادة بلا رضاء، ولو كان على الفقراء فكذلك وعند البعض تجوز والأول أصح** (ہدایہ ملخصاً) **وبه علم أن عمارة الوقف زيادة على ما في زمن الواقف لا تجوز بلا رضا المستحقين وظاهر قوله بقدر ما يبقى منع البياض والحمرة على الحيطان من مال الوقف إن لم يكن فعله الواقف وإن فعله فلا منع**" (شامی/ ۵۶۰)۔

"**وفي حاشية الشامية مطبوعة مكتبة زكريا: قوله منع البياض الحمرة**

الخ قال شیخنا: وقد رأیت تقیید ذلک بما إذا لم یورث البیاض والحمرة زیادة في الأجرة إن کان کذلک فلا منع ثم قال: وهو تقیید حسن ویظهر أن الزیادة فی أماکنه کذلک، حاشیة الشامیة للمحشی الشیخ عادل أحمد عبد الموجود والشیخ علی محمد مفوض"(ص/ ۵۶۰)۔

جہت آمدنی کی تبدیلی کا حکم:

موقوفہ زمین میں اگر آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے دوکان یا مکان (ہوٹل) وغیرہ تعمیر کردئے جائیں یا مزروعہ زمین میں باغ لگا دئے جائیں تو یہ سب امور انفع للموقف ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ مثلاً شہر کے اندر خالی زمین وقف کی گئی اگر اس پر دوکان یا کرایہ کے مکانات تعمیر کردئے جائیں، یا مزروعہ زمین ہے جس کی کاشت میں دشواری ہوتی ہے اگر باغ لگا دئے جائیں تو دشواری دور ہوجائے گی اور وقف کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوجائے گا تو وقف کے فائدہ کے لئے جہت آمدنی کا تبدیل کردینا جائز ہے۔

"**کما فی البحر: وإن أراد قیم الوقف أن یبنی فی الأرض الموقوفة بیوتا یستغلها بالإجارة لا یکون له ذلک، لأن استغلال أرض الوقف یکون بالزرع ولو کانت الأرض متصلة ببیوت المصر یرغب الناس فی استیجار بیوتها و تکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخل کان للقیم أن یبنی فیها بیوتا فیواجرها، لأن الاستغلال بهذا الوجه یکون أنفع للفقراء**" (بحرالرائق ۲۱۶/۵)۔

فاضل آمدنی کا مصرف:

ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے جہت کے وقف میں یا اسی جہت کے وقف میں استعمال کرنے کی سب چار صورتیں بنتی ہیں۔ ان میں سے دو جواز کی ہیں اور دو عدم جواز کی ہیں۔ اگر جہت متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اگر جہت مختلف ہو

تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں، یعنی ایک ہی شخص نے ایک جہت پر متعدد وقف کئے، ایک وقف ایک مصلحت کے لئے اور دوسرا دوسری مصلحت کے لئے، مثلاً زید نے مدرسہ پر دو زمینیں وقف کیں، ایک زمین معلمین کی تنخواہ کے لئے اور دوسری مدرسہ کی عمارت کے لئے۔

"إن الوقف ومحل الوقف اعنی الجهة إن اتحدت بأن كانا وقفا على المسجد، أحدهما إلى العمارة والآخر إلى إمامه أو مؤذنه" (بحر الرائق ۵/۲۱۶)۔

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک مصلحت سے آمدنی بچ جاتی ہے تو اسی جہت کی دوسری مصلحت میں فاضل آمدنی صرف کرنا جائز ہے۔

"والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة إن كان الواقف متحدا؛ لأن غرض الواقف إحياء وقفه و ذلک يحصل بما قلنا" (بحر الرائق/۲۱۶)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف مختلف ہوں اور جہت وقف متحد ہوں، یعنی چند لوگوں نے اپنی اپنی زمینوں کو ایک ہی جہت پر وقف کیا، مثلاً زید وعمر وبکر نے مسجد یا مدرسہ پر اپنی اپنی زمین وقف کیا۔

حکم: اس صورت کا حکم بھی پہلی صورت کے حکم کی طرح ہے، یعنی ایک کے فاضل آمدنی کو دوسرے میں استعمال کرنا جائز ہے۔

"مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها وإن خرب حانوت فيها لابأس بعمارته من غلة حانوت آخر اتحد الواقف أو لا" (بحر الرائق و حاشیہ بحر ۵/۲۱۷)۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ واقف ایک ہو اور جہت مختلف ہو، مثلاً زید نے ایک زمین مسجد کے لئے اور ایک زمین مدرسہ کے لئے وقف کیا، یا مکان کی ایک منزل رہائش کے لئے اور ایک منزل کرایہ کے لئے وقف کیا۔

''اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنى مدرسة و مسجدا وعين لكل وقفا'' (البحر الرائق/۲۱۶) ''في الحاشية قال الرملي من اختلاف الجهة: ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال'' (حاشیہ بحر/۲۱۶)۔

حکم: اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کی جائے گی، بلکہ واقف کی شرط و مقصد کی اتباع واجب ہے۔

''فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى، تأمل'' (حاشیہ البحر/۲۱۶)

''وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف''۔

(۴) واقف بھی الگ الگ ہوں اور جہت وقف بھی الگ الگ ہو، مثلاً چند لوگوں نے الگ الگ وقف الگ الگ جہت پر کیا، ایک نے مدرسہ پر دوسرے نے مسجد پر تیسرے نے مسافر خانہ پر۔

حکم: اس صورت کا حکم تیسری صورت کے حکم کی طرح ہے۔ ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں۔

''وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف'' (البحر الرائق/۲۱۷)۔

مذکورہ چاروں صورتوں اور ان کے احکامات سے یہ معلوم ہوگیا کہ ایک کی فاضل آمدنی کو دوسرے پر استعمال کرنا کس وقت جائز اور کس وقت ناجائز ہے۔ اب اس پر ہم تفریعاً چند مسئلہ ذکر کرتے ہیں۔

''وقد علم بهذا التقرير اعمال الغلتين إحياء للوقف ورعاية شرط الواقف هذا هو الحاصل من الفتاوى'' (البحر الرائق/۲۱۷)۔

تفریع:

(۱) مسئلہ: اگر مسجد کی موقوفہ زمین قابل کاشت نہ رہ جائے اور اس میں مصالح عامہ کے لئے حوض یا تالاب بنادیا جائے تو لوگوں کے لئے اس کے پانی کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

"أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض، قنية" (ہندیہ ۲/ ۴۶۴)۔

(۲) مسئلہ: مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو فقراء ومساکین پر صرف کرنا جائز نہیں۔

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف وأنه صحيح، لكن اشترى به مستغلا للمسجد" (ہندیہ ۲/ ۴۶۳)۔

(۳) مسئلہ: وضو کے لئے وقف کئے گئے حوض سے پانی پینا جائز نہیں۔

"إذا وقف للوضوء لا يجوز الشرب منه" (ہندیہ ۲/ ۴۶۵)۔

(۴) مسئلہ: مسجد کی آمدنی سے کپڑا خرید کر مساکین وفقراء کو دینا جائز نہیں اور دینے والے کے ذمہ ضمان آئے گا۔

"ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا ودفع إلى المساكين لا يجوز وعليه ضمان ما نقد من مال الوقف" (ہندیہ ۴۶۲)۔

زائد آمدنی جس کی حفاظت دشوار ہو: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے ایسے اوقاف ہوں جن کی آمدنی مسجد ومدرسہ وغیرہ کے خرچ سے زائد ہو اور آئندہ کے لئے بھی ضرورت محسوس نہ ہو رہی ہو تو اس آمدنی کو دوسرے مدرسہ یا مسجد یعنی اسی جہت کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے گا۔

"وعند أبي يوسف يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى مسجد آخر" (بحر الرائق ۵/ ۲۵۲)۔

اور اگر اس وقف (موقوف علیہ) کو آئندہ ضرورت پڑنے کا اور آمدنی نہ ہونے کا اندیشہ ہوتو بقدر ضرورت اس وقف کے لئے آمدنی کو محفوظ کیا جائے گا۔ "**الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء، قيل: لا يصرف وانه صحيح لكن يشترى به مستغلا للمسجد**" (ہندیہ ۴۶۳) تا کہ ضرورت کے وقت کام آئے، اور آمدنی کو محفوظ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کوئی زمین اس وقف کے نام سے خرید لی جائے اور ضرورت کے وقت فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کی جائے۔

"**إما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط إلى قوله والمختار أنه لا يكون وقفا فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت**" (منحۃ الخالق حاشیہ بحر)۔

وقف مجہول الجہتہ:

کسی زمین یا مکان و دوکان کا وقف ہونا لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ چیز وقف کی ہے، لیکن جہت وقف کا علم کسی کے پاس نہ ہو کہ یہ چیزیں کس مصرف کے لئے وقف کی گئیں تھیں تو ان کا حکم یہ ہے کہ اس زمین کے سابقہ کاغذات اور پہلے کے منتظمین وقف کی فائلیں دیکھ کر معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وقف کس مصرف کے لئے تھا، اگر کسی طرح جہت وقف کا علم نہ ہو سکے تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو فقراء پر صرف کیا جائے۔

"**في الدر لو انقطع ثبوته فما كان في دواوين القضاء (قوله انقطع ثبوته الخ) المراد علم أنه وقف بالشهرة ولكن جهلت شرائطه ومصارفه بأن لم يعلم حاله ولا تصرف قوامه السابقين كيف كانوا يعملون وإلى من يصرفونه، فحينئذ ينظر إلى ما في دواوين القضاة، فإن لم يوجد فيها لا يعطى أحد ممن يدعي فيه حقا لم يبرهن ـ فان لم يبرهن يصرف للفقراء؛ لأن الوقف في الأصل لهم وقد علم مجرد كونه وقفا ولم يثبت فيه حق لغيرهم فيصرف إليهم**"

(شامی ۶/ ۶۶۸)۔

حکم معلوم الجہتہ ومعدوم المصرف:

اگر وقف کی جہت معلوم ہو اور موقوف علیہم مفقود ہوں یا ان تک آمدنی کا پہونچانا دشوار ہو، مثلاً کسی مدرسہ یا مسجد یا مسافر خانہ کا وقف تھا اور اب وہ سب ختم ہو گئے، یا کسی بستی کے مصالح عامہ پر وقف تھا اور اس بستی کے لوگ معلوم نہیں کہاں گئے، یا ان کی جگہ معلوم تو ہو، لیکن ان لوگوں تک پہونچانا دشوار ہو تو اس کا یہ حکم ہے کہ اسی جہت کے مصارف میں صرف کیا جائے، مدرسہ کا وقف دوسرے مدرسہ پر اور مسجد کا دوسری مسجد پر صرف کیا جائے۔ جہت کے معلوم ہوتے ہوئے دوسری جہت پر صرف کرنا جائز نہیں۔

"فی رد المحتار حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف علیه إذا خرب یصرف وقفه إلی مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلی مسجد آخر و أوقاف الحوض إلی حوض آخر والا رصاد نظیر الوقف" (شامی ۶/ ۶۴۶)۔

حاصل یہ کہ بقدر ممکن واقف کے مقصد کی رعایت کی جائے گی، اسی لئے اگر موقوف علیہم کو فی الحال یا فی المآل اس فاضل آمدنی کی ضرورت ہو موقوف علیہ کے علاوہ دوسرے پر صرف نہ کیا جائے گا، اور اگر ضرورت نہ ہو تو اسی جہت پر صرف کیا جائے گا، لہذا اگر کسی آبادی کے لوگوں کے لئے وقف تھا تو چونکہ اس وقف کا اصل مقصود فقراء تھے، اس لئے فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

وقف کی دوسری قسم:

(۱) وہ اوقاف جو آمدنی کے لئے نہ ہوں بلکہ رہائش وغیرہ کے لئے ہوں تو ان کے اخراجات موقوف علیہم کے ذمہ ہوں گے۔

"ولو کان الموقوف داراً فعمارته علی من له السکنی ولو متعدداً من

ماله لا من الغلة إذ الغرم بالغنم'' (درمختار ۵۶۸، ۵۶۹)۔

(۲) اور اگر موقوف علیہم فقیر ہوں یا خرچ نہ دیں اس وقت وقف کے اتنے حصے کو کرایہ پر دیدیا جائے گا جس سے وقف کی ضروریات پوری ہوسکیں۔

''ولو بنی خانا واحتاج إلی المرمة روی عن محمد أنه یعزل منه بیت أو بیتان وتواجر وینفق من غلتها علیه'' (بحر ۳۱۶)۔

(۳) اور اگر غیر آمدنی کے اوقاف کو موقوف علیہم آمدنی کے لئے استعمال کرنا چاہیں تو جائز نہیں، البتہ آمدنی کے اوقاف کو رہائش وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

''من له السکنی لا یملک الاستغلال بلا خلاف واختلف فی عکسه. والراجح الجواز کما حرره الشرنبلالی فی رسالة'' (شامی ۵۶۹)۔

تعمیر ومرمت: اگر موقوف علیہم کے پاس آمدنی ہو، خواہ اسی سے حاصل ہوتی ہو یا اس پر موقوفہ اوقاف سے حاصل ہوتی ہو تو آمدنی کو اگر تعمیر ومرمت کی ضرورت ہو تو اس پر صرف کیا جائے گا، اگر تعمیر ضروری ہے اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے تو سب سے پہلے تعمیر میں استعمال کیا جائے گا، اگر بچے تو ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، اور اگر نہ بچے بلکہ پوری آمدنی تعمیر ومرمت ہی میں ختم ہوجائے تو کسی کو کچھ بھی نہ ملے گا، اور اگر تاخیر کی گنجائش ہے تعمیر میں جو سب سے زیادہ ضروری ہو اس کو مقدم کیا جائے گا بعدہ بقدر کفایت ان لوگوں کو دیا جائے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان ہو، زمانہ تعمیر میں خواہ ضروری ہو یا ضروری نہ ہو، بلکہ تاخیر کی گنجائش ہو ان لوگوں کو کچھ نہ ملے گا جن کو نہ دینے میں وقف کا نقصان نہ ہو، ایسے لوگوں پر تعمیر ہر حال میں مقدم رہے گی۔

''والحاصل بما تقرر وتحرر أنه یبدأ بالتعمیر بالضروری حتی لو استغرق جمیع الغلة صرفت کلها إلیه ولا یعطی أحد ولو إماما أومؤذنا فإن فضل عن التعمیر شئ یعطی ما کان أقرب إلیه مما فی قطعه ضرر بیّن، وکذا لو

كان التعمير غير ضروري بأن كان لا يؤدي تركه إلى خراب العين ولو أخر إلى غلة السنة القابلة فيقدم الأهم فالأهم ثم من لا يقطع يعطى المشروط له إذا كان قدر كفايته وإلا يزاد أو ينقص وان لم يكن في قطعه ضرر بيّن قدمت العمارة ليه وإن أمكن تأخيرها إلى غلة العام القابل كماهو مقتضى إطلاق المتون ولا يعطى شئ أصلا'' (شامی ۶/۵۶۵)۔

آمدنی نہ ہو تعمیر کی ضرورت ہو:

اگر اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ وہ آمدنی کے اوقاف نہ ہوں اور موقوف علیہم تعمیر ومرمت کا خرچ نہ دیں اپنے فقر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، یا وہ آمدنی کے اوقاف ہوں یا ان کی آمدنی کے لئے دوسرے اوقاف ہوں، لیکن آمدنی حاصل نہ ہو، یا آمدنی تو ہو، لیکن تعمیر ومرمت اس آمدنی سے نہ ہو سکے، تو ایسے اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کو اتنے دن کے لئے کرایہ پر دیدیا جائے گا جتنے دن کی آمدنی سے تعمیر وغیرہ ہو جائے۔ اور اگر کرایہ پر نہ اٹھے یعنی وہ ایسا ہو کہ لوگ اسکو کرایہ پر نہیں لیتے ہیں یا ایسی جگہ ہو جس کی وجہ سے کرایہ نہ ملے تو قرض لے کر تعمیر کی جائے، اور اگر قرض نہ ملے اور نہ ہی کرایہ حاصل ہو تو بعض کو فروخت کر کے بقیہ وقف کو تعمیر کیا جائے، چونکہ اول اجارہ ہے پھر قرض ہے، پھر بیع ہے، اس لئے پہلے اجارۂ وقف بعدہ استقراض للوقف اور پھر بیع وقف کو ذکر کیا جائے گا۔

احکام اجارۃ: جب اوقاف کی تعمیر ومرمت کے لئے اتنی آمدنی نہ ہو جس سے وقف کی تعمیر ومرمت کی جائے تو ایسی صورت میں اوقاف کو اتنی مدت کے لئے جس کے کرایہ سے وقف کی تعمیر ومرمت ہو سکے کرایہ پر دینا جائز ہے، کسی خاص مدت کی تعیین ایسی صورت میں نہیں ہے، البتہ کرایہ پر دینے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے وقف ضائع نہ ہو اور مدت اجارہ کے ختم ہونے کے بعد کرایہ دار کو الگ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

''وفي فتاوى قارى الهداية : إذا لم تحصل عمارة الوقف إلا بذلك

یرفع الأمر للحاکم لیؤجرہ اکثر ای إذا احتیج إلی عمارته من أجرته یؤجرہ الحاکم مدة طویلة بقدر مایعمر به" (شامی ۶/۶۰۱)۔

چونکہ اوقاف کے اجارہ کی مدت فقہاء متقدمین نے متعین نہیں کی تھی، لیکن بعد کے فقہاء نے وقف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مدت اجارہ کو متعین کردیا ہے۔ زراعت کی زمین کے لئے تین سال کی مدت اجارہ اور مکانوں وغیرہ کے لئے ایک سال مدت اجارہ متعین کی گئی ہے، لیکن جب مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسی صورت میں کمی بیشی بھی کی جائے گی اور تجدید مدت کی علت وقف کو ضیاع سے بچانا ہے، لہٰذا اگر بغیر تجدید کے دوسری صورت سے یہ مقصد حاصل ہوجائے تو تجدید لازم نہ ہوگی۔

"إن المختار أنه لا یجوز فی الدور أکثر من سنة إلا إذاکانت المصلحة فی الجواز وفی الضیاع یجوز إلی ثلاث سنین إلا إذا کانت المصلحة فی عدم الجواز وهذا أمر یختلف باختلاف الزمان والمواضع الخ، و أشار الشارح إلی أنه لا یخالف مافی المتن، لأن أصل عدول المتاخرین عن قول المتقدمین بعدم التوقیت إلی التوقیت إنما هو بسبب الخوف علی الوقف فإذا کانت المصلحة الزیادة أو النقص اتبعت وهو توفیق حسن" (شامی ۶/۶۰۱)۔

اجرت متقدمہ: جس چیز کو کرایہ پر دے کر کرایہ پیشگی وصول کیا جائے اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز موجود ہو اور کرایہ وصول کرلینے کے بعد شئی مستاجرہ کرایہ دار کے سپرد کرنے کی شرط ہو۔

۲۔ شئی مستاجرہ موجود ہو اور آئندہ کسی تاریخ معینہ پر سپرد کرنے کا معاملہ ہو اور اجرت کو پیشگی ادا کرنا شرط ہو۔

۳۔ شئی مستاجرہ موجود نہ ہو اور اجرت پیشگی وصول کرکے آئندہ کسی تاریخ میں سپرد

کرنے کی شرط ہو۔

احکام: پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ پیشگی اجرت وصول کرکے شئی مستاجرہ کو سپرد کردینا جائز ہے، اور یہ عقد اجارہ لازم و درست ہے۔

"أما إذا شرط في تعجيلها ملكت بالشرط وجب تعجيلها الخ" (بدائع ۴/ ۲۰۲)۔

دوسری صورت، یعنی اجرت پیشگی وصول کرنا اور شئی مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ میں سپرد کرنے کی شرط لگانا، اسکو اصطلاح فقہ میں اجارۃ مضافہ کہتے ہیں، اور اس کے حکم میں حضرات علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اجارہ مضافہ لازم ہو جاتا ہے، اور پیشگی اجرت کا وصول کرنا اور اس کی شرط لگانا درست ہے، وصول کرنے کے بعد اجرت کا مالک ہو جائے گا۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ لازم نہ ہوگا، لہذا وصول کردہ اجرت بحکم قرض ہوگی، اجارہ کے لازم نہ ہونے کی وجہ سے جانبین کو عقد اجارہ کے ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ قول مذکورہ میں سے دونوں قول کی تصحیح حضرات علماء نے فرمائی ہے لیکن اول کو صحیح اور ثانی کو اصح کہا ہے اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے، اور ضرورت کے وقت قول صحیح یعنی لزوم عقد پر فتوی کی گنجائش ہے۔

"كما ذكر في الشامية مطلب في لزوم الإجارة المضافة تصحيحان۔ وقال: قال قاضي خان وذكر شمس الائمة السرخسي: إن الاجارة المضافة تكون لازمة في إحدى الروايتين وهو الصحيح...ويؤخذ برواية الملك هنا للحاجة۔ قلت وقد ذكر الشارح في أواخر كتاب الإجارة أن رواية عدم اللزوم تأيدت بأن عليها الفتوى أى فتكون أصح التصحيحين، لأن لفظ الفتوى في التصحيح أقوى۔ لكن أنت خبير بأن رواية عدم اللزوم هنا لا تنفع، لأنه يثبت للمستاجر الفسخ فيرجع بماعجله من الأجرة، وإن قلنا إنها تملك بالتعجيل فينبغي هنا ترجيح رواية اللزوم للحاجة نظير ماقاله قاضي خان في رواية

الملک" (شامی ۶/۶۰۷)۔

تیسری صورت، یعنی شئی مستاجرہ موجود نہ ہو اور عقد اجارہ کے ذریعہ پیشگی اجرت وصول کرلی جائے اور شئی مستاجرہ کو آئندہ کسی تاریخ تک تعمیر وغیرہ کرکے سپرد کرنے کا معاملہ ہو، یعنی غیر موجود کا عقد اجارہ۔ اس کے حکم کی صراحت نظر سے نہیں گذری، البتہ اصول سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غیر موجود کا عقد اجارہ منعقد نہ ہوگا۔ اور وہ کالعدم ہوگا، اجرت بحکم قرض ہوگی اور مؤجر کو دوسرے سے عقد اجارہ کرنے کا اختیار رہے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے لیکن اس کی جگہ پر اس کے سبب یعنی شئی مستاجرہ کو رکھ کر معاملہ درست ہوجاتا ہے، لہذا جب معقود علیہ نہ ہوگا تو عقد اجارہ کس پر منعقد ہوگا۔

اور صاحب ''بدائع'' عقد اجارہ ہوجانے کے بعد معقود علیہ کے ہلاک ہوجانے کی صورت میں عقد اجارہ کے بقاء اور عدم بقاء پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز یقین سے ثابت ہو تو اس کی بقاء کے لئے انتفاع کا وہم بھی کافی ہے، اور جو چیز یقین سے ثابت نہ ہو تو اس کے ثبوت کے لئے وہم کافی نہیں، بلکہ یقین کی ضرورت ہے، لہذا جب معقود علیہ موجود نہ ہو تو صرف وجود کے وہم سے عقد اجارہ کیسے منعقد ہوگا۔

''والأصل فيه أن العقد المنعقد بيقين يبقى لتوهم الفائدة؛ لأن الثابت بيقين لا يزال بالشک کما أن غير الثابت بيقين لا يثبت بالشک'' (بدائع ۴/۱۹۶)۔

اجارة البعض لحفظ الکل: پورے وقف کی حفاظت کے لئے بعض حصہ کو کرایہ پر دینا، مثلاً پورے قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے بعض حصہ پر دوکان تعمیر کردی جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

''الثالث عشرة لو بنى خانا واحتاج إلى المرمة روى عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر و ينفق من غلته عليه'' (بحر ۵/۲۱۶)۔

بعض علماء نے وقف کو ظالم کی دست درازی سے بچانے کے لئے اس کی بیع اور اس کے ثمن کو اس کی مثل میں صرف کرنے کا فتوی دیا، لیکن چونکہ اس فتوی سے ضیاع وقف کا اندیشہ تھا اس لئے اسکو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا گیا۔

''کما فی البحر: وفی الفتاوی قیم وقف خاف من السلطان أو من وارث یغلب علی أرض وقف یبیعها و یتصدق بثمنها، وکذا کل قیم إذا خاف شیئاً من ذلک له أن یبیعه ویتصدق بثمنها۔ قال الصدر الشهید: والفتوی علی أنه لا یبیع الخ'' (بحر ۵/۲۱۷)۔

جب وقف کو ظالم سے بچانے کے لئے بیع کی اجازت تھی تو اجارہ بعض حکم شرع کے عین مطابق ہے اور شامی وغیرہ میں بھی اجارہ کی اجازت مصرح ہے۔

آمدنی کا حکم: جب وقف کے بعض حصہ پر بغرض حفاظت دوکان تعمیر کردی جائے تو دوکان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حکم یہ ہے کہ اس وقف کو جتنی ضرورت ہوا تنا تو اس کی ضرورت میں صرف کیا جائے۔ اور جو باقی بچے اس کے مثل دوسرے اوقاف میں صرف کیا جائے۔

''یصرف ثمنه إلی حوائج المسجد، فإن استغنی عنه هذا المسجد یحول إلی مسجد آخر'' (بحر ۵/۲۵۲)۔

قبرستان کی دوکان کی آمدنی:

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جب دوکان تعمیر کی جائے تو اس کی آمدنی کا بھی مصرف وہی ہوگا جو چند صفحہ پہلے گذرا، یعنی جتنی ضرورت ہو اس قبرستان میں صرف کی جائے اور بقیہ کو دوسری قبرستانوں کی حفاظت میں خرچ کیا جائے یہی اولی واحوط ہے۔

رفاہی کاموں میں استعمال:

قبرستان کی زمین پر تعمیر شدہ دوکانوں کی فاضل آمدنی کا محتاط صرف تو دوسرے مقابر

کی حفاظت ہے، البتہ علامہ عینیؒ کی قبرستان کے بارے میں ذکر کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے رفاہی دینی کاموں میں استعمال کرنا جائز ہے، مثلاً مسجد کی ضروریات میں یا دینی مدارس وغیرہ میں۔

''قال الحافظ العینیؒ: فإن قلت هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین، قلت: قال ابن القاسمؒ: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا، وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین الخ'' (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

وقف کے لئے قرض: وقف کی ضرورتوں کے لئے قرض لینا جائز ہے۔

شرائط: دو شرطوں کے ساتھ۔(۱) قاضی (اوقاف کے منتظمین مسلم دیانتدار) کی اجازت ہو، (۲) وقف کو کرایہ پر دے کر اس سے کرایہ حاصل کرنا اور اس کی اجرت کو ضرورتوں میں استعمال کرنا بہت دشوار ہو۔

''لا تجوز الاستدانة علی الوقف إلا إذا احتیج إلیها لمصلحة الوقف کتعمیر و شراء بذر فیجوز بشرطین. الأول إذن القاضی۔ والثانی أن لا تیسر إجارة العین والصرف من أجرتها'' (درمختار ۶/۶۵۷)۔

قرض کی شکلیں اور ان کا حکم:

(۱) وقف کے پاس آمدنی ہو اور متولی اپنے پاس سے وقف کی ضرورتوں میں صرف کر دے بغیر منتظم وقف کی اجازت کے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ متولی اپنی خرچ کردہ رقم خود سے لے سکتا ہے دیانۃً، البتہ اگر منتظمین سے مطالبہ کرے گا تو گواہوں کے قیام کے بغیر نہ ملے گی۔

''إن الناظر إذا أنفق من مال نفسه علی عمارة الوقف لیرجع فی غلته

له الرجوع ديانة لكن لوادعى ذلك لايقبل منه، بل لا بد أن يشهد أنه أنفق" (شامی ۶/ ۶۵۸)۔

(۲) وقف میں ٹھیکہ پر تعمیر کروانا۔ مثلاً وقف کے پاس آمدنی نہ ہو اور وقف کو تعمیر کی ضرورت ہو تو متولی یا منتظمین وقف کسی بلڈر سے یہ معاملہ کرلیں کہ اس زمین پر تعمیر کردو، اس کے عوض میں تم کو اتنی رقم ملے گی۔ یا جو مصارف آئیں گے وہ وقف دے گا اور بطور اجرت کے اتنی رقم مزید ملے گی، یا تعمیر ہوجانے کے بعد اس کا اتنا حصہ آپ کو بطور ملک کے ملے گا، یعنی آپ اتنے حصہ کے مالک ہوں گے۔

حکم: مذکورہ صورتوں میں تعمیر پر آنے والے مصارف کے بقدر بلڈر کا وقف مقروض ہوگا اور جتنا خرچ آیا ہے وقف کے ذمہ قرض ہوگا، یا متعینہ رقم قرض ہوگی۔

اور معاملہ میں تعمیر کے بعد بعض حصۂ وقف کے اجارہ یا بیع کی شرط لگانا شرط فاسد ہوگی جو قرض میں باطل ہوجاتی ہے، لہذا بیع واجارہ کی شرط غیر معتبر ہوگی۔ اور شرط مذکور کی بناپر بلڈر کو اجارہ یا بیع کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور مطالبہ ناجائز وحرام ہوگا۔ "**كل قرض جر نفعا فهو ربا**" (الحدیث)، بعض حصہ کو بیع کی شرط کیساتھ بلڈر سے معاملہ کرنا ناجائز وحرام ہے کیونکہ اس میں بیع وقف ہے جو ناجائز ہے، اور اگر صرف عمارت کی بیع مانی جائے کہ جب تک اس حصہ کی عمارت موجود رہے گی بلڈر کو اس میں ہر طرح کے تصرفات کا حق ہوگا تو اجرت قفیز طحان کی قبیل سے ہوگی۔

"**دفع أرضه ليغرس شجرا على أن تكون الأرض والشجر بينهما نصفين لم يجز والشجر لرب الأرض وعليه قيمة الشجر**" (ہندیہ ۴۴۵)۔

بیع البعض لحفظ الکل: وقف کے بعض حصہ کو یا کسی وقف پر موقوفہ وقف کو پورے وقف کی حفاظت کے لئے فروخت کرنا جائز ہے۔ یعنی کوئی وقف منہدم ہونے کے قریب ہو یا منہدم ہوگیا ہو یا معطل ہوگیا ہو اور اس کی تعمیر اور اس کی حفاظت کا کوئی طریقہ نہ ہو سوائے بعض حصہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے تعمیر وتحفظ کیا جائے، نہ اجارہ پر اٹھ سکے نہ قرض مل سکے تو بقدر

ضرورت وقف کو فروخت کرنا جائز ہے۔

"في الخيرية إن أمكن عمارة المسجد بغلتها شيئاً فشيئاً ولا يخشى انهدام المسجد يجب عمارته منها وان لم يمكن تباع و يعمر المسجد من ثمنها قال في التتارخانية نقلا عن فتاوى النسفي سئل عن أهل محلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال: يجوز بأمر القاضي وغيره، هو موافق للقاعدة المشهورة إذ اجتمع ضرران قدم أخفهما ولا نعلم أحدا من علمائنا خالف في هذه المسئلة لاسيما الواقف لهما متحدان" (فتاوی خیریہ ۱۲۹، حاشیہ البحر منحۃ الخالق ۵/ ۲۲۰)۔

بیع البعض لمصالح الوقف: وقف کے بعض حصہ کو، موقوفہ جائداد وغیرہ کو وقف کی مصلحت یعنی توسیع، آمدنی میں اضافہ وغیرہ کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

"قال الرملي: أقول: قال في البزازية: بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز" (منحۃ الخالق ۵/ ۲۲۱)۔

معطلہ مقبرہ: وہ قبرستان جو آبادی کے اندر آ گئے ہیں اور ان پر دفن کا سلسلہ موقوف ہو خواہ حکومت کے پابندی لگانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، جب قبرستان میں دفن کا سلسلہ بالکل ختم ہوجائے تو اس کا حکم انقطاعِ انتفاع بالکلیہ کا حکم ہے، یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس کے بدلہ دوسرا قبرستان قائم کردیا جائے۔

"وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي و مثله حشيش المسجد، وكذا الرباط إلى أقرب مسجد أو رباط الخ" (درمختار ۶/ ۵۴۹)۔

اور اگر اس کا بدلنا متعذر ہو تو اس قبرستان میں مسجد و مدرسہ اور دینی تعلیمی و تبلیغی مرکز قائم کردیے جائیں۔ البتہ تمام قبروں کو برابر کردیا جائے اور ان کو کھودا نہ جائے، اور بنیاد کی کھدائی میں جو ہڈیاں وغیرہ نکلیں ان کو احترام سے کسی جگہ دفن کردے۔ اور مقبرہ کی زمین پر بیت الخلاء، استنجا خانہ وغیرہ اگر قبریں نئی ہوں تو قائم نہ کیا جائے۔

"في العمدة أن المقابر وقف من أوقاف المسلمين. والمسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين" (عمدة ۵/۱۷۹) "وحمل النهي على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهي التحريم وماذكره غيره من كراهة الوطأ الخ، يراد به كراهة التنزيه في غير قضاء الحاجة وتنتفي الكراهة مطلقاً إذا كان الجلوس للقراءة الخ" (شامی ۱/۶۰۶)۔

قبرستان کی مسجد:

مقبرہ میں جو مسجد موجود ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ زمین قبرستان کی ہو بعد میں ضرورتاً مسجد تعمیر کرلی گئی ہو۔ (۲) وہ زمین قبرستان کی نہ ہو بلکہ مسجد کی ہو جس کو مسجد بنایا گیا ہو۔

پہلی قسم کا حکم: جو مسجد قبرستان کی زمین میں ضرورتاً تعمیر کی گئی ہو، اور اب اس کی توسیع کی سخت ضرورت ہو تو وہ قبرستان جس میں تدفین جاری ہے اگر فی الحال گنجائش توسیع کی ہو تو توسیع جائز ہے، اور جب قبرستان تنگ ہوجائے گا تو پوری مسجد کو قبرستان بنادیا جائے گا، یا جتنے کی ضرورت ہو اتنا قبرستان بنادیا جائے گا۔

"وقد قال في جامع الفصولين: المسجد الذي يتخذ من جانب الطريق لا يكون له حكم المسجد، بل هو طريق بدليل أنه لو رفع حوائطه كما كان قبله قلت الظاهر أن هذا في مسجد جعل كله من الطريق" (۶/۵۷۵)۔

دوسری قسم کا حکم: اگر وہ مسجد قبرستان کی زمین پر نہ ہو بلکہ شروع سے مسجد ہی بنائی گئی ہو تو وہ قبرستان جس میں تدفین جاری ہے اس میں توسیع اسی وقت جائز ہے جب کہ فی الحال اور فی المآل قبرستان میں اتنی گنجائش ہو کہ توسیع کے بعد بھی قبرستان تنگ نہ ہو اور آئندہ مسلمانوں کو توسیع سے ضرر لاحق نہ ہو۔

"جعل شئ أي جعل الباني شيئاً من الطريق مسجدا لضيقه، ولم يضر بالمارين جاز؛ لأنها للمسلمين" (۶/۵۷۴)۔

تنبیہ: علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ مسئلہ سے قبرستان کی مساجد دو طرح کی ہوتی ہیں، اسی وجہ سے توسیع کے حکم میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے کہ جب پوری مسجد قبرستان ہو اور بعد میں مسجد بنائی گئی ہو تو ایسی صورت میں وہ حصہ مسجد اسی وقت تک رہے گا جب تک مسجد کی عمارت موجود ہو۔ اور اگر پہلے سے مسجد موجود ہو قبرستان کی زمین پر نہ ہو تو ایسی صورت میں توسیع شدہ زمین کو اصل کے تابع مان کر مسجد شرعی مان لیں گے، جو کبھی مسجدیت سے نکل نہ سکے گی، تو ایسی صورت میں توسیع کے لئے شرط ہوگی کہ وہ حصہ فی الحال اور فی المآل فاضل ہو، لیکن تقریرات رافعی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو توسیع ہوگی وہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ جو کراہت ہے راستہ وغیرہ میں نماز ادا کرنے کی وہ کراہت ختم ہوجائے گی، لہذا جب دیواریں اٹھا دی جائیں گی تو وہ حصہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے گا، خواہ پوری مسجد وراستہ قبرستان میں ہو یا صرف توسیع شدہ حصہ قبرستان وراستہ ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں (تقریرات رافعی ر ۳۸۳، ۳۸۳، ۳۸۴)۔

"قوله: قلت: الظاهر أن هذا في مسجد جعل كله من الطريق الخ. الظاهر أن حكم المسجدية في صورتي جعل كل الطريق مسجدا أو بعضه متحققة فيهما بدون فرق بين المسئلتين لكن ما دامت حوائطه قائمة وإلا عاد طريقا فيهما كما يأتي ما يفيد هذا مما كتبناه عقب هذا" (تقریر ر ۸۳)۔

احکام مساجد:

چونکہ مساجد کے احکام دوسرے اوقاف کے احکام سے الگ ہیں، مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد کے لئے دوسرے اوقاف کی طرح قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم الی المتولی کی شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں شیوع مانع مسجدیت ہے جب کہ دوسرے اوقاف میں شیوع مانع وقف نہیں، اس لئے ہم مسجد کے احکام کو الگ ذکر کررہے ہیں۔

"اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه من

ملک الواقف عند الإمام وإن لم یحکم به حاکم کما فی الدرر وغیرہ" (شامی ۴/۵۴۴)۔

سب سے پہلے مسجد ہونے کی شرائط ذکر کی جائیں گی کہ مسجد ہونے کے لئے کیا شرطیں ہیں اور علماء کا اختلاف کیا ہے اور قول مفتی بہ کیا ہے۔

شرائط:

۱۔ مسجد ہونے کے لئے تمام علماء کے نزدیک سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ بانی مسجد حصہ مسجد کو اپنی ملکیت کی دوسری زمینوں سے بالکل الگ کردے اور حدود مسجد کی حدبندی کردے کہ میں نے اتنے حصہ زمین ومکان کو مسجد بنایا، اگر حدبندی نہ کرے جس کی وجہ سے مسجد کا حصہ اس کی اور زمینوں سے الگ وممتاز نہ ہو تو مسجد نہ بنے گی۔

"**إن المسجد لو کان مشاعا لایصح اجماعا**" (شامی ۵/۵۴۵)۔

۲۔ حضرات طرفین کے نزدیک دوسری شرط یہ ہے کہ جس حصہ کو مسجد کے لئے وقف کرے اس میں نماز ادا کرلی جائے، کیونکہ حضرات طرفین کے نزدیک وقف کو متولی کے حوالہ کردینا ضروری ہے اور وقف مسجد میں نماز ادا کرلینا التسلیم الی المتولی کے قائم مقام ہے۔

"**أما الصلوة فیه فلأنه لابد من التسلیم عند أبی حنیفةؒ و محمد فیشترط تسلیم نوعه و ذلک فی المسجد بالصلاة فیه أولأنه تعذر القبض یقام تحقق المقصود مقامه**" (بحر ۲۴۸)۔

البتہ ایک شخص کا نماز ادا کرلینا کافی ہے یا اذان وجماعت کے ساتھ نماز کا ادا کرنا مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس میں دو روایتیں ہیں اور دونوں ظاہر الروایہ ہیں:

۱۔ حضرات طرفین نے مسجد ہونے کے لئے نماز باجماعت کی شرط لگائی ہے۔

"**شرط الإمام و محمد الصلوة بجماعة**" (درمختار ۵/۵۴۵، ۵۴۶)۔

"**اشتراط الجماعة؛ لأنها مقصودة من المسجد ولذا شرط أن تکون**

جهرا بأذان وإقامة وإلا لم يصر مسجداً، قال الزيلعي: وهذه الرواية الصحيحة. إلى قوله وصححه في الخانية أيضا وعليه اقتصر في كافي الحاكم فهو ظاهر الرواية أيضا" (شامی ۶/ ۵۴۴)۔

۲۔حضرات طرفین کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز با جماعت مسجد ہونے کے لئے ضروری نہیں بلکہ واقف مسجد کے علاوہ کسی ایک شخص کا نماز ادا کر لینا کافی ہے۔

"وقيل يكفي واحد و جعله في الخانية ظاهر الرواية" (درمختار ۶/ ۵۴۴)۔

"في الحاشية وعليه المتون كالكنز والملتقى و غيرهما"۔

"ولو صلى الواقف وحده فالصحيح أنه لا يكفي؛ لأن الصلوة إنما تشترط لأجل القبض للعامة و قبضه لنفسه لا يكفي فكذا صلاته فتح واسعاف" (شامی ۶/ ۵۴۴)۔

نوٹ: مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں اگر نماز ادا کی جائے، بلکہ وہ زمین متولی کے حوالہ کردی جائے تو کیا وہ زمین مسجد ہو جائے گی یا نہیں اس مسئلہ میں بھی حضرات علماء سے دو روایتیں منقول ہیں:

۱۔اگر مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے قبضہ میں دے دی جائے تو اس زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی ضروری نہیں بلکہ متولی کے حوالہ کر دینے سے مسجد بن گئی اور اسی روایت کو اکثر علماء نے ترجیح دیا ہے۔

"علمت أنه بالتسليم إلى المتولي يكون مسجدا دونها. أي دون الصلاة هذا هو الأصح كما في الزيلعي وغيره وفي الفتح وهو الأوجه؛ لأن بالتسليم إليه يحصل تمام التسليم إليه تعالى، وكذا لو سلمه إلى القاضي أو نائبه كما في الأسعاف" (شامی ۶/ ۵۴۴)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین متولی یا عامۃ المسلمین کے سپرد

کرنے سے مسجد نہ بنے گی، بلکہ اس کے مسجد ہونے کے لئے نماز کا ادا کرنا شرط ہے۔

''کما في الشامية: وقيل: لا واختاره السرخسي'' (شامی ۶/۵۴۶)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد کے لئے زمین الگ کرنے کے بعد صرف اتنا کہنے سے بھی مسجد ہوجائے گی کہ میں نے اسکو مسجد بنایا۔ ان کے نزدیک نہ تو نماز کی ادائیگی مسجد ہونے کے لئے شرط ہے اور نہ ہی متولی وعامۃ المسلمین کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ صرف اتنا کہہ کر زمین کو الگ کردینے سے مسجد ہوجائے گی۔

''وبقوله جعلته مسجداً عند الثاني'' (درمختار ۶/۵۴۵)۔

قول راجح: حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول راجح ہے، لہذا کسی زمین کے مسجد ہونے کے لئے نماز کی ادائیگی یا تسلیم الی المتولی وعامۃ المسلمین ضروری نہیں، بلکہ صرف مسجد کی حدبندی کر دینے سے مسجد ہوجائے گی۔

''قدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسفؒ و علمت أرجحيته في الوقف والقضاء'' (شامی ۶/۵۴۶)۔

عیدگاہ وجنازہ گاہ: عیدگاہ اور جنازہ گاہ کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن کو مختصر طور پر ذکر کیا جارہا ہے:

جنازہ گاہ: جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص زمین وقف کردے تو اس کا حکم مسجد کا حکم ہے، واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی جس کی وجہ سے اس کی بیع اور اس کی وراثت کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔

''في الدر: ويزول ملكه عن المسجد والمصلى قوله والمصلى شمل مصلى الجنازة ومصلى العيد، قال بعضهم: يكون مسجدا حتى إذا مات لا يورث عنه وقال بعضهم هذا في مصلى الجنازة'' (شامی ۶/۵۴۵)۔

عیدگاہ: عیدگاہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ عیدگاہ کے لئے اگر کوئی

شخص زمین وقف کرے تو وہ واقف کی ملکیت سے نکلے گی یا نہیں اس کے احکام میں چند اقوال ہیں:

۱۔بعض لوگوں نے کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ اس میں نہ تو وراثت جاری ہوگی اور نہ ہی اس کی بیع جائز ہوگی اور اس میں حائضہ ونفساء کا دخول بھی حرام ہوگا اور یہ مسجد ہوگی۔

۲۔اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ عیدگاہ کو مسجد کا حکم بالکل نہیں دیا جائے گا، البتہ امام کی اقتداء کے سلسلہ میں مسجد کے حکم میں ہوگی کہ اگر عید کی نماز میں عیدگاہ کے باہر کوئی شخص امام کی اقتداء کرلے اور صفوں کے اور مقتدی کے درمیان اگرچہ فصل ہو اقتداء درست ہوجائے گی اور باہر سے اقتداء کرنے والے کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

''أما مصلى العيد لا يكون مسجدا مطلقا وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام وإن كان منفصلا عن الصفوف وفيما سوى ذلك فليس له حكم المسجد'' (شامی ۶/۵۴۵)۔

''وقال بعضهم: يكون مسجدا حال أداء الصلوة لا غير وهو والجبانة سواء'' (شامی ۶/۵۴۵)۔

حکم: اس اختلاف کی بنا پر حضرات علماء نے فرمایا کہ مسجد کا حکم احتیاطا دیا جائے گا کہ اس سے جنبی اور حائضہ کو دور رکھا جائے گا۔

''ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطا الخ (خانية واسعاف)'' (شامی ۶/۵۴۵)۔

قول راجح: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ قول اول یعنی عیدگاہ اور جنازہ گاہ کا مسجد ہونا راجح ہے کیونکہ قاضی خاں قول اشہر کو مقدم رکھتے ہیں اور قول اول مسجد ہونے کا ہے۔

''والظاهر ترجيح الأول؛ لأنه في الخانية يقدم الأشهر'' (شامی ۶/۵۴۵)۔

مساجد کی فاضل آمدنی رفاہی کاموں میں صرف کرنا:

اوقاف کا مقصود مخلوق کو نفع رسائی ہے۔ وہ کسی کی مملوک نہیں ہوتے ہیں، بلکہ وہ ملکیت سے حُر کی طرح سے آزاد ہوتے ہیں، اسی لئے اوقاف پر ملکیت کے آثار، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ جاری نہیں ہوتے، البتہ مقصود یعنی انتفاع کے ختم ہونے کی صورت میں دوبارہ اس کے نفع کو جاری کرنے کے لئے بیع واستبدال کی اجازت حضرات فقہاء شروط وقیود کے ساتھ دیتے ہیں، اور ان شروط وقیود کا اہم مقصد وقف کی ضیاع سے حفاظت ہے، لہذا حتی الامکان فقہاء کی ذکر کردہ شرائط کی پابندی واجب ہے۔ انہی شرائط میں سے ایک شرط منقولات سے عدم استبدال کی ہے، لہذا بقدر ممکن اس کی رعایت کرتے ہوئے روپیہ پیسہ سے وقف کو ہرگز نہ بدلا جائے، البتہ نفع کے بالکلیہ معدوم ہونے کی صورت میں وقف کو غیر منقولات زمین ومکان وغیرہ سے بدل کر اسی وقف کو دوبارہ جاری کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر اسی وقف کو کسی وجہ سے جاری کرنا ممکن نہ ہو تو نوع سابق کے قریبی اوقاف میں صرف کرنا جائز ہے دوسرے مصرف میں استعمال ناجائز ہے۔ بیع و استبدال کے سلسلے میں مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف خواہ وہ اوقاف مسجد ہوں یا دوسرے اوقاف سب کا حکم ایک ہے۔

"**الظاهر ان حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر و أمثالها حكم الوقف على الفقراء**" (شامی ۶/۵۷۳)۔

الف۔ روپے سے فروخت کرنے میں وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہے اس لئے بقدر ممکن احتراز واجب ہے۔

ب۔ کی جاسکتی ہے۔ نفس مسجد کے علاوہ بقیہ تمام اوقاف کا حکم ایک ہے۔

نہیں۔ مقصود واقف کی رعایت بہر حال واجب ہے۔

اوقاف غیر محتاج الیہ یعنی وہ اوقاف جن کی موقوف علیہم کو حاجت وضرورت باقی نہ رہ جائے، خواہ موقوف علیہم کے فقدان کی وجہ سے یا ازدیاد وقف اور تقلیل موقوف علیہم کی وجہ سے، تو

ان اوقاف کا حکم اوقاف غیر منتفعہ کا حکم ہے، کیونکہ غیر انتفاع کی توضیح حضرات فقہاء نے تفرق ناس وعدم حاجت سے فرمائی ہے، اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر انتفاع کا مدار یعنی اصل علت عدم حاجت پر ہے، لہذا اشتراک علت کی وجہ سے حکم کا تعدیہ لازم ہے۔

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه الخ (قوله ولو خرب ما حوله) أى ولو مع بقائه عامرا، وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه'' (شامی ۶/۵۴۸)۔

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے کہ غیر انتفاع کا مدار استغناء پر ہے، لہذا جس موقوف علیہ کے پاس وقف اس کی ضرورت سے اتنے زیادہ ہوں جن کی ضرورت موقوف علیہ کو نہ تو فی الحال ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی کوئی امید ہو، تو اس کا حکم وقف غیر منتفع کا ہے، یعنی اگر وقف سے آمدنی ہورہی ہو تو اس کی آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے گا، اور اگر آمدنی نہ ہورہی ہو یا آمدنی ہورہی ہو، لیکن عدم ضرورت کی وجہ سے حفاظت دشوار ہو تو اس کو بدل کرکے اسی نوع کا دوسرا وقف قائم کیا جائے، ورنہ اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کیا جائے۔

''وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المار به وله أوقاف عامرة فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني'' (شامی ۳/۳۷۲)۔

اوقاف غیر منتفع کی آمدنی اور اس کی قیمت کو دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

''لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه'' (شامی ۶/۵۴۹)۔

اوقاف غیر محتاج الیہ (وقف مستغنی عنہ) کو دوسرے نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

''أرض وقف علی المسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا یجوز للمسلمین انتفاع بماء ذلک الحوض۔قنیة'' (ہندیہ ۲/ ۴۶۴)۔

لہذا مسجد پر موقوفہ اوقاف کو جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو دوسرے رفاہی کاموں میں استعمال کرنے کی گنجائش نہیں۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنے کی بالکل گنجائش نہیں۔

ب۔ مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

وقف کی وہ فاضل آمدنی جس کی وقف کو نہ تو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کی امید ہے مزید برآں اس کے ضیاع کا بھی اندیشہ ہوتو اس کا حکم اوقاف مستغنی عنہ کا حکم ہے ،یعنی اس آمدنی کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضرورتوں میں استعمال کیا جائے۔

''وعند أبی یوسف یباع ذلک و یصرف عنه إلی حوائج المسجد، فإن استغنی عنه هذا المسجد یحول إلی مسجد آخر'' (بحرالرائق ۵/ ۲۵۲)۔

الف۔ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے۔

ب۔ دیگر ملی دینی علمی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں۔

اوقاف کا مقصود ان کو علی حالہ باقی رکھ کر اس کی آمدنی سے انتفاع کرنا ہے، آمدنی، خواہ کم ہو یا زائد، جب تک آمدنی ہو رہی ہے اس وقت تک آمدنی بڑھانے یا کسی دوسرے غرض کے لئے مفتی بہ اور قول راجح کے مطابق بیع و استبدال جائز نہیں، البتہ بوقت مجبوری حضرت امام

ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کر کے استبدال کی گنجائش ہے۔

''الثالث أن لايشترطه أيضا و لكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار'' (شامی ۳/۵۸۴)۔

اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) موقوف علی الافراد (۲) موقوف علی غیر الافراد، مثلاً مساجد وغیرہ، تو اگر افراد موقوف علیہ ختم ہو جائیں تو ان پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی۔

''وفيه ما في الخانية وقف على ولديه ثم على أولادهما أبدا ما تناسلوا قال ابن الفضل: إذا مات أحدهما عن ولد يصرف نصف الغلة إلى الباقي والنصف إلى الفقراء'' (شامی ۵/۶۴۵)۔

اور اگر موقوف علیہ غیر افراد ہوں، بلکہ رفاہی کام ہوں تو ان پر موقوفہ آمدنی اسی نوع کے دوسرے قریبی وقف میں استعمال کرنا واجب ہے:

''فإن لم يبرهن يصرف للفقراء الخ''۔

''في الدر المختار: حاصله أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه، فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر و أوقاف الحوض إلى حوض آخر الخ'' (شامی ۶/۶۶۶)۔

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو جائے اور انتفاع کو جاری کرنے کے لئے نہ تو وقف مذکور کو کرایہ پر دینا ممکن ہو اور نہ قرض حاصل ہو تو اس پر موقوفہ اوقاف کی آمدنی کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ لہذا صورت مسئولہ کا اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

''أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل العمارة قال: يجوز بأمر القاضي وغيره، هو موافق للقاعدة المشهورة إذا اجتمع ضرر ان قدم أخفهما الخ'' (فتاوی خیریہ ۱۲۹)۔

البتہ آمدنی کو بڑھانے کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

’’قال الرملي أقول قال في البزازية: بيع عقار المسجد لمصلحته لا يجوز‘‘ (منحۃ الخالق ۵/۲۲۰)۔

مسجد پر موقوفہ زمین جو ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں۔

’’أرض وقف على المسجد صارت بحال لا تزرع، فيجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض‘‘ (ہندیہ)۔

البتہ قبرستان پر موقوفہ زمین جو ضرورت سے زائد ہو اگر آئندہ اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہو تو عارضی دینی مدرسہ اور اگر اس کی ضرورت پڑنے کی کوئی امید نہ ہو تو دینی مدرسہ بنانا جائز ہے۔ ’’لأنهما للمسلمين‘‘ (بحوالہ عمدہ ۴/۱۷۹ م امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)۔

جن مقابر میں مردوں کو دفن کرنا بند ہو اس میں مسجد یا دینی مدارس یا ان کے لئے باغات لگوانے کی اجازت ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)۔

بقدر استطاعت مسلمانوں کو ایسی مساجد میں نماز باجماعت پڑھنے کی کوشش کرنا واجب ہے، حکومت کو روکنے کا کوئی حق نہیں، یہ بہت بڑا ظلم ہے، كما قال الله تعالى: ومن أظلم ---- إلى آخر الآية (سورہ بقرہ ۱۱۴)۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے کنارے دوکانیں بنوانا جائز ہے، اور اس کی آمدنی دینی رفاہی کاموں میں استعمال کیا جائے۔

اگر فی الحال گنجائش ہو تو توسیع کی اجازت ہے۔

ذمی کو متولی بنانا جائز ہے کیونکہ حکومت اسلامیہ کو اس پر قابو ہوگا جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے، حربی کو بنانا جائز نہیں، ہندستان میں غیر مسلم کو متولی بنانا جائز نہیں، اس لئے اس کی تولیت میں رہنا درست نہیں۔

☆☆☆

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق، احکام اور مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

الف۔ وقف کی چیز کو بیچ کر دوسری چیز اس سے خرید کرنی یا خود موقوفہ شی کا دوسری شی سے تبادلہ کرنا فقہاء کے یہاں ''استبدال وقف'' کہلاتا ہے۔

اوقاف میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک وقف کرنے والے کی شرط، دوسرے خود وقف کی مصلحت، فقہاء نے واقف کی شرط کو شریعت کی شرط کے مماثل سمجھا ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو، وقف کی مصلحت سے مراد ہے مقاصد وقف کو باقی رکھنا، ان کو تقویت پہنچانا، اور ان کی نافعیت میں اضافہ کرنا، اس لئے مصالح وقف کی اہمیت اور احکام وقف کی بابت اس کے اثرات محتاج اظہار نہیں۔ وقف کی تبدیلی کا مسئلہ بھی انہی دو جہتوں سے متعلق ہے۔

چنانچہ اگر خود وقف کرنے والے نے اپنے لئے یا کسی اور شخص کے لئے حق استبدال کی شرط لگادی تھی اور وقف میں تبدیلی کا حق باقی رکھا تھا تب تو بالاتفاق متعلق شخص کو اس کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے، اور استبدال کا عمل واقف کی شرائط کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا جارہا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے:

''وأجمعوا أنه إذا شرط الاستبدال لنفسه من أصل الوقف أن الشرط والوقف صحيحان ويملك الاستبدال'' (البحر الرائق ۵/ ۲۲۲)۔

اگر وقف کرنے والے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں اصولی طور پر

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

وقف کا تبادلہ ممکن نہیں، کہ ایک تو اس سلسلے میں واقف کا منشا مؤید نہیں، دوسرے خود رسول اللہ ﷺ نے وقف کے بارے میں جو اصول متعین فرمایا ہے، وہ یہی کہ اس کی خرید فروخت نہیں ہوگی، نہ کسی اور کو مالک بنایا جائے گا، بلکہ اصل شئی کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت کو مقررہ مصارف پر خرچ کیا جائے، "أن لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا توهب ولا تورث"، لیکن اگر مقاصد وقف کو جاری اور باقی رکھنا اس کے استبدال ہی پر موقوف ہو تو پھر یہ صورت استبدال کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی، کیونکہ جب واقف نے اپنے وقف کا ایک منشا متعین کر دیا ہے تو گویا یہ نگراں وقف کے لئے اس بات کی ہدایت ہے کہ وہ اس وقف کو ان مقاصد کے لئے مفید اور کارآمد بنائے رکھے، اور وقف کی افادیت، استبدال پر موقوف ہے تو گویا خود صاحب وقف کی طرف سے معنی اور دلالۃ استبدال کی اجازت ہے، نیز منشاء نبوی بھی یہی ہے کہ اصل وقف کو باقی رکھ کر اسکے نفع کو دیرپا بنایا جائے اور اس کی حفاظت یقینی ہو سکے، اب اگر وقف کی حفاظت اور اس کی نافعیت ہی استبدال پر موقوف ہو تو ظاہر ہے کہ استبدال وقف ہی سے منشاء نبوی کی تکمیل ہو سکے گی، لہذا وقف کی مصالح کی بناء پر استبدال، شارع علیہ السلام اور واقف کے مقصد و منشاء کے موافق ہی ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

یہ تو اس سلسلے میں اصولی گفتگو تھی، فقہی جزئیات بھی اسی سمت میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں، علامہ ابن ہمام نے اس سلسلے میں فقہاء کے مباحث کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ اگر واقف کی طرف سے استبدال کی شرط ہو تب تو استبدال جائز ہے ہی، اگر واقف نے ایسی شرط نہ لگائی ہو تو ایک صورت تو یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے، "فينبغي أن لا يختلف فيه"، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہے لیکن استبدال کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔

"إنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به، فينبغي أن

لا یجوز'' (رد المحتار ۶/ ۵۸۹ مع تحقیق شیخ عادل وشیخ علی بحوالہ فتح القدیر)۔

تاہم علامہ حصکفی نے چار صورتوں میں ایسی زمین کے استبدال کی اجازت دی ہے جو آبادکاری کے لائق ہو، اوران میں سے ایک اس صورت کو بھی شمار کیا ہے کہ ارض وقف کی منفعت تو باقی ہو، لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع خیز بنایا جا سکتا ہو، حصکفی کا بیان ہے: لا یجوز استبدال العامر إلا فی الأربع۔

شامی نے ان چار صورتوں کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''الأولی: لوشرطه الواقف، الثانیة: إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمة، ویشتری المتولی بها أرضا بدلاً، الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة أی وأراد دفع القیمة، فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلا، الرابعة: أن یرغب إنسان فیه یبدل أکثر غلةوأحسن صقعا، فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة'' (رد المحتار ۶/ ۵۸۸)۔

پس ابن ہمام کے بیان کے مطابق ایسے اوقاف کا استبدال بالاتفاق جائز ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی جزئیات موجود ہیں، علامہ ابن ہمام رقمطراز ہیں:

''قال هشام: سمعت محمداً یقول: الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره، ولیس ذلک إلا للقاضی'' (البحر الرائق ۵/ ۲۱۹)۔

ابن نجیم ہی نے شمس الائمہ حلوانی کا نقطۂ نظر یوں نقل کیا ہے:

''سئل عن شمس الائمة الحلوانی من أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانها أخری قال: نعم'' (حوالہ سابق)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"لکن لایبیعها إلا بإذن الحاکم و ینبغی للحاکم إذا رفع إلیه ولا منفعة فی الوقف أن یأذن فی بیعها إذا رآه أنظر لأهل الوقف" (فتح القدیر ۶/ ۲۲۸)۔

تاہم علامہ شامیؒ وغیرہ نے استبدال کی اجازت کے لئے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے، "أن لا یکون البیع بغبن فاحش"۔ دوسرے بیع کی اجازت دیانت دار اور ذمہ دار ادارہ کو حاصل ہوگی، اگر عام متولیوں کو استبدال کا مجاز ٹھہرایا جائے تو تحفظ کے بجائے یہ اوقاف کا ضیاع ہوگا، فقہاء نے اس کے لئے "قاضی جنت" کی شرط لگائی ہے، اور قاضی جنت سے ایسا قاضی مراد لیا ہے جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو، "أن یکون المستبدل قاضی الجنة"۔ تیسرے موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے، مکانات اور اراضی ہی حاصل کی جائیں، روپے، پیسے سے تبادلہ نہ ہو، یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائداد خرید لی جائے، "أن یستبدل بقعار لا بدراهم ودنانیر" (رد المحتار ۶/ ۵۸۶)۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ جہاں کہیں موقوفہ اراضی کے بدلے نقد رقم ملتی ہے نقد رقم ناجائز تصرف اور تغلب میں آجاتی ہے۔ وإلی الله المشتکی۔

فقہاء حنفیہ کے علاوہ فقہاء حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے کہ ناقابل انتفاع اوقاف کا استبدال جائز ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

"إذا خرب الوقف ولم یرد شیئاً واشتری بثمنه ما یرد علی أهل الوقف وجعل وقفا کالأول... إن الوقف إذا بیع فأی شئ اشتری بثمنه مما یرد علی أهل الوقف جاز سواء کان من جنسه أو من غیر جنسه" (المغنی ۵/ ۳۶۸-۳۶۹)۔

ابن ہمام نے جو اس صورت میں استبدال پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس پر تمام ہی فقہاء متفق ہیں، غالباً ابن ہمام کا منشا فقہاء حنفیہ کا اتفاق کرنا ہے چنانچہ ابن قدامہ نے امام مالک اور امام شافعی سے مطلقا استبدال کا ناجائز ہونا نقل کیا ہے، "قال

مالک و الشافعی لا یجوز بیع شئ من ذلک" (المغنی ۵/ ۶۸ ۳)۔ شوافع کے مسلک کی خود فقہاء شوافع کی کتب میں صراحت نہیں مل پائی، البتہ مالکیہ کی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں امام مالک کے دو اقوال ہیں، ایک روایت ابوالفرج کی ہے:

"**عن مالک إن رأی الإمام بیع ذلک لمصلحة جاز ویجعل ثمنه فی مثله وهو مذهب أبی حنیفة أیضا فعندهم بیع عقار الوقف إذا خرب یجعل ثمنه فی مثله**" (الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴/ ۹۱)۔

دوسرا قول عدم جواز کا ہے جو فقہ مالکی کی بنیادی ماخذ "المدونۃ" میں منقول ہے، اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ فقہاء مالکیہ عام طور پر امام مالک کی مدونہ کی روایت کی طرف رجحان رکھتے ہیں، اسی لئے اس مسئلہ میں بھی مالکیہ کا رجحان عدم جواز کی طرف محسوس ہوتا ہے (دیکھئے: حاشیہ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۴/ ۹۱)۔

زمین کے بدلہ زمین:

ب۔ وقف کا استبدال، خواہ اس طرح ہو کہ فروخت کر کے اس سے دوسری چیز حاصل کر لی جائے یا دوسری زمین ہی اس زمین کے بدلے لے لی جائے دونوں ہی صورتیں درست ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے، بلکہ یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہے، اور یہ علامہ شامیؒ کے منشا کے عین مطابق ہے کہ اوقاف کا تبادلہ اراضی یا مکانات سے ہونا چاہئے، نہ کہ درہم و دینار سے۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

فقہاء نے مساجد اور دوسرے اوقاف کے درمیان کچھ فرق کئے ہیں، ان میں بعض کا تعلق وقف کے ثبوت اور اس کی تکمیل سے ہے اور بعض کا تعلق مال وقف کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات سے، مجموعی طور پر چار فروق کا ذکر آتا ہے:

۱۔ امام محمدؒ کے یہاں مشاع کا وقف مطلقا درست نہیں، امام ابو یوسفؒ مشترک و مشاع چیز کے وقف کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن مساجد کی بابت امام ابو یوسفؒ بھی متفق ہیں کہ وقف مشاع درست نہیں ہے۔

۲۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کے درست ہونے کے لئے متولی کے حوالہ کرنا ضروری نہیں، امام محمدؒ کے یہاں ضروری ہے، لیکن مساجد کی حد تک امام محمد بھی متولی کو سپردگی ضروری خیال نہیں کرتے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں وقف کی دوسری شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی جب تک حاکم اس کے بارے میں وقف کے درست و نافذ ہونے کا فیصلہ نہ کردے تو وقف پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، فیصلہ کے بعد ہی وقف کی ہوئی شی سے واقف کی ملکیت ختم ہوتی ہے، لیکن مساجد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ حاکم کے فیصلہ کئے بغیر بھی مسجد ہونے کا تحقق ہوجاتا ہے، اور مسجد کی موقوفہ زمین وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

یہ تینوں شرطیں وقف کے ثبوت اور تکمیل سے متعلق ہیں، اور علامہ شامیؒ نے اس کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

"اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم" (ردالمحتار ۳/۶۹۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۲۳۲-۲۳۳)۔

مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد:

۴۔ اہم اور اساسی فرق مساجد اور دوسری موقوفہ اراضی کے درمیان یہ ہے کہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے، خواہ مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہوگئی ہو یا اس پر ظلماً قبضہ کرلیا گیا ہو، بہر صورت وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، چنانچہ علامہ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

''في الخلاصة وفي فتاوى النسفي بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا'' (البحر الرائق ۵/۲۲۳)۔

یہی رائے فقہاء شوافع کی ہے، علامہ نووی کا بیان ہے:

''أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته، فإنه لايباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه'' (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)۔

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح نووی کی یہ عبارت ہے:

''وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة فيه لم يعد إلى الملك ولم يجز التصرف فيه'' (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)۔

فقہ حنبلی کے ترجمان عالی مقام ابن قدامہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے:

''إن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها'' (المغنی ۵/۳۶۷)۔

اوقاف کا مقصد مسلمانوں کے فلاح وبہبود کی عمومی خدمت نہیں، بلکہ واقف کی شرط کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور اس کے منشا کی تکمیل کرتے ہوئے فلاحی کام کرنے کی گنجائش ہے، لہذا ضروری ہوگا کہ استبدال وقف کے بعد متبادل وقف کو انہی مقاصد میں استعمال کیا جائے، جن مقاصد کے لئے اسے وقف کیا گیا تھا، علامہ شامی نے اس سلسلے میں یہ اصول بیان کیا ہے:

''وحاصله: أن المنقول عندنا أن الموقوف عليه إن خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى حوض آخر'' (ردالمحتار ۵/۳۶۵)۔

لہذا واقف کے مقصد ومنشا کو نظر انداز کرتے ہوئے وقف کا استعمال درست نہیں، بلکہ مساجد سے متعلق اوقاف کو مساجد پر اور قبرستان کے اوقاف کو قبرستان ہی پر استعمال کرنا ضروری ہوگا، ہاں ویران مدارس اور تعلیم گاہوں کے اوقاف تعلیمی اغراض کے لئے استعمال ہوں گے، لیکن ان میں بھی یہ ضروری ہوگا کہ دینی درس گاہوں کے اوقاف دینی تعلیم ہی کے لئے خرچ ہوں،

کیونکہ عام طور پر جو لوگ دینی تعلیمی ادارہ پر کوئی چیز وقف کرتے ہیں وہ اسی مقصد میں اس کے استعمال کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

دوسرے فقہاء کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے، فقہاء مالکیہ میں علامہ علیش مالکی کا بیان ہے:

"(شرطه) أی الواقف وجوبا (إن جاز) الشرط فيجب العمل به ولا يجوز العدول عنه إلا ان يتعذر فيصرف في مثله كما تقدم في القنطرة ونحوها" (شرح منح الجلیل ۴/ ۶۴)۔

مساجد کی اراضی اور آمدنی سے تعلیمی ادارہ کا قیام:

جیسا کہ مذکور ہوا، اصولی طور پر حتی المقدور واقف کے منشا کی رعایت ضروری ہے، اسی پس منظر میں علامہ حصکفی نے لکھا ہے:

"حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض"۔

علامہ شامیؒ نے اس پر اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے:

"فظاهره، أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه و في شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (رد المحتار ۶/ ۵۴۹)۔

غالباً یہی نقطۂ نظر دوسرے فقہاء کا بھی ہے، فقہ مالکی کے ترجمان علامہ دسوقی کا بیان ہے:

"منقوض الحبس من الأحجار والآجر ...لا يجوز بيعه، فإذا لم يمكن عودها فيما حبست فيه جاز نقلها في مثله" (حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۹۱، نیز دیکھئے: شرح منح الجلیل ۴/ ۶۱-۶۲)۔

فقہاء شوافع میں امام نووی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شوافع بھی یہی

رجحان رکھتے ہیں:

"أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار ويوقف عليه" (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)۔

ابن قدامہ حنبلی نے ایسی فاضل آمدنی کو اسی کے مماثل مصرف میں خرچ کرنے کے علاوہ فقراء پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے:

"ما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر ويتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم" (المغنی ۵/۳۷۰)۔

یہ اجازت غالباً اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہی ہوا کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے حنابلہ کے مسلک کو مزید وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے:

"كما يقول مثل ذلك في زيت المسجد و حصيره إذا استغنى عنها المسجد تصرف إلى مسجد آخر يجوز صرفها عنده في فقراء الجيران واحتج على ذلك بأن عمر ابن الخطابؓ كان يقسم كسوة الكعبة بين المسلمين فكذلك كسوة سائر المساجد" (مجموعۃ الفتاوی ۳۱/۲۱۳)۔

پھر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت ہے، اور قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس لئے فقہاء نے جس زمانہ میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آمدہ واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا، اس وقت طاقتور یا کمزور اور اچھی یا بری مسلم حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا، اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی ادارے کے قیام سے مستغنی تھے، اب ہندوستان، جیسے ممالک میں مسلمانوں کو خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا، اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست ودشمن سبھی واقف ہیں۔

پس فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول اور موجودہ زمانے کے مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے

یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ:

الف۔ مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے، اور واقف کا منشا بھی پورا ہو۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مساجد اور جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں مساجد کی تعمیر پر صرف کی جانی چاہئے، کیونکہ ہندوستان میں ابھی ہزارہا ہزار دیہات وقریہ جات ایسے ہیں جو مسجد کو ترس رہے ہیں، اور جہاں لوگوں کے کان اب بھی اذان کی آواز سے ناآشنا ہیں، وہاں مسجدوں کی تعمیر اور ان میں بنیادی دینی تعلیم کے لئے مکاتب کا انتظام مدارس اور عصری درسگاہوں کے قیام سے زیادہ اہم ہے۔

الف، ب۔ سوال نمبر (۲) کے جواب میں اوقاف کی زائد آمدنی کے مصرف کی بابت اصولی بات آچکی ہے، وہی اصول اوقاف کی زائد آمدنی کے بارے میں جاری ہوں گے، یعنی اس زائد آمدنی کو ضیاع اور تغلب سے بچانے کے لئے اس کا استعمال اولاً اسی نوع کے اوقاف میں ہو، اور اگر اس نوع کے اوقاف میں اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پھر چونکہ ہر وقف کا آخری مصرف فقراء ہیں، اس لئے ایسے رفاہی اور تعلیمی کاموں میں ان کا استعمال ہونا چاہئے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوں، واللہ اعلم۔

کم آمدنی کے وقف کا استبدال:

کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کر کے زیادہ آمدنی دینے والے متبادل وقف کا حصول کے سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، اور علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ابن ہمام کا خیال ہے کہ جو وقف قابل انتفاع ہو زیادہ نفع کے لئے اس کا استبدال درست نہیں، شارح ''اشباہ'' علامہ البیری نے اسی کو حق وصواب قرار دیا ہے، اور اسی پر صدر

الشریعہ کا فتوی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ صورت درست ہے، اور بعض اہل علم نے اسی پر فتوی دیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۶/۵۸۹)۔

لیکن اگر فقہاء کی عبارت میں غواصی کی جائے اور عبارتوں کی تہہ میں اتر کر ان کے مقصد و منشا کو سمجھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ہر دو رائے کے حاملین نے مصالح وقف کو ملحوظ رکھا ہے، جن حضرات نے زیادہ آمدنی کے لئے استبدال کی اجازت دی ہے، ان کا نقطۂ نظر تو واضح ہی ہے کہ اس صورت میں وقف کا مفاد ہے، اور جن حضرات نے منع کیا ہے انہوں نے بچشم سر اس حقیقت کا مشاہدہ کیا کہ خدا نا ترس قضاۃ اور حکام نے اس کو وقف کی جائدادوں میں خرد برد اور تغلب کے لئے ایک حیلہ بنالیا ہے، اسی لئے ان حضرات نے ممانعت فرمائی کہ کم نفع آور صحیح وقف باقی تو رہے گا، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ سرے سے وقف ہی کا وجود باقی نہ رہے، اسی لئے شامی نے صدر الشریعہ کا قول نقل کیا ہے:

''نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ولا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين'' (ردالمحتار ۶/۵۸۹۔۵۸۸)۔

لہذا یہ مصالح پر موقوف ہے، اگر کوئی دیانتدار ادارہ اس کا ذمہ دار ہو تو ضرور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت دے دی جائے تو غالباً وہی کچھ ہوگا جس کا صدر الشریعہ نے رونا رویا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر دوسرے فقہاء کا رجحان عام طور پر اس کے جائز نہ ہونے کی طرف ہے، علامہ شمس الدین دسوقی مالکی رقمطراز ہیں:

''(لا عقار) حبس من دور وحوانيت وحوائط وربع فلا يباع ليستبدل به غيره'' (حاشیۃ الدسوقی ۴/۹۱)۔

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ کا بیان ہے:

''إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت: وكان غيره أنفع منه وأكثر رد على أهل الوقف لم يجز بيعه'' (المغنی ۵/۳۶۹)۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو جائیں:

جیسا کہ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ اگر عین مسجد کے سوا کوئی وقف نا قابل استعمال ہو جائے تو اس کو اسی کے مماثل مصرف میں استعمال کیا جائے گا، ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں، ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ میں، ایک خاندان کے فقراء کا وقف عام فقراء مسلمین میں، اور جو مصرف بالکلیہ ختم ہو جائے اس کے مماثل کوئی وقف ہی موجود نہ ہو تو پھر آخری مصرف فقراء و مساکین ہیں، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے:

''فإذا خرب المسجد وخوى عن أهله فالغلة إلى الفقراء، فيجوز''

(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/ ۲۶۴)۔

فقراء پر خرچ کرنے کی صورت یہی ہے کہ یہ آمدنی ان پر تقسیم کردی جائے اور یہ بھی ہے کہ کسی ایسے رفاہی کام کے لئے اس آمدنی کو استعمال کی جائے جس سے استفادہ فقراء ہی کے لئے مخصوص ہو۔

کچھ عمارت کے بدلہ نئی عمارت کی تعمیر:

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تعمیر نو کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ عمارت کا کچھ حصہ تعمیر کنندہ لے لے اور بقیہ مقصد وقف میں استعمال ہو، کیونکہ اس میں وقف کا تحفظ اور مقصد وقف کی تکمیل ہی مقصود ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں، کہ وقف کو کارآمد بنانے کے لئے اس کے کچھ حصے کو کرایہ پر لگانا، اس کے ملبہ کو فروخت کرنا بلکہ خود اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے، فتاوی بزازیہ میں اس بات کو بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے:

''بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وان بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز'' (فتاوی بزازیہ ۶/۲۸۱)۔

نیز فقہاء حنابلہ میں علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

"فلم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته" (المغنی ۵/۳۶۸)۔

ب: یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب عمارت کے بجائے خود زمین کا کچھ حصہ تعمیر نو کے لئے فروخت کرنا پڑے، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر نو میں خاص اس جگہ میں سے کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے جسے نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور جو مسجد کے حکم میں داخل ہوگیا تھا۔

یہ سوال غالباً مکرر ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بظاہر مستقبل میں بھی مسجد یا قبرستان کو وہ زمین مطلوب ہو تو مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، لیکن مدرسہ پر اس کا کچھ کرایہ بھی عائد کر دیا جائے گا کہ یہ کرایہ مسجد اور قبرستان ہی کی ضروریات پر صرف ہو اور اسی طرح واقف کے منشاء کی بھی تکمیل ہو اور مسلمانوں کے مصالح کی رعایت بھی۔

قبرستان ناقابل استعمال ہوجائے:

اگر قبرستان کے اطراف مسلمان آبادی کے ختم ہوجانے یا تدفین پر پابندی کی وجہ سے قبرستان قابل استعمال نہ رہا یا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو۔ اور عام طور پر ایسا قدیم قبرستان ہی میں ہوتا ہے۔ تو بوسیدہ ہڈیاں حتی المقدور جمع کر کے ایک جگہ دفن کر دی جائیں اور اس حصہ کو احاطہ بندی کے ذریعہ محفوظ کر دیا جائے، بقیہ حصہ فروخت کر دیا جائے اور بہتر ہے کہ جہاں مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہو وہاں اس کی قیمت سے قبرستان فراہم کیا جائے تاکہ منشاء وقف کی ممکن حد تک رعایت ہو سکے، اور اگر یہ مصرف موجود نہ ہو یا کم سے کم قریب کی مسلم آبادیوں میں اس کی حاجت نہ ہو تو فقراء پر خرچ کر دی جائے۔ ہشام کے واسطہ سے امام محمد کا قول گذر چکا ہے:

"الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره" (البحر الرائق ۵/۲۰۷)۔

نیز ابن نجیم کا بیان ہے:

''قیم خاف من السلطان أو من وارث یغلب علی أرض وقف یبیعها ویتصدق بثمنها، وکذا کل قیم إذا خاف شیئاً من ذلک له أن یبیع ویتصدق بثمنها'' (حوالہ سابق)۔

دیگر مکاتب فقہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''وإذا خرب الوقف ولم یرد شیئاً بیع واشتری بثمنه ما یرد علی أهل الوقف وجعل وقفا کالأول'' (المغنی ۵/۳۶۸)۔

آثار قدیمہ کی مساجد:

شرعاً مسجد ہمیشہ کے لئے ہے، یہی رائے امام ابوحنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء کی ہے اور اسی پر فتوی ہے، حصکفی رقمطراز ہیں:

''ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی یوم الساعة وبه یفتی'' (الدر المختار ۶/۵۴۸، فتاوی ہندیہ ۲/۴۵۸)۔

امام نووی فرماتے ہیں:

''أما المسجد، فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته، فإنه لا یباع بحال لإمکان الانتفاع به حالا بالصلوۃ فی أرضه'' (شرح المہذب ۱۵/۳۶۰)۔

اس لئے ان مساجد کا حکم بھی وہی ہے جو دوسری مساجد کا ہے، حکومت کا اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا ظلم اور مسلمانوں کے مذہبی حقوق میں مداخلت ہے اور بدنیتی پر مبنی ہے، اس لئے کہ اگر مسجد آباد رہی اور نماز کا سلسلہ جاری رہا تو زیادہ بہتر طور پر مسجد کا تحفظ ہوسکتا ہے، آباد عمارتوں کی عمر ویران عمارتوں سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ قانون و آئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت سے ان مساجد کو کھولنے اور ان میں نماز کی اجازت دینے کا مطالبہ کریں۔

قبرستان کے تحفظ کے لئے دو کانوں کا حصار:

وقف کے احکام میں وقف کے مصالح کے تحفظ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسی لئے بعض مواقع پر فقہاء نے واقف کی شرائط کو بھی نظر انداز کرنے کی اجازت دی ہے اگر ان شرائط کی رعایت وقف کے مفاد میں نہ ہو، مثلاً واقف نے نا اہل شخص کو متولی مقرر کر دیا اور شرط لگا دی کہ اسے معزول نہ کیا جائے پھر بھی قاضی ایسے شخص کو تولیت سے سبکدوش کر سکتا ہے، یا شرط لگا دی کہ وقف کی عمارت ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لئے کرایہ پر نہ دی جائے لیکن کرایہ دار اس قلیل مدت کے لئے لینے میں رغبت نہ رکھتے ہوں، تو عدالت اس شرط کی خلاف ورزی کر سکتی ہے (رد المحتار ۶/ ۵۸۷)۔

قبرستان کے پاس اگر خود اتنے وسائل نہ ہوں کہ احاطہ بندی کا کام ہو سکے تو اس طرح پیشگی رقم لے کر دو کانوں کی تعمیر اور انہی دکانوں کے ذریعہ حصار بندی میں قبرستان کا تحفظ بھی ہے اور اس سے قبرستان کو آمدنی بھی حاصل ہو سکتی ہے جس سے قبرستان کی نگرانی، روشنی اور راستہ کا انتظام یا لاوارث لاشوں کی تدفین وغیرہ کا کام لیا جا سکتا ہے، پس یہ قبرستان کے مفاد میں ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔ فقہاء کے یہاں اس بابت بعض صراحتیں موجود ہیں، صاحب بزازیہ لکھتے ہیں:

''أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة ليس له ذلک لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر'' (فتاوی بزازیہ ۶/ ۲۵۴)۔

گویا دکان بنانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ دیہات وقریہ جات میں دکان بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ وہاں اول تو ان کا کرایہ پر لگنا دشوار ہوتا ہے اور اگر کرایہ دار مل جائیں تب بھی کرایہ خاطر خواہ وصول نہیں ہو سکتا، اس لئے وہاں زراعت زیادہ فائدہ بخش ہوتی ہے، شہر میں چونکہ کرایہ دار آسانی سے اور بہتر کرایہ کے ساتھ دستیاب ہوتے ہیں اس لئے صاحب بزازیہ

نے یہاں اس کی اجازت دی ہے، پس جب قبرستان کے مفاد میں ایسی دکانوں کا بنانا ہے تو یہ بھی جائز ہوگا۔

قبرستان میں مساجد کی توسیع:

مسجد کی توسیع بھی ایک ضرورت ہے اور مسلمانوں کی قبروں کا احترام بھی ضروری ہے اس لئے نئی اور پرانی قبروں میں فرق کرنا ہوگا، ویران اور متروک قبرستان میں تو قبریں ہوتی ہی ہیں پرانی، جو قبرستان ابھی استعمال میں ہیں ان میں جدید وقدیم کی رعایت کرنی ہوگی، اور ایسے حصہ میں مسجد کی توسیع درست ہوگی جہاں قدیم قبریں ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں:

"لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی فيها مسجدا لم أر بذلک بأساً وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملکها فإذا درست واستغنی من الدفن فيها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد" (عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۵۴)۔

تاہم یہ شرط مسجد کی پہلی منزل کے لئے ہوگی، اگر مسجد دو منزلہ ہو اور مسجد کی موجودہ حد کے باہر قبروں سے بچتے ہوئے ستون قائم کئے جاسکتے ہوں اور آگے تک چھت ڈالی جاسکتی ہو تو اس طرح آگے تک چھت ڈالنا بھی درست ہوگا، کیونکہ ممانعت کی وجہ سے قبر پر نماز سے بچنا اور قبر کو بے حرمتی سے بچانا ہے اور یہ دونوں باتیں اس صورت میں نہیں پائی جاتیں، یہ حکم تو عام قبرستانوں کے لئے ہے، جو قبرستان کسی شخص یا خاندان کا خصوصی اور مملوک قبرستان ہو اس میں مالکان کی اجازت بھی ضروری ہوگی۔

مساجد پر ہندو اوقاف کی تولیت:

بنیادی طور پر فقہاء نے تولیت کے لئے اسلام کی شرط نہیں رکھی ہے، شامی رقمطراز ہیں:

"ويشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه" (ردالمحتار ۶/ ۵۷۹)۔

لیکن یہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اشخاص پر نہ سہی، لیکن اسباب واموال پر ایک طرح کی ولایت ہے اور غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی، اسی لئے رافعی کو شامی کے اس اطلاق سے اتفاق نہیں، وہ ابن نجیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ینبغی أن یخص بوقف الذمی، فإن تولیة الذمی علی المسلمین حرام لا ینبغی اتباع شرط الواقف فیھا'' (تقریر الرافعی مع الشامی ۶/ ۸۴)۔

ارشاد ربانی: ''إنما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر...'' (سورہ توبہ: ۱۸) سے بھی ایک حد تک رافعی کے نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، کو ''عمارۃ'' سے معنوی عمارت بھی مراد ہوسکتی ہے جو نماز اور ذکر وعبادت سے عبارت ہے، اور زیادہ احتمال اسی معنی کا ہے (گنجائش دونوں معنوں کی ہے، دیکھئے: مفاتیح الغیب للرازی ۷/ ۵۹۴)، کیونکہ اگر تعمیر کے معنی مادی تعمیر کے ہوں تو پھر تعمیر مساجد میں غیر مسلم مزدوروں سے کام لینا بھی نادرست قرار پائے گا۔

زیادہ درست اور قرین جواز یہ معلوم ہوتا ہے کہ تولیت غیر مسلموں کی جائز تو ہے، لیکن مکروہ تحریمی۔ جائز اس لئے کہ تولیت کا اصل مقصود حفاظت ونگہداشت اور انتظام ہے، متولی کو جو بعض تصرفات کے حق حاصل ہیں وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ نظم وحفاظت کا کام غیر مسلموں سے بھی لیا جاسکتا ہے، پھر اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کے ہاتھ سے کعبہ کی کلید حاصل کی اور پھر انہیں کو واپس فرمادی، حالانکہ اس وقت تک عثمان دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، تو جب ایک غیر مسلم کلید بردار کعبہ ہوسکتا ہے تو عام مساجد کا متولی کیوں نہیں ہوسکتا؟... البتہ یہ کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ کسی غیر مسلم سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مساجد کے حقوق کی پوری پوری رعایت کرسکے گا۔

بالخصوص ہندوستان میں مساجد کا غیر مسلم انتظامیہ کے تحت رہنا خطرات وخدشات سے خالی نہیں، اس لئے مسلمانوں پر ایک اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ ایسی مساجد کو مسلمان انتظامیہ کے تحت لانے کی سعی کریں۔

اوقاف کا تحفظ اور آمدنی کا صحیح استعمال

مفتی عبید اللہ اسعدی ☆

اوقاف سے متعلق سوالات کا حاصل یہ ہے کہ اوقاف اور ان کی آمدنی کو کیسے بامقصد بنایا جائے جب کہ بہت سے اوقاف تعطل کا شکار ہیں اور بہت سے کارآمد ہیں، مگر ان کا نفع محدود ہے، جبکہ اس میں وسعت ممکن ہے یا حالات کا تقاضا وسعت دینے کا ہے۔

اوقاف کا معاملہ یہ ہے کہ اوقاف ابدیت ودوام کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے بغیر ان کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا اور اسی لئے وقف اصلاً انہیں اشیاء کا ہوتا ہے جن کے لئے طبعی طور پر دوام و استقلال ہوتا ہے، بایں معنی کہ ایک لامحدود مدت تک ان کا بقا سوچا جاتا ہے اور سوچا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وقف اصلاً زمین، کھیت، باغ و مکان وغیرہ کا ہوتا ہے۔

اور اسی ابدیت ودوام کی مقصدیت و اہمیت کی وجہ سے جب کوئی وقف صحیح قرار پاتا ہے تو قیامت تک اس کی اس حیثیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا، واقف یا اس کے ورثہ اپنے ارادے و نیت سے رجوع نہیں کرسکتے اور نہ ہی اس کی خرید فروخت کا حق رکھتے ہیں، اسی لئے اوقاف کے لئے اس کے مطابق احکام جاری کئے گئے ہیں اور کئے جاتے ہیں۔

ان کی حفاظت و بقاء کی تدبیر کی جاتی ہے، اس کے لئے مرمت وتعمیر کی راہ بھی اپنائی جاتی ہے اور دوسری صورتیں بھی، وقف کی آمدنی کو اولاً حفاظت کی مد میں صرف کرنے کا حکم ہے، پھر خیر کے مصارف میں جو اسی کے لئے متعین کئے گئے ہوں، اور اگر حفاظت کا کام خود وقف کی

☆ شیخ الحدیث، جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی۔

آمدنی سے ممکن ہوتو اس کے لئے مختلف مناسب صورتیں تجویز کی گئی ہیں کہ ان سے کام لے کر وقف کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور ان کا کام ونفع بھی جاری رہتا ہے۔

وقف کا حاصل یہ نہیں کہ شی موقوف کو آدمی اپنی ملک سے نکال کر بیکار چھوڑ دے، جیسے جانور چھوڑے جاتے ہیں، بلکہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا انتفاع اب ذاتی وشخصی نہ رہ کر عام قومی اور ملی ہوگیا، اور اب تک آدمی اس سے اپنی دنیا کی ضرورت کی تکمیل کررہا تھا، مگر وقف کر کے وہ اپنی آخرت کو سنوارتا ہے، خواہ وقف جس چیز کا اور جس شکل وصورت میں ہو۔

بہر حال وقف اور اس کے احکام کا حاصل ومفاد یہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقاف جب تک اپنے مناسب حال پر ہیں اور واقف کے مقصد وشرط کے مطابق فائدہ دے رہے ہیں، خواہ کم ہو یا زیادہ اور کام آرہے ہیں تو ان سے تعرض اور ان میں تصرف ایک بیجا عمل ہے۔ لیکن جب ان کی صورت حال یہ ہوجائے کہ وہ مقصد کے مطابق کام بالکل بند کردیں، یا برائے نام ان کا کام رہ جائے، جس کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں، اور حالت یہ ہو جائے کہ موجودہ صورت حال کے باقی رہتے ہوئے کچھ کرنا، اور ان سے کسی طرح کا انتفاع یا مناسب انتفاع ممکن ومتصور نہ ہوتو ان کے کام کو جاری رکھنے وکرنے کے لئے کوئی مناسب شکل واقدام کا اختیار کرنا، تاکہ وقف اور اس کا مقصد زندہ وتابندہ رہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کے تحت کئی صورتیں آتی ہیں:

ا۔ معطل وبیکار وقف کے حق میں تصرف، ۲۔ کارآمد، مگر ناقص کے حق میں اور مزید آمدنی کے لئے تصرف، ۳۔ مصارف میں توسیع واقف کی طے شدہ صورتوں ومواقع میں وسعت واضافہ کرکے، جیسے ایک مقصد کے لئے وقف زمین کا دوسرے کسی مقصد میں بھی استعمال کرنا، یا آمدنی کا دوسرے مقاصد میں صرف کرنا۔

فقہاء کی تصریحات جہاں وقف کی اس حیثیت کو واضح ونمایاں کرتی ہیں جس کا تذکرہ پیچھے کیا گیا ہے، وہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت حال میں مناسب اقدام وانتظام

کی اجازت ہے۔اور یہی بات معقول بھی ہے اس لئے کہ وقف کی حفاظت اور اس کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس اقدام وانتظام میں وقف کی جگہ کا تبادلہ جگہ کے بدلہ جگہ کا معاملہ کر کے یا خرید وفروخت کے ذریعہ، یہ سب شامل ہے، فقہاء نے صراحۃً اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح زائد جگہ وآمدنی کو ان دوسرے مواقع ومصارف میں استعمال کرنا جن پر وقف کیا جاتا ہے اور جو عامۃ المسلمین واسلام کے مصالح سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی بھی ضرورت میں اجازت ہے،ضرورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے، نہ اب تک اصل مصرف میں لگی نہ آئندہ عرصہ دراز تک متوقع ہے۔اور یہ بھی کہ جگہ تو خالی نہیں پڑی، کسی شکل میں مستعمل ہے یا آئندہ جلد نوبت آسکتی ہے مگر دوسری ضرورت درپیش ہے جو اہم ہے، جیسے مسجد کی فاضل وزائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا، یا قبرستان کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر۔

کبھی آمدنی مصارف ومقاصد سے فاضل ہی نہیں، بلکہ بہت زیادہ ہوتی ہے کہ جس کی طویل عرصہ تک حفاظت مسئلہ ہوتی ہے، نہ تو یہ سوچا جاسکتا ہے کہ شئ موقوف کی کسی ضرورت میں اس کو جلد کام میں لیا جا سکے گا اور نہ کسی جگہ کسی صورت میں رکھنے پر اطمینان کیا جاسکتا ہے، نہ عوام نہ حکام، کسی کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا، اور دوسری طرف اسی قبیل کے اوقاف مصارف کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کے لئے مناسب آمدنی نہیں پائی جاتی، یا دوسرے دینی وملی کام متقاضی ہوتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

متدین اور قابل اعتماد متولیان وذمہ داران اگر ضرورت کا احساس کر کے اس طرح کا کوئی اقدام کریں اور کوئی صورت اختیار کریں تو قدیم فقہاء اور ماضی قریب وحال کے بعض فقہاء کی صراحتوں کے مطابق اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے جب کہ مقصد بیجا تصرف واستعمال نہیں بلکہ بیجا دست برد سے بچانا، اور واقف کے مقاصد کی حفاظت کے ساتھ ان کو وسعت دینا، اور اس طرح اس کے لئے ذخیرہ آخرت وثواب کا بڑھانا مقصود ہو۔

ذیل میں فقہاء کی کچھ عبارات وفتاوی ذکر کی جارہی ہیں جن کی روشنی میں احقر نے یہ

رائے قائم کی ہے۔

وقف کے احکام: "الأصح أنه عنده جائز غير لازم كالعارية وعندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من أحب...... وعليه الفتوى" (درمختار ۴/ ۳۳۸، ۳۳۹)۔

صحیح یہ ہے کہ وقف امام صاحب کے نزدیک جائز تو ہے، مگر لازم نہیں، مانند عاریت، اور صاحبین کے نزدیک وقف شی موقوف کا اللہ کی ملک میں کر دینا ہے اور اس کی منفعت کا جہاں طے کرے وہاں صرف کرنا...... اور فتوی اسی قول پر ہے (یعنی صاحبین کے قول پر)۔

"في الدرر: الصحيح أن التأبيد شرط اتفاقا لكن ذكره ليس بشرط عند أبي يوسف و عند محمد لابد أن ينص عليه...... و أما التابيد معنى فشرط اتفاقا على الصحيح و قد نص عليه محققو المشائخ" (شامی ۴/ ۳۴۹)۔

صحیح یہ ہے کہ وقف میں تابید کا پہلو حضرات صاحبین کے نزدیک شرط ہے ہاں صراحت کرنے میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے، مگر معنیً اس پر دونوں متفق ہیں۔

"فإذا تم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن" (درمختار ۴/ ۳۵۲)۔

وقف جب صحیح و مکمل ہو جائے تو نہ اس کا کوئی مالک رہ جائے گا اور نہ کسی کو اس کا مالک بنایا جائے گا، نہ اس کو عاریت میں دیا جا سکتا ہے اور نہ رہن میں۔

وقف کی حفاظت اور تعمیر و مرمت:

"ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح......وإن لم يشترطه الواقف...... و تقطع الجهات للعمارة إن لم يخف ضرر" (درمختار ۴/ ۳۶۷، ۳۶۸)۔

اور وقف کی آمدنی کو شی موقوف کی تعمیر میں لگائیں گے، پھر جو چیز اس قبیل کی ہو، جیسے

مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس وغیرہ ان کو بقدرِ ضرورت دیا جائے گا، پھر روشنی وفرش کے انتظام میں خواہ واقف نے شرط میں ذکر کیا ہو یا نہیں، اور تعمیر کی ضرورت کی وجہ سے دیگر چیزوں (مثلاً اشخاص) پر خرچ کو روک دیں گے (الا یہ کہ کوئی اہم جہت ومد ہو)۔

حتی کہ وقف اگر تعمیر ومرمت کا محتاج ہو تو لکھا ہے کہ یہ معاملہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کے سپرد مال موقوف کو کردیں کہ وہ اپنے خرچ سے بقدرِ ضرورت اس کی تعمیر ومرمت کرادے، اور پھر اس کی آمدنی سے اس پیسے کو وصول کرتا رہے۔

اور اگر وقف کسی معین شخص پر ہے، اور تعمیر کی ضرورت ہے اور آمدنی کی کوئی جہت نہیں ہے تو جس کے لئے وقف ہے وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے تعمیر کرائے (شامی ۳؍۳۶۷)۔

جو عمارت محض سکونت ورہائش کے لئے وقف کی گئی ہو تو جن لوگوں کے لئے ہے وہ اپنے مال سے اس کا کام کرائیں، اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں یا وسعت نہ رکھتے ہوں تو حاکم اس کو کرائے پر دے کر اس کی تعمیر ومرمت کا کوئی نظام بنائے اور بعد میں اس کو مستحقین کے سپرد کرے (درمختار ۳؍۳۷۳)۔

علامہ شامی نے کافی گفتگو کے بعد اخیر میں فرمایا ہے:

''والحاصل لما تقرر وتحرر أنه يبدأ بالتعمير الضروری حتی لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها إليه ولايعطی أحد، ولو إماما ومؤذنا، فإن فضل عن التعمير شئ يعطی ماكان أقرب اليه مما فی قطعه ضرر بين وكذا لو كان التعمير غير ضروری، بأن كان لا يؤدی تركه إلی خراب العين'' (شامی ۳؍۳۷۰)۔

اور سابق تمام گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ آمدنی کو ضروری تعمیر میں پہلے لگایا جائے حتی کہ اگر ضروری تعمیر ساری آمدنی کھا جائے تو سب لگادیں گے اور کسی کو نہ دیں گے نہ امام کو نہ مؤذن کو، جب بچے گا تو قریبی مواقع میں صرف کیا جائے گا کہ جہاں صرف نہ کرنے میں کھلا ہوا نقصان ہو،

اسی طرح جو تغیر ضروری نہ ہو اس میں صرف نہیں کریں گے، مثلاً وہ حصہ کہ جس کو چھوڑ دیں تو اس کی وجہ سے پورا وقف خراب وبرباد نہ ہو۔

وقف کا تبادلہ:

"اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أولغيره أو لنفسه وغيره فالا ستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل اتفاقا۔

والثاني: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لا ينتفع با لكلية، بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه۔

والثالث: أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار" (شامی ۴/ ۳۸۴)۔

استبدال کی تین صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ واقف اس کی اپنے لئے یا غیر کے لئے یا اپنے اورغیر دونوں کے لئے شرط لگائے تو قول صحیح پر، بلکہ کہا جاتا ہے کہ بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری یہ کہ شرط نہ لگائے خواہ خاموش رہے یا یہ کہ منع کی شرط لگائے، اوروقف کا حال یہ ہوجائے کہ اس سے کسی طرح فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، یا یہ کہ اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو بھی استبدال قول اصح پر جائز ہے۔ بشرطیکہ قاضی مصلحت سمجھے اوراجازت دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شرط تو نہیں، اورنہ ہی وقف معطل وبیکار ہے، بلکہ نفع بخش ہے اورتبادلہ وبدلہ میں بہتری دکھائی دیتی ہے تو قول اصح پر استبدال جائز نہیں ہے۔

اس سلسلہ کی شرطوں کی بابت گفتگو کرتے ہوئے شامی فرماتے ہیں:

"لا يخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له ولا عدم

ریع یعمر بہ کما لایخفی فاغتنم ھذا التحریر'' (شامی ۳۸۶/۴، ۳۸۷)۔

مخفی نہ رہے کہ یہ شرطیں اس وقت ہیں، جبکہ واقف استبدال کی شرط نہ لگائے، اور اگر اس کی طرف سے اس شرط کی صراحت ہے تو جواز کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وقف انتفاع سے نکل جائے اور نہ قاضی کی اجازت اور نہ آمدنی نہ ہونے کی کہ جس سے اس کو آباد کیا جا سکے۔

ایک موقع پر شامی نے وقف کے اندر اس انداز کے بعض تصرفات کے لئے لکھا ہے کہ ذمہ دار، محلّہ کے اہل صلاح مسلمانوں سے مشورہ کر کے کر سکتا ہے (شامی ۳۶۰/۴)۔

شامی نے علامہ البیری سے نقل کیا ہے: فتح القدیر میں آیا ہے کہ استبدال یا تو استبدال کی شرط کی وجہ سے اور اس کے بعد ہوگا یا اس کے بغیر ہوگا، تو وقف کے انتفاع کی حد سے نکل جانے کی وجہ سے ہوگا، تو اس میں اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جائز و درست ہے۔ اور اگر نہ تو شرط استبدال موجود ہے اور نہ ہی یہ بات کہ وقف سے انتفاع باقی نہ رہ جائے، بلکہ بات صرف یہ ہے کہ اس سے اچھی آمدنی کی جگہ و ذریعہ اس کے بدلے میں مل رہا ہے تو اس کو جائز نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ وقف کا اپنے حال پر باقی رہنا ضروری ہے، تبادلہ کے مجوز دو ہی ہو سکتے ہیں، ایک شرط، دوسری ضرورت، اور یہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہیں ہے، اس لئے کہ زیادتی ضروری نہیں ہے، اصل کو باقی محفوظ رہنا چاہئے (شامی ۳۸۸/۴)۔

جو وقف آباد و کارآمد ہو، محض احسن وانفع حاصل کرنے کی بات ہو تو اس کو عموماً منع لکھا ہے۔ مگر بعض حضرات نے بشرط مصلحت اس کی گنجائش ذکر کی ہے اس بابت ''قاری الہدایۃ'' کا فتوی معروف ہے (شامی ۳۸۷/۴، ۳۸۸)۔

ایک وقف اور آمدنی کا دوسری جگہ صرف:

پچھلے نمبر کے تحت شامی کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں اصل شئی موقوف کے نقل کرنے کے ساتھ اس کے اجزاء وٹوٹ پھوٹ کو دوسری جگہ استعمال کرنے و منتقل کرنے کی بات بار بار آئی ہے۔ شامی کی نقل کے مطابق بہت سے حضرات نے اس کا فتوی دیا ہے، درمختار وغیرہ

کی عبارت ہے:

''ولو خرب ما حوله و استغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبدا إلی قیام الساعة وبه یفتی.... وعن الثانی ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی و مثله... حشیش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وکذا الرباط و البئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أوبئر أو حوض إلیه، تفریع علی قولهما'' (درمختار ۴؍۳۵۸،۳۵۹)۔

مسجد کا اطراف اگر غیر آباد ہوجائے اور مسجد سے بے نیازی ہوجائے تو بھی وہ حضرات شیخین کے نزدیک ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کردیا جائے جب کہ قاضی کی اجازت ہو، اسی طرح حکم گھاس و چٹائی کا بھی ہے۔ اور سرائے و کنواں وغیرہ جب کہ بیکار ہوجائے تو ان سب کا وقف قریب کی مسجد یا سرائے یا کنویں وغیرہ میں صرف کیا جائے اور لگایا جائے گا۔

شامی نے لکھا ہے کہ ''اسعاف'' میں امام ابو یوسف کی دوسری روایت کو ہی اختیار کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق خانیہ وغیرہ میں فتاوی آئے ہیں (شامی ۴؍۳۵۹)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وقف کو تبدیل کرنا اس وقت درست ہے، جبکہ ویران ہوجائے اور لائق انتفاع نہ رہ جائے، خواہ زمین ہو یا عمارت، اور ذخیرہ میں بحوالہ منتقی امام محمد کا قول نقل کیا ہے کہ جب وقف مساکین کے لئے نفع بخش نہ رہ جائے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری (زمین و مکان) خرید لے، قاضی کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

شامی نے اس بابت بعض مسائل کی تفصیل کے ضمن میں کہا ہے:

''یباع النقض بموضعین : عند تعذر عوده و عند خوف هلاکه'' (بحر، شامی ۴؍۳۷۷)۔

وقف کی ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کا بیچنا دو صورتوں میں درست ہے، ایک تو یہ کہ اب اس کا استعمال نہ ہوسکتا ہو، دوسرے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

''اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة و وقف عليهما أوقافا لا يجوز ذلک'' (درمختار ۴/۳۶۰)۔

اگر دو وقف ہیں اور واقف اور جہت وقف ایک ہے اور ایک کی آمدنی کم ہوگئی تو حاکم دوسرے وقف کی زائد آمدنی کو اس پر خرچ کرے، اس لئے کہ دونوں کی حیثیت ایک ہے۔اور اگر واقف دو ہیں یا ایک مگر جہت دو، کہ ایک مسجد ایک مدرسہ، تو ایک کے وقف کا دوسرے کے لئے استعمال درست نہیں ہے۔

''نقل في البحر عن الولوالجية: مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر؛ لأن الكل للمسجد ولو كان مختلفا؛ لأن المعنى يجمعهما'' (شامی ۴/۳۶۱)۔

ولوالجیۃ میں آیا ہے کہ کسی مسجد کے اگر کئی اوقاف ہوں تو نگراں سب کی آمدنی کو باہم ملا سکتا ہے، اور اگر اس کی کوئی دوکان بیکار ہوجائے تو دوسری دوکان کی آمدنی سے اس کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ سب مسجد کے لئے ہے، الگ ہونے کے باوجود دونوں میں ایک اتحاد و اجتماع ہے۔

''فتاوی تاتارخانیہ'' میں فقیہ ابو اللیث کا فتوی نقل کیا ہے کہ اگر کسی سرائے تک پہونچنے کے لئے کوئی پل استعمال کیا جاتا ہو اور اس کے بغیر اس کے انتفاع اور اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور وہ پل ٹوٹ جائے تو سرائے کی آمدنی سے اس پل کو بنایا جاسکتا ہے (تاتارخانیہ ۵/۸۷۷)۔

اسی طرح فقراء پر وقف کی آمدنی وقتی کار خیر میں صرف کی جاسکتی ہے، حتی کہ اس کی وجہ سے وقف کی مرمت وغیرہ مؤخر کی جاسکتی ہے اگر زیادہ نقصان نہ ہو ورنہ فاضل کو صرف کر سکتے ہیں، اسی طرح دیگر اوقاف میں گنجائش ہے، مگر جنس ونوع کا خیال رکھا جائے (تاتارخانیہ ۸۷۸/۵) اس طرح دیگر بعض حضرات سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کے علاوہ دوسرے اوقاف کی آمدنی کو دوسرے مصارف میں لگانے کی اجازت آئی ہے (۸۶۱/۵، ۸۸۰)، لیکن امام ابوالقاسم سے مسجد کے اوقاف کی آمدنی کو بالخصوص مسجد کے استغناء وغیرہ کی صورت میں فقراء پر صرف کرنے کی اجازت نقل کی گئی ہے (۸۵۲/۵، ۸۵۳)۔

یہ بعض فقہاء احناف کے اقوال وفتاوی ہیں جو قول ضعیف کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر ضرورتاً عمل کی اجازت دیدی جاتی ہے۔

وقف کے طویل اجارے واستفادے کے بعض نظائر:

فقہ حنفی کی کتابوں میں ایسی کئی صورتیں ملتی ہیں جن میں وقف سے مستفید ہونے والا خاص حالات و انداز میں وقف پر خرچ کے بعد ایک طویل مدت تک اس سے استفادہ کا حق رکھتا ہے، اگر چہ ان صورتوں میں یہ حکم اتفاقی نہ ہو، لیکن بہر حال اس کو ذکر کیا گیا ہے اور اس کو بہت سے حضرات نے اختیار بھی کیا ہے، اوران کے لئے اصطلاحات متعین ومستعمل کی گئی ہیں، مثلاً:

۱۔ مرصد: جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک وقف جائداد محتاج تعمیر ومرمت ہوتی ہے اور کوئی سرمایہ اس کے لئے نہیں ہوتا تو ایک آدمی اپنا سرمایہ لگا کر اس سے استفادہ کو تیار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بہت معمولی کرایہ دیتا ہے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک کہ مدت پوری کر کے، یا اوقاف کے ذمہ داروں کی طرف سے رقم ادا کر کے حساب نہ ہو جائے۔

۲۔ خلو الحوانیت: یعنی پگڑی کا تذکرہ بھی ان کتابوں میں اسی ضمن میں اور اوقاف کے اجارہ واستفادہ میں آیا ہے۔

۳۔ الحکر والمقاطعۃ: وقف زمین کی مالیت کے برابر رقم ادا کرنے کے بعد ماہانہ ایک

کرایہ دے کر اس سے استفادہ۔خود دینے والا رہے یا دوسرا۔اس کرایہ میں رد وبدل بھی ہوتا رہتا ہے۔

۴۔الکدک: وقف دوکان یا مکان میں ضرورت کے مطابق اپنے سرمایہ سے تعمیر اور پھر اس کے مطابق اس سے مستقل یا طویل مدت تک استفادہ۔

ان سب صورتوں میں ملکیت نہیں ثابت ہوتی،مگر حق استفادہ مستقل یا طویل مدت کے لئے مانا جاتا ہے اور کرایہ بھی ادا کیا جاتا ہے جو عموماً رواجی کرایہ (اجرت مثل) سے کم ہوتا ہے۔

۵۔کھیتی وغیرہ کی زمین میں بھی اس انداز کی محنت وخرچ کر کے یہ حق حاصل کیا جاتا ہے،شامی میں ان مسائل کا تذکرہ مختلف مواقع میں آیا ہے،مثلاً (۲۵/۶، ۲۶۔ ۴/ ۳۶۷، ۳۹۱، ۴۰۲ و ۵۲۱ تا ۵۲۴ وغیرہ۔ الفقہ الاسلامی ۸/ ۲۲۸ حاشیہ)۔

فقہ حنبلی کے بعض توسعات:

"إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتا ولم تمكن عمارتها... ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته. وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه، قال أحمد في رواية أبي داؤد: إذا كان في المسجد خشبتان لهما قيمة جاز بيعهما وصرف ثمنهما عليه..... لأن فيما ذكرنا استبقاء الوقف بمعناه عند تعذر إبقائه بصورته فوجب ذلك.... وظاهر كلام الخرقي أن الوقف إذا بيع فأى شئ اشترى بثمنه مما يرد على أهل الوقف جاز سواء كان من جنسه أوعن غير جنسه؛ لأن المقصود المنفعة لا الجنس لكن تكون المنفعة مصروفة إلى المصلحة التي كانت الأولى تصرف فيها؛ لأنه لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع

به..... وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلک علی فقراء جيرانه وغيرهم... قال المروزی سألت أبا عبدالله عن بواری المسجد إذا فضل منه الشئ أو الخشبة قال يتصدق به وأری أنه قد احتج بکسوة البيت إذا تخرقت تصدق بها، وقال في موضع آخر: كان شيبة يتصدق بخلقان الكعبة.... وروی أن شيبة جاء إلی عائشة فقال: يا أم المومنين إن ثياب الكعبة تكثر عليها فننزعها فنحفر لها آبارًا فندفنها فيها حتی لاتلبسها الحائض والجنب قالت عائشة: بئس ما صنعت ولم تصب، إن ثياب الكعبة إذا نزعت لم يضرها من لبسها من حائض أو جنب ولکن لو بعتها وجعلت ثمنها في سبيل الله والمساکين فکان شيبة يبعث بها إلی اليمن فتباع فيضع ثمنها حيث أمرته عائشة، وهذه قصة مثلها ينتشر ولم ينکر، فيکون إجماعا، ولأنه من مال الله تعالی لم يبق له مصرف فصرف إلی المساکين کالوقف المنقطع'' (المغنی ۵/۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۴و ۶۳۵، ۶۳۶ حذفا واختصارا)۔

(وقف جب ویران و بیکار ہوجائے ،مثلاً کوئی گھر گر جائے یا زمین بیکار ہوکر بنجر ہو جائے، اور اس کا آباد کرنا ممکن نہ رہ جائے، یا ساری عمارت اس طرح مخدوش ہوجائے کہ اس کی نئی تعمیر اس کے کچھ حصے کو بغیر فروخت کئے ممکن نہ ہوتو باقی کو آباد کرنے کے لئے بعض کی فروخت درست ہے، اور اگر اس کے کسی حصے سے بھی انتفاع ممکن نہ رہ جائے تو کل کا بیچنا درست ہے۔ امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی اگر دولکڑیاں قیمتی ہوں تو ان کو بیچ کر ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے ، ہماری دلیل یہ ہے کہ جب صورتاً وقف کا بقاء ممکن نہ رہا تو معنی اس کے بقاء کی یہی صورت ہے (لہذا ایسے تصرفات درست ہیں)، وقف کو بیچنے پر جوبھی چیز اس کی قیمت سے خریدی جائے اور اس سے اہل وقف کو فائدہ پہونچایا جائے تو جائز ہے، خواہ اس سے اسی کی جنس کی چیز خریدی جائے یا دوسری، اس لئے کہ مقصود تو منفعت ہے خود جنس وصورت تو

مقصود نہیں ہے، البتہ یہ منفعت اصل وقف کے محل ومصرف میں لگائی جائے گی، اس لئے کہ جب تک اصل مصرف پر صرف ممکن ہو اس کا بدلنا اسی طرح جائز نہیں جیسے اصل وقف کا بدلنا اور بیچنا جائز نہیں، جبکہ اس سے انتفاع ممکن ہو۔

اور مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ سے جو کچھ بچے اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو دوسری مسجد میں صرف کرنا درست ہے، اسی طرح فقراء پر صرف وصدقہ کرنا بھی، خواہ مسجد کے پڑوسی ہوں یا نہ ہوں۔ امام احمد سے مسجد کی بوریوں کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر کچھ زائد ہو یا لکڑی تو فرمایا کہ اس کو صدقہ کردیا جائے۔

اور اس کی دلیل ان کے نزدیک بیت اللہ کے غلاف کا معاملہ ہے کہ بیت اللہ کے کلید بردار حضرت شیبہ نے حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کیا کہ بیت اللہ کے کپڑے بہت ہو جاتے ہیں تو ہم اس خیال سے کہ اس کو حیض والی عورتیں اور جنبی نہ پہنیں گڑھے کھود کر ان میں دفن کردیتے ہیں۔ فرمایا کہ تم یہ ٹھیک نہیں کرتے۔ اتار دینے کے بعد جو پہنے حرج نہیں ہے، اگر ایسا کرو کہ بیچ کر قیمت کو فی سبیل اللہ اور مساکین پر صرف کردیا کرو تو اچھا ہے۔ چنانچہ وہ ان کپڑوں کو یمن بھیج دیا کرتے تھے وہاں وہ بکتے تھے پھر ان کی قیمت حضرت عائشہؓ کے حکم کے مطابق صرف کی جاتی تھی، اور یہ قصہ وہاں چھپنے والا تھا نہیں، لیکن کسی نے انکار نہیں کیا، پھر یہ کہ یہ اللہ کا مال ہے جس کا مصرف باقی نہیں رہا تو مساکین پر صرف کیا جائے گا، جیسے وہ وقف جس کی جہت منقطع اور ختم ہو جائے تو اس کو فقراء پر صرف کریں گے)۔

اکابر علمائے ہند و مفتیان دیوبند کے خصوصی فتاوی:

ہندوستان کے اکابر ارباب افتاء اور بالخصوص ممتاز علمائے دیوبند نے وقف کی بابت جہاں عام احکام اور اصل مذہب کے مطابق فتاوی صادر کئے ہیں وہاں حالات اور گنجائشوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے اور وسعت کے فتاوی بھی ان سے منقول ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسجد کی فاضل آمدنی کو ضرورت پر دوسری مساجد میں

صرف کرنے ولگانے کی بار بار اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۶۱۳ ۔ ۶۲۰) اور اگرچہ مدارس وغیرہ میں لگانے کی اجازت نہیں دی ہے، اور فرمایا ہے کہ علاقہ کی نہ سہی ملک کی دوسری محتاج مساجد موجود ہیں، مگر ایک موقع پر یہ بھی تحریر فرمایا ہے: اب آگے امر اجتہادی ہے کہ ایا وقت استغناء صرف دوسری مساجد میں صرف کرنے کا فتوی دینے سے احتمال ضیاع کا مرتفع ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوسکتا ہے تب تو دوسری جہات میں صرف کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ''لأن اتحاد الجهة مرجع كما في الرسالة''، ورنہ بضرورت اجازت دی جائے گی،''وعليه بناء ما في الرسالة'' (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۹) معطل قبرستان میں عوامی انجمن کی اجازت دی ہے۔ بعلت اشتراک معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے (امداد ۲/ ۶۰۰)۔

ایک فتوی میں تحریر فرماتے ہیں: روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے، لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہو جائے اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۳۷)۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے ''اعلاء السنن'' میں کافی تفصیل کی ہے، اصل مذہب کی تقویت کے ساتھ ''المغنی'' کی گذشتہ عبارت مزید تفصیل کے ساتھ، نیز بعض اجزاء پر تنقید کے ساتھ نقل کی ہے، اور اصل مسجد کو منتقل کرنے کی تو اجازت نہیں دی ہے، مگر فقہ حنفی کی بعض تصریحات اور آثار کی وجہ سے وسعت بھی ذکر فرمائی ہے، مثلاً راستے کو مسجد میں شامل کرنا، یا مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا، نیز مسجد سے متعلق و متصل صحن یا چبوترہ میں ردوبدل کہ صحن و چبوترہ کو مسجد بنادیا جائے اور مسجد کو صحن و چبوترہ۔

استاذی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ضرورت پر مسجد کا سامان منتقل کرنے

ولگانے کی اجازت دی ہے، اور مقصود وقف کے فوت ہونے پر تبادلہ وقف کی بھی، نیز معطل قبرستان میں مسجد کی تعمیر کی بھی اجازت دی ہے (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۱۵، ۴، ۱۴/ ۱۶۲، ۱۶/ ۱۹۸)۔

استاذی مفتی نظام الدین اعظمی کے فتاویٰ میں ایسے مسائل اور وسعت کی بات بار بار آئی ہے، جس میں ضرورتاً موقوفہ زمین کے بیچنے، متروک قبرستان میں مسجد کی تعمیر (خواہ نئی ہو) یا توسیع، قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی چہار دیواری، اس کی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع میں صرف، نیز اس میں مدرسہ کی تعمیر، معطل قبرستان کو کسی طرح کارآمد بنا کر اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھانا سب کا تذکرہ آیا ہے۔ ایک مفصل فتوی میں فرماتے ہیں: اوقاف کی فاضل آمدنی سے گورستان کی حفاظت ومرمت کی جاسکتی ہے، نیز جو قبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں یا قانوناً دفن سے روک دئے گئے ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کر کے یا اس کو کسی ایسے کار خیر میں استعمال کر کے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہنچتا رہے (نظام الفتاویٰ جدید اول/ ۱۸۰، نیز ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۹)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری کے فتاویٰ بھی حالات وضرورت کی رعایت میں توسع پر مبنی ہیں، استبدال وتبادلہ کے جواز کے علاوہ (رحیمیہ ۶/ ۷۳)، فاضل آمدنی کی بابت متعدد فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ اگر واقعی موجودہ وآئندہ ضرورت سے فاضل آمدنی ہے اور رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو دوسرے مواقع میں صرف کریں مگر ایک جنس کی آمدنی اسی میں صرف کریں، نیز یہ بھی فرمایا ہے۔ اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۸۵، ۱۸۷)۔

خلاصہ عبارات وفتاویٰ:

گذشتہ عبارات وفتاویٰ کا حاصل یہ ہے کہ اوقاف کا بقاء اہم واقدم ہے، لہذا ان کو ختم کرنے کی کوئی صورت اختیار کرنا درست نہیں ہے، لیکن جب ان کا حال یہ ہو جائے اور حالات

ایسے ہوں کہ ان کا بقاء واقف کے مقصد کا ان سے پورا ہونا نیز اس کے لئے حصول ثواب کا سلسلہ جاری رہے، یہ سب وقف میں رد وبدل وتصرف کے ذریعہ ہی ممکن ہوتو مجبوراً اس میں تبادلہ وتصرف کے اقدامات درست ہیں، ان کی حفاظت و بقاء اور ابدیت و دوام کو اولیت و اہمیت دینے کی شرط کے ساتھ اصل وقف کے حق میں بھی، اور اس کی آمدنی کے حق میں بھی، اور قبرستان وغیرہ کے حق میں بھی اور مسجد کے حق میں بھی، خود فقہ حنفی میں بھی توسعات ہیں اور ائمہ مذاہب سے منقول ہیں، اس لئے فقہاء احناف اور بعد میں ہمارے اکابر ومفتیان نے بھی ضرورت ومجبوری کے حالات میں اجازت دی ہے اور ساتھ ہی اصل مذہب کو بھی نمایاں کر کے ذکر کیا ہے اور اس کی تقویت بھی کی ہے۔اور جب مقصد وقف کی بقاء وحفاظت ہو اور اصل صورت ممکن نہ رہ جائے، اور فقہ حنفی میں گنجائش نہ ہوتو فقہ حنبلی کے توسعات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مثلاً ہمارے قدیم فقہاء نے تو ایک وقف کی آمدنی کو دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے یا شاید وبایدہی دی ہے۔مگر امام احمد سے مسجد کے وقف کی آمدنی وفاضل اشیاء کو فقراء پر صرف کرنے کی اجازت منقول ہے، اور انہوں نے مسجد کے اوقاف کو صدقہ کرنے کے جواز میں بطور دلیل بعض آثار کو ذکر کیا ہے جن کا بعض علماء احناف نے جواب ضرور دیا ہے، مگر وہ جواب احتمالی ہے، کوئی اثر وغیرہ نہیں، بجز حضرت عمرؓ کی معروف روایت کے جس سے وقف کے اصل حکم میں سب استدلال کرتے ہیں کہ اس کو بیچا نہیں جا سکتا وغیر ذلک تو اس کے تو سب قائل ہیں، سوال ضرورت کے مواقع کا ہے، اور اس کا کہ دوسری صورت انتفاع و بقاء کی نہیں بن رہی ہے اور اس صورت کے اختیار کرنے میں واقف اور ملت وامت سب کا فائدہ ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے دار الاسلام ودار الکفر کی نسبت سے جو فرق کا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ دار الکفر میں اوقاف کو واقف وبانی کی ملک میں واپسی قرار دیا جائے، کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ دوسرے ائمہ، بلکہ خود ہمارے بعض فقہاء وعلماء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ان کو امام ابو یوسف کی رائے پر وقف ہی برقرار رکھا جائے اور صورت بدل دی جائے جو ممکن ہو، مولانا نے

مسجد کو چبوترہ بنانے کی بابت صاحب ''فتح القدیر'' کے قول کو یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ آخر جیسے مسجد کو چبوترہ بنانے کی بات ذکر کی گئی ہے، راستہ بنانے کی بات بھی نقل کی گئی ہے، لیکن اس پر ان کو کوئی اشکال نہیں ہے، اور اس حکم کی تائید مولانا نے ضرورت کے احساس و اعتبار کی بنا پر ہی کی ہے تو اسی کے تحت یہ گنجائش بھی ہونی چاہئے جس کی دوسرے حضرات نے صراحت بھی کی ہے۔

بعض حضرات نے مسجد کی زمین و آمدنی کو مدارس کے لئے استعمال کرنے کو منع کیا ہے، حضرت تھانوی کے فتاوی میں بار بار آیا ہے، کچھ شامی وغیرہ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے کہ مدرس کی کیا حیثیت و نوعیت ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۲۰، شامی ۴/ ۳۶۷، ۳۷۲)، مبنی یہ کہ مدرسہ و مدرس کا مسجد کی آبادی میں کیا دخل، اور اس کے مصالح سے کیا تعلق؟ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور ہندوستان میں اس کا کھلا تجربہ ہے، اور دوسری جگہوں پر بھی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ آج مساجد کی آبادی میں بالخصوص مساجد سے متصل و متعلق مکاتب و مدارس کا بہت بڑا دخل ہے، بچوں کے حق میں بھی اور بڑوں کے حق میں بھی، اور پھر ہمارے ملک کے حالات اور فاضل اوقاف سے انتفاع کا بھی ایک تقاضا ہے اس کو محسوس کرتے ہوئے مفتی نظام الدین صاحب اور مفتی عبد الرحیم صاحب نے فاضل آمدنی کا، نیز فاضل زمین کا مدارس کے لئے استعمال کرنا درست قرار دیا ہے۔

اور حالات کو محسوس کر کے ان حضرات نے جو وسعت دی ہے اس کو دوسری اسی انداز کی چیزوں کے لئے بنیاد بنایا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی فاضل زمین پر مدرسہ کی تعمیر، زمین تو ہمیشہ مسجد کی رہے گی، اور بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کو زمین کا کرایہ دیا جائے یا عمارت مسجد کی آمدنی سے تعمیر کرائی جائے اور اس عمارت کا کرایہ مسجد کو ملتا رہے، تاکہ براہ راست مسجد کا انتفاع پایا جائے، لیکن ضرورت و حالات کے تحت اگر بغیر کرایہ کے ایسا معاملہ کیا جائے، جبکہ مسجد اس سے مستغنی ہو اور اس کی ضروریات کا پورا نظم بھی ہو تو اس میں کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ بہتر ہے کہ اس سے مزید مسجد اور اس کے اوقاف کی حفاظت ہوتی ہے، اور واقف کے مقصد کی باحسن وجوہ تکمیل

ہوتی ہے۔

رہ جاتی ہے یہ بات کہ وقف میں تبادلہ وغیرہ کے تصرف کے لئے فقہاء نے قاضی کی شرط،یعنی قاضی کے فیصلہ ،نظر وحکم کی قید لگائی ہے،لیکن معروف ہے کہ ایسے بہت سے مسائل میں توسع اختیار کرلیا گیا ہے،معتمد ودیانتدار علماء وذمہ داران اور ارباب حل وعقد کو قاضی کی حیثیت ضرورتاً دیدی گئی ہے،لہذا ہندوستان میں اوقاف کے مسائل میں معتمد منتظمین کا فیصلہ معتبر ہوگا، اور مناسب ہوگا کہ یہ قید لگائی جائے اور توجہ دلائی جائے کہ وقف کے ذمہ داران ایسا فیصلہ کرنے میں صاحب نظر علماء سے رجوع کریں، ان کو شامل کریں یا کم از کم رابطہ واستفتاء کریں۔شامی نے بعض معاملات میں محلّہ کے مسلمانوں کی رائے کا ذکر کیا ہے اور ہمارے ارباب افتاء نے ایسے مسائل میں عموماً اس کا ذکر کیا ہے کہ ارباب حل وعقد و منتظمین جب مناسب سمجھیں،یعنی ضروری وبہتر خیال کریں تو ایسے اقدام کریں۔امداد الفتاوی (۲/ ۷ ۶۳) میں بھی کچھ اس بابت تفصیل آئی ہے کہ قاضی نہ ہو تو کیا کیا جائے گا۔

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے دکانیں بنوانا:

الف ۔ ایسے اوقاف جو معطل وبیکار ہیں اور ناجائز قبضوں میں ہیں، ان کو کارآمد بنانے کے لئے دوسری کسی جگہ جہاں فائدہ اٹھایا جاسکے ان کا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳،نیز فتاوی علمائے دیوبند

ب ۔متبادل صورت کے لئے شخصی معاملہ یا حکومت وادارے سے معاملہ سب درست ہے۔

شرنبلالی وغیرہ کے کہنے کے مطابق مسجد کے ماسوا تمام اوقاف میں نقل کی اجازت دی گئی ہے۔ملاحظہ ہو: عبارات نمبر ۳،نیز فتاوی حضرت تھانوی ومفتی عبدالرحیم۔

تبادلہ میں اس کا لحاظ کیا جائے گا کہ اصل وقف کی جو جہت ہو اس کا نظم کیا جائے اس لئے کہ اس قسم کی ضرورت دوسرے مواقع میں پائی جاتی ہے،اور وہ صورت اپنائی جائے کہ جس

میں واقف کے مقصد اور صورت وشرط کی حتی الامکان رعایت پائی جائے۔

اس لئے کہ استبدال وتبادلہ کی اجازت ضرورت میں اور پابندیوں کے ساتھ ہے، اور ضرورت کی رعایت میں واقف کی عدم اجازت کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہے مگر مقصد اہم ہے، مدارس، مسافر خانے اور اسپتال آج بھی بنائے جاسکتے ہیں، ان سے واقف کے مقصد کی کسی نہ کسی درجہ میں بہر حال تکمیل ہوگی، یتیم خانہ بھی ایک اہم ضرورت ہے، نیز چھوٹے پیمانے کے ٹیکنیکل ادارے جن سے معمولی گھرانے کے بچے وبچیاں اورعورتیں ہنر سیکھ کر اپنی حیثیت کا نظم کر سکیں۔ جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی میں ذکر آیا ہے، خالص عصری تعلیم کے اداروں کا قیام اپنے حالات کے اعتبار سے وقف اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔

الف۔ مسجد کی ضرورت ومصارف سے زائد وفاضل زمین دینی مدارس واداروں کے قیام میں استعمال کی جاسکتی ہے، دینی مدارس سے مقصد وقف وواقف کی جو تکمیل ہوگی وہ عصری اداروں سے نہیں ہوسکتی۔

ب۔ مسجد کی ضرورت سے فاضل آمدنی جس کا مسجد میں آئندہ صرف کرنا جلدی سوچا نہیں جاسکتا اور حفاظت بھی اہم ہے، اس کو دینی تعلیم ومدرسہ کے لئے استعمال کرنا درست ہے مسجد ومدرسہ ایک دوسرے سے اس طرح مرتبط ہیں کہ ایک سے دوسرے کی بقاہے، اس لئے مسجد کی فاضل زمین یا آمدنی کو دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے کاموں میں لگانا درست ومناسب ہے، ہر عہد کے مسلمانوں نے مسجد کے ساتھ تعلیم ومدرسہ کا اور مدرسہ کے ساتھ مسجد کا نظام رکھا ہے اور یہ وقف کی حفاظت کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

مفتی عبد الرحیم صاحب نے اس کی صراحت کی ہے، حضرت تھانوی کے کلام میں بھی گنجائش ہے، البتہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ اس کی ضرورت اس محلّہ وعلاقہ میں اہم ہوتو خرچ و صرف میں اس کو ترجیح دیں ورنہ دوسری شدید ضرورتمند مساجد پر صرف کو مقدم رکھیں، اس کے بعد اس کام کو کریں۔

الف، ب: اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا مقدم ہے، عموماً فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور اگر اس جنس کے مصارف موجود نہ ہوں تو پھر ان کاموں ومواقع میں صرف کریں جو اصل وقف سے قریب اور اس سے زیادہ مناسبت رکھنے والے ہوں، اور اس میں واقف کے لئے بھی ثواب زیادہ ہو۔

مثلاً مسجد کی آمدنی کو محلہ وشہر کی دیگر ضرورتمند مساجد میں، اور ضرورت نہ پائی جائے تو مدارس کے لئے، اسی طرح اس کا عکس بھی ہے، نیز دیگر اوقاف میں بھی اس کا لحاظ کریں گے، اور ضرورت پر اس میں وسعت بھی برتی جاسکتی ہے جیسا کہ جواب نمبر (۱) کے تحت تفصیل آچکی ہے۔

اس کو عموماً پسند نہیں کیا گیا ہے، اور یہی رائے مناسب ہے، اس لئے کہ ہر مرحلہ میں وسعت ہونے پر حدود کا لحاظ بالکل باقی نہیں رہ جائے گا، اس لئے ضرورت کے مواقع میں بھی تبادلہ کی اجازت پابندی کے ساتھ دی گئی ہے۔

پھر یہ کہ مقصد آمدنی کا بڑھانا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ عموماً وقف کے مکانات کا کرایہ بہت معمولی چل رہا ہے، لوگ سالہا سال نہیں دسیوں سال اور پشتہا پشت سے قابض ہوتے ہیں اور بہت معمولی کرایہ ادا کرتے ہیں، جبکہ وقف کا ضابطہ یہ ہے کہ اجرت مثل پر یعنی رواجی اجرت جو ہوتی ہو اس پر معاملہ ہونا چاہئے، اسی لئے وقف کی زمین کو طویل عرصہ تک کے لئے کرایہ پر دینے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے تبادلہ کے بجائے صحیح حال پر لانے کی سعی وکوشش کرنی چاہئے، اور اگر واقعتہً مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہے اور موجودہ وقف کی آمدنی سے کسی طرح اس کی تکمیل نہیں ہوسکتی تو احسن کے ساتھ تبادلہ کو سوچا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے۔ یہ ضرورت کی وجہ سے ضعیف روایت پر عمل کے تحت قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ضرورت پورا نہ ہونے کی بنا پر یہ جواز استبدال کی معروف ومتفق علیہ صورتوں میں داخل ہے۔

سوال نمبر (۱) کے تحت تفصیل آچکی ہے، ایسے اوقاف کا متبادل اختیار کیا جائے۔

الف ۔ جب اس عمارت وزمین سے انتفاع کی کوئی مناسب صورت نہ بن سکے، مثلاً یہ کہ زمین کو کرایہ پر دیدیا جائے یہ بھی انتفاع ہے، تو ایسا معاملہ کرنے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی بلڈر تعمیر کر کے انتفاع کی شکل پیدا کردے اور وقف کی عمارت سے ہی اپنا معاوضہ حاصل کر لے، اس کے لئے صورت معاملہ اس طرح کی اختیار کی جائے کہ بتدریج زمین وعمارت سے بلڈر کا تعلق ختم ہوجائے، بجائے ایک دومنزل کی مستقل ملکیت کے وہ اپنا معاوضہ طے کر لے جس کو عمارت کی تیاری کے بعد اس کی آمدنی سے یکمشت یا بتدریج لے لے۔

اس انداز کے بعض نظائر کا تذکرہ اس سے پہلے گذر چکا ہے ضرورۃً ان صورتوں کو گوارا کیا گیا ہے۔ اگر بلڈر اپنے کام کے عوض طویل اجارہ کا خواہشمند ہو، معمولی اجرت وکرایہ پر تو ان صورتوں کے مطابق اس کو بھی گوارا کیا جاسکتا ہے۔

ب ۔ وقف کی آبادی کے لئے اس کے کسی حصہ کو فروخت کرنا، وقف کی اصلاح نہیں، بلکہ اہلاک ہے، اس لئے اس کی اجازت یا اس انداز کی کسی چیز کی صراحت فقہ حنفی کی کتابوں اور علماء سے نہیں مل سکی، البتہ امام احمد سے اس کی اجازت ضرورت پر منقول ہے، جہاں واقعی ضرورت ہو اور کوئی حل نہ نکلے، اور اوپر جو صورت ذکر کی گئی ہے اس طرح کا بھی کوئی معاملہ نہ ہوسکے تو اس صورت کو محض وقف کی حفاظت وبقا اور بازآبادکاری کی نیت سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مسجد یا قبرستان کی فاضل زمین میں مدرسہ کا قیام آج کل کے حالات میں درست ہے، جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب ومفتی عبد الرحیم صاحب کے فتاوی میں آیا ہے، البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ کرایہ کے معاملہ کی کوئی شکل اپنائی جائے تاکہ مسجد وقبرستان براہ راست بھی مستفید ہوتے رہیں، مفتی محمود صاحب نے اپنے فتاوی میں باربار یہ بات فرمائی ہے، نیز مفتی عبد الرحیم صاحب نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

پہلے سوال کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس کے مطابق تبادلہ یا کارآمد بنانے کی کوئی مناسب ومفید صورت اختیار کی جائے (خواہ قبرستان اس وجہ سے معطل ہوں کہ آبادی نہیں رہی ،

یا اس لئے کہ پابندی لگ گئی) مفتی نظام الدین صاحب کے فتاوی میں اس بابت کافی وضاحت و صراحت آئی ہے۔

جب قدیم مساجد آج بھی موجود ہیں اور ان میں نماز ادا کی جاسکتی ہے اور آباد کرنے والے بھی اطراف میں اور آس پاس موجود ہیں تو ان کو معطل چھوڑنا کسی طرح درست نہیں اور نہ حکومت کی طرف سے اس بابت پابندی کا لگانا۔ حکومت عمارت کی حفاظت کا نظام بنائے جو ممکن ہو، اور مسلمانوں سے بھی اس میں تعاون لے، مگر نماز کی ممانعت کا کوئی حق اس کو نہیں ہے۔

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جب کہ اس کی چہار دیواری کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو اطراف میں دوکانیں بنا کر گھیرنا، اور دکانداروں سے سرمایہ لیکر اس کام کو کرنا درست ہے، اور اس کے لئے بیچنے کی صورت اختیار نہ کی جائے، بلکہ کرایہ داری اور پیشگی کرایہ لیا جائے، فاضل آمدنی پیچھے آئی ہوئی تفصیل کے مطابق مناسب کار خیر میں لگائی جائے۔ یہ صورت معاملہ بھی ان فقہی نظائر کے تحت آئے گی، اور ان کے مناسب ہے جن کا تذکرہ پانچویں اور چھٹے سوال کے تحت کیا گیا ہے۔

اسی طرح دوکانوں کے بنانے کی اجازت مفتی نظام الدین صاحب نے دی ہے۔

جب مسجد کے لئے دوسری زمین کا حاصل کرنا یا آس پاس جگہ حاصل کر کے دوسری مسجد کا بنانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً اس کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کھمبے دیکر اوپر مسجد و نماز کی جگہ بنادی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے اور قبرستان بہت کشادہ نہیں ہے اور اگر ویران ہے یا یہ کہ کافی کشادہ ہے تو زمین سے ہی تعمیر کی اجازت ہوگی، ویران میں تو متعدد حضرات نے اجازت دی ہے (ملاحظہ ہو: فتاوی اکابر) اور آباد میں ضرورت سے فاضل ہونے والا مسئلہ ہے جس کے لئے گنجائش و جواز کی تفصیل گذر چکی ہے۔

پھر یہ کہ مسجد و قبرستان دونوں عامۃ المسلمین کے مصالح کے لئے ہیں اور قبرستان کے کسی حصے کا مسجد بنالینا واقف کے مقصد ثواب کے اعتبار سے بھی زیادہ مفید ہے۔ جب عام

ضرورت کے تحت راستہ کو مسجد اور مسجد کے کسی حصہ کو راستہ اور چبوترہ کو مسجد اور مسجد کو چبوترہ بنا لینے کی گنجائش فقہاء احناف نے، بلکہ ائمہ احناف نے ذکر کی ہے، تو شدید ضرورت کے حال میں اس کی گنجائش عین ان صورتوں و احکام کے مطابق ہے (راستہ وغیرہ کی بابت ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ج ۱۳/)۔

غیر مسلم کے وقف کو جب کہ مسجد وغیرہ کے لئے ہو درست قرار دیا گیا ہے، البتہ وقف کی تولیت و انتظام اس کے سپرد ہو اس بابت احقر کو کوئی چیز نہیں مل سکی، بظاہر تو یہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مذہب خاص کی وجہ سے نہ وقف کی اہمیت اور نہ موقوف علیہ کی عظمت، کچھ بھی اس درجہ میں نہیں رکھتا جو کہ ایک مسلمان کو ہوتی ہے، اور نہ ہی اس سے شرائط وقف کی تنفیذ میں وہ توجہ و اہتمام متصور ہے جو اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔

البتہ جو قدیم اوقاف غیر مسلموں کی تولیت و ذمہ داری میں چلے آرہے ہیں ان کے حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کرنا مناسب ہے، اگر کام صحیح شرائط و احکام کے مطابق ہو رہا ہے تو ان کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے۔ ورنہ دوسری کارروائی کی جائے، اس لئے کہ اطلاقاً تصرف و تعرض میں فتنہ پیدا ہو سکتا ہے اور یہاں جو رواداری مطلوب ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

☆☆☆

اوقاف اور ترقیاتی سرگرمیوں کا معیار

شیخ عبدالمحسن محمد العثمان☆

أحمدک اللهم، شاکراً لسابغ فضلک، وأستهدیک هادیاً قریباً منجیاً...وأصلی وأسلم علی رسولک نبی الرحمة، جاء بعقیدة التوحید، وشریعة العدل، وحضارة الأخلاق...وعلی آله وصحبه ومن سار علی هدیه إلی یوم الدین. وبعد...،

مجھے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بے انتہا خوشی محسوس ہورہی ہے جس نے مجھے اس اہم سمینار کی سرگرمیوں میں شرکت کی پر خلوص دعوت دی...، امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک اسلامی تہذیبی پروگرام کے آئینہ میں اپنے کو موجودہ زمانہ سے مربوط کرنے کی نوعیت پر غور وفکر کریں جس کے ذریعہ امت اسلامیہ کی وہ عظمت رفتہ پھر بحال ہوجائے جس کا تعلیم ومعاشرت کے مختلف میدانوں کے اندر ایک اہم حصہ رہا ہے۔

انسانی تہذیب کی تشکیل میں ہم اگر اپنی معاشرتی سرگرمیوں کے معیار کو بلند کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اصولوں اور اپنے کامیاب تاریخی تجربات سے بھرپور استفادہ کریں، تاکہ ہماری معاشرتی ترقی اور فلاح کو مزید سرگرم بنانے والے مناسب حال اسلامی تہذیبی نقشوں اور طریقہ کار کو درجہ کمال تک پہنچانے والی تدابیر اور راہیں ہم پر آشکارا ہوسکیں، ان تدابیر سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان ترقیاتی کاوشوں پر نظر رکھنے کی ضرورت

☆ سکریٹری جنرل الامانۃ العامۃ للأوقاف، کویت۔

ہے جو سماج کے مختلف اداروں، خصوصاً ملکی سماجی اداروں کی طرف سے کی جارہی ہیں، اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں عالمی سطح پر ترقیاتی عمل کی باگ ڈور بڑی حد تک ان ہی اداروں کے ہاتھوں میں ہے، صورتحال کی اس نزاکت کا تقاضا ہے کہ ہم وقف کی سنت کو ایک مؤثر اسلامی ترقیاتی پروگرام کی حیثیت سے پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ ہماری موجودہ زندگی میں اسلام کے بارے میں تصور

۲۔ ترقی کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور

۳۔ موجودہ مسلم معاشرہ کے ترقیاتی نظام میں وقف کا مقام

۱- ہماری موجودہ زندگی میں ہمارا اسلامی تصور:

شاید کوئی یہ سوال کرے کہ کیا ہم اسلام کے بارے میں بحث کر رہے..؟ اسلام تو اپنے اصول، مرجعیت، اقدار اور قوانین واحکام کے اعتبار سے معروف ومسلّم ہے۔

یہ سوال درست ہے، لیکن ہمارا موضوع بحث اس وقت وہ وسیع باب ہے جسے شریعت نے فقہ کے لئے چھوڑ دیا ہے... تا کہ ہم اپنی معاشرتی سرگرمیوں اور طرز زندگی میں اصولی اور فقہی اجتہاد کے ذریعہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرسکیں، ہم لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ اس وقت مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر دوسروں سے زیادہ فکری انتشار سے دوچار ہیں اور ان کی ایک بڑی اکثریت اس کا شکار ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ انتشار زبردست نقصانات کا سبب بنتا ہے اور ہر ایک الگ الگ مسلم معاشرہ کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اور پورے عالم اسلام کے لئے بھی ضرر رساں بنتا ہے.... یہ ایسا خسارہ ہے جس کا اندازہ ماہرین ترقیاتی پیمانہ کے ان معیاروں کے مطابق آسانی سے لگا سکتے ہیں جو موجودہ انسانی فکر کا ماخذ ہیں، ہمارے ناقص ادراک کے مطابق یہ حقیقت ہمیں مسلسل اسلام کے متعلق گفتگو کرنے پر مجبور کرتی ہے، یہ گفتگو، خواہ مخصوص سیمناروں کی سطح پر ہو یا عام محفلوں اور مجلسوں کی سطح پر...موضوع کا نازک پہلو یہ ہے

کہ ہمیں کس اسلام کے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت ہے؟...

بہت سے ماہرین عصر حاضر کو ''انفارمیشن ایج'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ تعبیر بڑی حد تک دقت نظر پر مبنی ہے، تحقیق ومطالعہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ان معلومات کا حجم جو اس وقت صرف ایک سال میں مدون ہوتی ہیں اور جو عالمی سطح پر متداول ہوتی ہیں پوری طویل انسانی تاریخ کے مدون ومتداول علوم ومعارف سے زائد ہے، ہوسکتا ہے اس تخمینہ میں ہمارے درمیان اختلاف رائے ہو، لیکن اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس وقت روزانہ مختلف ذرائع سے علوم ومعارف کا بے پناہ ذخیرہ منظر عام پر آرہا ہے، یہ ذرائع ہی ان کی تخلیق کرتے اور ان دلالوں کی ایک بڑی تعداد کے درمیان ان کو رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں جو دانستہ یا نادانستہ ان کو قبول کرتے ہیں۔

عصر حاضر کی اس مخصوص علامت کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ بلاشبہ نشر واشاعت کے مختلف مراکز، ذرائع ابلاغ اور ارسال وترسیل کی بے انتہا قوت اور برق رفتاری کا حامل انٹرنیٹ کے ذریعہ انجام دی جانے والی ان علمی سرگرمیوں میں اسلام کا تناسب ناقابل لحاظ حد تک پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اسلام کے حدود اربعہ کی وہ تعیین جس کے متعلق ہم گفتگو کرنا چاہتے اور خوشخبری دینا چاہتے ہیں کہ اسلام اس انفارمیشن ایج میں ایسی اہم ضرورت بن چکا ہے جس کا دعوت الی اللہ کی فطرت تقاضا کرتی ہے....اور چونکہ جو خود پیاسا ہو وہ دوسروں کی پیاس نہیں بجھا سکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنی موجودہ زندگی میں اسلامی تصور اور حیثیت کو اجاگر کریں۔

جب انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین محمد ﷺ نے فریضہ تبلیغ ادا کیا اور دینی اقدار کی ترسیخ اور اصول شریعت کی تطبیق کا ایک مکمل نمونہ ہمارے سامنے پیش فرمادیا، پھر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں اپنے حالات زمانہ کے مطابق بہتر طور پر اصول شریعت کی تطبیق کے اس مبارک عمل کو جاری رکھا اور جب خدائے بزرگ وبرتر کی مشیت

یہی ہے کہ دعوت الی اللہ کا عمل تا قیامت جاری رہے... تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اسلام کے تطبیقی تصورات ومفاہیم کے انتشار کا ازالہ کریں... اس لئے کہ فہم وتصور کا یہ انتشار ترقیاتی کاوشوں پر بہت ہی واضح اثر ڈالتا ہے بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پسماندگی کی ایک علامت ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔

اگر ہمارے پاس بحیثیت امت مسلمہ اسلام کے واضح تطبیقی تصورات ومفاہیم نہیں ہیں جن پر ہمارے عوام الناس کا ایمان ہو اور اسلامی عدل کی طرف اپنے مقدمات میں وہ رجوع کرتے ہوں، اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں اور اسلامی طریقہ کے مطابق ہی دوسروں کے ساتھ ان کا رہن سہن اور ان کے معاملات ہوں، اور جب ہماری ہی جنس کے غیر مسلموں کے لئے ان تصورات کا احاطہ مشکل ہو تو اس صورت میں میرے اپنے اندازے کے مطابق بسا اوقات مسلم معاشرے سخت داخلی اور خارجی انتشار اور کشمکش میں مبتلا رہیں گے، اور یہ داخلی و خارجی کشمکش ترقیاتی عمل اور ان کے حصول کے لئے سم قاتل ہے۔

اسلامی اصولوں کے لئے موجودہ تطبیقی تصورات کے فقدان کی ایک مثال ہم بیان کرتے ہیں... شاید اس سے ہمارے موجودہ فکری انتشار کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور زیر بحث مسئلہ کی ماہیت واضح ہو سکے۔ یہ مثال مفہوم مال کے تعلق سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم مال کے مفہوم کے کسی معاصر واضح اور متفقہ نقطہ نظر یا اکثریت کے اتفاق پر مبنی نقطہ نظر کے حامل ہیں، اس طور پر کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا نظریہ شاذ کے درجہ میں ہو۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی کیمپوں کے درمیان سرد جنگ اور جنگ کے نتیجہ میں ہر ایک کو اپنا حمایتی بنانے کی زبردست تگ ودو کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے درمیان ایک فکری تحریک ظہور پذیر ہوئی جس کا خیال تھا کہ اسلام ایک اشتراکی مذہب ہے، اس کے بالمقابل ایک دوسری تحریک منظر عام پر آئی جس کا دعوی تھا کہ اسلام ایک سرمایہ دارانہ مذہب

ہے، اور یہ صحیح ہے کہ ان دنوں ایک دوسرا فکری رجحان بڑھ رہا ہے جو اسلام کے حقیقی تصور مال اور سماج اور اداروں سے اس کے رابطہ وتعلق کی نوعیت کو واضح کرنے کی کوشش میں ہے، مگر اس طرز فکر کی خامی یہ ہے کہ یہ عرصہ دراز تک دنیا پر چھائے ہوئے ''اشتراکی اور سرمایہ دارانہ'' دونوں نظریوں میں سے ہر ایک کو اپنا ہمنوا بنانے والی تحریک کی ناکامی اور کمزوری سے قوت حاصل کرنے کی کوشش میں ہے، اس کی قوت کا سرچشمہ قوت وطاقت کے ذاتی عوامل نہیں ہے۔

ہم زخموں کو کریدنا نہیں چاہتے، بلکہ اسلام کے تصور مال کی آمیزش کی ایک مثال دینا چاہتے ہیں، نویں دہائی کی ابتداء میں اپنے مسلم عرب پڑوسی عراق کی طرف سے کویت پر کیا جانے والا حملہ اس کی ایک واضح مثال ہے، پڑوسی ملک پر حملہ کے دیگر وجوہ جواز کے ساتھ ساتھ ایک وجہ جواز مال کے غلط تصور کا استعمال بھی ہے، کیا بحیثیت امت ہمارے فکری انتشار کی یہ ایک واضح دلیل نہیں ہے؟... اس انتشار کے ہوتے ہوئے مسلم معاشروں کی ترقی اور ان کی ترقی کو بروئے کار لانے کے تقاضوں کی تکمیل کبھی نہیں ہوسکتی، یہ ملکوں اور ایک ہی سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان بہت سے جھگڑوں کے برپا ہونے کا سبب ہے، اور تباہی، ہلاکت اور زوال کا باعث ہے، اسلامی اصولوں کے تطبیقی مفاہیم میں خلط والتباس کی زد بہت سارے ان فکری عناصر پر پڑتی ہے جن پر ہمیں موجودہ ترقیاتی نظریہ کی بنیاد رکھنی چاہئے.... ان میں سے مثال کے طور پر چند یہ ہیں، ملکیت اور حقوق ملکیت کا تصور، استخلاف فی الأرض کا تصور، معاشرہ میں وقف اور زکوۃ کا کردار، دعوت اور اجتہاد کا تصور، آزادی اظہار رائے اور حدود واختلاف رائے کا تصور، رفاہی امور کا تصور، فساد فی الأرض اور جہاد کا تصور، اقتدار، ذمہ داری، شورائیت، اجماع اور اکثریت کے تصورات، اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے امور جن کے لئے ایسے مفاہیم کی تلاش ہے جو شریعت کے مطابق ہوں، ہمارے اس دور میں قابل عمل ہوں، اور جن پر امت کا اتفاق ہو۔

۲- ترقی کا موجودہ مفہوم:

ترقی سے ہماری کیا مراد ہے؟... ماہرین کی اصطلاح سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر

ہم اس سوال کا جواب دینا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ’’ترقی‘‘ کا لفظ عربی زبان کے ایک مفرد کی حیثیت سے صرف عصر حاضر میں معروف ہے، اور اگر غیر عربی زبان کے مطابق ’’ترقی‘‘ تغیر اور نمو کے عمل کا نام ہے تو میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ترقی انسانی زندگی کی فطرت کا ایک حصہ اور پوری انسانی تاریخ میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اور لوگوں نے ہر دور میں زمان و مکان اور حالات کے اختلاف کے باوجود ترقی کے لئے ہمیشہ جدوجہد کی ہے۔

چنانچہ آج کا مسئلہ ترقی کے وجود کا نہیں ہے، اس لئے کہ ترقی تو موجود ہے اور ہر ایک تغیر و نمو کے عمل سے گذر رہا ہے، بلکہ آج کا اصل مسئلہ ترقی کے اغراض ومقاصد اور اس کے ذرائع و وسائل کا ہے، ہم کیوں کر نمو و تغیر کو قبول کریں اور کیسے قبول کریں؟ ترقی و تغیر کے لئے مختلف اسالیب کو ہمارے اختیار کرنے کے اسباب کیا ہیں؟ اور پھر ترقی و تغیر کے اس عمل میں نفع و نقصان کی مقدار کیا ہے؟

میرا خیال ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ترقی کا کوئی ایک نمونہ نہیں ہے جس کی تقلید لازمی ہو، اس لئے کہ ہر قوم، بلکہ ہر شہر کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں اور ان کے تدریجی حالات ہوتے ہیں جن کے زیر اثر وہ اپنی طرف سے تیار کردہ ترقی کے نمونہ کی تشکیل کرتے ہیں، بلکہ بعض کے نزدیک خصوصیت کی رعایت اور تکمیل میں اس کے نفوذ کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے کہ صرف معاشرتی ترقی (یعنی الگ الگ ہر چھوٹے معاشرے کی مقامی ترقی) پر روشنی ڈالی جارہی ہے، جیسا کہ ترقی کا کوئی ایک بنیادی مرکز یا ادارہ ہو جو علاقائی پیمانے پر ہو یا پورے مسلم معاشرے یا ملک یا اسٹیٹ کو شامل ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ تنمیہ کے مسئلہ سے متعلق کچھ بنیادی مفاہیم کی طرف اشارہ کرتا چلوں، وہ یہ ہیں:

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں

(ب) پسماندگی سے ترقی کے تعلق کی نوعیت کا مسئلہ

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات

(الف) اس بات کی ضرورت کہ مسلمان اسلام کی قیادت کو تسلیم کریں:

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ اس بات کی واضح رہنمائی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین میں اسلام کی جڑیں راسخ ہیں، اور اس کی شدید ضرورت ہے کہ امت کی تمام طاقتیں اور اس کے تمام اجتماعی ڈھانچے ٹھیک ٹھیک اسلام کو قبول کریں۔ اس کی تاریخی مثال یہ ہے کہ سامراجی طاقت جنوبی امریکہ کی قوام کا اپنی فکری جڑوں سے رابطہ اور تعلق کو توڑنے میں کامیاب ہوگئی ٹھیک اسی وقت قرب مسافت کے باوجود شمالی افریقہ اور بحیرۂ روم کے مشرق میں آباد مسلم قوموں کا اسلام سے تعلق توڑنے میں ناکام رہی، لہذا مسلم معاشرے کا اسلام کی سربراہی اور قیادت کو تسلیم نہ کرنا سخت نقصانات کا باعث ہوگا جس کے نتیجہ میں ہمیں ترقی کی سنجیدہ کوششوں کو کمزور کرنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(ب) ترقی کا پسماندگی سے رابطہ کی نوعیت کا مسئلہ:

یہ بات معلوم ہے کہ ترقی۔ اپنے ایک مفہوم کے اعتبار سے۔ پسماندگی کے ازالہ کا نام ہے، بالفاظ دیگر ہمیں اس پسماندگی کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کا ازالہ اور خاتمہ ہم چاہتے ہیں، اس سوال کا براہ راست، واضح اور صحیح جواب ہی دراصل میرے خیال میں ترقی کے منصوبوں کی مضبوط بنیاد بنے گا، میرا خیال ہے اس جواب کے بغیر ہم خالی خولی دائرہ میں گھومتے پھرتے رہیں گے۔

تہذیبی ادبار اور سماجی واقتصادی پسماندگی کے اسباب مختلف ہیں اور اس کے پیمانے متعدد ہیں جن میں سے اہم کا احاطہ مندرجہ ذیل امور میں ممکن ہے:

۱- مفاہیم میں خلط ملط، فکری حرکیت کا زمانے کے ساتھ چلنے سے باز رہنا، معاشرہ کی اصل اور حقیقی ثقافت سے حاصل شدہ کسی نئے اسلوب سے مسائل زمانہ کا مقابلہ کرنے سے پیچھے ہٹنا۔

۲-روایت پرستی اور دوسری تہذیبوں کی تقلید ان دونوں قسم کی انتہاپسندی کے درمیان فکری تحفظ۔

۳-سیاسی زندگی میں جاری مفاہیم اور ان کے انطباق میں معاشرہ کے تمام افراد اور جماعتوں کے اندر التباس، خصوصاً ان تطبیقات میں جن کا تعلق حقوق فرائض کے مفاہیم سے ہے۔

۴-معاشرہ کے عمومی نظام میں کمزوری اور اس کی امن وسلامتی کو درپیش بڑھتے خطرات۔

۵-معاشرے کے مختلف عام وخاص اداروں کے انتظام وانصرام میں کمزوری، پالیسیوں کی گڑبڑی، کرپشن کا عام ہونا اور افراد وجماعتوں کے باہمی رابطہ اور لین دین پر منفی اقدار کا تسلط۔

۶-اجتماعی کفالت ونگہداشت کے فقدان اور غربت ومحرومی سے دوچار طبقوں کے ساتھ مسلسل زیادتی کے باوجود سرمائے اور آمدنیوں کی تقسیم میں پایا جانے والا زبردست تفاوت۔

۷-معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان پائے جانے والے سماجی امتیازات کو مٹانے والی اجتماعی حرکت کی مشینوں کا بند ہوجانا۔

۸-تعلیم وصحت اور خدمات عامہ کے معیار کی پستی اور بامقصد تفریح کے تصور کا فقدان۔

۹-تطبیقی علوم اور ثقافت سے عدم دلچسپی۔

۱۰-اقتصادی مساوات کے دونوں پہلوؤں طلب ورسد کے درمیان عدم توازن، جس کے نتیجہ میں سماج مختلف مشاکل میں پھنس کر رہ جاتا ہے جیسے افراط زر، آمدنیوں کی حقیقی قوت خرید کی گراوٹ، داخلی وخارجی قرضوں میں دب جانا جس کا بوجھ سال بسال بڑھتا ہی جاتا ہے، اور سماج کے بہت بڑے حصے میں غربت وافلاس کا عام ہونا۔

۱۱-اقتصادی تنوع میں عدم توازن، چنانچہ کبھی اقتصادیات یکرخی آمدنی اور نفع آمیز ہو

کر رہ جاتی ہے، آمدنی کا معیار بڑھ جاتا ہے اور سماج میں پسندیدہ اور اختیاری بے روزگاری بڑی حد تک بڑھ جاتی ہے، اور عمومی طور پر کام کرنے والی طاقتوں کی سرگرمیوں کا معیار گھٹ جاتا ہے۔

۱۲-مختلف شعبہ جات، پیشوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والے عوامل کی باڈی کی تشکیل میں عدم توازن۔

۱۳-بیرونی تجارتی تعلقات کا خام مواد کی برآمدات اور مکمل بنی ہوئی مصنوعات کی درآمدات پر زور صرف کرنا۔

(ج) ترقیاتی سرگرمیوں کے معیارات:

فطری بات ہے کہ ترقیاتی منصوبہ اور اس کی تنظیم کے لئے سرگرمیوں کے معیارات کی ضرورت ہوگی۔ اس موقع پر خود بخود جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا خالص اقتصادی تغیرات کے اشارات ہی سے ترقی کے نتائج کو پرکھنا ضروری ہے؟ جیسے: قومی آمدنی کی بڑھوتری کا اوسط اور ہر فرد کا اس میں حصہ، کام کا پروڈکشن، ذخیرہ اندوزی کا رجحان اور اس کا حجم، سرمایہ کاریوں کا حجم، یہ اور اس طرح کے دوسرے معیارات جن کا استعمال ہی بعض ملکوں کی اقتصادیات کی درجہ بندی کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ یہ اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں اور اس کے نتیجہ میں اس درجہ بندی سے نکلنے کے لئے یہ ممالک خالی خولی دائرے میں چکر لگاتے پھرتے ہیں، یہاں تک کہ اس درجہ بندی کی رو سے غریب ملک کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے ''چونکہ فلاں ملک غریب ہے اس لئے وہ غریب ہے''۔

چند دہائیوں سے اکثر ماہرین اقتصادیات ترقی و پسماندگی کی درجہ بندی کے لئے ان معیارات کو استعمال کرتے آئے ہیں، بہت سے غریب اور امیر اور ان ملکوں کے تجرباتی مطالعہ کے بعد جن کو اس درجہ بندی کی رو سے ترقی پذیر ملک قرار دیا گیا تھا حالانکہ وہ مختلف قسم کی پسماندگی کے مظاہر میں مبتلا تھے اس خیال کی غلطی واضح ہوچکی ہے، یہ خیال اس لئے بھی درست نہیں کہ ہمیں اس وقت ایسے معیارات کی ضرورت ہے جو مسئلہ کے وسیع اطراف وجوانب سے ہم

آہنگ ہوں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے جب ہم اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے پاس اس کے لئے ایک فکری وعملی دائرہ موجود ہے، اسلام اصول سازی کرتا ہے اور پھر زمان ومکان کے حالات سے ہم آہنگی کے لئے وسیع میدان چھوڑ دیتا ہے، اسلام اپنے اصولوں کی بنیاد پر ہمیں اس قابل بنادیتا ہے کہ ہم پسماندگی کے آثار کا ازالہ کریں اور ترقی کو بروئے کار لائیں، اور ایسا اس طرح کہ:

۱- اسلام تخلیق کی حکمت اور مخلوقات میں انسان کے مقام کے سلسلہ میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، اسلام انسان کو اس پہلو سے بھی تدبر کی دعوت دیتا ہے کہ اسے اپنی ذات اور دیگر انسانوں اور مخلوقات کے تعلق سے بڑی بڑی ذمہ داریوں کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟ اسی طرح اسلام مکمل طور پر فکری جمود کو رد کرتا ہے، اور ہر زمان ومکان میں مسلمانوں کو درپیش مسائل ومشکلات کا حل تلاش کرنے کے مقصد سے قوانین کی تشکیل، مفاہیم کی تجدید اور ان کی تطبیقی شکلوں کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اجتہاد پر ابھارتا ہے۔

۲- فرائض کے تعلق سے مسلم معاشرہ کے افراد کے درمیان وحدت، فکری انتشار اسلام میں ممنوع ہے، انتہاپسندی اور غلو اعتدال پر مبنی اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، لہذا اس کی تعلیمات کے مطابق فکر، زندگی کے معاملات اور دوسری تہذیبوں سے تال میل میں انتہاپسندی اور غلو سے احتراز کی ضرورت ہے۔

۳- اسلام نے درست سیاسی زندگی کے لئے واضح اصول مقرر کئے ہیں، اور ان کے نفاذ کی تفصیلات کو ہر معاشرہ اور ہر زمانہ کے مناسب حال اجتہاد پر چھوڑ دیا ہے، مسلم معاشروں کی سیاسی زندگی میں کمزوری اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرے کے افراد اور اداروں کی طرف سے اسلامی اصولوں کی غلط تعبیر پیش کی جاتی ہے، خاص طور سے شریعت کے مقرر کردہ حقوق وفرائض کے مفاہیم کے تعلق سے جب کوئی غلط تصور سامنے آتا ہے۔

۴- اسلام نے حقوق فرائض کے مفاہیم کی جو موزوں درجہ بندی کی ہے، اس کے نتیجہ میں معاشرہ کا عمومی نظام درست ہوجاتا ہے اور یہ معاشرہ کے امن کی ضمانت بھی ہے۔

۵- جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے تو اسلام ہر ذمہ دار کو اپنے ماتحت کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اغراض ومقاصد اور پالیسیوں کی واضح تعیین کی جائے۔ فرائض کی بجا آوری کا معیار بلند ہو، فساد اور خرابی کے تمام مظاہر سے دور رہا جائے اور افراد و جماعتوں کے باہمی تعامل میں مثبت اقدار کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کی جائے۔

۶- اسلام نے (زکوۃ، وقف اور دیگر صدقات کے حوالے سے) دولت کی تقسیم میں توازن اور عام اقتصادی امور اور تمام ہی محتاج اور کمزور طبقات کی اجتماعی نگہداشت اور کفالت کے عمل کو بروئے کار لانے سے متعلق ایک بیش بہا اور متوازن نظام پیش کیا ہے۔

۷- اسلام نے رنگ، قومیت، انسان کی مالی حالت اور انسان اور انسان کے درمیان تفریق کرنے والے دیگر معیارات سے قطع نظر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق افضل قرار دیتے ہوئے اجتماعی عمل کے ایسے معیارات ترتیب دیئے ہیں جو منتخب افراد کی صفوں میں شمولیت کی تنظیم کرتے ہیں۔

۸- اور جہاں تک تعلیم، صحت، جسم و جان کے حقوق، اسی طرح محنت وفرائض کی ادائیگی اور کام کو جاری رکھنے میں معاون تفریح کے درمیان توازن کا مسئلہ ہے۔ تو ان تمام امور میں اسلامی تعلیمات واضح اور متعین ہیں...اسلام ان امور کو کمالیات نہیں بلکہ ضروریات کا درجہ دیتا ہے۔

۹- اسلام نے لوگوں کو طلب علم کے لئے جد وجہد اور مختلف قوموں کی تہذیبوں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کو تلاش رزق، اپنی ضروریات کی تکمیل اور اس سلسلہ میں اسباب وذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اور یہی وہ فلسفیانہ بنیاد ہے جو تطبیقی علوم کی تحریک کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

۱۰-اقتصادی میدان میں اللہ تعالی ہمیں محنت، پیداوار اور اعتدال کے ساتھ بغیر کسی تخریب اور ضیاع کے تمام موجودات اور مسخر اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتا ہے...وہ ہمیں زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حکم دیتا ہے لیکن خرچ میں اسراف کے بغیر... یہ حکم اس لئے ہے تا کہ معاشی مساوات کے دونوں پہلوؤں، آمد وخرچ کے درمیان توازن برقرار رہے۔

۱۱-اقتصادیات کو متنوع بنانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ رزق کے حصول کے لئے سرمایہ کے کسی ایک ذریعہ پر تکیہ کرنے کے بجائے مختلف ذرائع سے تلاش رزق کی کوشش کریں۔

۱۲-اسلام میں عمل کی قدر یں اور کام کرنے والے کا احترام، اسکے مرتبہ، اختیارات اور کام کی نوعیت سے قطع نظر ایک ایسی طاقتور بنیاد فراہم کرتا ہے جو کچھ متعین کاموں پر توجہ مرکوز کرنے اور دوسرے کاموں کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں مختلف پیشوں، شعبوں اور معیارات کے درمیان کام کرنے والی قوتوں کے ڈھانچے کی تعمیر میں واقع ہونے والی خرابی کو دور کرتی ہیں۔

۱۳-جہاں تک مسلم معاشرے کے بیرونی تجارتی تعلقات کا معاملہ ہے تو اس میں منافع اور اشیاء کے تبادلہ میں بڑی حد تک ممکنہ توازن کا پایا جانا ضروری ہے۔

۳-موجودہ مسلم معاشرہ میں ترقیاتی عملی نظام میں وقف کا مقام:

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ترقی بغیر تبدیلی کے ممکن نہیں..وقف کا نظام شرعی اصولوں سے مربوط تغیر کے عمل کے لئے موزوں دائرہ کار فراہم کرتا ہے...اسی طرح یہ ساجی ذرائع اور وسائل کی تشکیل کا سامان فراہم کرتا ہے...خواہ وہ وسائل مادی ہوں یا بشری اور مخصوص فنی تجربات، اسلام ان ذرائع سے ترقی کے مقاصد کی تکمیل میں کام لیتا ہے، مندرجہ ذیل اہم اشارات سے یہ بات واضح ہوجائے گی۔

۱-تاریخ نے وقف اور ترقی کے درمیان گہرے رابطہ کا پتہ دیا ہے، چنانچہ اسلامی تاریخ کے روشن ادوار میں زندگی کے مختلف میدانوں میں انجام دیئے جانے والے بیشتر عظیم تہذیبی اور

ترقیاتی کارناموں میں وقف کے نظام کی کارفرمائی نظر آتی ہے...جو انہیں سرمایہ، محنت اور فنی تجربات کے ذریعہ تقویت پہنچایا کرتا تھا۔

۲-وقف کے ترقیاتی اقدامات سے واضح طور پر موجودہ اسلامی تہذیبی رجحانات کے اہم خطوط کی نمائندگی ہوتی ہے..وقف کا نظام اسلام کی ترقیاتی اقدار اور عبادت وعقیدہ کی اقدار کے درمیان ہم آہنگی کو ظاہر کرنے کی اصل اور حقیقی شکل ہے..ان ہی اقدار کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

۳-نظام وقف کی ترقی سے اسلام کے اعلی اخلاق و اقدار کی حقیقت نمایاں ہوتی ہے...یعنی اسلام کے انسانی جذبہ کفالت، دوسروں کے ساتھ ہمدردی، ان کی خیرخواہی خواہ وہ ہمارے لئے غیر معروف اور ہم سے دور ہوں، اور اس کے برعکس وہ اقدار بھی ہیں جن سے انسانیت دوچار ہے یعنی مادی فائدے کا حریص ہونا اور افراد کی اپنی شخصی مصلحت کے ساتھ اختیارات کو اپنی حد تک مرتکز کرنے کے سلسلہ میں انتہاپسندی۔اوقافی پروجیکٹس میں معاونین اہل خیر کی شرکت معاشرے کے مستطیع افراد کی سماجی ذمہ داریوں کے اصول کو واضح کرتی ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے مال اللہ کی ملکیت ہے اور اس نے ہمیں مال کے سلسلہ میں اپنا جانشین بنایا ہے، اور سماجی نقطۂ نظر سے اللہ نے صاحب ثروت افراد کو ان کے ماحول اور معاشرہ کے بہت سارے وسائل سے نواز رکھا ہے..ایمان کی صداقت انہیں اپنے ماحول اور معاشرہ کے تعلق سے ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا بہتر طور پر احساس دلاتی ہے، ایمان کی صداقت ہی ان کو اس بات کا شعور عطا کرتی ہے کہ ان کی ترقی واستحکام میں ماحول ومعاشرہ کا کیا کردار ہے؟ وقف کے نظام کے عام ہونے کی وجہ سے سرمایہ پر سے یہ قدیم تاریخی الزام رفع ہوجاتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان انانیت پسند ہوجاتا ہے، یا اپنے شعور کو کھو بیٹھتا ہے، یا اس کے ذریعہ انسان اپنے دوسرے بھائی کا استحصال کرنے کے لئے کچھ اختیارات حاصل کرنا چاہتا ہے...سرمایہ کی اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی طرف منتقلی موجودہ دور میں معاشرہ کی ترقی کی ایک نمایاں علامت ہے، اور یہی

حال ہر زمانے میں رہا ہے۔

۴-تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ وقف کا نظام سرکاری اور عوامی کاوشوں کے درمیان ہم آہنگی اور تطابق پیدا کرنے، انہیں ایک مشترک مقصد پر مرکوز کرنے اور دونوں طرف کے شکوک وشبہات کے ازالہ کا ایک بنیادی اور اہم طریق کار تھا، تاریخ اسلام کے ہر روشن اور زریں عہد میں اوقاف نے دفاعی میدان میں، غریبی دور کرنے میں، علوم وثقافت کی ترقی میں، صحتی خدمات کے میدان میں، مزدوروں کی دیکھ ریکھ کرنے اور راستوں کو پر امن بنانے کے میدان میں، مملکت کی کوششوں کے ساتھ تعاون کیا ہے... ان کے علاوہ دیگر اعلی تہذیبی اور معاشرتی فلاح وبہبود کے میدانوں میں بھی اوقاف کی خدمات مسلم ہیں۔

۵-وقف کا نظام مسلم معاشرہ کو اپنے مختلف طبقات اور گروہوں سے مربوط رہنے کا حقیقی موقع عطا کرتا ہے، چنانچہ خدمت عامہ کی بنیاد پر جس میں معاشرے کے تمام افراد کے حال ومستقبل کا مشترک مفاد پنہاں ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے سے متحد ہوجاتے ہیں۔

۶-جہاں تک وقف کی اسکیموں کی تنفیذ وانتظام میں شرکاء کی رضاکارانہ کوششوں کا تعلق ہے۔ تو یہ شہریوں کے درمیان صحیح جمہوری نظام کو عملی جامہ پہنانے کی بہترین کوشش ہے، اور ہمیں کہنے دیجئے کہ جمہوریت کا مظاہرہ زبانوں اور نعروں سے پہلے عمل اور تعاون میں ہوجاتا ہے۔

۷-وقف کی اسکیموں کے ذریعہ خصوصی صلاحیتوں، مادی اور انسانی وسائل کی تنظیم کے نتیجہ میں انفاق عام کو صحیح رخ ملتا ہے، حکومت کے عام بجٹ کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، نہ صرف رفاہی امور میں انفاق کو مناسب جہت ملتی ہے بلکہ معاشرتی امور کے انتظام میں بھی انفاق کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے... صرف حکومت ہی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ تمام شہریوں کی ضروریات کی تکمیل کرے اور ان کی ضروری سہولتوں کی فراہمی پر مکمل خرچ کرے۔

۸-وقف کے ترقیاتی تجربہ کے تسلسل اور اس سے متعلق صلاحیتوں کے ارتکاز سے

اوقافی اداروں کو تقویت حاصل ہوگی اور وہ بحران سے نمٹنے کا بہتر نظام بن جائیں گے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وقف کے انتظامات میں سرگرم سرکاری اور قومی صلاحیتوں سے مشکلات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان سے نمٹنے کے منصوبوں کے سلسلہ میں فائدہ اٹھایا جائے..اور قانونی پیچیدگیوں اور روٹینی طریقوں کو چھوڑ کر بحرانات سے مقابلہ کی ضروری تدابیر اختیار کی جائیں۔

۹-وقف اہم سماجی ترقیاتی شعبوں کے لئے مالی استحکام کی بہت معمولی رقم مختص کرتا ہے اور ان شعبوں کو حکومت کے مالیاتی نظام کے تغیرات سے محفوظ رکھتا ہے جو کبھی آمدنیوں کی قلت کی وجہ سے اور کبھی بحران اور ہنگامی صورتحال کے پیش آجانے کے نتیجہ میں زائد اخراجات کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوجاتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی خصوصی امداد بھی جو رضاکارانہ انفاق میں اضافہ کا ذریعہ ہوتے ہیں اقتصادی کساد بازاری اور بحران کے زمانے میں پیش آنے والے نامساعد حالات میں اپنا اہم رول ادا کرسکتی ہے۔ایسے مواقع پر وقف ہی دکھوں کا مداوا اور معاشی تغیرات وحوادث سے نجات کا ضامن بن کر سامنے آتا ہے۔

۱۰-وقف ان افراد کے لئے جو اپنی وفات کے بعد اپنی اولاد کے تحفظ کے خواہشمند ہوتے ہیں اوقافی ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ اجتماعی تحفظ کی مختلف صورتوں میں سے ایک مؤثر صورت ہے، اس اعتبار سے وقف اولاد کے حق میں زندگی کی ضمانت کی ایک بہترین دستاویز ہے، نہ صرف ایک نسل کے لئے بلکہ آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے لئے جب تک اس کی پیداوار کی مستحق اولاد دنیا میں موجود رہے گی اس وقت تک کوئی اس میں تصرف کرنے یا اسے اپنے لئے خاص کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔اس طرح اپنی اولاد و ذریت کیلئے وقف کی ذخیرہ اندوزی آمدنی کو اس مبارک مقصد کی طرف پھیر دیتی ہے..اور اس طرح مال کے مالک اسراف وتبذیر کے مختلف راستوں سے اپنے سرمایہ کو بچانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

۱۱-افراد اور معاشرہ کے وقفی سرمائے سے ترقیاتی اسکیموں میں کام لینے کی صورت

میں بڑھتی ہوئی جدید اور ترقی یافتہ مالی قوت حاصل ہوتی ہے جس سے ملکی اقتصادیات کو سپورٹ ملتا ہے۔

۱۲-ترقی کے لئے کوشاں مختلف ممالک میں آج عام ہورہا ہے "پراویٹائزیشن کے عمل" کے نتیجہ میں ضمناً مرتب ہونے والے سماجی اور اقتصادی اثرات ومشکلات کے حل کی تلاش وجستجو میں وقف پوری سرگرمی کا مظاہرہ کرتا ہے، ان مسائل میں سرفہرست ایک طرف بے روزگاری کی صورتحال ہے اور دوسری طرف نوجوان طبقہ میں کام کی بھرپور طاقت قوت ہے۔ظاہر ہے کہ بے روزگاری اور نوجوانوں کی بیکاری کے مسائل سرمایہ کاری کے پرکشش میدان نہیں ہیں۔

۱۳-"رضاکارانہ اور رفاہی شعبوں" کے ذریعہ معاشرتی اساس کی تکمیل میں وقف کا ایک بڑا رول ہے۔رضاکارانہ خدمت کا شعبہ دراصل سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شعبوں کی تکمیل کرتا ہے اور جو آج پوری دنیا میں معاشرتی ترقی کے کارواں کو آگے بڑھانے میں اساسی حیثیت کا حامل ہوگیا ہے اور ترقیاتی عمل میں توازن پیدا کرنے کا یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔وقف اس تیسرے شعبہ کا اساسی جز بن کر اور اس میں نمایاں کردار ادا کرکے ان مسائل ومشکلات کے حل کا ایک بنیادی اور اہم عنصر بن گیا ہے جو اس شعبہ کی کارکردگی کو متاثر کرتے ہیں۔

اس کے اولین نقاط یہ ہیں:

۱-رضاکارانہ اور رفاہی شعبہ کی تحریک کے لئے ایک تنظیمی چھتر سایہ کی فراہمی....باوجودیکہ بعض غیر سودی اداروں مثلاً کوآپریٹیو جمعیتوں کا اپنا وفاق ہے جو ان کی قوتوں کو یکجا رکھتا اور ان کے وسائل سے استفادہ کو وسیع کرتا ہے۔مگر مجموعی حیثیت سے ترقی پذیر ملکوں میں رضاکارانہ رفاہی شعبہ کے لئے تنظیمی وفاق مفقود ہے جو اس شعبہ کو زیادہ نمایاں کرتا اور سرکاری اور پرائیوٹ شعبوں کی تکمیل میں اس کے رول کو طاقتور بناتا۔

۲-ان رضاکارانہ اور رفاہی اداروں کے درمیان تعاون اور تال میل کے ذرائع پیدا کرنا کچھ لوگوں کے نزدیک اس وقت رفاہ عامہ کی تنظیموں اور اسلامی رفاہی اداروں کی تقسیم

علاحدہ کی جاتی ہے، جب کہ یہ تمام ہی ادارے مسلم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، اور اپنے پروگرام اور دائرہ کار کے اختلاف کے باوجود مسلم معاشرہ ہی کو اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔

۳-ہر ملک میں امور اوقاف کی نگرانی کرنے والے مرکزی ادارے سماجی مسائل اور ترقیاتی ورفاہی کاموں کے مختلف میدانوں سے متعلق معلومات کی کمی پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔اس دور میں ہر اسکیم اور منصوبہ کی افادیت کا دارو مدار علمی تحقیقات پر ہے، خواہ وہ سرکاری اسکیمیں ہوں یا غیر سرکاری یا رضا کارانہ اور رفاہی، یہ کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ رفاہی سرمائے کو (بشمول اوقاف کے سرمائے) غیر سوچے سمجھے پروجیکٹس پر ضائع کیا جائے۔۔یا ان کو ان مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے جو ترجیحات کی فہرست میں کسی نمایاں مقام کے حامل نہیں ہیں، اس سلسلہ میں بنیادی بات معلومات کی فراہمی ہے جن کے ذریعہ وقف کے نظام کو بہتر سے بہتر شکل دی جاسکتی ہے۔

۴-رضا کارانہ رفاہی ادارے کے لئے ایسے مناسب ماحول کی تشکیل جس سے مالیات کی فراہمی کے ذرائع اور نئے نئے رضا کار افراد کی تیاری میں مدد لی جا سکے۔تمام ہی رفاہی تنظیمیں اور رضا کار ادارے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے سلسلہ میں مدوجزر کے مختلف حالات سے گزرتے ہیں۔۔یا تو مخصوص قائدانہ شخصیات سے وابستہ رہنے کی وجہ سے، یا مخصوص تاریخی حالات کی وجہ سے، یا از کار رفتہ مقاصد کو اپنا مطمح نظر بنانے کی وجہ سے۔۔۔اس کے برعکس وقف ایک پائیدار، ہر زمانہ کا مطلوب اور اپنے متعلقہ اغراض کی تکمیل کے ذریعہ تنفیذی حرکیت کا ایک لچکدار نظام ہے، دوسرے الفاظ میں وقف ایک ایسا رفاہی اور رضا کارانہ عمل ہے جس کے اندر ہر زمانہ میں رضا کارانہ محنت کرنے والے اور مالی تعاون کرنے والے افراد پیدا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

۵-رضا کارانہ اور رفاہی خدمت کے اداروں میں قیادت کی صلاحیت رکھنے والے افراد کے تسلسل کو تقویت پہنچانے کی کوشش اور اس کے انتظامات کے طریقوں کی تجدید۔۔۔تسلسل

اور دوام کی صفات جن سے وقف کے ادارے متصف ہوتے ہیں، رضا کار افراد کو تسلسل کے ساتھ اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع دیتی ہیں۔۔اسی کے نتیجہ میں عملی قیادت کرنے والے افراد سامنے آتے ہیں۔۔یہ خصوصیت صرف وقف کے نظام کی ہے اور وقف کے سوا دوسرے نظاموں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے، دوسرے نظاموں کا حال یہ ہے کہ کبھی ان میں قیادت موجود ہوتی ہے اور کبھی خدمت کا جذبہ ہوتے ہوئے بھی ان ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی طرف آدمی کا رجحان نہیں جاتا۔

۶-وقف کا نظام رضا کار اور رفاہی اداروں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ حکومت کی ترقیاتی اسکیموں اور ان کے نفاذ کی پالیسیوں کی تشکیل میں شریک ہوں۔۔۔اور ایسا وقف کی متعدد امتیازی خصوصیات کے پیش نظر ہوتا ہے۔۔۔جن میں سے کچھ اہم خصوصیات یہ ہیں:

☆امور اوقاف کی تشکیل حکومت کی انتظامی اور قانونی تنظیم کے ماتحت ہوتی ہے، حکومت ان کی تشکیل اور ان کے نگراں اداروں کے لئے اپنے قوانین لاگو کرتی ہے۔

☆وقف کے اداروں کے اغراض ومقاصد ایک پائیدار حکمت عملی کے تابع ہوتے ہیں،وقف کی خصوصیت یہ ہے کہ اول روز ہی سے اس کے مقاصد متعین ہوجاتے ہیں۔۔اور واقف کی وفات کے بعد ان اغراض میں ترمیم نہیں کی جاسکتی۔

☆وقف کے اداروں کا مالی استحکام۔۔۔وقف کے سرمائے اپنے مقاصد پر وقف ہوتے ہیں،وقف کا یہ مالی استحکام وقف کے سرمائے کو ہمیشہ اچھے ثمرات عطا کرتا ہے۔۔۔مالی استحکام ہی کی وجہ سے وقف منصوبہ بندی کرنے والے افراد کی نظر میں خدماتی اور ترقیاتی پروگراموں کو تقویت پہنچانے کا ایک مضبوط سہارا ہے۔

☆وقفی سرمایوں کے ذرائع واضح ہوتے ہیں۔۔۔ان کے اغراض ومقاصد اور وسائل میں شکوک وشبہات کے امکانات نہیں ہوتے۔

☆عوامی توانائیوں کو ایک ایسے رخ پر منظم کیا جاتا ہے جو اغراض ومقاصد کے اعتبار

سے حکومت کے ترقیاتی منصوبوں اور پالیسیوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

خاتمہ:

ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا کی..اور ایسے طریقہ سے اسے سمجھنے کی توفیق بخشی جس سے ہمارا معاشرہ خیر سے مالا مال ہوجائے اور اس کے ذریعہ ہمیں ہر زمانہ کے حالات وظروف کے مناسب صورتحال کی تبدیلی کے لئے پر امن دائرہ کار اور ترقی کے وسائل فراہم ہوں...ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے ذریعہ ان ربانی تعلیمات کی تنفید کا مکلف بنایا ہے۔موجودہ تطبیقی تصورات اور عملی پروگراموں کے عام ضوابط میں ہم متحد ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی پوشیدہ ترقیاتی توانائیوں اور طاقتوں سے استفادہ کے طریقوں میں ہمارے درمیان اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف رائے ہوسکتا ہے، اسلام کی خوابیدہ ترقیاتی توانائیوں میں سب سے زیادہ مؤثر اور فعال توانائی وقف ہے۔

آخر میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری امت کی فلاح وبہبود کے لئے کی جانے والی کوششوں کو کامیاب فرمائے...اور مختلف اسلامی معاشروں کی تمام سرکاری اورعوامی طاقتوں اور حلقوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ حتی الوسع وقف کے ترقیاتی کارواں کوتقویت پہنچانے پر اپنے تمام تر مالی وسائل وذرائع کوصرف کریں۔اسی میں مسلم قوموں کا بہتر مستقبل مضمر ہے...اور موجودہ دنیا میں جہاں بے نظیر ''گلوبلائزیشن'' کی ہوائیں تیزی سے چل رہی ہیں، مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کی بقا وتحفظ کا واحد ذریعہ یہی وقف کا نظام ہے۔

☆☆☆

قدیم قبرستان میں مسجد کی تعمیر کا حکم

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولاً فقہاء کرام کی تصریحات اور فقہی روایات ہی نقل کردی جائیں تاکہ سوالوں کا باضابطہ جواب **مدلل** ہونے کے علاوہ مختصر انداز کا بھی کافی وشافی بن سکے:

''الرواية الأولى: قال محمد الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه و يشتري بثمنه غيره وليس ذلک إلا للقاضي'' (البحر الرائق ۵/۲۱۹)۔''والثانية: إن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح'' (شامی ۳/۴۰۹)۔ ''والثالثة: قال مولانا أشرف علی التهانوي: قلت: لما جاز نصب المسلمين متولياً مع وجود القاضي لبعض العوارض فكيف مع عدم القاضي'' (امدادالفتاوی ۲/ ۶۱۵)۔''والرابعة: والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حكم الوقف على الفقراء'' (شامی ۳/۳۸۲)۔''والخامسة: مراعاة غرض الواقفين واجبة'' (شامی ۳/ ۴۲۳)۔ ''والسادسة: حاصله أنه يعمل بقول أبي يوسف حيث أمكن وإلا فبقول محمد'' (ایضا/۵۱۹)، ''والسابعة: ولا يملک القاضي التصرف في الوقف مع وجود الناظر ولو من قبله'' (ایضا/۳۸۱)۔ ''والثامنة: ولو اشترى ببدل الوقف فإنه يصير وقفا كالأول على شروطه وإن لم يذكر شيئاً'' (ایضا/۴۰۶)۔

☆ ناظم جامعہ اشرف العلوم، سیتامڑھی بہار۔

''والتاسعة: قوله إلى أقرب مسجد أو رباط، لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه'' (ایضاً ۳۷۱)۔

مذکورۃ الصدر فقہی روایتوں کی روشنی میں سوال (۱) کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے جو اوقاف ویران ہوچکے ہیں اور اب بحالت موجودہ ان کی آبادی اور واقف کے مقصد کی تکمیل ناممکن بن چکی ہے، بلکہ ان اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کے قبضہ ودخل بڑھتے جانے کے سبب ان اوقاف کا وجود ہی خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

خواہ وہ اوقاف، مدارس اور مساکین فقراء پر ہوں، یا عین مدارس اور خانقاہ ومقابر ہی ہوں، تمام ہی قسم کے اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے منشاء ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر اسی نوع کا دوسرا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے فروخت کرنے کا حق ہر عام وخاص کو نہیں ہوگا، بلکہ اگر متولی قدیم دیندار وامین موجود ہے تو وہ فروخت کرے گا، ورنہ قاضی شریعت، یہ بھی نہ ہوں تو عامۃ المسلمین جسے نیا متولی بنا کر اختیار دیں گے وہ بھی فروخت کرکے دوسرا متبادل وقف قائم کرسکتا ہے۔

ب۔ بیع نام ہی ہے ایک چیز کے عوض دوسری چیز لینے کا، تو جب مذکورہ بالا مسطورہ جواب سے اوقاف کے ناقابل انتفاع ہوجانے کی صورت میں تبادلہ کا جواز معلوم ہوگیا تو اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ویران اوقاف کو حکومت یا کسی بھی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد اوقاف کی تکمیل کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

ویران ناقابل استعمال وانتفاع اوقاف کو فروخت کرکے اس کی آمدنی سے واقف کے منشاء ومقصد کی رعایت کئے بغیر مطلقاً تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

فقہاء کی صراحت کہ سابق ناقابل انتفاع اوقاف کو فروخت کرکے اس کا جو بدل حاصل ہوگا اس سے جو چیز خریدی جائے گی بعینہ وقف سابق کے حکم میں ہوگی۔

پھر واقفین کے اغراض ومقاصد کی رعایت بھی ضروری ہے، اس لئے اولاً تو کوشش یہی کی جائے گی کہ ویران اوقاف، مثلاً مساجد ومدارس، رباط، کنواں اور حوض وغیرہ کی قیمت سے مسجد ومدرسہ رباط وحوض وغیرہ ہی بنایا جائے، اور اگر حالات وموانعات کے سبب یہ ممکن نہ ہوتو اسی نوع کے دیگر قدیم محتاج اوقاف پر خرچ کیا جائے۔

الف۔مساجد پر وقف اراضی کا اصل مصرف تو یہی ہے کہ بوقت ضرورت اگر ممکن ہوتو نفس مسجد کی توسیع کی جائے یا اس کی آمدنی سے مساجد کی حقیقتاً تعمیر ومرمت ہو یا حکماً تعمیر وآبادی کی ضرورتیں پوری کی جائیں، مثلاً امام، مؤذن ودیگر خدام مسجد، فرش اور روشنی وغیرہ کا نظم کیا جائے، فقہاء لکھتے ہیں:

"فيقدم أولا العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر" (شامی ۳/۳۷۷)، قال أبو نصر للقيم أن يفعل ما فى تركه خراب المسجد كذا فى فتاوى قاضى خان" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۶۲)۔

بہرحال مصارف بالا تو فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو کیا اس زمین پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب متقدمین فقہاء اور ماضی قریب کے معروف اکابر مفتیان کرام کی تصریحات وفتاوی سے نفی ہی میں نکلتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارۃ مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں۔

"والأصح ما قال الامام ظهير الدين أن الوقف على عمارة المسجد ومصالح المسجد سواء" كذا فى فتح القدير" (أيضا)۔

اب اگر مصالح مسجد کے مصداق ومفہوم میں کچھ مزید عموم کردیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی

آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو، سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

کیونکہ دینی ادارے سے دینی تعلیم کے نتیجے میں بظن غالب عام طور پر مسجد کے محافظ مصلی، امام مؤذن اور دیگر صالح قسم کے خدام ہی پیدا ہوا کرتے ہیں جو یقیناً مسجد کی آبادی میں دخیل ومؤثر ہوتے ہیں اور انہیں لوگوں سے مساجد آباد رہا کرتی ہیں۔

لیکن عصری تعلیم کے ادارے سے مساجد کے آباد کرنے والے افراد شاذ ونادر ہی نکلا کرتے ہیں، اس لئے خواہ مسجد کی موقوفہ زمین زائد از ضرورت ہو یا اس کی آمدنیاں۔ کسی کو عصری تعلیم کے ادارے کے قیام میں صرف کرنا جائز نہیں کہا جاسکتا، یہ مصالح مسجد سے بھی خارج ہیں، چنانچہ حال وماضی قریب کے بعض اکابر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کچھ اسی طرح کے ملتے ہیں، ''ھذا ما عندی و العلم عند اللہ''۔

ب۔ جب واقف نے اراضی ومکانات مساجد کے لئے وقف کیا ہے تو اس کی آمدنی مسجد کی تعمیر ومرمت اور دیگر ضرورتوں مثلاً امام مؤذن اور دیگر خدام فرش وروشنی وغیرہ کی تکمیل میں خرچ ہونی چاہئے، اگر ان تمام ضروری اخراجات سے بھی زائد آمدنی ہو اور مستقبل قریب میں اس کے خرچ ہونے کی توقع نہ ہو، بلکہ ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اسے کیف ما اتفق کسی بھی دینی ادارے کے مدد وتعاون میں خرچ نہیں کرنا ہے بلکہ مصالح مسجد کے تحت اس مسجد کی کسی زائد از ضرورت زمین پر دینی مدرسہ قائم کردیا جائے اور پھر اس مدرسہ میں زائد آمدنیاں خرچ کی جائیں، لیکن دوسرے رفاہی ادارے کا قیام تو کسی تاویل کے تحت ہماری نظر میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

الف۔ جب اوقاف کی آمدنی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہوں، روز مرہ کی ضروریات میں اس کے خرچ کا امکان ہی نہیں اور آئندہ جمع ہوتے ہوتے ایک بڑا سرمایہ بنکر حکومت یا منتظمین کی دست درازی کا خطرہ پیدا کردے تو ایسے اوقاف کی زائد آمدنیاں اسی نوع کے دیگر قریب تر اوقاف کی ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہیں، یعنی کسی مسجد کی زائد آمدنی دوسری

قریب تر محتاج مسجد پر، اور مدرسہ ومقابر وخانقاہ کی زائد آمدنیاں قریب تر مدرسہ ومقبرہ وخانقاہ پر خرچ کی جاسکتی ہیں۔

"فليصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه" (شامی ۳؍۳۷۱)۔

ب۔ ایک نوع کے اوقاف کی زائد آمدنی دوسری نوع کے اوقاف کے ضروریات میں خرچ نہیں کی جاسکتی، اس لئے دیگر دینی، علمی اور ملی کاموں میں خرچ کی گنجائش نہیں۔

جو اوقاف اپنی موجودہ شکل وحالت میں قابل انتفاع ہیں، مگر ان کی منفعت کم درجہ کی ہے اور آمدنی اتنی قلیل ہوتی ہے کہ موقوف علیہم کی ضروریات کی تکمیل بھی نہیں ہو پاتی، اور اس کے متعلق یہ اندازہ وتوقع ہو کہ اگر اسے فروخت کرکے اس کا متبادل دوسرا وقف حاصل کیا جائے تو اس سے آمدنی بہت بڑھ جائے گی اور پھر موقوف علیہم کی ساری ضرورتیں فراغت وسہولت سے پوری ہوتی رہیں گی، تو ایسی صورت میں ان اوقاف کے تبادلہ وبیع کی اجازت ہوگی؟ تو اس کا جواب کتب فقہ میں اصح اور مختار قول کے مطابق نفی میں مذکور ہے:

"لكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعاً لا يجوز استبداله على الأصح" (شامی ۳؍۳۸۷)۔

لیکن صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ ایسے مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے، ان میں ایسے قول پر فتوی دیا جانا چاہئے جو وقف کے لئے مفیدتر ہو، **"يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه"** (درمختار علی ہامش رد المحتار ۳؍۴۰۱)۔

اور اس کی روشنی میں علامہ شامی نے ایک سے زائد مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے مرجوح قول پر فتوی دیا جانا نقل کیا ہے اور آخر میں اسی صورت مسئولہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب بھی جائز ہی لکھا ہے **"منها عدم استبدال ما قل ريعه"** (شامی ۳؍۴۰۱)۔

اس لئے اگر واقعتاً مکان موقوفہ کی آمدنی کم تر ہو اور ضروریات کے لئے ناکافی ہو تو

متولی یا قاضی اسے فروخت کر کے زائد آمدنی والا دوسرا مکان وغیرہ خرید کر متبادل وقف قائم کرسکتے ہیں۔

جن اوقاف قدیمہ کے متعینہ مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کسی خاص خاندان کے فقراء، کوئی خاص مسجد یا مدرسہ وغیرہ پر وقف شدہ املاک موجود ہیں، لیکن نہ اس خاندان کے فقراء کا وجود اور پتہ ہے نہ مسجد و مدرسہ ہی کا، تو اب ان اوقاف کی آمدنیاں اسی نوع کے مصارف قریبہ پر خرچ کی جائیں گی، فقراء کا حصہ فقراء پر اور مسجد و مدرسہ کا حصہ قریب تر مسجد و مدرسہ پر۔

کیونکہ اس طرح واقف کے اصل مقصد و منشاء کی تکمیل ہوجاتی ہے جو واجب الرعایت بھی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے ایک غیر آباد رباط کے اوپر اوقاف عامرہ کے متعلق حضرت امام اعظم کا ایک سوال وجواب بھی نقل کیا ہے: "هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم، لأن غرض الواقف انتفاع المارة ويحصل ذلک بالثاني" (شامی ۱/۳۷۱)۔

الف۔ اوقاف کی عمارتیں مخدوش ہوں یا محض کوئی خالی زمین ہو اس پر کسی قسم کی کوئی عمارت ہی نہ ہو، اب اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر یا خالی زمین پر چند منزلہ نئی عمارت کی تعمیر کی جائے تا کہ منفعت بڑھ جائے، یہ فی نفسہ جائز ہے، کمامرّ۔

لیکن سوال یہ ہے کہ متولی وقیم کے پاس خود وقف کا اتنا سرمایہ نہیں جس سے عمارت کی تعمیر کی جاسکے اس لئے وہ کسی بلڈر سے معاہدہ کرے جس میں یہ طے پائے کہ وہ بلڈر اپنے ذاتی سرمایہ سے چند منزلہ عمارت بنائے اور اس کے بدلے میں عمارت کی ایک یا دو منزل بلڈر کی ملکیت ہوگی اس میں اس کو ہر قسم کے تصرفات کا حق ہوگا اور بقیہ دیگر منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو کیا شرعاً ایسا معاملہ درست ہوگا؟

جہاں تک میں نے غور کیا ہم کو یہی سمجھ میں آیا کہ ہمیشہ کے لئے ایک دو منزل کی مالکانہ حیثیت بلڈر کو دے دینا کسی توجیہ سے درست نہیں ہے، ہاں اگر تحدید اور مدت کی تعیین کردی

جائے کہ اتنی مدت تک یہ ایک یا دو منزل تمہارے آزادانہ تصرف وقبضہ میں رہے گی تم اس سے ہر قسم کا نفع اٹھا سکتے ہو صرف فروخت نہیں کرسکتے ہو، اور اس مدت کے بعد تم کو دست بردار ہونا پڑے گا، تو ایک توجیہ کے تحت یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے۔

اور وہ توجیہ یہ ہوگی کہ متولی کی اجازت سے چونکہ بلڈر نے تعمیر عمارت کے مصارف اپنی ذاتی رقم سے پورے کئے ہیں، اس لئے شرعاً اپنے صرف کردہ رقم کے بقدر رجوع ومطالبہ کا حق اس کو ملے گا، اب چونکہ متولی کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ یکمشت ادا کردے اس لئے وہ یہ صورت اختیار کررہا ہے کہ جتنی مدت میں اس ایک یا دو منزل سے بشکل کرایہ وغیرہ بلڈر کی صرف رقم پوری ہوجائے گی اتنی مدت تک کے لئے اسے بلڈر کے تصرف وقبضہ میں چھوڑ دیا جائے اس دوران وہ اس سے جس طرح چاہے نفع حاصل کرے، لیکن مدت گذر جانے پر اس سے دست بردار ہونا ہوگا، یہ دراصل بلڈر کے حق یعنی تعمیر کے اخراجات کی ادائیگی کی ایک صورت ہوگی اور بس۔

یہاں یہ بات جو تقریباً مسلمہ ہے ضرور مستحضر رہے کہ زمین کے تابع ہوکر عمارات بھی وقف ہوا کرتے ہیں، اور فقہاء کی صراحت ہے:

"إن لم يكن متولياً فإن بنى بإذن المتولي ليرجع فهو وقف وإلا فإن بنى للوقف فوقف وإن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر" (شامی ۳/۴۲۹)، "وإن أضر فهو المضيع ماله فليتربص إلى خلاصه" (الاشباہ والنظائر/ ۱۹۳)۔

بہرحال جب اذن متولی سے وہ بلڈر زمین موقوفہ پر تعمیر عمارت کرے گا تو وہ عمارت وقف ہی ہوگی اس لئے "لا يباع ولا يوهب" کا حکم رہے گا، زیادہ سے زیادہ وہ اپنی رقم کے مطالبہ ورجوع کا حق رکھے گا، اور اگر بلا اذن متولی کے کوئی ارض موقوف پر تعمیر کرے گا تو وہ اس کی نیت کے مطابق وقف اور ذاتی بھی ہوسکتی ہے، مگر ذاتی ہونے کی صورت میں بلاضرر وقف تعمیر کا رفع ممکن ہو تو خیر، ورنہ وہ اپنے مال کا برباد کرنے والا بھی قرار دیا جاسکتا ہے، كما تدل عليه

الروایۃ السابقۃ"۔

ب۔ کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے، یا وقف شدہ خالی زمین پر عمارت بنانے کے لئے یا محتاج تعمیر کی جدید تعمیر کے لئے وقف زمین وجائداد کا کچھ حصہ فروخت کر کے تعمیری کام کیا جاسکتا ہے، شرعاً اس کی گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان تعمیرات کا اصل مقصد ومحرک محض ان اوقاف کی حفاظت ہو اور اس کی کوئی سبیل بجز فروختگی وتعمیر کے متصور نہ ہو۔

یہاں ایک خفیف سا شبہ مسجد کی تعمیر کے لئے اس پر وقف زمین کی فروختگی کے متعلق یہ ہوسکتا ہے کہ واقف کا مقصد مسجد پر زمین وقف کرنے سے عموماً یہی ہوتا ہے کہ اس زمین کو باقی رکھ کر اس کی آمدنی سے مسجد کی ضروریات پوری کی جاتی رہے اور فروختگی سے یہ مقصد بظاہر فوت ہوتا ہوا معلوم پڑتا ہے، مگر اس شبہ کا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف زمین کلایا جزءاً خود خطرہ میں ہو اور اس کی حفاظت اور اس سے انتفاع بجز فروختگی کے ممکن نہ ہو تب تو یہ جائز اس لئے کہا جائے گا کہ دوسرا متبادل وقف بشکل مسجد قائم کیا گیا، اور اگر خود یہ زمین خطرہ میں نہ ہو، مگر محتاج تعمیر مسجد کی حفاظت وبقاء بلا تعمیر جدید کے ممکن نہ ہو اور کوئی دوسرا راستہ تعمیر کا سامنے نہ ہو تو گرچہ یہ زمین بظاہر اس مسجد کے مصالح وضروریات کے لئے وقف ہے مگر چونکہ عمارت مسجد اور مصالح مسجد ایک ہی درجہ میں ہیں، کما قال الفقہاء: الوقف علی عمارۃ المسجد ومصالح المسجد سواء"۔ اس لئے اگر اس کی آمدنی سے تعمیر مسجد ممکن نہ ہو تو اس کی فروختگی بھی ان شاء اللہ واقف کے منشاء ومقصد اور غرض کے خلاف نہ ہوگی۔

فقہاء نے قدیم قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے: "لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت، فبنی قوم علیھا مسجداً لم أر بذلک بأساً؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاھم لایجوز لأحد أن یملکھا، فإذا درست واستغنی عن الدفن فیھا جاز صرفھا إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکہ لأحد فمعناھما علی ھذا

واحد'' (عمدۃ القاری ۶/ ۲۰۹)۔

مذکورہ بالا روایت میں قبرستان قدیم میں بناء مسجد کے جواز کی جو دلیل بیان کی گئی ہے وہ دونوں کا وقف من اوقاف المسلمین ہونا ہی ہے اور مدارس اسلامیہ بھی وقف من اوقاف المسلمین ہوا کرتے ہیں، اس لئے اشتراک علت کی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ مسجد ومقبرہ کی زائد از ضرورت زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

تعمیر مدرسہ سے آج کے دور میں ان اوقاف علی المساجد والمقابر کی حفاظت کا ایک یقینی سامان بھی ہوجاتا ہے، اور مساجد کے اعتبار سے تو اسے عین مصالح مسجد میں داخل سمجھا جاسکتا ہے جیسا کہ دوسرے سوال کے جواب میں نسبتاً تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوچکی ہیں یا آبادیوں کے اندر وہ قبرستان کویا مکانوں سے گھر گیا ہے یا کسی دوسرے اسباب وموانع کے سبب اب اس میں میت کی تدفین نہیں ہورہی ہے اور بہ شکل قبرستان اس کا استعمال ہی بند اور حکومت کی طرف سے ممنوع ہے، اس لئے اس پر غلط عناصر کے قبضہ ودخل کا خطرہ پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں مدرسہ یا کوئی بھی رفاہی ادارہ قائم کرکے اس قبرستان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور غیر لوگوں کے دست برد سے بچایا جاسکتا ہے، وہ مدرسہ اور رفاہی ادارہ بھی وقف ہی رہیں گے اور اس کا فائدہ عام مسلمانوں کو ہوگا۔

چنانچہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسی قسم کے ایک قبرستان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا ہے کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس جگہ بنایا جاسکتا ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹)۔

''أن المساجد لله'' (سورہ جن: ۱۸)، ''في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه'' (سورہ نور: ۳۶)، ''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه'' (سورہ بقرہ: ۱۱۴)، جیسی آیات قرآنی سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مسجدیں اللہ کو یاد

کرنے اور اس کی عبادت ہی کے لئے موضوع ہیں، ان میں عبادت سے روکنا سراسر ظلم ہے بلکہ تمام دیگر ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہیں وہ لوگ جو مسجدوں میں نماز وعبادت سے لوگوں کو روکیں۔

اس لئے وہ قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں اور ان میں سے بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو ممنوع کردیا ہے یہ حکومت کا صریح ظلم ہے، حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں، مگر یہ حکومت ہی نرالی ہے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جگہ سارے ہی حقوق کی پامالی کو اپنا حق سمجھتی ہے۔''**اللهم خذها أخذ عزيز مقتدر**''۔

اگر بعض بڑے شہروں میں کسی آباد قبرستان کے اندر جہاں آج تک تدفین کا سلسلہ جاری ہے کوئی چھوٹی سی مسجد زمانہ قدیم سے بنی ہوئی موجود ہے، مگر آج کثرت آبادی کے سبب اس مسجد کی توسیع ضروری بن چکی ہے، تو دوشرطوں کے ساتھ اس مسجد کی توسیع کے لئے قبرستان کی زمین کا کچھ حصہ لیا جاسکتا ہے، پہلی شرط تو یہ کہ قبرستان کا حلقہ اتنا وسیع وعریض ہو کہ زمین کے اس حصہ کو گویا تدفین میت کی ضرورت سے زائد کہا جاسکتا ہو۔ دوسری شرط یہ کہ اس حصہ زمین پر کوئی تازہ قبر نہ ہو بلکہ اتنی پرانی قبریں ہوں کہ میت کا مٹی میں رل مل جانا یقینی ہو۔

اگر کوئی قبرستان ویران ہو، تدفین کا سلسلہ بند ہو، ایسے قبرستان میں بنی مسجد کی توسیع بلکہ بوقت ضرورت جدید مسجد کی تعمیر بھی جائز ہے، شرط صرف ایک یہ رہے گی کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں اور مدفون مردے مٹی بن چکے ہوں، تازہ قبروں پر توسیع یا جدید تعمیر مسجد درست نہیں۔

لیکن اگر آباد قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ قائم ہے اس میں وسعت کم ہے، تدفین کی ضرورت سے زائد نہیں تو پھر اس میں سابقہ مسجد کی توسیع کے لئے بھی قبرستان کی زمین کو لینا صحیح نہیں رہے گا، کیونکہ قبرستان کے وقف سے واقف کی اصلی غرض تدفین میت کی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے جس کی رعایت "**مراعاة غرض الواقفين واجبة**" کے تحت لازم ہے۔

چونکہ صحت وقف کے لئے واقف کا اور تولیت وقف کے لئے متولی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے:

"أما الإسلام فليس بشرط" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲)۔

"ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه" (شامی ۳/ ۳۸۵)۔

اس لئے ہندو راجاؤں نے مساجد پر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اراضی وقف کئے اور اس کی تولیت اپنے ہی کسی ہم مذہب کے سپرد کیا، سب عمل درست رہا، اور پھر نسلاً بعد نسلٍ یہ تولیت مختلف متولیوں کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آج کسی ہندو بورڈ کو حاصل ہے، تو اسے علی حالہ ہندو وقف بورڈ کی تولیت ونگرانی میں بھی چھوڑا جاسکتا ہے، وقف کا کوئی بھی متولی خواہ واقف کا متعین کردہ ہو یا کسی قاضی شریعت وغیرہ ہی کا، جب تک اس میں امانت داری رہے گی معزول نہیں کیا جاسکتا۔

آج مساجد ومقابر یا دیگر اسلامی مقاصد کے تحت جو اوقاف ہندو راجاؤں کی طرف سے قائم وموجود ہیں اور ہندو وقف بورڈ کے تحت اس کا انتظام چل رہا ہے، اگر تحقیقات سے ثابت ہو کہ بورڈ واقف کے شرائط ومنشاء کی رعایت وپابندی کرتے ہوئے سارا نظم ونسق انجام دے رہا ہے تو اس بورڈ یعنی غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں چھوڑ دینا درست ہے، لیکن تحقیقات سے اس ادارہ کی خیانت معلوم ہوجائے، یا پھر عین مساجد ومقابر ہی پر کسی بیجا تصرف کا خطرہ محسوس ہو تو اس کی تولیت سے اوقاف کو نکالنا ضروری ہوگا، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس وقف ہی سے مسجد ومقبرہ کا رشتہ منقطع کردینا لازم ہوگا۔

نا قابل استعمال اوقافی جائداد فروخت کر کے نئے اوقاف قائم کرنا

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

الف۔ وہ اوقاف جہاں کے مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہوں اور دور دور تک مسلم آبادی نہ ہونے کی وجہ اس اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہو، اس میں مساجد، قبرستان، مدارس، اور خانقاہیں، ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلم آبادی ہو متبادل اوقاف قائم کئے جا سکنے میں قدرے تفصیل ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

مساجد: جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کا رقبہ کہ مسجد کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے اور اس میں نماز ادا ہونے لگی ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہوجائے، اس وقت اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی مسلم آبادی رہے یا ویران ہوجائے اور مسلم آبادی کہیں اور منتقل ہوجائے، بہر حال وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، تو اس مسجد کو فروخت کرنا اور فروخت کر کے کسی دوسرے مقام پر جہاں کہ مسلم آبادی ہو، متبادل وقف قائم کرنا، یعنی مسجد منتقل کرنا جائز نہیں ہے، یہی ہمارے شیخین امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ وہ جگہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، نہ اسکو منتقل کرنا جائز ہے اور نہ وہ واقف کے ورثہ کے درمیان میراث بن سکتی ہے، چاہے اس میں لوگ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، لہذا صورت مسئولہ میں مسجد کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لئے پوری کوشش کیجائے اور محفوظ کردیا جائے، تا کہ بے ادبی سے محفوظ رہے،

☆ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

اس باب میں فقہائے کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً الى قيام الساعة وبه يفتي، حاوي القدسي (وقال الشامي)، ''فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى، حاوي القدسي، وأكثر المشائخ مجتبى وهو الأوجه (فتح) وكذا في البحر'' (۲۵۱/۵، ۲۵۲) ''وبه علم أن الفتوى على قول محمدؒ في آلات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تابيد المسجد'' (درمختار ۴۰۶/۳)۔

یعنی مسجد ویران ہو جائے اور وہاں کے باشندے اس سے بے نیاز ہو جائیں، اور صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے یا یہ کہ مسلم آبادی کہیں اور منتقل ہو گئی ہے پھر بھی وہ مسجد ہی رہے گی ہمیشہ کے لئے، اس کا متبادل جائز نہیں ہے۔

''والفتوى على قول أبي يوسفؒ أنه لا يعود إلى ملك مالك أبداً، لأن المسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لا يعود إلى ملك الباني كذا في المضمرات''، اور نیز (فتاوی ہندیہ ۴۷۰/۲) پر ہے: ''سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الاوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة، قال لا''۔

یعنی مسجد کی ویرانی اور لوگوں کی بے نیازی کی صورت میں مسجد کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسجد ہی تا قیامت رہے گی۔ کذا فی الحاشیۃ علی حامش الہندیہ (۲۸۸/۳) وفی البدائع (۲۲۱/۶)۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صورت مسئولہ میں مسجد کو فروخت کر کے اس کی متبادل مسجد بنانا جائز نہیں ہے، جو جگہ مسجد ہو چکی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، چاہے مسلمانوں کی

آبادی رہے یا منتقل ہوجائے، اس میں لوگ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں،

قبرستان:

صورت مسئولہ میں اس طرح کے قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال کر کے کسی دوسری جگہ جہاں مسلم آبادی ہے اس کا متبادل وقف بشکل قبرستان وغیرہ قائم کیا جانا جائز ہے، کیونکہ پہلی قبرستان سے انتفاع کی کوئی بھی شکل نہیں ہے، بلکہ اہانت کی شکلیں موجود ہیں، لہذا اسے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں متبادل وقف قائم کرنے میں خیر محض اور نفع خالص ہے، اس سلسلے میں فقہاء رحمہم اللہ کی عبارتوں سے استدلال کیا جاسکتا ہے، چنانچہ در مختار مع شامی (۱؍ ۶۶۲) میں ہے:

"ویخیر المالک بین إخراجه و مساواته بالأرض و البناء علیه إذا بلی وصار ترابا"۔

اور (۱؍ ۶۶۷) پر علامہ شامیؒ یہی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ومقتضاه جواز المشی فوقه، وکذا فی البحر" (۱؍ ۱۹۵)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قبرستان بوسیدہ ہوجائے اور برابر ہوکر مٹی ہوجائے تو اس پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور اس پر چلنا جائز ہے، جبکہ یہاں انتفاع کی شکل موجود تھی کہ مردے دفن کئے جائیں، اور جہاں پر قبرستان سے مسلمانوں کو کسی طرح کے انتفاع کی کوئی شکل نہ ہو، بلکہ اس کو قبرستان باقی رکھنے میں اہانت کا یقین ہو تو ایسی صورت میں اسے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں متبادل وقف قائم کرنا کیونکر نا جائز ہوگا، علامہ عینیؒ "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" (۴؍ ۱۷۹) میں تعمیر مسجد نبوی سے متعلق ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وفیه جواز التصرف فی المقبرة المملوکة بالهبة والبیع، فإن قلت: هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین! قلت، قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم أر بذلک بأساً،

وذلک لأن مقابر المسلمين وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز أحد؛ لأن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكها لأحد فمعناهما على هذا واحد، وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلک، فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو قبرستان لوگوں کی ملکیت ہے اس سے انتفاع کی شکل نہ رہنے کی صورت میں اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اور مسجد جب ویران ہوجائے اور اس کے آس پاس مسلم آبادی باقی نہ بچے اور قبرستان کے نشانات جب مٹ جائیں تو اگر وہ مملوک ہے تو مالکین کی ملکیت میں لوٹ آئے گی پھر مسجد کی جگہ گھر بنانا اور قبرستان کی جگہ مسجد وغیرہ بنانا جائز ہے، اور جب مالکین نہ ہوں تو بیت المال کے حوالے ہوجائے گی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جب قبرستان کے آس پاس کی مسلم آبادی کہیں دوسری جگہ منتقل ہوگئی ہو اور اس کے سبب قبرستان سے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہ رہے، بلکہ غیروں کے تسلط کے سبب اہانت کا یقین ہو تو ایسے قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے کہ اسی میں خیر محض اور نفع خالص ہے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ بصورت مسئولہ میں قبرستان کو فروخت کر کے مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے۔

مدارس وخانقاہیں:

صورت مسئولہ میں مدارس وخانقاہیں جہاں واقع ہیں وہاں کی مسلم آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے دور دور تک مسلم آبادی نہ ہونے کے سبب ویران ہو چکے ہیں جس کے سبب

ان پر غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے، بلکہ بڑھ کر ان کو اپنے تصرف میں لا چکے ہیں اور بے حرمتی کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کے لئے ان سے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہیں ہے تو ایسی صورت میں ان مدارس وخانقاہوں کو مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں ان کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے، کہ اسی میں خیر محض اور نفع خالص ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ایسی جگہوں کے مدارس وخانقاہیں فروخت کر کے دوسری جگہ مسلم آبادی میں اس کا متبادل وقف قائم کرنا جائز ہے۔

ب۔ صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف جن سے مسلمانوں کے انتفاع کی کوئی شکل باقی نہ رہے اسے حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

خلاصہ کلام: ایسے اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کرنا درست ہے۔ واللہ اعلم۔

صورت مسئولہ میں تمام ایسے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جانے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عینیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"وذكر أصحابنا إذا خرب ودثر لم يبق حوله جماعة والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا وموضع المقبرة مسجداً وغير ذلک فإذا لم يكن لها أرباب تكون لبيت المال" (عمدۃ القاری ۴؍۱۷۹)۔

یعنی مسجد اور قبرستان کے ویران ہونے کی صورت میں اور واقف کی ملک میں آجانے کے بعد خود واقف کے لئے اپنی شئ مملوک میں مسجد کو گھر بنانے اور قبرستان کو مسجد بنانے کی

اجازت ہے، اور غیر واقف کے لئے واقف کے مقاصد کی پابندی واجب ہے، اگر واقف کے مقاصد میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کیا جانا شامل ہے تو بنا سکتے ہیں، ورنہ نہیں، کیونکہ واقف کے مقاصد کی رعایت واجب ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ (۴/ ۴۶۴) میں لکھتے ہیں:

''مراعاة غرض الواقفين واجبة اور (۳/ ۴۰۵) پر لکھتے ہیں: ''فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله أن يجعله ماله حيث شاء مالم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء''۔

اور قواعد الفقہ کے (صفحہ ۸۵) پر ہے: ''شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة''، اور الاشباہ والنظائر کے (صفحہ ۲۷۵) پر ہے: ''فيجب اتباع شرط الواقفين في أوقافهم''، یعنی واقف کی شرط کی اتباع واجب ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں ایسے ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی ورعایت کے بغیر مسلمانوں کے تعلیمی ادارے یا رفاہی ادارے قائم کرنیکی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے فاضل ہیں، پھر بھی اسمیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کے لئے ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے چند وجوہ سے واقف نے مسجد کے لئے وقف کیا ہے، فی الحال اگر چہ فاضل ہے، لیکن آئندہ اس سے مسجد کی ضرورت متعلق ہوسکتی ہے، تو وقف میں تبدیلی لازم آئیگی، جو ناجائز ہے، اور واقف کا مقصود فوت ہوجائے گا، حالانکہ غرض واقف کی رعایت رکھنا واجب ہے چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

''مراعاة غرض الواقفين واجبة'' (۳/ ۴۶۴)۔ نیز فرماتے ہیں: ''فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع'' (۳/ ۳۹۵)۔ اور ''قواعد الفقہ'' میں ہے: ''شرط

الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به'' (صفحہ ۸۵)۔ اور ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے: ''فیجب اتباع شرط الواقفین فی أوقافھم'' (صفحہ ۲۷۵)۔

واقف نے مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے، لہذا اگر فی الحال ضرورت مسجد سے فاضل ہے پھر بھی واقف کے مقصد کے خلاف دوسرا کام لینا جائز نہیں ہے، اور ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: وقف مسجد سے فاضل کو فقراء کو دینا درست نہیں ہے، لیکن اس فاضل شی سے مسجد کی ضروریات کی چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، عبارت یوں ہے:

''الفاضل من وقف المسجد قیل یصرف وانه صحیح ولکن تشتری به مشتغلات للمسجد کذافی المحیط، سئل القاضی الإمام شمس الإسلام الأوزجندیؒ عن أهل المسجد تصرفوا فی أوقاف المسجد، یعنی آجر والمشتغل وله متول، قال: لا یصح تصرفھم ولکن الحاکم یمضی فیه ما فیه مصلحة المسجد أوفی وقف علی مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا یجوز للمسلمین انتفاع ماء بذلک الحوض کذا فی القنیة'' (۲/۴۶۳-۴۶۴)۔

مسجد پر موقوف زمین قابل کاشت نہ رہنے کی وجہ سے اگر کسی نے عوام کے لئے حوض بنادیا تو مسلمانوں کے لئے اس حوض کے پانی سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، تو اسی طرح صورت مسئولہ میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں مسجد کی فاضل زمین پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو ضروریات مسجد ہی کے لئے استعمال کیا جانا ضروری ہے۔

ب۔ جب کہ واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے تو مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جاسکتی، نیز شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے،

کیونکہ ایک وقف کی رقم وآمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے:

"وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدين أو رجل مسجدا أو مدرسة ووقف عليهما أوقافا لايجوزله ذلک أی الصرف المذکور" (درمختار ۳/۴۰۸)۔

یعنی دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنوایا، یا ایک ہی آدمی نے مسجد اور مدرسہ بنایا، اور دونوں پر کچھ اوقاف وقف کیا ہے، تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرے، لیکن اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجتمندوں کی امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے موافق، یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اس کے موافق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو تو وقف کو اچھی طرح جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر رہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے فی الحال، اور دوسرا وقف ضرورتمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔

چنانچہ "فتاوی ہندیہ" میں ہے: "أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة فللقاضي أن يصرف في ذلک لكن على وجه القرض، فيكون ديناً في مال الفئ" (۴۶۲/۲)۔

اگر کسی وقف کے خزانے میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور یہ روپے یوں ہی جمع رہے تو ضائع ہوجائیں گے، یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہوجائے گا، تو ایسی حالت میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر بلاقرض دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم وآمدنی قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم وآمدنی قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس

مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس سے زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۵)۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں چونکہ یہاں واقف نے زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا ایسا ہی واجب ہے، جیسے نص شارع پر، لہذا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت بھی تحریر کردی ہو کہ مسجد کی فاضل آمدنی سے دینی مدرسہ یا کوئی اور رفاہی کام کیا جاسکتا ہے تب درست ہے۔

الف۔ صورت مسئولہ میں جب بہت سے اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے تو اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہ جائیں گے تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے حاجتمند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دیا جائے، یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے، اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو، اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ''درمختار'' میں ہے:

''وعن الثاني ينتقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي. ومثله حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه''۔

اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"جزم به في الإسعاف حيث قال: ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد. قوله ومثله حشيش المسجد الخ أي الحشيش الذي يفرش بدل الحصير كما يفعل في بعض البلاد كبلاد الصعيد كما أخبرني به بعضهم، قال الزيلعي وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما يرجع إلى مالكه عند محمد و عند أبي يوسفؒ ينتقل إلى مسجد آخر وعلى هذا الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما وصرح في الخانية بأن الفتوى على قول محمد، وقال في البحر: وبه علم أن الفتوى على قول محمدؒ في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تابيد المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير"۔

علامہ شامیؒ کی اس تحریر سے واضح ہوگیا کہ صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں فاضل آمدنی کو صرف کرنا جائز ہے، یہی فتوی دیا ہے امام ابوشجاع اور امام حلوانیؒ نے۔اور علامہ شامیؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کی صورت میں عدم جواز کا فتوی دیا تھا، لیکن پھر جب مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ بعض ظالموں نے ان پتھروں کو اپنے لئے لے لیا تو میں اپنے فتوی پر شرمندہ ہوا، پھر ذخیرہ میں دیکھا کہ فتاوی نسفی میں مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف میں صرف کر سکتے ہیں، واللہ اعلم۔۔اور آلات مسجد اور آمدنی کے باب میں امام محمدؒ کے قول پر فتوی ہے کہ استغناء کی صورت میں اس کو بیچنا جائز ہے اور بیچ کر قریبی ضرورتمند وقف میں لگانا جائز ہے۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے، یہی مفتی بہ ہے۔

ب۔ صورت مسئولہ میں دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں فاضل آمدنی

کوصرف کرنا جائز ہوگا، اس تفصیل کے ساتھ کہ مساجد کے اوقاف قریبی ضرورتمند مساجد میں صرف کریں، اور دینی وعلمی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرورتمند علمی کاموں میں صرف کریں اور ملی کاموں کے اوقاف کو قریبی ضرورتمند ملی کاموں میں ہی خرچ کریں۔ لیکن علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے ضرورتمند اوقاف میں بغیر تفصیل کے صرف کرنا جائز ہے، اور اسی کو راجح کرنا چاہئے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد أو حوض کما أفتی به الإمام أبو شجاع والإمام الحلوانی، وکفی بهما قدوة، وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (۴۰۷/۳)۔

خلاصہ کلام: صورت مسئولہ میں ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کو دیگر دینی، ملی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے۔

صورت مسئولہ میں جو اوقاف دینی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے الخ، یہ مکان جو مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے وہ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے، اور اس وقف کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں، اور واقف نے وقف نامہ میں یہ اجازت دے رکھی ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لئے جو چاہیں کرلیں، اور واقف کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس کے مقصد کی رعایت کرنا بھی لازم ہے، لہذا ایسے وقف کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لی جائے کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوف کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی تو اسکو فروخت کرکے اس کے تبادلہ میں کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جس میں وقف کی زیادہ آمدنی ہوجائے اور ضرورتیں پوری ہوجائیں، جائز ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه، الأول أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل: اتفاقا، والثانی أن لا یشرطه

الواقف سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار حيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شئ أصلاً أو لا يفي بمؤنته، فهو أيضا جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي و رأيه المصلحة فيه، والثالث: أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح"۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ تبادلہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) واقف نے تبادلہ کی شرط اپنے لئے یا اپنے غیر کے لئے لگائی ہے تو یہ جائز ہے، (۲) واقف نے عدم کی شرط لگائی ہے یا سکوت اختیار کیا، لیکن وہ وقف بالکل قابل انتفاع نہیں ہے، اس طرح کہ اس وقف سے کچھ حاصل نہیں ہورہا ہے، یا اس کی ضرورت بھر حاصل ہورہا ہے، تو قاضی کی اجازت سے یا بر بناء مصلحت اس کا تبادلہ جائز ہے، تو ہمارا مسئلہ مبحوث عنہا اسی دوسری صورت کی قبیل سے ہے، لہذا اس کو قاضی کی اجازت سے یا مصلحت کی بنا پر فروخت کر کے اس کے تبادلہ میں تجارتی مقام پر دکان خریدی جاسکتی ہے۔

شامی (۴۲۴/۳) میں ہے:

وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة الأخرى خيرا"۔

یعنی ایک مکان موقوف کا تبادلہ دوسرے مکان سے، جبکہ اس میں خیر وبھلائی ہوتو جائز ہے، چاہے دونوں ایک ہی محلّہ میں ہوں یا دوسرا دوسرے محلّہ میں ہو، اور ظاہر ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں اس کو فروخت کر کے تبادلہ میں دکان لینے میں خیر ہی مقصد ہے، لہذا جائز ہے۔

"فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن؛ لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير"۔

وقف دکان کے بدلہ میں زمین خرید لینا بہتر ہے، لیکن ہمارے عہد میں زمین سے زیادہ

مفید دکان ہے، لہذا دکان خرید لینا جائز ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں واقف کی اجازت کے ساتھ مکان موقوف کو فروخت کر کے تبادلہ میں کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لینا جائز ہے، تا کہ تمام ضرورتیں با آسانی پوری ہو جائیں۔

صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف ختم ہو جانے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کے لئے فقراء ومساکین مصرف ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب کسی معین آدمی پر وقف ہوتو یہ وقف جائز ہے، اور جب وہ موقوف علیہ مرجائے اور مصرف ختم ہو جائے تو اس صورت میں یہ وقف واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا اور یہی مفتی بہ قول ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ شرح کنز میں لکھتے ہیں:

''عن أبي يوسف إذا كان على رجل بعينه جاز، وإذا مات الموقوف عليه رجع الوقف إلى ورثة الواقف وعليه الفتوى،وقال في البرامكة :قال أبو يوسف: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف إلى المساكين فحصل عنه روايتان'' (عینی علی الکنز ۱/۲۷۶)۔

امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہو جاتی ہیں، ایک مصرف ختم ہونے کی صورت میں واقف کے ورثہ کی طرف لوٹا دیا جانا، دوسرے مساکین کو مصرف قرار دیا جانا۔ ان دونوں روایتوں میں سے دوسری روایت پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کیونکہ وقف سے واقف کا مقصد قربت کا ارادہ ہوتا ہے، تو اس ارادہ کے لئے مناسب فقراء ومساکین ہو سکتے ہیں، کذا فی البحر (۵/ ۱۹۸)

اور ''شرح وقایہ'' میں ہے: ''قال أبويوسف يصح بدونه أي يصح الوقف بدون ذكر التأبيد، وإذا انقطع صرف إلى الفقراء''۔

یعنی وقف کی وہ جہت جس پر وقف کیا گیا تھا وہ ختم ہوگئی تو اس وقف کے مصارف فقراء ہوں گے گرچہ واقف نے ان فقراء کا نام نہیں لیا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہوا کہ اگر معین موقوف علیہم فقراء ہیں تو ان کے نہ ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد ہے یا مدرسہ، تو مسجد و مدرسہ کے نہ ہونے کی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کے لئے مصارف دوسری ضرورتمند مسجد یا مدرسہ ہوگا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اوقاف کے مصارف کے ختم ہو جانے کی صورت میں یہ تفصیل ملحوظ رہے گی کہ اگر موقوف علیہم فقراء تھے تو ان کے معدوم ہونے کی صورت میں دوسرے فقراء مصرف ہوں گے، اور اگر موقوف علیہ مسجد یا مدرسہ ہے تو ان کے نہ رہنے کی صورت میں دوسری ضرورتمند مسجد یا ضرورتمند مدرسہ مصرف ہوگا۔

الف۔ صورت مسئولہ میں جب کہ اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ بھی نہیں ہے کہ تعمیر کرائی جا سکے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہو اکہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے تو شرعاً ایسا معاملہ درست نہیں ہے، کیونکہ وقف پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی شرعاً۔

''فإذا صح الوقف لايملّک ولا يملک'' (۳۵۴/۴)، یعنی وقف واقف کا مملوک نہیں ہوتا، اور وقف کا بیع وغیرہ کے ذریعے کسی کو مالک نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وہ قابل تملیک نہیں ہوتا، لہذا اس کی خرید فروخت اور ھبہ کرنا جائز نہیں ہوگا، اور کسی کو وارث بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر لکھتے ہیں:

''اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز البيع، فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملک كالحر لا يقبل الرقية وقد شاهدنا فيه مثل ما شاهدنا في الاستبدال'' (۳۵۴/۴)

یعنی وقف کی بیع جائز نہیں، نہ بعض کی نہ کل کی، کیونکہ وقف صحت کے بعد ملکیت کو قبول نہیں کرتا۔

اور ''عمدۃ الرعایہ'' میں ہے:

''**فلا يجوز بيعه ولا تمليكه بوجه من الوجوه وإن تشتمل على منافع**''۔ یعنی وقف کی بیع وتملیک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اگر چہ وہ فوائد ومنافع پر مشتمل ہو، لہذا بلڈر کی یہ شرط لگانا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، جائز نہیں ہے، بلکہ باطل ہے، اور اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں ثواب کے لئے تبرع کردے تو قابل مبارکباد ہوگا، اسی طرح اس وقف کی زمین کا بھی حکم ہوگا جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کیا جانا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں وہ بنیت ثواب بنوادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا اور ملکیت کی نیت سے بنوانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف میں تملیک جائز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں بلڈر سے ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، نہ مخدوش عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے نہ زمین سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے، ہاں بنیت ثواب بنوادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا۔

الف۔ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ اس فروختگی کا مقصد محض وقف کی حفاظت ہی ہے اور فروختگی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے (۴/ ۳۵۴) ''**اعلم أن بعض المتاخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي**''۔ یعنی متاخرین رحمہم اللہ نے وقف شدہ زمین وجائداد کے کسی حصہ کو فروخت کر کے باقی کی تعمیر کے لئے جائز رکھا ہے۔ گوکہ صاحب شرح وقایہؒ نے اس بیع کے ناجائز ہونے کو اصح کہا

ہے لیکن صورت مسئولہ میں متاخرینؒ کا قول انفع للوقف ہے، اور اوقاف میں انفع ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، لہذا زیر بحث مسئلہ میں متاخرینؒ کا قول ہی راجح ہونا چاہئے، چنانچہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ نمبر (۱) پر ہے:

''إذا خرب الموقوف ولم يكن في غلة ما يعمر به جاز أن يبيع بعضا منه فيعمر الباقي بثمنه؛ لأن في بيع البعض إبقاء البعض، وفي تركه ذهاب كله وإعدام انتفاع به ومن ابتلي ببليتين يختار أهونهما''، یعنی وقف کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے ذریعہ باقی کی تعمیر کرنے میں بعض وقف کو باقی رکھنا ہے اور بیع کو ترک کرنے اور نا جائز کرنے میں کل وقف کو ضائع کرنا اور اس کے ذریعہ انتفاع کو بالکلیہ ختم کرنا ہے، لہذا اس مقصد کے تحت وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس کے ذریعہ نئی تعمیر کیا جانا جائز رہے گا، اور ضابطہ ہے کہ جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ اہون اور ہلکی مصیبت کو اختیار کرے گا۔ اور صورت مسئولہ میں اہون ہے کہ اس بعض حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے باقی کی نئی تعمیر کی اجازت دیدی جائے اور اس میں واقف کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، اور واقف کے مقصد کی رعایت رکھنا واجب ہے، چنانچہ علامہ شامی (۴۶۴/۳) نے لکھا ہے:

''مراعاة غرض الواقفين واجبة''۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین یا جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے اسی میں واقف کے مقصد کی رعایت ہے جس کا لحاظ رکھنا واجب ہے اور وقف کو ضیاع سے بچانا بھی ہے۔

صورت مسئولہ میں کہ مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کے کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری کے (۱۷۹/۴) پر لکھتے ہیں:

"قال ابن القاسم،لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أربذلك باساً وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد"۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان قومی نفع عام کے لئے ہے، اس مقبرہ کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹)۔

توجب اس قبرستان کی جگہ جس کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اس طرح کہ اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس علت سے معلوم ہوا کہ جب قبرستان کی زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مسجد بھی بنانا جائز ہے اور مدرسہ بھی، اور اسی طرح مسجد کی وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اس پر مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہوگا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے تو اس زمین کو کار خیر میں استعمال ہونے کی نیت سے اس زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

صورت مسئولہ میں کہ جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہوچکی ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے جس کے سبب اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور اس کی وجہ سے پھر ان پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہورہا ہے تو وہ قبرستان ہی کے حکم میں ہوگا اور ان سے انتفاع کو باقی رکھنے کی صورت یہ اختیار کی جاسکتی ہے اس کی چہاردیواری کردی جائے، کیونکہ ہمارے ملک میں بہت سے قبرستان ایسے ملیں گے جو آبادی میں آ چکے ہیں تو لوگوں نے اس کی چہاردیواری کرالی ہے جس کے سبب وہ غیروں کے یا اپنوں

کے قبضہ تسلط سے مامون ومحفوظ ہیں اور یہ چہار دیواری حفاظت قبرستان کے لئے بہترین شکل ہے، اور جب یہ شکل ممکن نہ ہو سکے تو یا یوں کہا جائے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ اسکو قاضی کی اجازت سے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے، تا کہ اس سے انتفاع کی صورت رہے، اسی طرح فتوی دیا ہے امام ابوشجاع اور امام حلوائیؒ نے بھی۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں وہ قبرستان قبرستان کے حکم میں ہوگا، ان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔(۱) یہ کہ آبادی میں ہونے اور قبضہ وتسلط کی صورت میں چہار دیواری کردی جائے۔(۲) اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو قاضی کی اجازت سے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے۔یہی فتوی دیا ہے امام ابوشجاع، امام حلوائی، اور علامہ شامیؒ نے، انتفاع کی ان دونوں صورتوں میں سے جوممکن ہو اس پر عمل کرنا جائز ہے، یا ان سے انتفاع کے لئے ان پر دینی مدرسہ یا رفاہی کام مثلاً مسافر خانہ، یا خانقاہ بنائی جاسکتی ہے۔

صورت مسئولہ میں کہ قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں تو ایسی مساجد بھی شرعاً مساجد ہی ہیں کسی بھی حکومت کو ان میں نماز کی ادائیگی کو منع کرنا جائز نہیں ہے اور حکومت کو نماز ادا کرنے سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ مسجد خدا کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا مالک ہے وہ کسی انسان کی ملک نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:''و أن **المساجد لله**'' (سورہ جن: ۱۸)، تو جب وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں تو کسی حکومت کو ان کے اوپر مخالفانہ تسلط اور قبضہ اور ضبط کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت انسانی املاک پر قبضہ کرلے تو کرلے اللہ تعالیٰ کی ملک پر قبضہ نہیں کرسکتی اور اگر جبر واستبداد سے قبضہ کرے تو وہ قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا، اور اسے لازم ہوگا کہ اسے واگذار کردے اور واگذاری کے عوض میں کوئی رقم وصول کرنی یا کوئی شرط عائد کرنا حکومت کا کوئی حق نہیں ہے (کذا فی کفایۃ المفتی ۷/۳۱)۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ مساجد محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہوں یا نہ ہوں کسی بھی حال میں حکومت کو نماز کی ادائیگی سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں قبرستان کی حفاظت کے لئے اطراف قبرستان میں جب کہ وہاں قبروں کے نشانات نہ ہوں دکان کی تعمیر کرنا درست ہے، اور تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور اس کے ذریعہ تعمیر کا یہ کام کرایا جا سکتا ہے اور دکانوں کی تعمیر کے سلسلے میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ جن پر قبریں نہیں ہیں یا قبریں تھیں لیکن قدیم ہونے کی وجہ سے قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں تو یہ درست ہوگا، چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی لکھتے ہیں:

''فإن امتنع من العمارة ولم يقدر عليها بأن كان فقيراً آجرها القاضي وعمرها بالأجرة؛ لأن استبقاء الوقف واجب لا يبقى إلا بالعمارة'' (بدائع الصنائع ۶/ ۳۳۷)۔

اور ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدة من بيوت المصر فان ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتا يواجرها'' (۲/ ۴۱۴)۔

اور ''فتاوی خانیہ'' میں ہے: "أرض لأهل قرية جعلوها مقبره واقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا باس به، وبعد ما بنى لواحتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه" (۳/ ۳۱۳، فتاوی ہندیہ

۴۶۷/۳)۔

فاضل آمدنی مصارف وقف سے زائد ہو اور اس کے مماثل کوئی مصرف نہ ہو تو فقراء پر تقسیم کرسکتے ہیں، چنانچہ ''شرح وقایہ'' میں ہے: ''إذا انقطع صرف إلى الفقراء'' (۲/۲۵۴)۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اطراف قبرستان میں جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو دوکانوں کی تعمیر کرنا درست ہے اور اس کے لئے سرمایہ نہ ہونے کی صورت میں پیشگی کرایہ کے طور پر لینا جائز ہے اور تعمیر میں چندفٹ قبرستان کا چلا جانا جب کہ قبروں کے نشانات نہ ہوں تو درست ہے اور فاضل آمدنی مماثل وقف میں، ورنہ فقراء پر تقسیم کردیا جانا جائز ہے۔

صورت مسئولہ میں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو اب سے پہلے کافی تھی، لیکن اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ ناکافی ہوگئی ہے بنابریں اس کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں تدفین کا سلسلہ بھی جاری ہے اور مسجد وقبرستان دونوں اوقاف مسلمین میں ہیں تو اس ضرورت شدیدہ کے سبب قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، جائز ہے، لیکن اس میں ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے حکم میں فرق ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ویران قبرستان: ویران قبرستان جس میں مردوں کے دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں تو اس میں مسجد بھی بنائی جاسکتی ہے، اور بنی ہوئی مسجد کی اس کی زمین سے لیکر توسیع بھی کی جاسکتی ہے، جائز ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری (۴/۱۷۹) میں لکھتے ہیں:

''قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن مقابر المسلمين وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم ولايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف

المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على ذلك واحد"۔

قبر قدیم: اگر قبر قدیم ہے کہ قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور میت کے اجزاء نہ رہنے کا غالب گمان ہو تو قبر پر تعمیر یا زراعت یا اسکو برابر کردینا یا اس پر مسجد بنانا جائز ہے، چنانچہ ''درمختار'' (۱/ ۶۶۲) میں ہے: "إذا بلى الميت وصار ترابا جاز الزرع والبناء عليه''۔

زیر استعمال قبرستان:

تو چونکہ قبر کا احترام باقی رکھنا لازم ہے اس لئے ایسے قبرستان پر نہ کوئی تعمیر جائز ہے اور نہ مسجد کی تعمیر ہی جائز ہے، ہاں اگر زیر استعمال قبرستان میں گنجائش ہے کہ اس جگہ کی ضرورت نہیں پڑے گی تو اس جگہ تعمیر مسجد وغیرہ جائز ہے، اور اگر تعمیر کے بعد اس جگہ کی ضرورت پڑ گئی تو عمارت کو اٹھا دیا جائے گا، تاکہ اس میں مردے دفن کئے جاسکیں، چنانچہ ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة واقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن و آلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به، و بعد ما بنى لواحتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء ويقبر فيه كذا في فتاوى قاضيخان'' (ہندیہ ۲/ ۴۶۷)۔

جدید قبر: اگر قبر جدید ہے تو اس میں کوئی بھی تعمیر جائز نہیں ہے۔

اب زیر بحث مسئلہ ملاحظہ فرمائیں کہ قبرستان میں بنی مسجد کی اگر توسیع کی ضرورت ہو اور ویران قبرستان ہو یا قبر قدیم ہو کہ نشانات مٹ چکے ہوں تو ایسے قبرستان ویران کی زمین سے توسیع مسجد جائز ہے اور قبر قدیم ہے تو اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے ''عمدۃ القاری'' کے (جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) پر لکھا ہے، اور ''فتاوی ہندیہ'' کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے:

"قوم بنوا مسجداً واحتاجو إلى مكان يقع المسجد وأخذوا من الطريق إن كان يضر بأصحاب الطريق لا يجوز، وإن كان لا يضرهم رجوت أن لا يكون له بأس، كذا في المضمرات وهو المختار كذا في خزانة المفتيين" (۴۵۶/۲)۔

ظاہر ہے کہ ویران قبرستان یا قبر قدیم سے توسیع کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا اس کی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے تاکہ ضرورت پوری ہوجائے، اور اگر قبر جدید ہو یا زیر استعمال قبرستان ہوتو اس کی زمین سے یوں توسیع کرسکتے ہیں کہ قبروں کا احترام باقی رکھتے ہوئے جتنی زمین لینا ہے اس پر چھت لگادی جائے اور پھر اسکو توسیع کرکے مسجد میں شامل کرلیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ضرورت پوری نہ ہوسکے گی، اور اگر اس مسجد کے آس پاس کی زمین میں گنجائش ہے کہ وہاں مردے دفن نہیں کئے جاتے تو اس خالی زمین سے توسیع کرنا جائز ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی توسیع کی ضرورت ہے، تو اگر ویران قبرستان ہے تو اس کی زمین سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر قدیم ہے تو توسیع کے لئے اسکو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے اور اگر زیر استعمال قبرستان ہے اور مسجد کے آس پاس خالی جگہ ہے تو اس خالی جگہ سے توسیع جائز ہے اور اگر قبر جدید ہے اور مسجد سے متصل ہے تو بضرورت توسیع اس پر چھت لگا کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔

صورت مسئولہ میں کہ ہندو نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور واقف کے ہندو ہونے کے سبب مساجد ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے تو مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں باقی چھوڑنا درست ہے، اس لئے کہ واقف ہندو ہے تو اگر وہ ہندو وقف بورڈ مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، اس طرح کہ وہ مسجد میں کسی طرح کی رخنہ اندازی نہیں کرتا، بلکہ وہ مسجد کے ساتھ مسجد کا معاملہ کرتا ہے، چنانچہ "فتاوی ہندیہ"

(۴/۳۵۳) میں ہے:

''ولو جعل ذمي دار مسجد الملسمين وبناه كما بني المسلمون و أذن لهم بالصلوة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته، و هذا قول الكل، كذا في جواهر الأخلاطي''، یعنی واقف ذمی یا ہندو کے مرنے کے بعد یہ مسجد موقوف اس کے ورثہ کی میراث ہوگی تو اسی طرح اس کی تولیت بھی اس کے ورثہ کے ذمہ آجائے گی۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنی سمجھ وعقیدہ میں کوئی اچھا کام سمجھ کر کسی ایسے کام کے لئے کچھ دیدے یا وقف کردے جو مسلمانوں کے نزدیک وعقیدہ میں بھی نیک وقربت ہے تو وہ دینا اور وقف کرنا صحیح ونافذ ہو جاتا ہے، اور اسی ضابطہ شرعیہ کے مطابق یہودیوں کا وقف علی المسجد الاقصیٰ بھی صحیح ہے، اور زمانہ رسالتمآب ﷺ سے آج تک بلا اختلاف معتبر چلا آرہا ہے، اور اسی طرح زمانہ دراز سے ہندو راجاؤں کا وقف کرنا مساجد ومقابر اور عیدگاہوں پر اور مدارس دینیہ وغیرہ وقف کردہ سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور سب کے نزدیک صحیح ومعتبر ہیں، اگر چہ ان میں کسی ایک نے وقف کرنے کا لفظ نہیں کہا جب بھی حسب ضابطہ شرعیہ ''إن العام بدلالة الحال كالمشروط بالمقال'' وقف ہی مانا گیا ہے، لہذا اس کو بھی شرط کا درجہ وحکم دے سکتے ہیں (فتاویٰ نظامیہ ۱/۳۳۳)۔

اور واقف کا اپنے لئے تولیت کی شرط لگانا جائز ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، لہذا واقف ہندو کا وقف مسجد وغیرہ کو اپنی تولیت میں رکھ کر اس میں نماز کی اجازت دینا صحیح ہے اور مسلمانوں کا نماز پڑھنا بھی صحیح ہے، اسی طرح قبرستان کا مسئلہ بھی ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں چونکہ شرعاً ہندو کا وقف صحیح ومعتبر ہے اور واقف کا اپنی تولیت کی شرط لگانا بھی مفتی بہ قول کے اعتبار سے صحیح ہے، تو ایسی مساجد وقبرستان کو ہندو کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے، اور غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا بھی صحیح ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ویران شدہ اوقاف

مفتی شبیر احمد قاسمی ☆

ہندوستان تقسیم ہوجانے کے بعد پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دارالسلطنت دہلی وغیرہ کے بے شمار اوقاف ویران ہوچکے ہیں جن میں مساجد، مدارس، قبرستان، خانقاہ غرضیکہ ہر قسم کے اوقاف شامل ہیں، پنجاب وہریانہ میں لاکھوں مساجد میں غیر مسلموں کی نیملی رہتی ہے اور ہزاروں مساجد بند پڑی ہیں سینکڑوں مدارس پر مالکانہ قبضہ ہو چکا ہے قبرستانوں پر آبادیاں بس گئی ہیں نئی دہلی میں سینکڑوں چھوٹی بڑی مساجد بند پڑی ہیں اور جو مسلمان ان مقامات پر جاکر آباد ہو گئے ہیں ان کے لئے ان مساجد کو منجانب حکومت کھلوا دینا ضروری ہے، مگر کھولی نہیں جارہی ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر ہر صاحب ایمان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا ہر دیکھنے والے کو معلوم ہے، انبالہ شہر میں کافی لمبی چوڑی ایک عمارت کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں باضابطہ سرکاری اسکول چل رہا ہے، معلوم ہوا کہ یہ مسجد تھی اور مسجد کے آثار موجود ہیں اور کئی مساجد جن کے مینار ومحراب سب موجود ہیں، مگر ان میں فیملی رہ رہی ہے جن کو از خود دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی شکل پیدا فرمائیں، تمام ہی مسلمانوں کو ان عبادت گاہوں کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

ویران مساجد کا تبادلہ:

جب کسی جگہ مسجد بن کر تیار ہو جاتی ہے اس وقت سے قیامت تک کے لئے وہ مسجد ہی

☆ مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد۔

رہتی ہے، اسکو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا کسی بھی انسان کے لئے جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مقام ویران ہوجائے اور وہاں سے تمام مسلمان دوسری جگہ منتقل ہوجائیں اور پورا علاقہ اجاڑ ہوجائے، مسجد بالکل ویران ہوجائے اور اس پر اغیار کا قبضہ ہونا شروع ہوجائے تب بھی وہ مقام مسجد ہی کے حکم میں رہے گا، قیامت تک اس مقام کو کسی دوسرے امور میں منتقل کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی صحیح اور مفتی بہ قول ہے۔

لہذا جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوجائے تو پھر اس کی عمارت باقی رہے یا نہ رہے، اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، وہ زمین تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کو عبادت کے علاوہ کسی اور کام میں لانا جائز نہیں، لہذا اس کو بیچنا، کرایہ پر دینا، یا اس کا تبادلہ کرنا کوئی جائز نہیں (مستفاد فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۰)۔

اشکال: اس پر اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ اگر مسجد کسی دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتی ہے تو جن مساجد پر اغیار کے تغلب کی وجہ سے ان کا قبضہ ہے اور ان میں فیملیاں رہنے لگ گئیں ہیں اور حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں ان میں رہائش ہوتی ہے جو کہ مسجد کی بے حرمتی ہے اور ان میں سالہا سال سے نماز بھی نہیں ہوتی ہے تو اس کے باوجود ان مسجدوں کو یوں ہی چھوڑے رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی جگہ ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اس کی عمارت باقی ہو یا نہ ہو، وہاں مسلمان ہو یا نہ ہو، اس میں مسجد کا احترام باقی رہتا ہو یا نہ ہو، اس میں اغیار کے تغلب کی وجہ سے مالکانہ قبضہ بھی ہوگیا ہو، اس کو منہدم کر کے اس کی حقیقت بدل دی گئی ہو اور اس میں کھیتی کرنا شروع کردیا ہو وہاں پر دوسری عمارت بنائی گئی ہو، ہر حال میں وہ مسجد ہی رہے گی، اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ مسلمان کے قبضہ میں آجائے گی تو اس کو اس وقت مسلمان زندہ کرسکیں گے اور نماز کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوجائے گا، اس کو علماء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

اور اگر مسجد کا علاقہ اجاڑ ہوجائے اور اس میں اس محلّہ اور گاؤں والوں کی نماز کا سلسلہ منقطع ہوجائے کہ اگر وہ کسی گاؤں میں تھی، پھر وہ ویران ہوکر کھیت بن گئی تو علی حالہ مسجد ہی رہے گی، اور یہی حضرت امام ابو یوسف کا مذہب اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے (اعلاء السنن ۱۳/ ۲۱۴)۔

ویران قبرستان، مدارس، خانقاہ کا تبادلہ:

اگر قبرستان، مدارس، خانقاہ وغیرہ ویران ہوجائیں، اور وہاں دور دور تک مسلمانوں کی کوئی آبادی نہ ہو، اور ایسی حالت میں حفاظت بھی نہیں ہوپاتی ہے اور حکومت بھی حفاظت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی ہے اور اغیار ان اوقاف پر مالکانہ قبضہ کا سلسلہ شروع کردیں تو اولاً حکومت سے ان کی حفاظت کی مانگ کی جائے، اگر اس میں کامیابی نہ ہوسکے تو ایسی نہایت مجبوری اور ناگزیر حالات میں قبضہ ناجائز سے حفاظت اور واقفین کے اغراض کو زندہ کرنے کیلئے مساجد کے متعلقہ اوقاف اور ملکیت اور افتادہ قبرستان اور مدارس کی وہ عمارتیں اور جائدادجن پر ناجائز قبضہ ہونا شروع ہوگیا ہے ان کو متبادل قیمت پر فروخت کرکے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے تو وہاں پر اسی جنس کے اوقاف کا سلسلہ جاری کرنا شرعاً جائز اور درست ہوگا، تاکہ افتادہ اوقاف پھر سے غرض واقف کے موافق زندہ ہوکر آباد ہوجائیں، نیز اگر مدرسہ تھا تو اس کی رقم سے مدرسہ، اگر قبرستان تھا تو اس کی رقم سے قبرستان بنادیا جائے، ہاں البتہ ہر ایک کی رقم سے مسجد بنانا بھی جائز ہوسکتا ہے، کیونکہ مسجد اعلی درجہ کا وقف ہے (مستفاد کفایت المفتی ۷/ ۶۲)۔

اس کو ''اعلاء السنن'' میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

''وکذلک سائر الوقف عنده إلا أنها إذا خرجت عن انتفاع الموقوف علیهم به جاز استبدالها بإذن الحاکم بأرض أو دور أخری تکون وقفا مکانها'' (اعلاء السنن ۱۳/ ۱۱۴)۔

(اور ایسے ہی ہر نوع کے وقف کا حکم حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، مگر موقوف علیہ کے اس سے فائدہ اٹھانے کے دائرہ سے نکل چکا ہو تو حاکم یا ذمہ داران کی اجازت سے دوسری زمین یا دوسرے مکان کے عوض میں تبادلہ جائز ہے، جبکہ اس زمین یا مکان کو اس کے مقابلہ میں وقف ہی قرار دیا جائے)۔

اور اس کو "البحر الرائق" میں علامہ ابن نجیم نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها للمتولی أن یبیعها ویشتری بثمنها أخری قال نعم الخ" (البحر الرائق ۵/ ۲۵۲، فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۴۷۸)۔

(امام شمس الائمہ حلوانی سے مسجد کے اوقاف کے بارے میں پوچھا گیا جو بالکل معطل اور ویران ہو چکے ہوں اور ان سے آمدنی حاصل کرنا متعذر ہو گیا ہو تو کیا متولی کے لئے ان کو فروخت کر کے ان کی رقم سے دوسرا خرید لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو فرمایا جی ہاں جائز ہوگا)۔

"یصرف وقفها لاقرب مجانس لها" (شامی ۶/ ۵۴۹)۔

ان کی آمدنی کو ان سے قریب ترین ہم جنس اوقاف میں صرف کیا جائے۔

اسی کو "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے:

"لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک، لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد یملکها، فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین" (عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹)۔

(اگر مسلمانوں کے قبرستان میں سے کوئی افتادہ ہو جائے پھر اس میں لوگ مسجد بنا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے دفن کے کام کے لئے منجملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے، کسی کو اسکا مالک بننے کا حق نہیں ہے، لہذا جب پرانا اور

افتادہ ہو جائے تو اس کو مسجد کے حق میں منتقل کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے)۔

اس کو شامی میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة أى وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها يشترى بها بدلا" (شامی ۶/ ۵۸۸)۔

(تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہو اور وہ قیمت دینا چاہتا ہے تو متولی کے لئے قیمت لے کر اس کا متبادل وقف کی زمین خرید لینا جائز ہے)۔

مساجد و دیگر اوقاف کا فرق اور غیر جنس میں خرچ:

مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مساجد کو بنیاد سمیت فروخت کرنا اور ان کا تبادلہ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور دیگر اوقاف کا ناگزیر حالات میں تبادلہ جائز ہے، نیز جن اوقاف میں تبادلہ جائز ہے ان کا تبادلہ ہم جنس ہی میں جائز ہوتا ہے یا ان سے اعلی اور ارفع اوقاف میں جائز ہوسکتا ہے، مثلاً اگر مدرسہ تھا تو تبادلہ میں مدرسہ ہی ہونا چاہئے یا مسجد، مگر قبرستان یا مسافر خانہ میں تبادلہ جائز نہ ہوگا، غرض کہ اقرب اجناس یا ارفع و اعلی اجناس میں جائز ہے ادنی میں نہیں، جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے، اس کو "اعلاء السنن" میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

"والفرق بينها وبين المساجد أن المساجد لا تبطل بخرابها أو خراب ماحولها" واستغناء عنها الجهة التى عنيت له، لأنها لم تجعل مساجد لأهل المحلة والقرية بل للعامة ولا يشترط، للمسجدية البناء بل العرصة وحدها مسجد كما لا يخفى بخلاف سائر الوقف التى سبلت ثمرتها، فإنها إذا خربت وتعطلت منافعا تبطل الجهة التى عنيت له وهى إعانة الموقوف عليهم بغلتها" (اعلاء السنن ۱۳/ ۲۱۴)۔

(مساجد اور دیگر اوقاف میں بڑا فرق ہے کہ مسجدیں ویران ہوجائیں اور اس کے گرد ونواح اجاڑ ہوجائے اور جس مقصد کیلئے متعین کیا گیا ہے اس سے استغناء ہوجانے کی وجہ سے مسجد باطل نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ مساجد صرف محلّہ یا ایک گاؤں کے لئے متعین نہیں ہوتیں، بلکہ عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتی ہیں اور شرعی مسجد کے لئے بناء اور عمارت شرط نہیں، بلکہ تنہا خالی زمین بھی مسجد ہوسکتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اس کے برخلاف دیگر تمام اوقاف کے جن کے منافع کا سلسلہ ختم ہوگیا ہو، اس لئے کہ جب ایسے اوقاف ویران ہوگئے یا کئے گئے تو وہ مقصد ہی ختم ہوجاتا ہے اور مقصد ان کی آمدنی سے موقوف علیہم کی مدد ہوتی ہے)۔

اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز" (درمختار مع الشامی ۵۸۶/۶)، "وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه وتحته في الشامية يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی ۵۴۹/۶)۔

(وقف کو دوسرے مکان سے بدلنا اس وقت جائز ہے جب کہ دونوں ایک محلّہ میں ہوں یا دوسرے محلّہ میں اس سے بہتر ہو، اور اس کے برعکس جائز نہیں ہے اور ایسا ہی موقوفہ چھاؤنی اور کنواں وغیرہ جب قابل انتفاع نہ رہ جائے تو مسجد کی موقوفہ زمین اور موقوفہ سرحدی چھاؤنی اور کنواں اور حوض کو اس کے قریب ترین اجناس میں منتقل کرنا جائز ہے، اور شامی میں ہے کہ ان موقوفہ اشیاء کو اقرب اجناس کی طرف منتقل کردیا جائے)۔

ویران اوقاف کی آمدنی غرض واقف کے خلاف مصرف میں لگانا:

مساجد کے علاوہ دیگر ویران اوقاف کو فروخت کرکے اس کے متبادل اوقاف کا انتظام کرنا جائز ہے، جیسا کہ ماقبل کی سرخیوں کے تحت گذر چکا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ان ویران

اوقاف کی رقم سے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر خلاف جنس دینی امور میں، مثلاً تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غرض واقف کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے اس کی پابندی کرنا ذمہ داران وقف پر لازم ہوتا ہے، نیز شریعت نے واقف کی شرطوں کو نصوص شرعیہ کا درجہ دیا ہے اس لئے خلاف جنس کے لئے تصرف جائز نہیں ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ'' (شامی ۶/ ۶۶۵)۔

(بے شک فقہاء نے اس کی صراحت کردی ہے کہ وقف کرنے والوں کی غرض اور مقصد کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے)۔

''شرط الواقف كنص الشارع'' (شامی کراچی ۴/ ۴۳۳، شامی دیوبند ۶/ ۶۴۹)۔

واقف کی شرط شارع کی صراحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔

اور ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

''شرط الواقف؛ لأن مخالفته كمخالفة النص'' (الاشباہ والنظائر، ص/ ۱۹۴)۔

(اور ''الاشباہ'' میں واقف کی شرط کے متعلق لکھا ہے کہ اسکی مخالفت نص شرعی کی مخالفت کے مرادف ہے)۔

اور شامی میں اس سے بھی واضح عبارت موجود ہے:

''وهو أن يكون البدل والمبدل من جنس واحدٍ'' (شامی ۶/ ۵۸۶)۔

(اور وہ شرط یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوں)۔

ہاں اتنی رعایت ضرور ہے کہ اگر بدل اپنے مبدل منہ سے زیادہ اعلی اور ارفع ہے اور بدل زیادہ پائیدار اور زیادہ آمدنی کا ذریعہ ہے اور مقاصد وقف کے واضح خلاف بھی نہیں ہے تو خلاف جنس میں تبدیلی جائز ہے، مگر اس کی آمدنی ہم جنس میں خرچ کرنا لازم ہوگا، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال؛ لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلق المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع، ويحصل منها غلة أقدر أجرة الحانوت كان أحسن؛ لأن الأرض أدوم وأبقى و أغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن" (شامی زکریا دیوبند ۶/۵۸۶ شامی کراچی ۳۸۶/۴)۔

(اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں اتحاد جنس کی پابندی لازم نہیں، اس لئے کہ اسمیں کثرت نفع اورقلت مرمت اورقلت خرچ پیش نظر ہوتی ہے، لہذا جب دوکان کھیتی سے تبدیل کی جائے گی اور اس میں دوکان کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں آمدنی ہے تو تبدیلی زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ زمین دائمی باقی رہتی ہے اور ترمیم وتعمیر سے بے نیاز ہوتی ہے برخلاف رہائش موقوفہ کے)۔

الف۔ مسجد کی فاضل اراضی میں رفاہی ادارے کا قیام:

مسجد پر وقف شدہ اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں ان میں عصری تعلیم گاہ مثلاً جونیر ہائی اسکول، یا رفاہی ادارے مثلاً ہسپتال وغیرہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کمیٹی کی اجازت سے ان رفاہی امور کے لئے مناسب کرایہ لیکر یہ ادارے چلائے جائیں اور جائداد مسجد ہی کی ملکیت میں قائم رہے تو ایسی صورت میں جائز ہوسکتا ہے، اور اسی طرح کرایہ پر لے کر اپنی تعلیم گاہ بھی قائم کی جاسکتی ہے، مگر بلا معاوضہ جائز نہیں ہوگا، یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

جامع مسجد پر موقوفہ مال ہے اس کی آمدنی جمع ہوگئی ہے پھر اسلام پر کوئی حادثہ پیش آجائے، جیسا کہ روم کا حادثہ ہے، اور اس حادثہ میں خرچہ کی ضرورت ہے تو اگر جامع مسجد کے وقف شدہ مال کی فی الحال مسجد کو ضرورت نہیں ہے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ اس مال کو اس میں خرچ کر دے، لیکن یہ بطور قرض ہوگا، تو گویا کہ یہ مال غنیمت سے قرض لینے کے درجہ میں ہوجائے گا (قاضی خاں علی الہندیہ ۲۷۸/۳)۔

ب۔ مسجد کے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسجد کے اوقاف اور اس کی مملوکہ جائدادکی آمدنی اسی مسجد میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے لیکن اگر اس مسجد کی تمام ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد کافی مقدار میں بچ جائے اور یوں ہی رکھی رہ جائے تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اس کے قریب ترین دوسری مسجد ہی میں خرچ کرنے کی گنجائش ہوتی ہے مگر مسجد کے علاوہ کسی دوسرے ادارے میں خرچ کرنا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

''**يصرف وقفها لأقرب مجانس لها**'' (شامی ۵۴۹/۶)۔

(مسجد کے وقف کی آمدنی اس کے قریب ترین جنس میں خرچ کرنا چاہئے)۔

ہاں البتہ اگر اس کے پاس میں کوئی مسجد ضرورت مند نہیں ہے تو اس سے دور کی مسجد میں لگائی جائے، اور اگر دور تک بھی کوئی مسجد اور ضرورتمند نہیں ہے تو قریب کے دینی مدارس ومکاتب میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے، اور اگر مدارس ومکاتب بھی نہ ہوں تو مصیبت زدہ فقراء میں بھی تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اسکولوں، ہسپتالوں میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ واقف نے کوئی شرط نہ لگائی ہو اور متولی کو اختیار دیا ہو، یہ مسئلہ فقہاء کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔:

''**فى فضل يصرف إلى عمارة المسجد دهنه و حصيره وما فيه مصلحة المسجد على أن للقيم أن يتصرف فى ذلك على ما يرى و إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك**'' (قاضی خاں علی الہندیہ ۲۸۸/۳)۔

(لہذا جو فاضل رقم بچ جائے اس کو مسجد کی تعمیر اور اس کے تیل اور اس کی چٹائی اور ان امور میں جو مساجد کے مصالح میں سے ہوں خرچ کرے، اس شرط پر کہ جب متولی اور ذمہ دار کو یہ اختیار دیا ہو کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے، اور جب یہ مسجد مستغنی ہو جائے تو مسلمانوں کے

ضرورتمند فقراء میں صرف کردے تو جائز ہے)۔

غیر محفوظ آمدنی کا مصرف:

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے جس میں ہر سال اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اس کی حفاظت بھی نہایت خطرناک ہوگئی ہے اس کو دوسرے مغائر اداروں میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہم جنس قریب ترین اوقاف میں صرف کرنا جائز ہوسکتا ہے، مثلاً اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی ہے تو قریب ترین مسجد میں، قبرستان کے اوقاف کی آمدنی ہے تو دوسرے قریب ترین قبرستان میں صرف جائز ہوسکتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے اجناس میں جائز نہ ہوگا (مستفاد از کفایت المفتی ۷/ ۶۲، امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۳، فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۵۱)۔

ب۔ اور اگر دوسرے خلاف جنس اداروں کو ضرورت ہے تو بطور قرض لے سکتے ہیں، ہاں البتہ ایسی فاضل آمدنی کو غیر مستطیع نادار دینی طلبہ کو بطور امداد اور وظائف دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۳)، جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

"وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين، فيجوز ذلک" (قاضی خاں علی الہندیہ ۳/ ۲۷۸)۔

(اور جب یہ اس سے مستغنی ہوجائے تو مسلم فقراء میں تقسیم کردیا جائے تو یہ جائز ہے)۔

"وفي الشامية قال: صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء" (شامی ۶/ ۵۳۶)۔

(اور شامی میں ہے کہ کہا کہ فلاں پر بطور صدقہ وقف ہے تو اس کے بعد فقراء کو دیدیا جائے گا)۔

"فما فضل يصرف إلى الفقراء" (تاتارخانیہ ۵/ ۷۴۹)۔

(لہذا جو فاضل ہو فقراء کو دیدیا جائے)۔

زیادہ منفعت کے لئے تبادلہ:

اگر وقف کی موجودہ شکل میں منفعت تو ہے، مگر بہت معمولی مقدار میں ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، اور اگر اس کو فروخت کر کے دوسری زمین یا مکان دوسری جگہ لے لیا جائے تو منفعت زیادہ ہوسکتی ہے جس سے ضروریات با آسانی پوری ہوسکتی ہیں تو کیا ایسی صورت میں زیادہ منفعت کے حصول کے لئے استبدال جائز ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وقف کی اراضی عمارتی شکل میں نہیں ہے، بلکہ صرف سادی زمین ہے تو قول ضعیف کے مطابق انفع عوض میں تبدیلی جائز ہے۔ مگر قول راجح اور قول مفتی بہ کے مطابق انفع کے عوض میں بھی تبادلہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غرض واقف کو حتی الامکان باقی رکھنا لازم ہوتا ہے اور جو وقف کم منفعت کے ساتھ اپنی جگہ باقی رہ سکتا ہے اس میں تبادلہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر عمارتی شکل میں مکان یا دوکان وغیرہ ہے اور اس کی کچھ منفعت بھی باقی ہے تو بالاتفاق تبادلہ جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''والثالث أن لا يشترط أيضا ولكن فيه نفع في الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار (قوله) أن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال'' (شامی زکریا دیوبند ۶/ ۵۸۴)۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، لیکن شی موقوف میں فی الجملہ نفع ہے اور تبادلہ میں زیادہ فائدہ اور زیادہ نفع ہے تو بھی صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے، اور بے شک تیسری صورت کا یہ اختلاف صرف زمین کے بارے میں ہے کہ جب آمدنی اس کی کمزور ہوجائے برخلاف دوکان ومکان (عمارت) کے جب کہ اس کے بعض

حصہ کے خراب ہونے کی وجہ سے آمدنی کمزور ہوگئی ہے اور کلی طور پر منفعت ختم نہیں ہوئی تو اس وقت بیشک تمام اقوال پر تبادلہ جائز نہیں ہے)۔

مصرف ختم ہوگیا، آمدنی باقی ہو تو کیا کرے:

مسجد یا مدرسہ کے نام جو اوقاف ہیں ان کی آمدنی بدستور باقی ہے، مگر موقوف علیہ یعنی وہ مسجد یا مدرسہ باقی نہیں ہے، اسی طرح خاندان یا علاقہ کے فقراء پر وقف تھا، مگر وہ خاندان وہاں سے منتقل ہوگیا ہے یا بالکل ختم ہو چکا ہے تو ایسے حالات میں اوقاف کی آمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی قسم کے قریب ترین مصرف میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مثلاً اگر مسجد تھی تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسری مسجد میں، یا مدرسہ تھا تو اس کی آمدنی قریب ترین دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے خلاف جنس میں نہیں، نیز جس خاندان کے فقراء پر وقف کیا گیا تھا اگر وہ خاندان ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا گیا ہے، یا ان میں کوئی بھی فقیر باقی نہیں ہے، اسی طرح جس علاقہ کے فقراء پر وقف کیا گیا تھا وہ علاقہ اجاڑ ہوگیا، وہاں کوئی مسلمان فقیر نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں وہاں سے قریب ترین دوسرے فقراء پر خرچ کر دینا جائز ہے مگر خلاف جنس میں صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

"أفتى به الإمام أبو شجاع والإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أوحوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو شاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيره ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلى النقل إليه" (شامی، طبع زکریا ۶/ ۵۵۰)۔

(اس پر امام ابو شجاع اور شمس الائمہ حلوانی نے فتویٰ دیا ہے اور یہی دونوں قول کے لئے کافی ہے خاص کر ہمارے زمانے میں، اس لئے کہ مسجد اور اس کے علاوہ سرحدی چھاؤنی یا حوض

جب انکی فاضل اشیاء منتقل نہ کی جائیں تو چور ڈکیت قبضہ کرلیں گے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ایسا ہی اس کے اوقاف کو خود متولی وغیرہ کھا جائیں گے، اور نقل نہ کرنے میں دوسری ضرورت مند مسجد بھی ویران ہوسکتی ہے)۔

نیز فقہاء کی اس عبارت سے بھی یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے:

''سئل شیخ الإسلام عن أهل القرية افترقوا وتداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد لأهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال نعم (وقوله) وخرب الرباط واستغنى الناس عنه يربط في رباط آخر هو أقرب الرباط إليه'' (ہندیہ ۴۷۹/۲)، ''إذا قال موقوفة فقط لانصرافه إلى الفقراء عرفا فهو مؤبد'' (شامی زکریا ۵۳۷/۶)، ''قال صدقة موقوفة على فلان جاز ويصرف بعده إلى الفقراء'' (شامی زکریا ۵۳۶/۶)، ''وما فضل من حصير وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه الخ'' (إعلاء السنن ۱۹۹/۱۳)۔

(شیخ الاسلام اسبیجابی سے سوال کیا گیا ایسی آبادی کے بارے میں کہ جہاں کے لوگوں نے منتشر ہوکر مسجد کو ویران چھوڑ دیا ہے اور بعض مخالف لوگ تغلب سے مسجد کی لکڑیاں اپنے یہاں منتقل کرنے لگے ہیں تو کیا وہاں کے کسی آدمی کے لئے جائز ہے کہ حاکم کی اجازت سے اس کو فروخت کرکے پیسہ کو روک لے تاکہ اس کو اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں صرف کردے تو فرمایا کہ جی ہاں جائز ہے۔ اور سرحدی چھاؤنی ویران ہوجائے اور لوگ اس سے مستغنی ہو جائیں تو اس کو دوسرے قریب ترین چھاؤنی میں منتقل کردیا جائے تو جائز ہے، جب صرف یہ کہا کہ وقف ہے، تو وہ فقراء کی طرف عرفاً منتقل ہوجائے گا پھر وہ ہمیشہ رہیگا۔ اور کہا کہ فلاں پر بطور وقف صدقہ ہے تو جائز ہے اور اس کے بعد فقراء کی طرف منتقل ہوجائے گا، اور جو چٹائی اور تیل سے

زائد ہو اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے تو اس کو دوسری مسجد میں منتقل کر دینا جائز ہے یا پڑوس کے فقراء کو صدقہ کر دے)۔

الف۔ بلڈر اور ٹھیکیدار سے تعمیر کرا کے بعض حصہ اس کو دیدینا:

بلڈر اور ٹھیکیدار کے ہاتھ اس طرح سودا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کہ تعمیر کے بعد دو ایک منزل ٹھیکیدار کی ملکیت میں منتقل ہو جائے، اس لئے کہ اس میں اصل وقف کا جزء فروخت کرنا لازم آتا ہے، اور خدا کی ملکیت کو ختم کر کے بندہ کی ملکیت میں دینا لازم آتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس میں وقف کی حفاظت ہے، بلکہ بعض اجزاء کو ہلاک کرنا ہے، ہاں البتہ کلی طور پر انتفاع ختم ہو جانے کی صورت میں تبادلہ کر کے کارآمد متبادل زمین یا عمارت حاصل کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے جس کی تفصیل ویران اوقاف کے تحت گذر چکی ہے۔

یہ مسئلہ فقہاء کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

"فإذا تم ولزم لايملّک ولايملک ولا يعار ولا يرهن،وتحته في الشامية، لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملّک أى لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه" (درمختار ۴/ ۳۵۲)۔

(لہذا جب وقف تام ہو کر لازم ہو جائے تو نہ کوئی مالک ہوسکتا ہے اور نہ کسی کو مالک بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی عاریت یا بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔ اور شامی میں ہے، نہ واقف کی ملکیت ہوسکتی ہے اور نہ ہی غیر کو بیع وغیرہ کے ذریعہ سے مالک بنانے کی اس میں صلاحیت ہے، اس کی ملکیت سے خارج ہونے کی وجہ سے دوسرے کو مالک بنانا محال ہو چکا ہے)۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر:

اگر وقف کی عمارت مخدوش ہوگئی ہے اور اس کے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے تو بعض

حصوں کو فروخت کر کے بقیہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہے وقف کی ملکیت کہ جس کو وقف کی ترقیاتی اسکیم کے لئے خریدی گئی تھی یا کسی نے ترقی کے لئے ملکیت میں دے دیا ہے تو ایسی ملکیت میں سے فروخت کر کے اصل وقف کی تعمیر میں لگانا جائز ہے، دوسرا ہے نفس وقف، یعنی شیٔ موقوف اور اس کے اجزاء تو تعمیر اور ترقی کے لئے اصل وقف کا کوئی جز فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ موجودہ متولی سے کوئی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس کو معزول کر کے دوسرے فعال شخص کا انتخاب لازم ہوگا، مگر وقف کا کوئی جز فروخت نہ ہوگا۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك'' (تاتارخانیہ ۵/۷۴۸)۔

(اور جب وقف کی زمین ویران ہو جائے اور ذمہ دار اس میں سے بعض کو فروخت کر کے اس کے پیسے سے بقیہ کی تعمیر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے)۔

البتہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان سب امور کی اجازت ہے جس پر سعودیہ وغیرہ میں عمل ہو چکا ہے، مگر ہمارے لئے نہ اس کا اختیار کرنا مناسب ہے اور نہ ہی حنفیہ کے مسلک کو چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ اس کی تفصیل اعلاء السنن (۱۳/ ۲۰۸) میں موجود ہے۔

مسجد یا مستعمل قبرستان کی فاضل زمین میں یا افتادہ قبرستان میں مدرسہ کا قیام:

مسجد کی ملکیت یا وقف کی زمین میں اس شرط پر مدرسہ بنانا جائز ہے کہ مدرسہ اس زمین کی مناسب قیمت ادا کر دے، بغیر معاوضہ جائز نہ ہوگا (فتاوی محمودیہ ۱۷/۲۳۱)۔

''ليس للقيم أن يسكن فيها أحدا بغير أجر'' (تاتارخانیہ ۵/۷۴۹)۔

(متولی کے لئے موقوفہ زمین میں کسی کو بلا کرایہ پر رکھنا جائز نہیں)۔

اور اگر قبرستان کی فاضل زمین ہے اور آئندہ قبرستان کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور لوگوں کے اس پر قبضہ جمانے کا خطرہ ہے یا قبرستان افتادہ ہو چکا ہے اس میں دفن کا سلسلہ باقی

نہیں ہے تو اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد و مدرسہ قبرستان کے مقابلہ میں اعلی اور ارفع اوقاف میں سے ہیں، لہذا واقف کی غرض کی درحقیقت مخالفت نہیں ہے۔

اسی وجہ سے ''عمدۃ القاری'' وغیرہ میں افتادہ قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز لکھا ہے، نیز حضرت تھانویؒ نے افتادہ قبرستان میں موقوفہ انجمن قائم کرنے کو جائز لکھا ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹، احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)۔

''لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأساً (وقوله) فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين'' (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

اگر مسلمانوں کا قبرستان افتادہ ہوجائے پھر اس میں لوگ مسجد بنا لیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، لہذا جب قبرستان پرانا ہوجائے اور وہاں دفن کی ضرورت نہ رہے تو اس کو مسجد کے کام میں لانا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے)۔

قدیم مساجد کو بند کر کے نماز سے روکنا:

مسجدیں چاہے قدیم ہوں یا جدید اللہ کی ملکیت ہیں، اس میں کسی حکومت یا کسی فرد کو مالکانہ اختیار نہیں ہے، اور حکومت ہند نے آثار قدیمہ کے نام سے چھوٹی بڑی ہزاروں مسجدوں کو مقفل کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک رکھا ہے یہ حکومت ہند کی طرف سے مسلمانان پر سخت ترین ظلم اور زیادتی ہے، شریعت اسلامیہ میں حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تمام مسلمانوں کو مل کر حکومت ہند سے احتجاج کر کے ان تمام مساجد کو کھلوانا ضروری ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها'' (سورہ البقرہ/ ۱۱۴)۔

(اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں عبادت کرنے سے روک

لگا تا ہے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے)۔

مسجد خدا کا گھر ہے اور وہی اس کا مالک ہے، وہ کسی انسان کی ملک نہیں، ارشاد ربانی ہے: ''و أن المساجد لله'' (سورہ جن: ۱۸)، (یقیناً مسجدیں خاص خدا ہی کی ہیں) اور جب یہ خدا کی ملک ہیں تو کسی حکومت کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا کسی طرح کا کوئی حق نہیں، اسلامی شریعت میں مسجد کی حیثیت کسی میوزیم یا آثار قدیمہ کی نہیں کہ اسکو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی دیکر اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے، اسلامی قانون کی رو سے جب کوئی جگہ ایک بار شرعاً مسجد کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو تا قیامت وہ مسجد ہی باقی رہتی ہے، حکومت تو کیا خود واقف کو بھی اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى'' (ردمختار ۴/ ۳۵۸)۔

نیز مسجد شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مسلمان اس کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں، اس لئے اس کی تقدیس و تعظیم کو باقی رکھنے کے لئے مسلم قوم پر ہر ممکن کوشش کرنی ضروری ہے، نیز حکومت کے زیر کنٹرول اسی حالت میں رہنے دینا اور اس سے دست بردار ہو جانا شریعت کے خلاف اور اسلامی روح کے منافی ہے، لہذا حکومت کا اس انداز میں تسلط و قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم ہوگا جو نا قابل قبول ہی نہیں، بلکہ نا قابل برداشت ہے، اور انڈین قانون کے بھی خلاف اور جمہوریت کا کھلا مذاق ہے۔

قبرستان کے کنارے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا اور فاضل آمدنی کا حکم:

قبرستان اگر باؤنڈری کے بغیر محفوظ رہتا ہے تو اس زمین پر دوکانیں بنانا جائز نہ ہوگا، بلکہ پوری زمین قبرستان ہی کے استعمال میں رہنا ضروری ہے اور بلا وجہ آمدنی بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ اگر باؤنڈری کے بغیر قبرستان کی حفاظت بہت دشوار ہے، لوگوں کے آہستہ آہستہ قبضہ کر لینے کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ جس سے چہار

دیواری کا نظم ہو سکے تو ایسی صورت میں اس کی گنجائش ہے کہ کنارے پر دوکانیں بنا کر کرایہ پر دیدیا جائے اور کرایہ دار سے پیشگی رقم اس شرط کے ساتھ لینا جائز ہے کہ یہ رقم آئندہ کرایہ میں مجری ہوتی رہے گی۔

"وإذا أراد أن يبني فيها بيوتا يستغلها بالإجارة إن كانت أرض الوقف متصلة ببيوت المصر يرغب في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الأرض والنخيل كان له ذلك" (ہندیہ ۴۴۶/۵)۔

(اور جب وقف کی زمین میں مکانات بنوا کر آمدنی کے لئے کرایہ پر دینے کا ارادہ ہو تو اگر وقف کی زمین آبادی سے متصل ہے اور لوگ اس کے مکانات کو کرایہ پر لینے کے خواہش مند ہو سکتے ہیں اور زمین اور پیڑ کی آمدنی سے ان مکانات کی آمدنی زیادہ ہو سکتی ہے تو مکانات بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے)۔ اور اس کی فاضل آمدنی دوسرے قبرستان میں خرچ کرنا لازم ہوگا اور اگر دوسرا قبرستان دور دور تک نہ ہو تو غیر مستطیع دینی طلبہ اور نادار فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ۳۰۲/۷)، نیز ویران اور مستعمل قبرستان میں فرق ہے کہ مستعمل قبرستان کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور ویران قبرستان کا تبادلہ جائز ہے۔

غیر مسلم کا وقف اور اس کی تولیت:

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف کر دے تو شرعی طور پر غیر مسلم کا وقف صحیح ہے، اور مسجد اور عبادت گاہوں میں انکی وقف کردہ اشیاء کا استعمال بلا کراہت جائز ہے (مستفاد از احسن الفتاوی ۴۳۹/۶، فتاوی محمودیہ ۱۸۷/۱۰)۔

"لأنه مباح بدليل صحته من الكافر و تحته في الشامية، بل التقرب به موقوف على نية القربة فهو بدونها مباح حتى يصح من الكافر كالعتق والنكاح (وقوله) فإنه لابد فيه من أن يكون في صورة القربة" (درمختار مع الشامی۔ زکریا ۵۲۱/۶، شامی۔ کراچی ۳۳۹/۴)۔

اس لئے کہ کافر کی طرف سے صحیح ہونے کی وجہ سے مباح ہے اور اسکے نیچے شامی میں ہے کہ اس کے کارثواب ہونے کا مدار قربت کی نیت پر ہے، لہذا بغیر نیت کے صرف مباح ہے حتی کہ کافر کی طرف سے بھی صحیح ہوجاتا ہے جیسا کہ عتق اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اس لئے اس میں ضروری ہے کہ قربت کی صورت میں ہو۔

نیز غیر مسلموں کی تولیت بھی اوقاف میں جائز ہے، اس لئے کہ تولیت کا مدار امانت داری پر ہے نہ کہ ایمان واسلام پر۔

''مطلب شروط المتولی، ولا تشترط الحریة والإسلام للصحة کما فی الإسعاف ولو کان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد''

(ہندیہ ۲/ ۴۲۶، شامی زکریا ۶/ ۵۷۹)۔

(متولی کی شرطوں کے تحت لکھا ہے کہ صحت تولیت کے لئے آزاد یا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے اور اگر متولی غلام ہو تو قیاساً واستحساناً جائز ہے اور غیر مسلم ذمی حکم میں غلام کی طرح ہے)۔

موقوف علی المساجد اراضی کا دوسرے مقاصد کے لئے استعمال

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

الف۔ چونکہ ''شرط الواقف کنص الشارع'' ہے، اس لئے شرط واقف وجہت وقف ملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر (اس موقوفہ کوفروخت کرکے) متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

''قال فی التنویر: و مثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنها والرباط والبئر إذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلی أقرب مسجد أو رباط أوبئر، وقال الشامیة: لا یجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعکسه، و فی شرح الملتقی: یصرف وقفها لأ قرب مجانس لها'' (ردالمحتار ۳/ ۵۱۳)۔

تنویر وشامیہ کی عبارت سے جہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہ سے اگر استغناء ہوجائے تو وقف کی آمدنی مجانس اقرب میں خرچ کی جائے گی وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ کوفروخت کرکے اس کا متبادل وقف کیا جاسکتا ہے، اسی کی تائید عالمگیری کے اس جزئیہ سے بھی ہورہی ہے:

''سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولایحتاج إلیه لتفرق الناس هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد آخر أو حوض آخر قال نعم'' (فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۳۵۲، بنایۃ ۲/ ۱۰۰۷)۔

☆ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم مئو۔

ب۔ ہاں اس کی گنجائش ہے کہ ویران اور نا قابل انتفاع اوقاف کو بیچ کر یا کسی فرد یا حکومت کے حوالے کر کے دوسری جگہ لے لی جائے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حکومت وہ جگہ ملی و رفاہی مقاصد کے خلاف استعمال نہ کرے، مثلاً اس جگہ اسلحہ و بارود وغیرہ کے کارخانے قائم کردیئے گئے جن کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہو، بہر حال اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی اولاً آراء درج کردی جائیں:

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى ....وعاد إلى الملك أى ملك البانى أو ورثته عند محمد'' (درمختار علی ہامش رد المحتار ۳/ ۵۱۳)، اگر مسجد کا گردوپیش ویران ہوجائے اور اس سے مستغنی ہوجایا جائے تو بھی ہمیشہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

دلائل کی رو سے شیخین کی بات میں قوت ہے، جیسا کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله على مسجدآخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوى القدسى، وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح'' (شامی ۳/ ۵۱۳)۔

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

''وإذا خرب مكان موقوف فتعطل نفعه بيع وصرف ثمنه فى نظيره وكذلك إذا خرب بعض الأماكن الموقوف عليها'' (فتاوی ابن تیمیہ ۳۱/ ۹۲)، علامہ ابن تیمیہ کا توسع مسئلہ مجوثہ پر غالباً اس اصل کے توسع کے باعث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''شرط الواقف كنص الشارع'' اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ واقف کے منشاء کے مطابق عمل وجوبی ہے، بلکہ یہ اصل وقف کی مراد پر دلالت کرنے میں مثل نص کے ہے۔

''ومن قال من الفقهاء إن شروط الواقف نصوص كألفاظ الشارع فمراده أنها كالنصوص فى الدلالة على مراد الواقف لا فى وجوب العمل

بھا'' (فتاوی ابن تیمیہ ۳۱/۴۷)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''البحر الرائق'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

''وإنما الکلام الآن من شروط الواقفین فقد أفادوا ھنا أنہ لیس کل شرط یجب اتباعہ فقالوا ھنا إن اشتراطہ أن لایعزلہ القاضی شرط باطل مخالف للشرع وبھذا علم أن قولھم شرط الواقف کنص الشارع لیس علی عمومہ'' (۵/۲۴۳)۔

نیز عالم اسلام کے ایک متبحر عالم قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب اطال اللہ عمرہ نے بحث ونظر کے ایک شمارہ میں بڑی تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ ''موجودہ صورت حال یہ ہے کہ قدیم، مردہ اور غیر آباد قبرستانوں کو اگر لیز پر لگادیا جائے تو ہزارہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں اور ان کا تحفظ خطرہ میں ہے ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، لہذا میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کی تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے، اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ، یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر ۵/۱۰۵، شمارہ ۲۱)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے، مفتی موصوف نے شامی کی یہ عبارت استدلالاً پیش کی ہے:

''والثانی أن لا یشترطہ سواء عدمہ أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ، بأن لا یحصل منہ شئ أصلا أو لایفی بمؤنتہ فھو أیضا جائز علی

الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه" (احسن الفتاوی ۶/ ۴۶۱)۔

حنبلی مسلک کے ایک بڑے عالم منصور بن یوسف البہوتی اپنی کتاب (شرح الاقناع موسوم کشاف القناع صفحہ ۲۹۴) پر لکھتے ہیں:

"فإن تعذر الإنفاق من الموقوف عليه لعجزه أو غلبته أو نحوهما بيع الوقف وصرف ثمنه في عين أخرى تكون وقفا لمحل الضرورة"۔

اس کی تائید "فتاوی ابن تیمیہ" (۳۱/ ۲۲۶) کے فتوی سے بھی ہوتی ہے:

"قال في ترغيب القاصد: .... الخامس إذا تعطل الوقف فله أحوال الثانية أن يبقى منه بقيته متمولة كالشجرة إذا عطبت والفرس إذا أعجف والمسجد إذا خرب فإن ذلك يباع ويصرفه في تحصيله"۔

ابو الفرج ابن قدامہ مقدسی کی رائے بھی پیش خدمت ہے:

"وجملة ذلك أن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت وعادت مواتا.....جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته، وإن لم يمكن الانتفاع بشيء منه بيع جميعه" (مغنی ابن قدامہ ۶/ ۲۲۵)۔

مساجد وغیر مساجد کے اوقاف میں فرق ہے جیسا کہ (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۴) پر حضرت تھانوی نے درمختار وشامی وغیرہ کی عبارتوں کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ وقف مسجد میں سے صرف انہیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے، نیز صفحہ مذکورہ کے حاشیہ پر حضرت نے لکھا ہے کہ "دو سال ہوئے کہ (المشیر جلد ۲، نمبر ۲۶ صفحہ ۱۰، کالم ۲) مورخہ ۱۱/ جولائی ۱۹۱۲ء میں میرا ایک لکھا ہوا جواب اس کے خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی، صحیح جواب یہ ہے کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ نیز (احسن الفتاوی ج۶) کتاب الوقف میں کئی ایک استفتاء کے جوابات سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں کی حیثیت جداگانہ ہے۔

الف ۔ اگر وہ موقوفہ علی المسجد زمین زائد از ضرورت ہے تو اس پر مدرسہ یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، اس کی تائید ''احسن الفتاوی'' کے ایک سوال وجواب سے ہورہی ہے: ''اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مکان مسجد میں دیدینا الخ...... اب لوگوں نے یہ کہکر کہ مسجدیں تو دو ہیں اس پر مدرسہ بنوادیا تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے جواب دیا کہ وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں (احسن الفتاوی ۴۲۱/۶)۔

ب ۔ مسجد کی آمدنی زائد از ضرورت ہوتے ہوئے بھی درج ذیل عبارت کی روشنی میں کسی ملی ورفاہی کاموں پرحتی کہ دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں کی جاسکتی:

''ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة، وعلى العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة، قال: لا، كذا في المحيط'' (عالمگیری ۴۴۲/۲)۔

لیکن چونکہ فی زمانہ زائد از ضرورت پیسوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ قوی ہے جیسا کہ قیم اور منتظمین کی دیانت کے فقدان پر علامہ شامی اور دیگر محققین علماء اور صاحب افتاء نے قائم کیا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ قاضی یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین سارے پیسوں کو قرب فالاقرب کا اعتبار کرتے ہوئے اسی طرح کے دیگر مصارف پر جن میں احتیاج ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔

الف ۔ جی ہاں، اسی طرح کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

''الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل لا يصرف وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغل للمسجد'' (محیط ۴۴۱/۳)، ''أرض وقف على مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لا يجوز

للمسلمین انتفاع بماء ذلک الحوض" (القنیہ ۳/۲۲۱)۔

ب۔ اس کا جواب بین النفی والاثبات ہے، یعنی مسجد کی زائد آمدنی تو مسجد ہی میں خرچ ہوگی لیکن مسجد کے علاوہ کی زائد از ضرورت آمدنی مسجد میں بھی اور دیگر ملی ورفاہی اداروں، مدرسوں ودار الفقراء و یتامیٰ پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

قاضی خاں، نسفی وخلاصہ میں عدم جواز ہے:

''وفی الخلاصة وفی فتاوی النسفی عقار المسجد لمصلحة المسجد لایجوز أن یباع وإن کان بأمر القاضی وإن کان خرابا" (البحر الرائق ۵/۲۰۶)۔

جب کہ شمس الائمہ حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے نیز بعضوں نے مثلاً امام ظہیر الدینؒ نے جواز کا فتوی دیکر رجوع فرمالیا ہے، مشائخ میں سے بعض لوگ جواز کا فتوی اس وقت دیتے ہیں جب کہ شی موقوفہ سے انتفاع بالکل ختم ہوجائے بعض کے نزدیک منفعت من کل الوجوہ معطل ہوجائے یا منفعت کم ہوجائے، بہر دو نوع استبدال جائز ہے۔ حضرت امام محمدؒ سے روایات دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ منفعت کی کمی کی صورت میں متولی کو اس بیع کا اختیار ہے، لیکن بتمامہا تعطل کی صورت میں خود قاضی کو اختیار ہے، صاحب قنیہ نے بھی جواز ہی کا فتوی دیا ہے:

''وفی القنیة مبادلة دار الوقف بدار أخری إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة، وفی شرح منظومة ابن وهبان لو شرط الواقف أن لا یستبدل هل یجوز استبداله؟ قال الطرطوسی: إنه لا نقل فیه ومقتضیٰ قواعد المذهب ان للقاضی أن یستبدل إذا رأی المصلحة فی الاستبدال" (البحر الرائق ۵/۲۲۳)۔

(میرے خیال میں فقدان قضا کی صورت میں اتفاق جماعت مسلمین ضروری ہوگا)۔

بہر کیف صورت مسئولہ میں ازدیاد منفعت کی خاطر اوقاف کو فروخت کیا جاسکتا ہے،

جیسا کہ ائمہ کی عبارات مؤید ہیں:

"وقد روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا" (البحر الرائق ۲۰۶/۵)۔

حضرت امام محمدؒ سے روایت کی گئی ہے کہ جب موقوفہ زمین میں پیداوار زیادہ نہ ہو اور متولی کو ایسی زمین مل رہی ہو جو زیادہ پیداوار والی ہے تو اسے چاہئے کہ اسے فروخت کر کے دوسری زائد پیداوار والی زمین خرید لے۔

"وفی المنتقی قال هشام: سمعت محمدا یقول: الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی" (البحر الرائق ۲۰۷/۵)۔

نیز حضرت امام ابو یوسفؒ نے تو بدون کسی شرط کے استبدال کا فتوی دیا ہے: "ما فی الخلاصة وفی شرح الوقایة: أن أبا یوسف یجوز الاستبدال فی الوقف من غیر شرط إذا ضعفت الأرض من الریع" (البحر ۲۰۷/۵)۔

لفظ ضعفت الارض سے معلوم ہوا کہ تمام تعطل کے بغیر بھی اس کو بیچنا صحیح ہے، اس کے قبل بھی ایک دوسرے سوال کے ضمن میں شمس الائمہ حلوانی کا فتوی نقل کیا جا چکا ہے، "البحر الرائق" کی عبارت "وقد شاهدنا فی الاستبدال من الفساد ما لا یعد ولا یحصیٰ الخ" اور دیگر کتب فقہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قیم (متولی) دیندار ہوں تو ایسا کرنا درست ہے ورنہ نہیں، کیونکہ اس رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

مدرسہ ومسجد یا کسی خاندان کے افراد کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس کی آمدنی اسی طرح کے مصارف میں خرچ ہوگی اس کے دلائل دوسرے جوابات کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

الف۔ میرے خیال میں بلڈر سے اگر معاملہ یوں کرلیا جائے کہ تم تعمیر کروادو اور اس

میں سے اتنے حجرے یا اتنی دوکانیں تم بطور کرایہ لے لو، جب تمہاری تعمیری رقم پوری ہوجائے گی تو پھر تمہارا اس تعمیر سے کوئی سروکار نہ ہوگا، لیکن شاید بلڈر اس پر راضی نہ ہو، اس لئے دوسری صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے معاہدہ کرکے اس کو وقف سے الگ کرکے جگہ دیدی جائے اور یہ جگہ نہ تو اوپر ہو نہ نیچے بلکہ سائڈ میں ممیز اً مفرغاً ہوتا کہ آئندہ کے لئے کسی طرح خدشہ نہ رہے۔

ب۔ کیونکہ اس کا جواب من وجہ کئی ایک جوابات کے ضمن میں آچکا ہے پھر بھی ثانیا معرض ہے کہ اگر ان کی حفاظت کا کوئی بظاہر ذریعہ نہ ہو، مثلاً چندہ وغیرہ نہ مل سکتا ہو تو ان اوقاف کا کچھ حصہ فروخت کرکے اس کی تعمیر حفاظت کی غرض سے واقف کے منشاء کے مطابق کرائی جاسکتی ہے۔

بندہ کے خیال میں زائد از ضرورت قبرستان ومسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر باتفاق جماعت مسلمین اس شرط کے ساتھ ہوسکتی ہے کہ وہ تابیداً نہ ہو، مسجد وقبرستان کو جب ضرورت ہوگی انخلاء ضروری ہوگا (فتاویٰ ظہیریہ، شامی ۳/ ۵۳۰، بحر الرائق ۵/ ۲۱۶، عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹ نیز امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۴)، مشروط کا وجود تو مذکورہ فتاوی کی کتب میں ہے لیکن شرط کی قید احقر نے احتیاطاً لگادی ہے۔

ایسے قبرستان جن پر حکومتی سطح پر رکاوٹیں ہورہی ہوں تو ان پر اس صورت میں اولاً مسجد یا کوئی دینی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ یقین ہوجائے کہ موتی کے اجزاء مٹی ہوچکے ہیں۔

"وفی الشامية عن الزيلعي ولو بلی الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه الخ ومقتضاه جواز المشي فوقه" (ردالمحتار ۱/ ۸۳۵)۔

اگر میت بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجائے تو اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے حتی کہ اس کو بطور کھیتی استعمال کرنا اور اس پر تعمیر کرنا بھی جائز ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ جب اتنی گنجائش ہے تو اس پر چلنا تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ شامیہ کی مذکورہ عبارت اس جواز کی دلیل تھی۔

محکمہ آثار قدیمہ کے تحت آجانے کے بعد بھی حکومت کو قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ

وہ نماز پڑھنے پر پابندی لگادے، یہ عمل واقف کی مرضی کے صریحاً مخالف ہے، اگر خود واقف چاہتا کہ اس میں نماز پڑھنے پر پابندی لگادے تو بھی اسے کوئی حق نہ تھا چہ جائیکہ قاضی یا حکومت وقت، بہر حال یہ ممانعت غیر شرعی ہے، اس طرح کی مساجد کو واگذار کرانے کے لئے محکمۂ اوقاف سے مطالبہ کرنا اور اس کی بھرپور کوشش کرنا چاہئے پھر بھی اگر ناکامی ہو تو دلی طور سے حکومت کے اس رویہ پر نفرت کرے اور کوشش وسعی جاری رکھے۔

ہاں فتاوی وکتب فقہیہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور اس کا حکم اس جزئیہ پر قیاس کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

''أن يبني فيها بيوتا فيواجرها؛ لأن الاستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء'' (البحر الرائق ۵/۲۱۶)، دوسری دلیل: ''وبنی خانا واحتاج إلی المرمة روی عن محمد أنه يعزل منه بيت أو بيتان فتواجر وينفق من غلتها عليه وعنه رواية أخری إجارة الكل سنة ويسترم منها قال الناطفي قياسه في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته كذا في الظهيرية'' (البحر ۵/۲۱۶، بنایہ ۲/۹۹۹) میں بھی یہی مرقوم ہے۔

نیز ایک اور جزئیہ ہے جس پر مسجد کی زائد از ضرورت زمین پر راستہ بنانے کی گنجائش نکلتی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایسی زمین پر ملی یا رفاہی ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں۔

''نقل عن العتابية عن خواهر زاده إذا كان الطريق ضيقا والمسجد واسعا لا يحتاجون إلی بعضه تجوز الزيادة في الطريق من المسجد؛ لأن كلها للعامة'' (رد المحتار ۳/۵۳۰، البحر الرائق ۵/۲۲۰)۔

''درمختار'' کی کتاب الوقف کی عبارت ''وإذا جعل تحته سردا بالمصالح جاز الخ'' کے تحت حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ ''اصل توجیہ ضرورت ہے، چنانچہ ''ہدایہ'' میں صاحبین سے بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی ایک روایت اس کی شاہد ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۸۳)، چنانچہ جب مسجد کی زمین کو مصالح کے تحت رفاہ عامہ میں استعمال کیا جاسکتا

ہے تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری کی تعمیر کی غرض سے کچھ زمین کے نکل جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کا ایک استفتاء ہے جس میں انہوں نے معطل قبرستان میں انجمن اسلام کی تعمیر کی اجازت دی ہے اور علت یہ بیان کی کہ دونوں میں اشتراک علت ہے اس لئے انجمن کا مکان قومی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا درست ہے (البحر الرائق ۵/۲۲۰)، پر بھی ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے: "قال في الهداية: وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل"۔

قبرستان میں مسجد کی توسیع اس وقت کی جاسکتی ہے، جبکہ یہ یقین ہوجائے کہ موتیٰ کے اجزاء مٹی ہوچکے ہیں، عینی شرح بخاری میں ہے: "قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا" (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

اس سے پہلے شامی کی عبارت گزر چکی ہے کہ "ولو بلي الميت وصار ترابا الخ" ایسی قبر پر تعمیر اور کاشت تک ہوسکتی ہے تو پھر مسجد کی توسیع کیوں نہیں جائز ہوگی، بندہ کے خیال میں اگر قبرستان وسیع وکشادہ ہو تو اس کی اجازت دینی چاہئے ورنہ عدم جواز میں احتیاط ہے۔

غیر مسلم متولی بن سکتا ہے کیونکہ تولیت کی شرطوں میں سے بلوغ وعقل ہے نہ کہ آزاد ومسلمان ہونا "ويشترط للصحة بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه لما في الإسعاف" (ردالمحتار ۳/۵۳۲)، ہاں اگر خیانت کا ثبوت ہو رہا ہے تو قاضی اسے معزول کردے گا "لايملك القاضي نصب متول آخر بلا سبب موجب لذلك وهو ظهور خيانة الأول أو شئ آخر" (شامی ۳/۵۳۴)۔

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام صاحب (مدظلہ واطال اللہ عمرہ) نے اپنی کتاب (اسلامی عدالت) میں اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، بہرحال قاضی اگر مصلحت سمجھے تو بغیر خیانت کے بھی متولی کو معزول کرسکتا ہے۔"وذكر في البحر كلاما عن

الخانية، ثم قال عقبه: وفيه دليل على أن للقاضي عزل منصوب قاض آخر بغير خيانة إذا رأى المصلحة" (شامی ۴/۳ ۵۳)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ عزل تو اسی وقت ہوگا جب کہ قوت قاہرہ ہو اور یہاں موجودہ ہندوستان میں اس کا فقدان ہے تو اب کیا کیا جائے، بندہ کے خیال میں تین صورتیں سمجھ میں آتی ہیں: (۱) حکومت کو مجبور کیا جائے کہ ان اوقاف کو ''مسلم وقف بورڈ'' کے تحت کر دیا جائے۔ (۲) اسے اگر وہ تسلیم نہ کرے تو اس پر زور دیا جائے کہ ''اہل معرفت واصحاب رائے منتخبہ کمیٹی کو عزل ونصب کا اختیار دیدے۔ (۳) ہندوستانی عدلیہ کے سامنے ان متولیان کی خیانت ثابت کر کے ان کو معزول ومعطل کرایا جائے۔

قاضی کی عدم موجودگی میں استبدال وقف کا مسئلہ

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

الف، ب۔ نا قابل انتفاع اوقاف کوفروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

''ردالمحتار'' میں ہے:

''والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلاً أولا یفی بمؤنته فهو أیضاً جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه'' (ردالمحتار ۴؍۴۲۴)۔

استبدال کی دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، خواہ استبدال نہ کرنے کی شرط لگائی ہو یا اس سے سکوت اختیار کیا ہو، لیکن موقوفہ جائداد بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو اور اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا ہو، یا اس سے اس کا خرچ نہ پورا ہوتا ہو، اس صورت میں بھی اصح مذہب کے مطابق استبدال جائز ہے اگر قاضی کی اجازت سے ہو اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی موجود نہیں ہیں، اکثر علاقوں کا حال یہی ہے، لہذا عوام بمنزلہ قاضی قرار پائیں گے (امدادالفتاوی ۲؍۶۱۵)، مساجد و مدارس اور اداروں کی کمیٹیاں

☆ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

عوام کی نمائندہ مانی جاتی ہیں، لہذا سارے عوام کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کمیٹیوں کا غور وخوض اور فیصلہ عوام کے فیصلے کے درجہ میں ہوگا۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

''والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل كيلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا الخ... ويجب أن يزاد آخر في زماننا وهو أن يستبدل بعقار لا بالدراهم والدنانير، فإنا قد شاهدنا النظار يأكلونها وقل: أن يشتري بها بدل ولم نر أحداً من القضاة يفتش على ذلك مع كثرة الاستبدال في زماننا مع أني نبهت بعض القضاة على ذلك وهم بالتفتيش ثم ترك'' (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)۔

معتمد یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو تو بھی قاضی کے لئے استبدال جائز ہے، بشرطیکہ جائداد موقوفہ انتفاع سے بالکلیہ نکل گئی ہو اور وہاں پر وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہیں جس سے اسے آباد وتعمیر کیا جا سکے، اور بیع، غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو، اور اسعاف میں شرط لگائی ہے کہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو، یعنی ایسا قاضی جو صاحب علم بھی ہو اور صاحب عمل بھی، تاکہ اوقاف مسلمین کے ضیاع وابطال کا راستہ نہ کھل جائے، جیسا کہ یہی ہمارے زمانہ میں غالب ہے، اور ہمارے زمانہ میں ایک مزید شرط کا اضافہ ضروری ہے وہ یہ کہ استبدال، جائداد غیر منقولہ سے ہو دراہم ودنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ متولی حضرات نقد پیسے کھا جاتے ہیں اور بہت کم اس کے ذریعہ متبادل خریدا جاتا ہے، اور ہم نے کسی قاضی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس کی تفتیش کرے، جبکہ ہمارے زمانہ میں بکثرت استبدال ہو رہا ہے، حالانکہ میں نے بعض قاضیوں کو اس پر آگاہ کیا، انہوں نے تفتیش کا ارادہ کیا، پھر ترک کر دیا۔

''النہر'' کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر پورا اطمینان ہو کہ دراہم ودنانیر ضائع نہیں ہوں گے اور ان کے عوض دوسری زمین خرید لی جائے گی تو دراہم ودنانیر سے بھی استبدال جائز ہے (درمختار ۳/۴۲۵)۔

''و أجاز بعضهم الاستبدال به نقوداً ما دام المستبدل قاضي الجنة'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۲)۔

بعض فقہاء نے نقود کے ذریعہ استبدال کی اجازت دی ہے، جبکہ استبدال کرنے والا قاضی جنت ہو۔

استبدال کے جواز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ:

''أن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين'' (رد المحتار ۳/ ۴۲۵)۔

ایسے شخص کو فروخت نہ کرے جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ ہو اور نہ ایسے شخص کو فروخت کرے جس پر اس کا قرض ہو۔

مزید یہ کہ جس علاقہ کی زمین بدلے میں لی جارہی ہے وہ علاقہ پہلے علاقہ سے بہتر مانا جاتا ہو (ایضاً)۔

البتہ مساجد کا معاملہ دوسرے اوقاف سے جدا ہے، اگر کسی مسجد کا وہی حال ہو جو سوال میں درج ہے، تو بھی اس کی بیع وشراء جائز نہیں، اس کا متبادل قائم کرنے کی گنجائش نہیں، مسجد ابد الآباد کے لئے مسجد ہوتی ہے، محض احاطہ بندی وباؤنڈری ہی کرا کے اسے محفوظ رکھا جائے، مگر محفوظ رکھنا بہرحال ضروری ہے، ''فتح القدیر'' میں ہے:

''(قوله ولو خرب ماحول المسجد واستغنى عنه) أي استغنى عن الصلوٰة فيه أهل تلك المحلة أو القرية، بأن كان في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجداً على حاله عند أبي يوسف، وهو قول أبي حنيفة و مالك

و الشافعي'' (فتح القدیر ۵/ ۴۴۶)۔

اگر مسجد کے آس پاس کا علاقہ ویران ہو جائے اور اس محلّہ یا بستی کے لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں، مثلاً مسجد جس بستی میں تھی وہ ویران ہو گئی اور کھیت بن گئی تو بھی مسجد علی حالہ مسجد باقی رہے گی، یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے، اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

''درمختار'' میں ہے:

''ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی'' (درمختار ۳/ ۴۰۶)۔

اگر مسجد کے اردگرد کا حصہ ویران ہو جائے تو بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیامت تک مسجد رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد ان کا متبادل اسی طور پر قائم کیا جائے جس سے واقف کا مقصد حاصل ہو، واقف کے منشاء ومقصد کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہ ہوگی۔

''اشباہ'' میں ہے:

''شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة'' (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۲۸)۔

واقف کی شرط واجب الاتباع ہے، فقہاء کا قول ہے کہ واقف کی شرط نصِ شارع کی طرح ہے، یعنی مفہوم اور دلالت میں اور عمل کے واجب ہونے میں نصِ شارع کی طرح ہے۔

''ردالمحتار'' میں ہے:

''(قوله أي في المفهوم والدلالة الخ) کذا عبر في الأشباه والذي في البحر عن العلامة قاسم في الفهم والدلالة وهو المناسب؛ لأن المفهوم عندنا

غیر معتبر فی النصوص" (ردالمحتار ۳/۴۵۶)۔

(اشباہ میں بھی مفہوم اور دلالت کے ہی الفاظ ہیں، لیکن "البحر الرائق" میں علامہ قاسمؒ سے فہم اور دلالت کے الفاظ منقول ہیں، یہی الفاظ مناسب ہیں کیونکہ مفہوم ہمارے نزدیک نصوص میں معتبر نہیں)۔

الف، ب۔ مسجد کو زیادہ آباد کرنے کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

"فتاوی رحیمیہ" میں ہے:

"مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجتمند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورتمند مدرسہ میں استعمال کی جائے، اور مسجد کی آبادی میں اضافہ مقصود ہو تو زائد رقم سے مسجد سے متعلق مدرسہ بھی کھول سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/۱۸۷)۔

اگر مدرسہ کی رقم زیادہ ہو تو اس مدرسہ کو ترقی دی جائے، اس سے **لامحالہ** اس کے مصارف بڑھ جائیں گے اور زائد رقم کا مصرف نکل آئے گا۔

اسی طرح کا ایک فتوی "فتاوی محمودیہ" میں بھی ہے، مفتی محمود حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ، صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے، اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپئے سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں۔ اگر اس میں دشواری ہو اور یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو، کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے (فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۹)۔

یہ سوال اور استبدال وقف کا سوال تقریباً ایک ہی جیسا ہے، پھر بھی یہ مسئلہ ذرا تفصیل

کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

''درمختار'' میں ہے:

''حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه'' (درمختار ۳/۴۰۷)۔

مسجد کی گھاس پھوس، لکڑیاں وچٹائیاں وغیرہ اگر ان کی ضرورت نہ ہو، ایسے ہی رباط، کنواں وغیرہ، جب کہ ان سے منتفع نہ ہوا جائے، پس مسجد، رباط، کنویں اور حوض کے اوقاف، قریبی مسجد، رباط، کنویں اور حوض پر خرچ کئے جائیں گے۔

''ردالمحتار'' میں ہے:

''(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض، وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/۴۰۷)۔

(مسجد ورباط وغیرہ کا تذکرہ لف ونشر مرتب کے طور پر ہے، اس کا ظاہر یہ ہے کہ ویران مسجد کا وقف، حوض پر، اور ویران حوض کا وقف مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں ہے، اور شرح الملتقی میں کہ ان کے قریب مشابہ میں صرف کیا جا سکتا ہے)۔

قریبی مشابہ میں عید گاہ کی ضرورت نہ رہنے پر، عید گاہ کو مسجد بنانے کا فتوی، ''فتاوی رحیمیہ'' (۶/۸۲) پر موجود ہے۔

''نظام الفتاوی'' جلد دوم مطبوعہ دیوبند ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ بعنوان ''ٹونک کے ایک وقف کا شرعی حکم'' میں مسجد کی زائد آمدنی کو، جس کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، مسلم ذمہ داروں کے مشورہ سے دوسرے اہم کار خیر میں خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی مفتی دارالعلوم دیوبند کے ہی ایک فتوی

کی نقل احقر کے پاس موجود ہے جس میں ایک غیر مستعمل عیدگاہ کو مسجد بنانے یا دینی تعلیم کے لئے دینی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور وجہ یہ لکھی ہے کہ: ''ان دونوں صورتوں میں واقف کا منشاء تقرب الی اللہ اور حصول ثواب بذریعہ اکمل حاصل ہوگا، لہذا یہ دونوں عمل منشاء واقف کے خلاف نہ ہوکر جائز رہے گا۔

''امداد الفتاوی'' (۲/۹۷۵) پر ایک سوال وجواب بعنوان ''بنانمودن مکان انجمن در قبرستان معطل'' یوں موجود ہے:

سوال نمبر (۷۰۲) ایک قبرستان عرصہ پچیس سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے، اب اس میں ایک مکان ''انجمن اسلام'' بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے: ''قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد''۔

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے۔

عینی کی مذکورہ عبارت سے علتِ مشترکہ ''وقف ہونا'' معلوم ہوا، اس سے پتہ چلا کہ استبدال وقف اور اوقاف کی زائد آمدنی کے صرف کے سلسلہ میں اس دوسری چیز کا نفع مسلمین کے لئے وقف ہونا بھی کافی ہوگا۔

''امداد الفتاوی'' کے مذکورہ سوال و جواب کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی اپنی کتاب ''موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل'' میں نقل کیا

ہے، اور اس کا عنوان قائم کیا ہے:

''قبرستان کی موقوفہ زمین پر مسجد یا نفعِ عام کے لئے عمارت بنانا۔

اگر واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی ہوتو جواز میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اگر اجازت نہ دی ہوتو اس صورت میں اس کا جواز مختلف فیہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عدم استبدال کو اصح اور مختار قرار دیا ہے:

''والثالث أن لا يشرطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار'' (ردالمحتار ۴/۴۲۴)۔

استبدال کی تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے شرط نہیں لگائی، لیکن استبدال میں فی الجملہ نفع ہے اور اس کا بدل اس سے آمدنی اور نفع میں بہتر ہے، یہ استبدال اصح اور مختار مذہب کے مطابق جائز نہیں۔

علامہ شامی، علامہ حصکفیؒ کی درج ذیل عبارت ''لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع'' کے تحت لکھتے ہیں:

''الأولى لو شرطه الواقف، الثانية إذا غصبه غاصب و أجرى عليه الماء حتى صار بحراً فيضمن القيمة و يشتري المتولي بها أرضاً بدلاً، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة أي وأراد دفع القيمة فللمتولي أخذها ويشتري بها بدلاً، الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعاً، فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية'' (ردالمحتار ۴/۴۲۶)۔

(پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے خود شرط لگائی تھی، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غاصب نے اسے غصب کر کے اس پر پانی چلا دیا اور وہ دریا بن گیا، لہذا غاصب قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے اس کے بدلے میں کوئی زمین خریدے گا، تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب غصب کا انکار کرے اور گواہ بھی نہ ہوں، لیکن غاصب قیمت دینا چاہے، لہذا اس صورت میں بھی

متو لی قیمت سے زمین خرید ے گا، چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقف میں ایسے بدل کے ذریعہ رغبت رکھے جس کا ماحصل بھی زیادہ ہو اور علاقہ وخطہ بھی پہلے سے اچھا ہو، لہذا ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر استبدال جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں ہے)۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

"والحاصل أن الاستبدال إما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الكتاب أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه كالصورتين المذكورتين لقاضي خان، وإن كان لا لذلک بل اتفق انه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به، فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى، ولأنه لاموجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان" (فتح القدیر ۵/ ۴۴۰)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ استبدال یا تو واقف کے استبدال کی شرط لگانے کی وجہ سے ہوگا، یہی مسئلہ ہدایہ میں مذکور ہے، یا پھر اس کی شرط کے بغیر ہوگا، پس اگر واقف موقوف علیہم کے انتفاع سے نکل چکا ہوتو مناسب یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہ کیا جائے جیسے وہ دوصورتیں جو فتاوی قاضی خاں میں ذکر ہوئیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ ایسا اتفاق پڑا ہو کہ وقف کے ثمن سے وقف سے بہتر جائداد لی جاسکتی ہو، جب کہ وقف بھی قابل انتفاع ہوتو مناسب یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو اس لئے کہ واجب وقف کا علی حالہ باقی رکھنا ہے، جائز قرار دینے کا موجب نہیں اس لئے کہ پہلی صورت میں موجب شرط واقف تھی، دوسری صورت میں ضرورت تھی، اس تیسری صورت میں ضروری بھی نہیں کیوں کہ وقف میں زیادتی واجب بلکہ اس کو جس طرح تھا اسی طرح باقی رکھنا واجب ہے)۔

قاری الہدایہ کے حوالہ سے جو جواز کا فتوی نقل ہوا ہے وہ عام محققین کے نزدیک احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ خود علامہ شامیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ما أفتى به قارى الهداية من جواز الاستبدال إذا كان للوقف ريع مخالف لما مر في الشروط من اشتراط خروجه عن الانتفاع بالكلية" (ردالمحتار ۴۲۶/۳)۔

وقف کی آمدنی کے باوجود، استبدال کے جواز کا قاری الہدایہ نے جو فتوی دیا ہے وہ ان شرطوں کے مخالف ہے جو گزریں، یعنی یہ شرط کہ استبدال اس وقت جائز ہے جب وقف بالکلیہ انتفاع سے نکل جائے۔

ایک اور جگہ اس قول، کہ صاحب علم وعمل قاضی کو اس کی اجازت ہے، پر صاحب ''نہر'' کا رد یوں نقل کرتے ہیں:

''ولعمري إن هذا أعز من الكبريت الأحمر وما أراه إلا لفظاً يذكر فالأحرى فيه السد خوفاً من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان" (ردالمحتار ۴۲۷/۳)۔

(میری زندگی کی قسم! یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ دشوار ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ محض ایک لفظ ہے جس کا ذکر کر دیا جاتا ہے (ورنہ صاحب علم وعمل قاضی ملتے کہاں ہیں؟) پس زیادہ لائق ومناسب یہ ہے کہ اس طرح کا فتوی نہ دیا جائے حدودِ الٰہی کے تجاوز کے خوف سے، اور اللہ ہر ایک سے سوال کرنے والا ہے)۔

دوسری جگہ علامہ بیریؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

''أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب'' (ردالمحتار ۴۲۶/۳)۔

(میں یہ کہتا ہوں اس محقق (امام ابن ہمامؒ) نے جو کہا ہے وہ حق اور درست ہے)۔

یہی بات علامہ قنالیؒ سے بھی (ردالمحتار ۴۲۴/۳) پر نقل کی ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بڑا نازک ہے، محتاط طریقہ سے گنجائش نظر آتی ہے، لیکن سداً للذرائع جواز کا عام فتوی نہیں دیا جاسکتا، جس کو ضرورت پیش آئے وہ اصحاب افتاء سے رجوع کرے، حالات بتائے، جو فتوی ملے اس پر عمل کرے۔

اس کا جواب سوال نمبر (۳) کے جواب میں آگیا، وہ یہ کہ مسجد کے اوقاف کو کسی قریبی مسجد، مدرسہ کے اوقاف کو کسی قریبی مدرسہ اور فقراء کے اوقاف کو کسی قریبی جگہ کے فقراء پر خرچ کیا جائے۔

الف۔ دونوں صورتوں میں بیع درست نہیں، البتہ ایک دومنزل، بلکہ پوری عمارت ہی اسی بلڈر کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے، جو اس نے خرچ کیا ہے، کرایہ اسی سے وضع ہو۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''وإذا خربت أرض الوقف و أراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمَّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك'' (ردالمحتار ۳/ ۴۲۶)۔

جب وقف کی زمین ڈھہ جائے اور متولی چاہے کہ اس کا کچھ حصہ فروخت کر کے اسی پیسے سے باقی کی مرمت کرے، تو متولی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی کتاب میں ہے:

''شجرة جوز في دار وقف فخربت الدار لم يبع القيم الشجرة لأجل عمارة الوقف لكن يكرى الدار ويعمرها ويستعين بالجوز على العمارة لا بنفس الشجرة، كذا في السراجية'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۱۷)۔

(اخروٹ کا درخت جو وقف کے مکان میں ہو، مکان ڈھہ گیا، تو متولی وقف کو تعمیر کرنے کے لئے درخت کو نہ بیچے، بلکہ مکان کو کرایہ پر دے اور کرایہ کے پیسے سے اس کی تعمیر کرائے اور اخروٹ کی قیمت سے بھی تعمیر میں مدد لے، لیکن بذاتِ خود اخروٹ کے درخت کو نہ فروخت کرے، ایسے ہی سراجیہ میں ہے)۔

ب۔ اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے، بیع کے بجائے اجارہ وکرایہ کی صورت اختیار کی جائے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۳/ ۴۰۶-۴۱۹)۔

لیکن اگر وقف کی حفاظت، وقف شدہ زمین وجائداد کا کچھ حصہ فروخت کئے بغیر ممکن ہی نہ ہو، جیسا کہ سوال میں درج ہے، تو موقع ضرورت میں حنابلہ کے اس قول پر غور کیا جا سکتا ہے:

''إن الوقف إذا خرب و تعطلت منافعه كدار انهدمت أو أرض خربت و عادت مواتاً ولم تمكن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القرية عنه و صار في موضع لا يصلي فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه في موضعه أو تشعب جميعه فلم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته ولم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه'' (المغنی والشرح الکبیر ۶/ ۲۲۵، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۶)۔

(وقف ویران ہوگیا اور اس کے منافع معطل ہوگئے، مثلاً ایک گھر تھا جو منہدم ہوگیا، یا زمین تھی ویران ہوکر بالکل ناقابل استعمال ہوگئی اور اس کی تعمیر ممکن نہیں ہے، یا کوئی مسجد تھی، بستی والے وہاں سے منتقل ہوگئے اور وہ ایسی جگہ میں ہوگئی کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا مسجد محلہ والوں پر تنگ ہوگئی اور اس جگہ میں اس کی توسیع ممکن نہیں، یا سب لوگ وہاں سے منتشر ہوگئے پس اس کی پوری تعمیر یا بعض تعمیر، اس کے بعض حصہ کو فروخت کئے بغیر ممکن نہیں، لہذا اس کے بعض حصہ کی بیع جائز ہوگی تاکہ اس کا بقیہ حصہ تعمیر کیا جائے اور اگر اس سے کچھ بھی انتفاع ممکن نہ ہو تو پورے حصے کو فروخت کردیا جائے گا)۔

اگر مسجد کی زمین ہو اور مسجد آباد نہ ہو، یا کم آباد ہو تو مسجد کو آباد کرنے یا مسجد کی آبادی کو بڑھانے کے لئے مسجد کی ضرورت سے زائد زمین میں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۷، کفایۃ المفتی ۷/ ۱۰۰، ۳/ ۱۳۴، فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۸۶)۔

غالباً ''نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی'' میں بھی مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم کرنے کے جواز کا ایک فتوی موجود ہے جو احقر کی نظر سے گذرا ہے، لیکن فی الحال احقر کے پاس نظام الفتاوی مطبوعہ دہلی موجود نہیں، اس لئے بقید صفحہ حوالہ دینے سے معذور ہے۔

قبرستان کی زائد زمین، جس کی مدت مدید تک قبرستان کو ضرورت نہ معلوم ہوتی ہو، وہاں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے، اور جواز کی یہ گنجائش عینی کی اس عبارت کی بنیاد پر ہے جس کا حوالہ تیسرے سوال کے جواب میں تفصیل سے گذر چکا ہے۔

جو قبرستان، آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین کے کام میں نہ آتا ہو اور حکومت کی طرف سے وہاں تدفین پر پابندی لگ گئی ہو، اس جگہ مسجد، مدرسہ یا کار خیر کا کوئی ادارہ قائم کر کے اس کے انتفاع کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔

عینی کی عبارت تیسرے سوال کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

شرعاً حکومت کو اس قسم کا کوئی حق نہیں، مساجد کی آبادی ان کی عمارتوں کے باقی رہنے سے نہیں بلکہ نماز پڑھنے سے ہے، حکومت کا یہ فعل ظلم وزیادتی ہے۔

''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها'' (سورہ بقرہ ر ۱۱۴)۔

نماز پڑھنے سے روکنا مسجد کو ویران کرنا ہے۔

جائز ہے، بشرطیکہ اگر قبریں دوکانوں میں جائیں تو وہ پرانی قبریں ہوں جن کے نشانات بالکل ختم ہو چکے ہوں (ردالمحتار ر ۱ ر ۶۶۴)۔

فاضل آمدنی مناسب مصارف خیر میں لگانے کے متعلق عینی کی عبارت جس کا بار بار تذکرہ آچکا ہے، نظیر بنائی جا سکتی ہے۔

چونکہ وہ مسجد قبرستان میں پہلے سے ہی بنی ہوئی ہے لہذا وہ قبرستان سے متعلق ہوگئی، اس کے متعلق ہونے کی وجہ سے قبرستان کی زمین میں اس کی توسیع بھی جائز ہے، گویا قبرستان کی

زمین قبرستان کے ہی کام میں آئی۔

اس جواز میں ویران اور زیر استعمال دونوں ہی قبریں داخل ہیں، البتہ مسجد کی توسیع صرف پرانی قبروں کی جگہ ہوسکتی ہے، ایسی قبریں جن کے مردوں کے متعلق اندازہ ہو کہ ہڈیاں بوسیدہ ہوچکی ہوں گی۔

''ردالمحتار'' میں ہے:

''ویخیر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی و صار تراباً، زیلعی'' (۱/ ۶۶۲)۔

مساجد ومدارس اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کوغیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال لینا بہتر ہے، لیکن اگر اس میں مشکلات ہوں تو ہوں، ان کی تولیت میں رہنے دینے کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ ''مطلب فی شروط المتولی'' کے تحت لکھتے ہیں:

''والظاهر أنها شرائط الاولویة لا شرائط الصحة وان الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ینعزل کالقاضی إذا فسق لا ینعزل علی الصحیح المفتیٰ به ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه'' (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

ظاہر یہ ہے کہ (فسق وغیرہ سے محفوظ ہونا) اولویت کی شرط ہے، صحت کی شرط نہیں، چنانچہ متولی اگر فاسق ہوجائے تو وہ مستحق معزولی ہوجائے گا، مگر بسبب فسق خود سے معزول نہیں ہوگا، جیسے قاضی، صحیح مفتیٰ بہ قول کے مطابق فسق کی وجہ سے ازخود معزول نہیں ہوتا، اور تولیت کی شرائط صحت میں سے متولی کا بالغ وعاقل ہونا ہے، آزاد ہونا اور مسلمان ہونا شرط نہیں۔

وسیع قبرستان میں واقع مسجد کی توسیع کا حکم

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

استبدال وقف:

مسائل وقف کے ذیل میں استبدال کی بحث نہایت ہی اہم اور قابل توجہ ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے وقف سے متعلق سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات اسی سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس بحث کو تفصیل اور وضاحت سے تحریر کرنا ضروری ہے۔ نصوص فقہیہ سے یہ صراحۃً ثابت ہے کہ وقف کے مکمل اور تام ہوجانے کے بعد اشیاء موقوفہ کی خرید فروخت اور ہبہ درست نہیں ہیں، اور واقف کی موت کی صورت میں اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

''وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه'' (ہدایہ فتح القدیر علی ہامش ۲۰۵/۶)۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے تحریر کیا ہے: ''فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن...'' اور صاحب رد المحتار نے ''لا يملك'' کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

''أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه'' (رد المحتار ۵۳۹/۶)۔

اب رہا یہ سوال کہ اشیاء موقوفہ کو دوسری اشیاء سے بدلنا یا ضرورتاً اسے فروخت کر کے

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

دوسری اشیاء خرید کر کے اسے ''وقف'' قرار دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے تفصیل سے بحث کیا ہے۔

استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں:

مالکیہ امام مالکؒ کے نزدیک حسب ذیل دوصورتوں میں استبدال وقف بالکل ہی ممنوع ہے:

الف: ایک مسجد کا تبادلہ دوسری مسجد سے جائز نہیں ہے۔ استبدال مسجد کے عدم جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

ب: وقف عقار کی صورت میں ہو، اور اس سے اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں ارض موقوفہ کی بیع اور تبادلہ جائز نہیں ہوگا، البتہ مسجد، مقبرہ اور عام راستہ کی توسیع کی صورت میں ضرورتاً اراضی موقوفہ کا تبادلہ جائز ہوگا۔ فقہ مالکی کی معروف کتاب شرح مختصر خلیل میں ہے:

''لا بأس ببيع الدار المحبسة وغيرها، ويكره الناس السلطان على بيعها إذا احتاج الناس إليها لجامعهم الذى فيه الخطبة وكذلك إذا احتاج الطريق إليها، وإذا كان النهر بجانب طريق عظيمة من طرق المسلمين التى يسلك عليها العامة فحضرها حتى قطعها فإن أهل تلك الأرض التى حولها يجبرون على بيع ما يوسع به الطريق'' (شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل ۶/۴۲)۔

عقار کی صورت میں اکثر فقہاء مالکیہ استبدال کے عدم جواز کے قائل ہیں، اگر چہ مقصد وقف فوت ہو رہا ہو، اور اراضی موقوفہ سے انتفاع واستغلال ختم ہوگیا ہو، البتہ اس صورت میں بعض مالکیہ استبدال کو جائز قرار دیتے ہیں۔

وقف منقول کی صورت میں مالکیہ کے نزدیک استبدال جائز ہے، امام مالکؒ سے منقول ہے:

''ما ضعف من الدواب المحبسة فى سبيل الله تعالى حتى لايكون فيه

قوة علی الغزو بیع واشتری بثمنه ماینتفع به من الخیل، فیجعل فی سبیل الله"
(شرح مختصر خلیل المسمی بالتاج والاکلیل ۶؍۴۱)۔

مالکیہ کے نزدیک عقار اور منقول کے استبدال میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عقار میں مستقبل میں انتفاع کی امید رہتی ہے، جبکہ منقول میں انتفاع کی امید نہیں رہتی ہے، بلکہ ضیاع کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے عقار میں تنگی اور منقول میں توسع سے کام لیا گیا ہے۔

شافعیہ: استبدال وقف کے بارے میں شافعیہ کی رائے مالکیہ کی رائے سے زیادہ قریب ہے، ان کے نزدیک بھی اس میں تشدد اور تنگی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر عقار بالکل ہی قابل انتفاع نہ رہے تو اس صورت میں عقار موقوف کا استبدال درست ہوگا یا نہیں؟ اس میں شافعیہ کے دو قول ہیں:

ایک قول جواز کا ہے، اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے، فقہ المذہب میں ہے:

"وإن وقف نخلة فجفت أو بهيمة فزمنت أوجذوعا علی مسجد فتكسرت ففيه وجهان: أحدهما: لا يجوز بيعه كما ذكرنا فی المسجد، والثانی: يجوز بيعه لأنه لا يرجی منفعته فكان بيعه أولی من تركه بخلاف المسجد" (المہذب)۔

حنابلہ: حنابلہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع سے کام لیا گیا ہے۔

حنفیہ: حنفیہ کے نزدیک استبدال وقف میں زیادہ توسع ہے، صرف مسجد کی حد تک توسع کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، حنفیہ کے نزدیک استبدال کی حسب ذیل تین صورتیں ہیں:

۱۔ وقف کرتے وقت واقف نے اپنے لئے یا وقف کے متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی ہو، مثلاً وقف کرتے وقت واقف نے یہ کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھے اس کے استبدال کا حق حاصل ہوگا، ایسی صورت میں وقف درست قرار پائے گا، امام ابو یوسف اور بعض روایات کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک استبدال کی شرط بھی درست قرار

پائے گی۔ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل قرار پائے گی، فقہائے حنفیہ میں سے ہلال اور خصاف بھی استبدال کی شرط کے جواز کے قائل ہیں، فتاویٰ قاضی خاں میں امام ابو یوسف اور امام ہلال کے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا نقطۂ نظر اور مسلک مختار کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ولو شرط أن يستبدل بها أرضا أخرى تكون وقفا مكانها فهو جائز عند أبي يوسف وهلال والخصاف وهو استحسان، وكذا لو قال على أن أبيعها واشترى بثمنها أخرى مكانها، وقال محمد: يصح الوقف ويبطل الشرط ... وفي فتاوى قاضي خان قول هلال وأبي يوسف هو الصحيح'' (فتح القدیر ۶/)۔

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں استبدال وقف کی مذکورہ بالا صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ اگر وہ چاہے تو ارض موقوفہ کا دوسری زمین سے تبادلہ کرسکتا ہے، تو یہ شرط امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، امام محمدؒ کے نزدیک اور یہی اہل بصرہ کا بھی قول ہے، وقف جائز ہوگا اور استبدال کی شرط باطل قرار پائے گی۔ اس لئے کہ یہ شرط بقاء وقف میں مؤثر نہیں ہوگی اور وقف اس کے ذریعہ تام جائے گا (المبسوط للسرخسی ۱۲/۴۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں امام محمدؒ سے وقف اور شرط دونوں کے بطلان کا قول نقل کیا ہے (حاشیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق)۔

حنفیہ کا قول مختار یہ ہے کہ اگر واقف اپنے لئے یا متولی کے لئے استبدال وقف کی شرط لگادے تو وقف درست قرار پائے گا اور شرط بھی نافذ ہوگی، اس لئے یہ اس قسم کی شرط لزوم وقف اور اس کی تابید کے منافی نہیں ہے، جہاں تک وقف کے لزوم وتابید کا سوال ہے تو یہ کسی ارض معینہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ اس کے وقف کے زوال سے وقف زائل ہوجائے گا۔ وقف کا اصل مقصد یہ ہے کہ اصل شئی کو باقی رکھتے ہوئے اس کی منفعت موقوف علیہم پر صرف ہوتی رہے۔

اور یہ مقصد استبدال وقف کی صورت میں بھی حاصل رہتا ہے۔

استبدال کی شرط لگانے کی صورت میں واقف اور متولی کو اختیار رہوگا کہ وہ اراضی موقو فہ کا تبادلہ کر کے یا اسے فروخت کر کے دوسری اراضی وقف کرے، اگر چہ قاضی کی طرف سے استبدال کی جازت حاصل نہ ہو، کیونکہ واقف کی شرائط شریعت اسلامی کی طرف سے دی گئی ولایت خاصہ کی وجہ سے نافذ قرار پاتی ہیں۔

اشتراط کی صورت میں واقف کو استبدال کا حق حاصل ہوگا چاہے شئی موقو فہ کی ذات سے فائدہ اور نفع کا سلسلہ جاری ہو۔

فقہاء حنفیہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ مسجد کے بارے میں استبدال کی شرط درست نہیں ہے، اشتراط کی صورت میں وقف درست قرار پائے گا اور شرط باطل ہوگی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہیں لگائی مگر وقف قابل انتفاع نہیں رہا، مثلاً وقف کا مکان منہدم ہوگیا، اور اس کی تعمیر کی کوئی صورت نہیں رہی، یا ارض موقو فہ قابل کاشت نہیں رہی، پیداوار سے زیادہ اس پر خرچ آ رہا ہو تو آیا ایسی صورت میں استبدال وقف کی اجازت ہو گی یا نہیں، فقہاء حنفیہ کی اکثریت جواز کی قائل ہے۔ شمس الائمہ الحلوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر اوقاف مسجد کی نافعیت ختم ہوگئی اور استغلال کی شکل باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں متولی وقف کو اوقاف کو فروخت کرنے اور اس کی جگہ دوسری اراضی خریدنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں (انفع الوسائل ر ۱۱۳)۔

امام محمد بن الحسن شیبانی سے بھی اس صورت میں استبدال وقف کا جواز ثابت ہے۔۔ فتاوی الطرطوسی میں ہے:

''وروى عن محمد أنه إذا ضعفت الأرض الموقوفة والقيم يجد بثمنها ما هو أكثر ريعا في المنتقى قال هشام: سمعت محمدا يقول في الوقف: إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس

ذلک إلا للقاضی'' (نفع الوسائل ر ۱۱۳)۔

حسب ذیل دو صورتوں میں بھی متولی کو استبدال وقف اور وقف کی فروختگی کا حق حاصل ہوگا:

۱۔ غاصب نے وقف کی جائداد غصب کرلی، وقف کا متولی اس جائداد کی واپسی سے عاجز ہو، اور کسی دلیل سے غصب کا ثابت کرنا مشکل ہو، غاصب ارض موقوفہ کی قیمت کی ادائیگی پر آمادہ ہو، تو ایسی صورت میں غاصب سے ارض موقوفہ کا معاوضہ اور بدل لازمی طور پر قبول کرلیا جائے گا، اور اس کے ذریعہ عقار خرید کر کے مغصوب کے بدلہ میں اسے ''وقف'' قرار دیا جائے گا۔

۲۔ غاصب نے ارض موقوفہ کو غصب کرکے اس میں تالاب بنادیا، اس طرح کہ وہ حصہ دریا کا جز بن گیا، جس کی وجہ سے وہ زمین قابل کاشت نہ رہی، اس صورت میں متولی غاصب سے ارض موقوفہ کی قیمت وصول کرے گا، اور اس سے دوسری زمین خرید کرکے اسے ''وقف'' کردے گا۔

۳۔ استبدال وقف کی تیسری صورت یہ ہے کہ اوقاف قابل انتفاع اور قابل استغلال ہوں، اوقاف پر آنے والے مصارف سے زیادہ آمدنی اور فائدہ ہو، جسے مصارف وقف پر صرف کیا جاتا ہو، مگر اس کا امکان ہو کہ استبدال کے ذریعہ اوقاف کو زیادہ مفید اور نفع بخش بنایا جائے، یعنی اوقاف کے عدم تعطل کے باوجود صرف زیادہ مفید اور نفع بخش بنانے کی غرض سے اوقاف کی اراضی کا دوسری اراضی سے تبادلہ کیا جائے، اس صورت میں استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟.. اس میں ائمہ احناف کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو یوسفؒ اس صورت کے بھی جواز کے قائل ہیں، چنانچہ ''ذخیرہ'' میں ہے:

''روی عن أبی یوسف أنه قال: لابأس باستبدال الوقف مما روی عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ أنه وقف علی الحسن والحسین، فلما خرج إلی صفین

قال: إن نأت بهم الدار فبيعوها و اقسموا ثمنها بينهم" (المحاضرۃ فی الوقف، ۱۶۴)۔

امام ابو یوسف کا استدلال یہ ہے کہ استبدال وقف کی صورت میں وقف کا زیادہ فائدہ ہے، کہ اس صورت میں استبدال وقف، مقصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے، بلکہ عین مطابق ہے، فقیہ ہلال اس صورت کے عدم جواز کے قائل ہیں (المحاضرۃ فی الوقف، ۱۶۴)۔

علامہ ابن الہمام حنفی بھی عدم جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک استبدال وقف یا تو شرط کی وجہ سے جائز ہوگا یا پھر ضرورت کی بنیاد پر، مذکورہ صورت میں نہ تو واقف کی طرف سے شرط پائی جاتی ہے اور نہ ہی ضرورت کا تحقق ہے۔

''فتح القدیر'' میں ہے:

''فينبغي أن لا يجوز (أى الاستبدال في حال وجود غلة)، لأن الواجب ابقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة أخرى، ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان'' (فتح القدیر ۶/ ۲۱۴)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے عدم جواز کے قول کو ''اصح'' اور ''مختار'' قرار دیا ہے (رد المحتار ۶/ ۵۸۴)۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی عدم جواز کے قول ہی کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/ ۶۳۴) مگر ''فتاوی قاری الہدایہ'' میں امام ابو یوسف کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے... علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

''الرابعة أن يرغب الإنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعا، فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى، كما فتاوى قارى الهداية'' (رد المحتار ۶/)۔

شرائط استبدال:

استبدال وقف کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ وقف کا استبدال اور اس کی بیع غبن فاحش کے ذریعہ نہ ہو۔

۲۔ متولی ایسے شخص سے بیع کا معاملہ نہ کرے جس کے حق میں اس کی شہادت مقبول نہیں ہے، اور نہ ایسے شخص سے معاملہ کرلے جس کا دَین اس کے ذمہ ہو، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں اس کا احتمال ہے کہ متولی وقف کی اصلی قیمت سے کم قیمت پر اسے فروخت کردے، لہذا موضع تہمت ہونے کی وجہ سے دونوں صورتوں میں اسے استبدال اور بیع سے روک دیا گیا ہے۔

۳۔ وقف کی فروخت کی گئی زمین کے مقابلہ میں خریدی گئی زمین زیادہ سودمند اور نفع بخش ہو (المحاضرۃ فی الوقف۔ ابوزہرۃ/۱۶۶۔ ۱۶۷)۔

۴۔ استبدال دنانیر ودراہم اور کرنسیوں کے ذریعہ نہ ہو بلکہ عقارہی کے ذریعہ ہو۔

استبدال وقف کے لئے قاضی کی اجازت:

اشتراط کی صورت میں تو واقف کو شرط کی بنیاد پر استبدال وقف کا حق حاصل ہوگا، اور قاضی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی، البتہ عدم اشتراط کی صورت میں استبدال کا حق براہ راست واقف یا متولی کو حاصل ہوگا، یا اس کے لئے قاضی کی اجازت ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے استبدال کو قاضی کی اجازت کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے، اور یہ حق ہر قاضی کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ قاضی الجنۃ کو اس کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے، ''قاضی الجنۃ'' سے مراد وہ قاضی ہے جو صاحب علم وعمل اور صاحب زہد وتقویٰ ہو۔

صاحب ''اسعاف'' نے استبدال وقف کی بحث میں تحریر کیا ہے:

''وأما إذا لم يشترط فقد أشار في السير إلى أنه لايملكه إلا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك، ويجب أن يخصص برأي أول القضاة الثلاثة المشار إليه بقوله عليه الصلوة والسلام: "قاض في الجنة وقاضيان في النار'' المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال الوقف، كما هو الغالب في زماننا'' (الاسعاف/۳۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے بھی استبدال وقف کے جواز کے لئے قاضی الجنۃ کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے (ردالمحتار ۶/ ۵۸۷)۔

لہذا عدم اشتراط کی صورت میں شرائط استبدال کی رعایت کرتے ہوئے صاحب علم وعمل قاضی کی اجازت سے استبدال وقف درست ہوگا، قاضی الجنۃ کی اصطلاح بہت ہی مناسب اور تحفظ اوقاف کے لئے بہتر ہے، اگر علی الاطلاق تمام قضاۃ کو اس کا مجاز بنا دیا جاتا تو اس کا غالب اندیشہ تھا کہ دنیا دار قضاۃ ناجائز طور پر لوگوں کو اوقاف کی خرید فروخت کی اجازت دے کر اوقاف کی املاک کے ضیاع وہلاکت کی راہ ہموار کرتے۔ بہار و اڑیسہ یا ہندوستان کی وہ ریاستیں جن میں باضابطہ نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ مقرر ہیں ان ریاستوں اور مقامات میں استبدال وقف کے لئے اذن قاضی ضروری ہوگا، البتہ جہاں باضابطہ نظام قضاء قائم نہیں ہے، وہاں مستند علماء جو صاحب علم وعمل ہوں ان کی اجازت استبدال کے لئے کافی ہے۔

اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

مسائل اوقاف کے ذیل میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوقاف کی فاضل آمدنی جو اس کے مصارف اور اس کی ضروریات سے زائد ہو، اور مستقبل قریب میں بھی ضرورت پڑنے کی توقع نہ ہو تو ایسی حالت میں فاضل آمدنی کا مصرف کیا ہوگا، اور اسے کہاں صرف کیا جائے گا۔ مثلاً کسی قبرستان، مدرسہ یا مسجد پر کافی اراضی وقف ہوں، اراضی موقوفہ میں دکانیں ہوں، اور آمدنی کے دیگر ذرائع ہوں، اوقاف سے حاصل شدہ آمدنی اس کے متعینہ مصارف پر صرف کرنے کے باوجود آمدنی کا کچھ حصہ بچ جاتا ہو، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی صراحت کے مطابق اگر وقف سے حاصل آمدنی کی وقف کو آئندہ مستقبل قریب میں بھی ضرورت نہ ہو تو، الأقرب فالأ قرب کے قاعدہ کے مطابق مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس مسجد سے قریب تر دوسری مسجد کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا قبرستان کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس سے قریبی قبرستان کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، اسی طرح مدرسہ کے وقف کی فاضل آمدنی کو اس

سے قریبی مدرسہ کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، پھر اس سے جو قریب ہو، ایک جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی اسی جنس پر صرف کرنا ضروری ہوگا، اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ مسجد کے وقف کی آمدنی قبرستان یا مدرسہ یا دیگر رفاہ عام کے کاموں کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر قال: نعم، ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو عن العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ماهو محتاج إلى العمارة قال لا'' (۴۷۸/۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے:

''وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (ردالمحتار ۵۵۱/۶)۔

البتہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں میں اتحاد ہوتو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک صاحب خیر نے اپنی ایک دکان کسی مسجد کی تعمیری ضروریات کے لئے وقف کی اور دوسری دوکان اسی مسجد کے امام ومؤذن اور دیگر عملہ کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں ایک موقوفہ دکان کی فاضل آمدنی دوسرے وقف کے مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے، اور اگر واقف یا جہت وقف میں سے کسی ایک میں بھی اختلاف ہوتو ایسی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کی جاسکتی ہے، مثلاً ایک شخص نے دو مسجدیں الگ الگ بنائیں، یا ایک شخص نے اپنی طرف سے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا، دونوں پر اپنی اراضی وقف کی تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ کی ضروریات میں یا مدرسہ کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

''درمختار'' میں ہے:

''(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه.. وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين) أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلک'' (ردالمحتار ۶/۵۵۱)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف ذکر کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

''مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں مسجد نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب (امدادالفتاوی ۲/ ۶۱۴)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اوقاف کی زائد اور فاضل آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف کی ضروریات میں ''الأقرب فالأقرب'' کی ترتیب سے صرف کیا جائے گا، دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔ تمہیدی کلمات کے بعد اصل سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

الف۔ غیر آباد وقف کا تبادلہ:

اگر موقوفہ قبرستان، مدارس، خانقاہیں یا ان پر موقوفہ اراضی وہاں کے مسلمانوں کے منتقل یا فسادات میں تباہ وبرباد ہوجانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں اور اوقاف کی املاک پر حکومت وقت یا غیر مسلموں کے قبضہ کا خطرہ ہے، اگر وقف نامہ میں واقف یا اس کے منتخب کردہ متولی کو اشیاء موقوفہ کی فروختگی اور تبادلہ کا اختیار دیا گیا ہو تو بلاشبہ واقف یا اس کے متولی کو واقف کے شرط کے مطابق اوقاف کے فروخت کرنے اور دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور اگر ''وقف نامہ'' میں اس کی صراحت نہیں کی گئی ہو تو بھی چونکہ اشیاء موقوفہ فی

الحال بے فائدہ اور ویران ہیں، ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے تحفظ اوقاف، مصالح اوقاف اور منشاء واقف کی رعایت کرتے ہوئے قاضی شریعت (قاضی الجماعۃ) کی اجازت سے مذکورہ اوقاف کوفروخت کر کے دوسری جگہ زیادہ مفید متبادل اوقاف قائم کرنے کی گنجائش ہوگی، قاضی شریعت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں متدینین اور اصحاب زہد وتقوی علماء کی اجازت سے بھی تبادلہ کی گنجائش ہوگی۔

ب۔ اشخاص یا حکومت سے تبادلہ:

مذکورہ بالا صورت میں ویران اور بے مصرف اوقاف کا تبادلہ چاہے اشخاص سے کیا جائے یا مرکزی وریاستی حکومتوں سے، ہر صورت میں اوقاف کے تبادلہ اور مذکورہ اوقاف کو اشخاص یا حکومتوں کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری اراضی یا مکانات حاصل کر کے مقاصد اوقاف کو باقی رکھنے کا طریقہ اپنایا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے واقف کے منشا اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے، لہذا استبدال اوقاف کی صورت میں بھی کسی ایسے کام کی اجازت نہیں ہوگی جو واقف کے منشا اور مقاصد اوقاف کے خلاف ہو، ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کوفروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی اور رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی ورفاہی اداروں کا قیام درست نہیں ہوگا، ہر صورت میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہوگی۔

الف۔ مساجد کی فاضل اراضی موقوفہ میں دینی یا عصری اداروں کا قیام:

مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہو اس میں کسی بھی طرح کے ادارہ کا قیام خواہ وہ دینی درسگاہ ہو یا عصری شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، عدم جواز کی علت یہ ہے کہ واقف نے اپنی اراضی مسجد کی ضروریات کے لئے وقف کیا، کسی ادارے کے قیام یا اس کی ضروریات کے لئے نہیں، وقف میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہوتی ہے اس لئے اس طرح کے تصرف کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی۔

ب ۔مساجد کی فاضل آمدنی کا استعمال:

مسجد کی آمدنی کو ضروریات مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، اسے تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہوگا، اگر کسی مسجد کے پاس فاضل اور ضروریات سے زائد آمدنی ہو اور مستقبل قریب میں مسجد کو اس کی ضرورت پڑنے کی امید نہیں ہو تو ایسی صورت میں مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے بہتر اور مفید طریقہ یہ ہے کہ اس رقم سے مزید اراضی خرید کر وقف کر دیا جائے، تا کہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکے، اور اگر مزید اراضی خریدنے کی ضرورت نہ ہو، اس کا تحفظ دشوار ہو اور اسے روک رکھنے میں ''ضیاع'' کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو کسی قریب کی مسجد یا اس کی دیگر ضروریات پر صرف کیا جائے گا، اور اگر قریب کی مسجد کو ضرورت نہ ہو تو اس سے قریب کی دوسری مسجد یا اس کی ضرورت پر صرف کیا جائے گا، اسی طرح ''الاقرب فالاقرب'' کے قاعدہ سے مساجد ہی پر اس رقم کا صرف کرنا ضروری ہوگا، اسے رفاہی یا تعلیمی اداروں کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف،ب۔اگر واقعۃً کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل اور زائد ہو اور ہر سال زائد رقم جمع ہو کر ایک بڑے سرمایہ کی شکل اختیار کر لیتی ہو، جس کی ایک لمبے عرصہ تک حفاظت ونگہداشت مشکل ہو، اس کے ضیاع کا بھی خطرہ لاحق ہو، اور اس زائد رقم کی نہ تو روزمرہ کی ضروریات کے اندر صرف کرنے کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ حفاظت یا وقف کی اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہوگا، دیگر ملی دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، ایک وقف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں ''الأقرب فالأقرب'' کے اصول پر صرف کی جائے گی۔

اگر کسی وقف کا مکان یا دوکان کم نفع بخش ہو اسکو فروخت کر کے زیادہ نفع بخش مکان یا دوکان خرید نا تا کہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائے، اسکے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے، عام طور پر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی ہے، ''فتح القدیر'' میں وضاحت کی ہے:

''ينبغي أن لا يجوز (أي الاستبدال في حال وجود غلة)؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى'' (فتح القدیر ۵/ ۲۲۹)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے زمین کے استبدال کو جائز تو قرار دیا ہے لیکن مکان کے استبدال کو ناجائز ہی قرار دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

''إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلاً، فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال''۔

مزید تشریح کرتے ہوئے آگے تحریر فرماتے ہیں:

''ولا يمكن قياسها على الأرض، فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها أما الدار، فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى'' (رد المحتار ۴/ ۳۸۵، المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۴۲)۔

علامہ شامیؒ نے زمین اور مکان کے سلسلہ میں جو فرق کیا ہے اور جو بنیاد بتائی ہے وہ یہ ہے کہ مکان کا استبدال اس لئے درست نہیں ہے کہ مکان قابل رہائش ہونے کی وجہ سے خواہ جہاں بھی ہو لوگوں کو کرایہ پر لینے میں رغبت رہتی ہے، لیکن اگر موجودہ دور میں مکان کے کرایہ کے سلسلہ میں عام لوگوں کا جو رجحان ہے وہ دیہات میں نہیں، بلکہ شہر میں ہے، بلکہ دیکھا یہی جاتا ہے کہ موجودہ دور میں دیہات میں رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لینے کا رواج ہی نہیں ہے، اس جائزہ سے یہ معلوم ہوا کہ فی زماننا دیہات میں مکان کے بجائے زمین ہی کے سلسلہ میں عام

لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے، اس لئے رغبت والی بنیاد فی زمانہ بہت کمزور ہو جاتی ہے، لہذا ناچیز کی رائے ہے کہ کم نفع بخش مکان جو دیہات میں ہو اسے فروخت کر کے اگر شہر میں زیادہ نفع بخش مکان دستیاب ہو تو اس کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ یہ انفع للواقف بھی ہے اور مقاصد وقف کے منافی بھی نہیں ہے۔ ذخیرہ میں صراحت ہے:

''روی عن أبی یوسف أنه قال: لا بأس باستبدال الوقف لما روی عن علی ابن طالبؓ أنه وقف علی الحسن والحسین فلما خرج إلی صفین قال: إن نأت بهم الدار فبیعوها واقسموا ثمنها بینهم ولم یکن شرط البیع فی أصل الوقف'' (الذخیرہ بحوالہ محاضرات فی الوقف لأبی زہرۃ/ ۱۶۴)۔

امام ابو زہرہؒ نے صراحت کی ہے کہ فتوی قدیم زمانہ ہی سے اس صورت میں بھی جواز استبدال ہی کا رہا ہے:

''والفتوی من قدیم الزمان علی جواز الاستبدال فی هذه الحال کسابقتها وعلیه العمل فی المحاکم العربیة، إن استثنینا البلاد السعودیة، فإن العمل فیها علی مقتضی المذهب الحنبلی، وإن الاستبدال فیه مصلحة ظاهرة'' (محاضرات فی الوقف لأبی زہرۃ/ ۱۶۵)۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ ناچیز کے نزدیک فی زمانہ وہ مکان یا دوکان جو کم نفع بخش ہو اسے فروخت کر کے زیادہ نفع بخش مکان خریدنا درست ہے اور مصلحت وقف کے موافق ہے۔

مصارف اوقاف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اوقاف کا مصرف:

مصارف اوقاف کے ختم ہونے کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں:

الف۔ کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء و مساکین پر وقف تھی، ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ خاندان ہی ختم ہو گیا، تو ایسی صورت میں موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف کی جائے گی، کیونکہ جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس

وقف کے حقدار فقراء ومساکین ہی ہوتے ہیں۔شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی ہے،یعنی وقف کرتے وقت واقف وقف کی ایسی جہت کی صراحت کردے جو ختم نہ ہونے والی ہو، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تابید کی صراحت ضروری ہے،عدم صراحت کی صورت میں وقف درست نہیں ہوگا۔

فقہاء حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ عدم صراحت کی صورت میں بھی وقف درست قرار پائے گا اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، اور جہت وقف کے ختم ہو جانے کی صورت میں اس کی آمدنی کے مصرف فقراء ومساکین قرار پائیں گے، امام ابو یوسفؒ ہی کا قول مفتی بہ ہے۔

لہذا جہت وقف کے انقطاع کی صورت میں وقف کی آمدنی دوسرے فقراء ومساکین پر صرف کی جائے گی، علامہ ابن الہمام نے تحریر فرمایا ہے:

"قال أبو يوسف: إذا انقرض موقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء (ويجعل آخره لجهة) قربة (لاتنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد؛ لأنه كالصدقة وجعله أبو يوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر في الدار وصدر الشريعة وبه يفتي وأقره المصنف" (شرح فتح القدیر ۶/۱۹۹)۔

ب۔دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زمین یا جائداد کسی مسجد، مدرسہ قبرستان یا رفاہی ادارہ پر وقف تھی، اور اب نہ ہی وہ مسجد باقی رہی اور نہ ہی مدرسہ قبرستان اور رفاہی ادارہ، تو ایسی صورت میں ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو اسی جنس کے اوقاف پر صرف کرنا ضروری ہوگا۔مثلاً مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد کے اوقاف پر، مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف ہوگی، ایک جنس کے اوقاف کی آمدنی کو دوسری جنس کے اوقاف پر صرف کرنا درست نہیں ہوگا۔

الف۔ بلڈر سے اوقاف کی زمین پر اس شرط کے ساتھ مکان تعمیر کرانا کہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ہوگی:

اگر کسی وقف کی عمارت خستہ اور مخدوش حالت میں ہو، وقف کے پاس اس کی ازسرنو تعمیر کے لئے ضروری سرمایہ نہیں ہے، یا وقف کی کوئی زمین ہے جس پر مکان تعمیر نہیں ہے اور اس زمین سے پیداوار بھی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی اور صورت ممکن ہے، ایسی صورت میں اگر کوئی بلڈر وقف کی مخدوش عمارت کو منہدم کر کے تعمیر جدید یا خالی زمین پر اپنے مصارف سے عمارت بنانے کے لئے اس شرط پر آمادہ ہوجائے کہ تعمیر شدہ مکان کی ایک یا دو منزل اس کی ذاتی ملکیت قرار پائے گی جس میں اسے ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا، اور بقیہ منزلیں مصارف وقف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ ایسی صورت میں وقف موجودہ پوزیشن میں کسی بھی طرح قابل انتفاع نہیں ہے اس لئے اسے قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر سے اس قسم کا کوئی معاملہ کیا جاتا ہے تو شرعاً وہ درست اور جائز قرار پائے گا، اس طرح کا معاملہ مقصد وقف اور منشاء واقف کے عین مطابق ہے، اور مقاصد وقف کا اس میں تحفظ بھی ہے، اس لئے میرے نزدیک معاملہ کی یہ صورت درست ہے، البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مکان کے نیچے کی منزل ہر حال میں وقف ہی رہے، اسے بلڈر کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

ب۔ ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیرات میں صرف کرنا:

وقف کے تام و مکمل اور لازم ہوجانے کے بعد اس کی فروختگی اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے ارض موقوفہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو تعمیرات میں لگانا، اور وقف کو اس کی واقفیت سے نکال دینا درست نہیں ہے۔ شئی موقوفہ کی وقفیت کو اپنی اصلی حالت میں یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری چیز خرید کر کے وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں ارض موقوفہ کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو مخدوش عمارت کی تعمیر جدید یا نئی مسجد کی تعمیر یا

خالی زمین پر عمارت بنوانے یا نئی مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا شرعاً درست نہیں ہوگا، اس سے اجتناب لازم وضروری ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے تحریر کیا ہے:

"بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن کان بأمر القاضي وإن کان خرابا" (البحر الرائق ۵/۲۲۳)۔

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا مدرسہ کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً درست نہیں ہے، چاہے زمین مسجد یا مدرسہ کی ضروریات سے زائد ہو، کیونکہ واقف نے اس زمین کو مسجد یا قبرستان کی ضروریات کے لئے وقف کیا تھا، مدرسہ کی تعمیر کے لئے نہیں، منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

ویران قبرستان کا حکم:

اگر کوئی قبرستان مسلم آبادی کے ختم ہوجانے کی وجہ سے ویران اور غیرآباد ہوجائے اور اس کی قبریں اتنی بوسیدہ اور پرانی ہوجائیں کہ مردوں کے سڑگل اور مٹی میں مل جانے کا ظن غالب ہو، اور اس قبرستان پر اپنوں یا غیروں کے قبضہ کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں اس طرح کے قبرستان کو قاضی شریعت کی اجازت سے مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ اسکو کاشت کے لئے استعمال کیا جائے، یا اس میں دکانیں تعمیر کرکے کرایہ پر دے دی جائیں۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر "الاقرب فالاقرب" کی ترتیب سے صرف ہوگی۔ "درمختار" میں ہے:

"کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابا" (درمختار)۔

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا:

مسجد اللہ کا گھر ہے جسے عبادت الٰہی، ذکر وتسبیح اور نماز کے لئے بنایا جاتا ہے، اس میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار نہ تو کسی حکومت کو ہے اور نہ ہی کسی فرد کو، قرآن کریم

میں مساجد کو ویران کرنے اور ان میں اللہ کے بندوں کو عبادت سے روکنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها'' (سورۃ البقرۃ ۱۱۴)۔

لہذا قدیم مساجد کو آثار قدیمہ کی تحویل میں قرار دے کر ان میں اہل ایمان کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور ظلم ہے، کسی بھی حکومت کو اس طرح کا حق حاصل نہیں ہے، اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کریں۔

حفاظت کی غرض سے اطراف قبرستان دکان کی تعمیر:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری اور چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور چہار دیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف وجوار میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دکانوں کی تعمیر اور ان کو کرایہ پر لگانے کی شرعاً اجازت ہوگی، البتہ اس کے لئے قاضی شریعت کی اجازت ضروری ہوگی، اور دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی ضروریات قبرستان میں صرف کی جائے گی، فاضل آمدنی کو دوسری قبرستانوں کی ضروریات پر ''الأقرب فالأقرب'' کی ترتیب سے صرف کرنا ضروری ہوگا۔

وسیع قبرستان میں واقع مسجد کی توسیع:

اگر قبرستان اور اس میں واقع مسجد دونوں کے کاغذات الگ الگ موجود ہیں جس میں قبرستان اور مسجد کی زمین کے رقبہ کی صراحت ہے تو ایسی صورت میں کاغذات کے مطابق عمل کیا جائے گا، کاغذات کی عدم موجودگی میں یہ سمجھا جائے گا کہ واقف نے دونوں کے لئے الگ الگ رقبہ کی تحدید نہیں کی تھی۔ بلکہ اس نے مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے زمین وقف کی تھی، ایسی صورت میں ضرورت پڑنے پر مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہوگی۔ لہذا اگر قبرستان میں واقع مسجد

کے اردگرد کبھی مردے دفن نہیں ہوتے یا مردوں کی تدفین تو ہوتی ہو لیکن قبریں بوسیدہ اور پرانی ہوں کہ مردوں کے مٹی میں مل جانے اور ان کے اجسام کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کی اجازت ہوگی، قبروں کے جدید ہونے کی صورت میں توسیع کی اجازت نہ ہوگی۔

مگر افضل وبہتر شکل یہ ہے کہ مسجد کی توسیع کے بجائے اسے حسب ضرورت دومنزلہ اور سہ منزلہ بناکر ضرورت پوری کرلی جائے تاکہ کسی طرح کے شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

صحت وقف کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، غیر مسلم کا بھی وقف درست ہے، البتہ غیر مسلم کے وقف کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس مقصد کے لئے وقف کررہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی، جیسے بیت المقدس کے فقراء یا اپنی اولاد پر وقف کرنا ہمارے نزدیک بھی باعث قربت وتقرب ہے اور اس کے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک قربت ہو ہمارے نزدیک نہیں جیسے مندر پر وقف، یا ہمارے نزدیک تو باعث قربت ہو، مگر اس کے نزدیک نہیں، جیسے حج وغیرہ، تو ایسی صورت میں غیر مسلم کا وقف درست نہیں ہوگا، لہذا اگر کوئی غیر مسلم قربت وثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے اپنی کوئی جائداد وقف کردے تو اس کا وقف درست اور صحیح قرار پائے گا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے شرائط وقف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أو كافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف'' (البحر الرائق ۵/۲۰۴)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ''حاشیہ البحر الرائق'' میں (قوله بشرط كونه قربة

عندنا وعندهم) کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"الظاهر أن هذا شرط في وقف الذمي فقط ليخرج مالوكان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمسجد ماكان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف على مسجد القدس، فإنه قربة عندنا وعندهم فيصح"

(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵؍۲۰۴)۔

اور جب غیر مسلم وقف کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کا وقف درست ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی اور نگراں بھی بن سکتا ہے، کیونکہ تولیت اوقاف کی صحت کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے غیر مسلم بھی اوقاف کا متولی بن سکتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے شرائط تولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه لما في الاسعاف"۔

"فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الاسعاف ولو كان عبدا يجوز قياسا واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد"۔

لہذا اگر ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد یا مقابر پر اراضی وقف کی ہیں اور ان اوقاف کی تولیت نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندانوں میں آرہی ہے جس کی بنیاد پر آج بھی وہ اوقاف ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ اور ہندو وقف بورڈ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح ودرست ہے۔

ویران اوقاف کو نفع بخش بنانے سے متعلق اصول

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی ☆

فقہ اکیڈمی کی جانب سے اوقاف سے متعلق جو سوالات موصول ہوئے ہیں وہ یقیناً حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق بہت ہی اہم ہیں، ان سوالات کے جوابات لکھنے سے قبل چند باتیں بطور تمہید ذکر کی جاتی ہیں، جن سے جواب کے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

وقف کی لغوی اور شرعی تعریف:

وقف لغت میں روکنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں وقف کہتے ہیں: کسی شئی کو اپنی ملکیت سے نکال کر اس طرح محبوس کرنا کہ اصل شئی باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع کیا جا سکے۔ یعنی اصل شئی محفوظ رہے اور اس کے منافع کو واقف کی صراحت کے مطابق صرف کیا جائے۔ نہایۃ المحتاج میں ہے:

’’هو لغة الحبس...وشرعا حبس مال يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه بقطع التصرف في رقبته على مصرف مباح موجود‘‘ (۵/ ۳۵۴، ۳۵۵)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

’’(وعند هما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من أحب) و لو غنيا‘‘ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۳۵۸)۔

☆ مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

یعنی وقف شئی کو اللہ کی ملکیت میں محبوس کرنا اور اس کی منفعت کو منشاء واقف کے مطابق صرف کرنا ہے، گرچہ مالداروں پر کیوں نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ چونکہ عام حالات میں وقف کے لزوم کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آرہی ہے، اس لئے وہ وقف کی شرعی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''(ھو) لغة الحبس و شرعا (حبس العين على) حكم (ملک الواقف و التصدق بالمنفعة) و لو في الجملة'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، کتاب الوقف ۳۵۸/۳)۔

یعنی اصل شئی کو واقف کی ملکیت میں باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع کا صدقہ کرنا ہے، یہ صدقہ کسی بھی درجہ میں ہو۔ مثلاً اپنے اور اپنے اہل وعیال پر وقف ہو، اس کے بعد فقراء و مساکین پر یا مالداروں پر۔

وقف کا حکم:

ایک بحث وقف کی صحت اور عدم صحت کی ہے کہ کسی چیز کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو شئی موقوف واقف کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا اس کی ملکیت سے نکل جاتی ہے؟ اور واقف کے لئے وقف کرنے کے بعد شئی موقوف کی خرید وفروخت یا اس کا ہبہ یا کوئی دوسرا جائز تصرف جو اپنی ملکیت میں ہوتا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائداد وغیرہ وقف کرنا چاہے تو وقف کرسکتا ہے۔ اس کا وقف صحیح ہوگا۔ اس پر تقریباً تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ بعض حضرات گرچہ عدم صحت وقف کے قائل ہیں، لیکن ان کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ روایات، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء صحت وقف پر متفق ہیں۔

امام ترمذی حضرت عمر کے واقعہ وقف والی روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم لا نعلم بين المتقدمين منهم في ذلك اختلافا في إجارة وقف الأرضين وغير ذلك'' (ترمذی ۱/۱۶۵)۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وقف تو صحیح وجائز ہوتا ہے، لیکن لازم نہیں ہوتا ۔ یعنی شی موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے۔ واقف اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے اور ہبہ بھی، ہر طرح کے جائز تصرف کا اختیار واقف کو ہوگا، اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت بھی جاری ہوگی ۔ اس کے قائل حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں...البتہ دوصورتوں میں امام صاحب کے نزدیک بھی شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے ۔

الف ۔ واقف نے اپنی کوئی چیز وقف کرکے متولی کے حوالہ کردیا، پھر متولی سے اپنی چیز کا مطالبہ کیا اور متولی نے دینے سے انکار کردیا۔ جب معاملہ قاضی شریعت کے پاس پہنچا تو قاضی شریعت نے لزوم وقف کا فیصلہ دیا...اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی وقف لازم ہوجائے گا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی ، اس لئے کہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ میں قضاء قاضی رافع خلاف ہے ۔

ب ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری فلاں چیز وقف ہے، تو اس صورت میں وقف لازم ہوجائے گا، اور اس کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صورت درحقیقت وقف کی نہیں ہے بلکہ وصیت کی ہے، لہذا اس صورت میں وصیت کے تمام احکام نافذ ہوں گے ۔ مالک اگر اپنی زندگی میں رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے ۔

''قال أبو حنيفة: لا يزول ملك الواقف من الوقف إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلقه بموته فيقول إذا متّ فقد وقفت داري على كذا '' (ہدایہ ۲/ کتاب الوقف)۔

''شرح فتح القدیر'' میں دوسری صورت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''(وأما تعليقه بالموت فالصحيح أنه لايزول ملكه إلا أنه تصدق بمنافعه مؤبداً فيصير بمنزلة الوصية بالمنافع مؤبداً فيلزم) وإن لم يخرج عن ملكه؛ لأنه بمنزلته إذ لايتصور التصرف فيه ببيع و نحوه لما يلزم من إبطال الوصية وعلى هذا فله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته'' (شرح فتح القدیر ۶/ ۱۹۳)۔

۳۔تیسرا قول یہ ہے کہ شئی موقوف واقف ہی کی ملکیت میں رہتی ہے، اس کی ملکیت سے نکلتی نہیں ہے، البتہ واقف کو فروخت کرنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس پر یا اس کے بعد مقرر کردہ متولی پر لازم ہے کہ شئی موقوف سے حاصل ہونے والے منافع کو واقف کی صراحت کے مطابق صرف کرے۔ یہ قول صحیح روایت کے مطابق امام مالکؒ کا ہے (دیکھئے کتاب المواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل ۶/ ۱۸)۔

۴۔چوتھا قول یہ ہے کہ وقف لازم ہوجاتا ہے اور شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں آتی ہے۔ واقف نہ تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہی ہبہ وغیرہ کرسکتا ہے، اور نہ ہی ان کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے... یہ قول صاحبین (امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) صحیح مذہب کے مطابق امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور صحابہ، محدثین اور علماء امت کا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف کرتے ہی شئی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت نکلتی ہے جب کہ اس کو متولی کے حوالہ کردیا جائے۔ فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور علماء احناف کا عمل بھی اسی پر ہے۔

''وعندهما يلزم بدون ذلک وهو قول عامة العلماء وهو الصحيح ثم إن أبا يوسف يقول يصير وقفا بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه

الفتوی، وقال محمد: لا إلا بأربعة شروط" (رد المحتار کتاب الوقف۔ ۳/ ۳۵۸۔ مزید دیکھئے: نہایۃ المحتاج فی مذہب الامام الشافعی جلد پنجم کتاب الوقف۔ المغنی لابن قدامہ الحنبلی جلد پنجم کتاب الوقف۔ مواہب الجلیل فی مذہب الامام مالک جلد ششم کتاب الوقف)۔

قول راجح: صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلیل بعد میں بیان کرنا اور صاحبین کے دلائل کا جواب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، لیکن احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں صحیح اور راجح قول جمہور کا معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے صحابہ نے اپنی استطاعت کے مطابق وقف کیا، اور کسی سے بھی شیٔ موقوف کی واپسی یا اس کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت کو اپنے مصرف میں لانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے ابن الکمال اور ابن الشحنہ کے حوالہ سے اسی قول پر فتوی نقل کیا ہے۔

"درمختار" میں ہے: "(وعندهما هو حبسها على) حكم (ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب) ولو غنيا فيلزم فلا يجوز له إبطاله ولا يورث عنه عليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة"۔

اور علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ بے شمار احادیث وآثار اس کی تائید میں ہیں، اور صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کا عمل بھی اسی پر رہا ہے۔

علامہ شامی "قولہ علیہ الفتوی" کے تحت لکھتے ہیں:

"أي على قولهما بلزومه قال في الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه؛ لأن الأحاديث والآثار متظافرة على ذلك، واستمر عمل الصحابة والتابعين ومن بعد هم على ذلك، فلذلك ترجح خلاف قوله" (رد

المختار ۳/ ۳۵۸)۔

اس قول کی بنیاد عبداللہ بن عمرؓ کی روایت پر ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خیبر کی زمین حصہ میں ملی تو وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خیبر کی جو زمین حصہ میں ملی ہے وہ میرے نزدیک بہت ہی پسندیدہ مال ہے، میں اس کو اللہ تعالی کے راستہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو صدقہ کردو، لیکن اصل زمین نہ تو فروخت کی جائے گی اور نہ ہبہ کیا جائے گا، اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

''أنه لا يباع أصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب'' (مسلم ۲/ ۴۱)۔

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وفيه أن الوقف لا يباع ولا يوهب ولا يورث'' (نووی شرح مسلم ۲/ ۴۲)۔

محقق ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں وقف کرنے والے صحابہ کی ایک لمبی فہرست شمار کی ہے، جن کا عمل لزوم وقف کی تائید کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت:

''والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه؛ لأن الأحاديث والآثار متظافرة على ذلک قولا كما صح من قوله عليه الصلوة والسلام لا يباع ولا يورث إلى آخره، وتكرر هذا في أحاديث كثيرة واستمر عمل الأمة من الصحابة والتابعين ومن بعد هم على ذلک أولها صدقة رسول الله ﷺ ثم صدقة أبي بكر و عمر و عثمان و علي والزبير و معاذ بن جبل و زيد بن ثابت و عائشة وأسماء أختها وأم سلمة وأم حبيبة و صفية بنت حيّ وسعد بن أبي وقاص و خالد بن وليد و جابر بن عبدالله و عقبة بن عامر وأبي أروى الدوسي و عبد الله بن الزبير، كل هؤلاء من الصحابة ثم التابعين بعدهم كلها بروايات و توارث الناس أجمعون ذلک فلا تعارض بمثل الحديث الذي ذكره على أن معنى حديث شريح بيان نسخ ما كان في الجاهلية من الحامي و نحوه،

وبالجملة فلا يبعد أن يكون إجماع الصحابة العملي ومن بعدهم متوارثا على خلاف قوله فلذا ترجح خلافه الخ" (شرح فتح القدیر کتاب الوقف ۶/ ۱۹۳)۔

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں عدم لزوم والے قول کو سنت نبویہ اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا ہے:

"وهذا القول يخالف السنة الثابتة عن رسول الله وإجماع الصحابة فإن النبي ﷺ قال لعمر في وقفه، لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث" (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۵۹۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ روایات اور آثار صحابہ کی روشنی میں صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ وقف صحیح اور لازم ہوتا ہے، اور شی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ وقف سے منشاء واقف یہ ہوتا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد بھی اس کا نفع جاری ہو، جس کا ثواب اس کو ملتا رہے، اور یہ اس صورت میں ممکن ہے، جبکہ لزوم وقف کا حکم دیا جائے، ورنہ اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین اس شی کے مالک ہوجائیں گے اور مقصد فوت ہو جائے گا۔

شی موقوف کی واپسی واقف یا اس کے وارثین کی طرف:

راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق شی موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اس پر ملکیت کے احکام جاری نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا شی موقوف کسی بھی حال میں کبھی بھی واقف یا اس کے وارثین کی ملکیت میں آتی ہے یا نہیں؟

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب شی موقوف اپنی افادیت کھودے، اس سے موقوف علیہم کو استغناء و بے نیازی ہوجائے تو ایسی صورت میں اگر واقف زندہ ہو تو اس کی ملکیت ورنہ اس کے وارثین کی ملکیت کی طرف وہ لوٹ آتی ہے... مثلاً وقف کی عمارت منہدم ہوگئی اور اس کا غلہ نہیں ہے جس سے اس کی تعمیر ہوسکے، یا کسی بازار میں وقف کی دوکان ہے، وہ آگ لگنے سے اس طرح

جل گئی کہ اس سے انتفاع ممکن نہیں اور نہ ہی کوئی شخص اس کو اجارہ پر لینے کے لئے تیار ہے، یا کسی محلّہ میں موقوف حوض ہے جو خراب ہوگیا اور اس کو ٹھیک کرنے کے لئے غلہ نہیں ہے، یا مسافر خانہ ہے جو ویران ہوگیا یا اس کی عمارت منہدم ہوگئی، تو ان تمام صورتوں میں امام محمدؒ کے نزدیک مذکورہ موقوفہ مکان ودوکان اور حوض ومسافر خانے واقف اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین کی ملکیت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورتوں میں بھی شئ موقوف واقف یا اس کے وارثین کی ملکیت میں نہیں آئے گی، بلکہ اگر موقوفہ دوکانیں یا مکانات یا حوض اور مسافر خانے بے مصرف اور نا قابل انتفاع ہوں تو ان کے فاضل اور ٹوٹے ہوئے آلات ودیگر سامانوں کو یا ان پر وقف جائداد کی آمدنی کو اسی جنس کے وقف پر جو اس سے قریب ہو صرف کیا جائے گا۔

مثلاً اگر حوض ہے تو قریب کے حوض پر اگر مسافر خانہ ہے تو قریب کے مسافر خانہ پر لأقرب فالأقرب کے اصول پر آمدنی صرف ہوگی۔ اسی طرح قدیم وقف کی عمارت منہدم ہو جائے تو اس کے انقاض مثلاً اینٹ اور لکڑیاں وغیرہ امام محمدؒ کے نزدیک واقف کے حوالہ کردی جائیں گی، اس لئے کہ وہی مالک ہے...اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قدیم وقف کی جدید تعمیر میں اگر ضرورت ہو تو اس میں استعمال کیا جائے گا، اگر ضرورت نہ ہو تو ان کو روک کر رکھا جائے گا، تا کہ ضرورت پڑنے پر ان کا استعمال ہو سکے، اور اگر مستقبل قریب میں ضرورت پڑنے والی نہ ہو اور رکھے رہنے میں ضیاع کا اندیشہ ہو تو قاضی شریعت کی اجازت سے ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت نئی تعمیر میں صرف ہوگی، اگر اس کو ضرورت نہ ہو تو قریب کے وقف پر صرف کیا جائے گا۔

اسی طرح مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائیاں وغیرہ اگر نا قابل استعمال ہوں تو امام محمدؒ کے نزدیک واقف اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثین مالک ہو جائیں گے...اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کو دوسری قریب کی مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد میں صرف کی جائے گی۔

استبدال وقف کا حکم:

شیٔ موقوف کے تبادلہ کا مسئلہ وقف کے اہم مسائل میں سے ہے۔سوالنامہ کے زیادہ تر سوالات کے جوابات اسی پر موقوف ہیں۔اس لئے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔یہ تو مصرح ہے کہ وقف تام اور مکمل ہوجانے کے بعد شیٔ موقوف کو خرید وفروخت یا ہبہ کے ذریعہ یا اس میں وراثت جاری کرکے وقفیت سے نہیں نکالا جاسکتا ہے،شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

"فإذا تمّ ولزم لا يملک ولا يملک ولا يعار ولا يرهن (درمختار)**(قوله لا يملک) أی لا يکون مملوکا لصاحبه ولا يملک أی لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليک للخارج عن ملکه الخ"** (رد المحتار کتاب الوقف ۳/۳۶۷)۔

البتہ شیٔ موقوف کو دوسری شیٔ سے بدلنا یا ضرورتاً اس کو فروخت کرکے دوسری شیٔ خرید کر اس کو وقف قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تفصیلی بحث کی ہے، اور اس کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ واقف نے بوقت وقف تبادلہ کی شرط لگادی ہو،خواہ اپنے لئے لگائی ہو یا کسی دوسرے کے لئے۔

۲۔واقف نے بوقت وقف تبادلہ کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے اور نہ ہی دوسرے کے لئے۔یا باقاعدہ یہ صراحت کردی کہ کوئی بھی اس کا تبادلہ نہیں کرسکتا۔لیکن شیٔ موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے،یا معمولی نفع ہے بھی تو اس نفع کے حاصل کرنے کے لئے اس پر ہونے والے اخراجات اس سے زائد ہوتے ہیں۔

۳۔واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے تبادلہ کی شرط نہیں لگائی اور شیٔ موقوف قابل انتفاع بھی ہے، اس سے آمدنی حاصل ہوتی ہے، البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے اس کا

تبادلہ دوسری نفع آور شئی سے کیا جائے۔

پہلی صورت:

جب کہ واقف نے بوقت وقف یہ شرط لگادی کہ ضرورت پڑنے پر میں خود یا فلاں شخص اس کو دوسری شئی سے بدل کر یا شئی موقوف کو فروخت کر کے اس کی جگہ پر دوسری شئی خرید کر وقف کر سکتا ہے، تو اس صورت میں واقف کی صراحت کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شئی موقوف کے تبادلہ کا اختیار ہوگا، اور شرط کے مطابق شئی موقوف کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری شئی خرید کر وقف کر سکتا ہے۔

"(وجاز شرط الاستبدال به) أرضا أخرى حينئذ أو شرط بيعه ويشترى بثمنه أرضا أخرى إذا شاء، فإذا فعل صارت الثانية كالأولى في شرائطها وإن لم يذكرها" (درمختار)۔

"(قوله وجاز شرط الاستبدال) اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول ان يشترطه الواقف لنفسه أولغيره أولنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا الخ" (ردالمحتار کتاب الوقف ۳/۳۸۷)۔

واقف کی شرط کے مطابق استبدال کا حق اس لئے ہے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر ہے، اگر وہ غلہ یا ولایت کی شرط اپنے لئے لگادے تو اس کی یہ شرط درست ہوگی، جب اپنے لئے غلہ اور ولایت کی شرط درست ہے تو استبدال کی شرط بدرجہ اولی درست ہوگی... بلکہ کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس طرح شارع کی نص پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح واقف کی شرط پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به" (الدرالمختار بهامش ردالمحتار ۳/۴۱۶)۔

دوسری صورت:

دوسری صورت میں جب کہ واقف نے بوقت وقف اس طرح کی شرط نہیں لگائی۔ وقف نامہ کسی طرح کی شرط سے خاموش ہے۔ یا یہ شرط لگادی کہ کسی کو بھی حتی کہ قاضی شریعت کو بھی تبادلہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن شی موقوف بالکل نا قابل انتفاع ہے یا معمولی نفع ہے جس کے حصول کے لئے اس سے زائد اخراجات ہوتے ہیں، اس صورت میں قاضی شریعت مصلحت سمجھ کر شئ موقوف کو نفع آور بنانے کے لئے اس کا تبادلہ دوسری شئ سے کرسکتے ہیں۔ یہ ان صورتوں میں سے ہے جن میں واقف کی شرط کی مخالفت قاضی شریعت کے لئے جائز ہے۔

"والثاني أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)۔

اس صورت میں تبادلہ کا اختیار اس لئے ہے کہ تبادلہ نہ کرنے کی صورت میں واقف کا مقصد فوت ہورہا ہے، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ شئ موقوف کی آمدنی مساکین یا دیگر کار خیر پر جس کی اس نے صراحت کی ہے صرف کی جائے جس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے، اور یہ اصل شئ کو باقی رکھتے ہوئے ممکن نہیں ہے، اور قاضی شریعت وقف کے مقاصد اور اس کے مصالح کے نگراں ہیں، اس کے تحفظ و بقا کے لئے کوشش قاضی شریعت کی ذمہ داری ہے، لہذا مقاصد وقف کے تحفظ و بقا کے پیش نظر قاضی شریعت اس کا تبادلہ دوسری شئ سے کردیں گے یا ضرورت پڑنے پر اس کو فروخت کرکے دوسری شئ خرید کر اس کی جگہ پر وقف کردیں گے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں اصل شئ کو باقی رکھنے پر جمود اختیار کرنا مقصد واقف کو ضائع کرنا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

"وجمودنا على العين مع تعطلها تضييع للغرض" (پوری بحث کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۳۳)۔

اس صورت میں قاضی کو تبادلہ کا جو اختیار رہے وہ چند شرطوں کے ساتھ ہے:

۱۔ یہ اختیار اس قاضی کو ہے جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہو، صاحب تقویٰ اور پابند شرع ہو۔

۲۔ شئ موقوف بالکلیہ نا قابل انتفاع ہو۔

۳۔ وقف کی کوئی آمدنی نہ ہو جس سے اس کی آبادکاری ہو سکے۔

۴۔ بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

۵۔ قاضی کسی ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو یا پہلے سے اس کا قرض قاضی پر ہو۔

''والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناک ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش و شرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا...وأن لا يبيعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين'' (رد المحتار ۳/۳۸۸)۔

تیسری صورت: اس صورت میں جب کہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ اپنے لئے نہ ہی کسی غیر کے لئے، اورشئ موقوف قابل انتفاع بھی ہے البتہ اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے کسی دوسری نفع آور شئ سے اس کا تبادلہ کیا جائے، اس صوت کے جواز اورعدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ملتے ہیں:

الف: ایک صورت میں تبادلہ جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

ب: تبادلہ شرعاً جائز ودرست ہے، یہ قول امام ابو یوسف اور حضرت ہلال کا ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ کا۔

عام طور پر کتب فقہ حنفی میں عدم جواز کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں اور علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں عدم جواز ہی کے قول کو راجح قرار دیا ہے، علامہ ابن قدامہ نے بھی المغنی میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر رد على أهل الوقف لم يجز بيعه؛ لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود'' (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۳۴)۔

اور اگر مصلحت وقف بالکلیہ ختم اور بے کار نہ ہو بلکہ کم پڑ جائے اور اس کا بدل اس سے زیادہ نفع بخش اور اہل وقف کو زیادہ آمدنی دینے والا ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل بیع کی حرمت ہے۔ اور بیع کی اجازت ضرورتاً ہے تا کہ مقاصد وقف ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں۔ اور جب تک انتفاع ممکن ہو گر چہ کم ہی کیوں نہ ہو مقصود ضائع نہ ہوگا۔

عدم جواز والے قول کی دو بنیادیں ہیں:

ایک تو یہ کہ قاضی حضرات دیانت دار اور صاحب تقوی نہیں ہوتے ہیں۔ اگر اس صورت میں تبادلہ کی اجازت دے دی جائے تو وہ بلا وجہ اور بلا ضرورت تبادلہ کر کے اوقاف کو ضائع کر دیں گے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شئ موقوف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ تبادلہ کی اجازت یا تو واقف کی شرط کی بنیاد پر ہو سکتی ہے یا ضرورت کی بنیاد پر، اور اس صورت میں کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ آمدنی کو بڑھانا ضرورت میں شامل نہیں ہے۔

علامہ شامی نے صاحب نہر کے حوالہ سے صدر الشریعہ کا فتوی نقل کیا ہے:

''نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد ويحصى، فإن

ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين" (ردالمحتار ۳/۳۸۹)۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

"والحاصل أن الاستبدال إما عن شرطه الاستبدال وهو مسئلة الكتاب أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم به فينبغي أن لا يختلف فيه كالصورتين المذكورتين لقاضي خان، وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ماهو خير منه مع كونه منتفعاً به فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة أخرى ولأنه لاموجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا إذ لاتجب الزيادة فيه بل تبقيه كما كان" (شرح فتح القدیر ۶/۲۱۲)۔

بعض فتاوی میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر بھی فتوی نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ "فتاوی قاری الہدایہ" میں ہے، جس کو علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

"الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعا، فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوىٰ كما في فتاوى قاري الهداية" (ردالمحتار ۳/)۔

ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ نے بھی تبادلہ اور بیع کی اجازت دی ہے:

"وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستبدال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان أن يبيعها و يشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۳۷)۔

یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، بلکہ مجتہد فیہ ہے، حالات اور ضرورت کے لحاظ سے اقوال فقہا بھی مختلف ہیں اور ترجیحات وفتاوے بھی مختلف ہیں ۔حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے قضاۃ کے حالات کو سامنے رکھ کر عدم جواز کا فتوی دیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے اپنے زمانے

کے حالات اور تقاضے کو سامنے رکھ کر اور مزید مقاصد واقف کی حفاظت کی غرض سے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا اور اس پر عمل کرنا احسن معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس زمانہ کے قضاۃ سرکاری ہوتے ہوں اور ان میں ظلم وتشدد اور رشوت خوری عام ہو، لیکن ہمارے اس زمانہ میں چونکہ قاضی حضرات سرکاری نہیں ہیں، اس لئے الحمدللہ جہاں بھی قضاء کا نظام ہے وہاں کے قاضی حضرات رشوت خوری وغیرہ کے مرض سے دور ہیں۔ خصوصاً بہار واڑیسہ میں قضاء کا نظام بہت ہی مستحکم ہے اور یہاں کے قاضی حضرات نہایت ہی دیانتدار، صاحب تقوی اور علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہیں۔ رشوت لیکر اوقاف کو ضائع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ حتی الامکان وقف کی وقفیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، اور تبادلہ کی گنجائش یا تو وقف کی شرط کی بنیاد پر ہے یا ضرورت کی بنیاد پر، اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے... تو میرے خیال میں اس صورت میں تبادلہ عین منشاء واقف اور مقاصد وقف کے مطابق ہے، اور اس میں اس کا تحفظ وبقا بھی زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ واقف کا مقصد تو یہی ہے کہ وقف کی آمدنی زیادہ سے زیادہ ہوتا کہ کارخیر پر صرف ہو اور اس کا ثواب اس کو زیادہ سے زیادہ ملے، اور اگر فروخت کر کے اس کو زیادہ نفع آور بنانے کی کوشش نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ معطل وبے کار ہو جائے، اور ایک ایسا وقت آئے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، اور اس وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے تبادلہ یا اس کو خریدنے کے لئے کوئی شخص تیار بھی ہو جائے، اگر کوئی تیار بھی ہو تو ممکن ہے کہ معمولی قیمت دے... اور چونکہ قاضی مصالح کا نگراں ہے اور ہر قاضی کو تبادلہ کا اختیار بھی نہیں ہے، بلکہ قاضی الجنۃ یعنی صاحب تقوی، علم وعمل اور عدل میں ممتاز قاضی کو اس کا اختیار ہے، اس لئے وہ یقیناً مصالح کا خیال رکھ کر ہی تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی راقم الحروف کی ناقص رائے میں حالات وضرورت کے پیش نظر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ اگر معمولی نفع کا فرق ہو تو قاضی کو اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

بانی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ نے اس صورت میں بھی قاضی شریعت کی اجازت سے تبادلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے، چنانچہ وہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''موقوفہ زمین کو بخیال زیادتی منافع تبدیل کرنا یا فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا بحکم و اجازت قاضی جائز ہے بغیر اجازت و حکم جائز نہیں، پس اگر اس کی ضرورت ہے تو قاضی شریعت سے درخواست دے کر اور ثبوت بہم پہنچا کر اجازت حاصل کیجئے'' (مولانا سجاد صاحبؒ کا یہ فتوی مطبوعہ نہیں ہے۔طباعت کے بعد انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے)۔

واضح رہے کہ اس صورت میں اختلاف صرف اراضی موقوفہ کے سلسلہ میں ہے، مکان موقوفہ کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بالاتفاق اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے۔مکان کا قیاس زمین پر نہیں کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اگر زمین کی پیداوار کم ہوجائے تو لوگ اس کو اجارہ پر لینے، بلکہ بعض دفعہ خریدنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے، اس کے برخلاف مکان اگر اس کا کچھ حصہ ویران ہوجائے تو بھی لوگ اس کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر لے سکتے ہیں۔

''إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا، فإنه لايجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال، قال: ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالباً في استئجارها بل في شرائها أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى'' (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)۔

استبدال کی مزید دوصورتیں:

مذکورہ بالا تین صورتوں کے علاوہ استبدال کی مزید دوصورتیں کتب فقہ میں ملتی ہیں:

الف۔کسی شخص نے اراضی وقف کو غصب کیا اور اس پر پانی جاری کردیا، یہاں تک کہ وہ سمندر ہوگیا، تو ایسی صورت میں غاصب ان اراضی کی قیمت کا ضامن ہوگا، اس قیمت سے

دوسری اراضی خریدی جائیں گی جو پہلی اراضی کی جگہ پر وقف ہوں گی۔

ب۔ غاصب نے وقف کی جائداد دینے سے انکار کر دیا، اور متولی کے پاس کوئی بینہ بھی موجود نہیں ہے، پھر غاصب نے اس کی قیمت دینے کا ارادہ کیا تو متولی قیمت لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کردے گا۔

" لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع" (درمختار) (قوله إلا في أربع) الأولى لو شرطه الواقف الثانية إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرا فيضمن القيمة و يشترى المتولى بها أرضاً بدلاً، الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة أى وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ليشترى بها بدلاً" (رد المحتار ۳/۳۸۹)۔

شئی موقوف کے تبادلہ کا اختیار کس کو ہوگا:

جن صورتوں میں واقف نے تبادلے کی شرط اپنے لئے لگائی ہے یا کسی دوسرے کے لئے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار واقف کی شرط کے مطابق خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو ہوگا۔ اور جن صورتوں میں واقف نے اپنے یا کسی غیر کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی ہے اور شرعاً تبادلہ کی گنجائش ہے، ان صورتوں میں تبادلہ کا اختیار صرف قاضی شریعت کو ہوگا، جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہوں۔

"(وأما) الاستبدال ولو للمساكين آل (بدون الشرط فلا يملكه القاضي) والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذى العلم والعمل الخ" (درمختار)۔

علامہ شامیؒ استبدال کی شرطیں بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ولا يخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره فلو شرطه لا يلزم خروجه عن الانتفاع ولا مباشرة القاضي له ولا عدم ريع يعمر به كما لا يخفى فاغتنم هذا التحرير" (رد المحتار ۳/۳۸۸)۔

اب رہا یہ سوال کہ جن مقامات پر قاضی شریعت موجود نہ ہوں وہاں پر یہ اختیار کس کو ہوگا، تو میرے خیال میں چونکہ متولی مصالح وقف کا نگراں اور محافظ ہے، اس لئے اگر متولی دیانتدار، صاحب تقوی اور پابند شرع ہے تو اس کو یہ اختیار رہنا چاہئے، لیکن وہ اس طرح کا تبادلہ اپنے علاقہ کے متدین اور صاحب تقوی علماء کی نگرانی میں کرے، اور اگر متولی بھی نہ ہو تو وہاں کے مسلمان کسی صاحب علم وعمل اور عدل میں ممتاز شخص کو اس کا متولی اور نگراں بنا دیں، اور وہ تبادلہ کرے۔

"فی الذخیرة سئل شمس الأئمة الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها ویشتری بثمنها مکانها أخری قال نعم" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۳۷) "اتفاق المشائخ المتأخرین علی أن الأ فضل لأهل المسجد أن ینصبوا متولیا ولا یعلموا القاضی فی زماننا لما علم من طمع القضاة فی أمور الأوقاف صرح به فی التتارخانیة و غیرها فی کثیر من کتب المذهب" (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/۲۲۳)۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

واضح رہے کہ تبادلہ وقف کے سلسلہ میں مذکورہ بالا پوری تفصیل مسجد کے علاوہ دیگر اوقاف یا خود مسجد پر وقف شدہ جائداد سے متعلق ہے، خود مسجد کے سلسلہ میں یہ تفصیل نہیں ہے، بلکہ مسجد مفتی بہ قول کے مطابق تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو باقی رکھنا ضروری ہے، کسی بھی حال میں، گرچہ اس کے اردگرد آبادی ختم ہوگئی ہو، ایک شخص بھی نماز پڑھنے والا نہ ہو، پھر بھی نہ تو اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے، نہ اس کی خرید وفروخت جائز ہے، نہ اس کا تبادلہ اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

"(ولوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی) أبداً إلی قیام الساعة (وبه یفتی) حاوی القدسی (درمختار) (قوله ولوخرب ماحوله

الخ) ای ولو مع بقائه عامراً و كذا لوخرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر (قوله عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوی القدسی وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح" (ردالمحتار ۳/۳۷۱)۔

منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا ضروری ہے:

اوقاف کے سلسلہ میں منشاء واقف کی رعایت اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا ضروری ہے۔ یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ واقف نے کس مقصد کے لئے وقف کیا ہے، جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ضروری ہے، دوسرے مقاصد میں استعمال منشاء واقف کے خلاف ہے۔ مثلاً اگر مسجد کے لئے اراضی وقف ہیں تو ان اراضی کی پیداوار کو مسجد ہی پر صرف کرنی ہوگی، مدرسہ یا دیگر کار خیر میں صرف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مقصد وقف کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے مقصد وقف فوت ہو جائے، اگر کسی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو قاضی شریعت یا قاضی شریعت نہ ہوں تو متولی کی ذمہ داری ہے کہ ایسی کوشش کرے جس سے مقصد وقف کی حفاظت ہو سکے۔ مثلاً قدیم مسجد شہید کر کے نئی مسجد بنائی گئی، قدیم مسجد کے سامان مثلاً اینٹ یا لکڑیاں جن کی ضرورت نئی مسجد کو نہیں پڑی، اور ان کو فروخت نہ کرنے کی صورت میں ضائع ہونے کا یا چوری ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں مقاصد وقف کے تحفظ و بقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے وہ فروخت کر دی جائیں گی اور قیمت مسجد میں صرف ہوگی، یا کوئی قبرستان ہے جو بہت ہی وسیع ہے، مردے کم دفن ہوتے ہیں، کچھ حصہ پر غیروں نے قبضہ کرلیا ہے اور بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کرلینے کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں قبرستان کی حفاظت کی غرض سے چاروں طرف سے دوکان بنا کر کرایہ پر لگانے کی گنجائش ہے، قاضی شریعت کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہیں۔

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۳/۴۲۳)۔

''وما انهدم من بناء الواقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها؛ لأنه لابد من العمارة ليبقى على التابيد فيحصل مقصود الواقف، فإن مست الحاجة إليه في الحال صرفها فيها وإلا أمسكها حتى لايتعذر عليه ذلك أو إن الحاجة فيبطل المقصود وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المرمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل'' (ہدایہ کتاب الوقف ۶۴۴/۲)۔

وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

اس ذیل میں ایک اہم بحث یہ آتی ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی جو اس کی ضروریات سے زائد ہے، اور مستقبل قریب میں بھی اس کی ضرورت پڑنے والی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس فاضل آمدنی کو کس مصرف میں صرف کیا جائے۔ مثلاً کسی مسجد پر کافی اراضی وقف ہیں، ان اراضی کی آمدنی ہر سال اتنی ہوتی ہے کہ مسجد کی ضروریات پر صرف ہونے کے باوجود بہت زیادہ بچ جاتی ہے، اس طرح ہر سال آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کی ضرورت مسجد مذکور کو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مسجد مذکور کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی فاضل آمدنی کو کس مصرف پر صرف کیا جائے؟... اس سلسلہ میں کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی اولاً اسی وقف پر یا اس کی ضروریات پر صرف کی جائے گی، مثلاً مسجد پر موقوفہ جائداد کی آمدنی پہلے مسجد پر یا اس کی دیگر ضروریات جیسے امام ومؤذن کی تنخواہ یا اس کے لئے چٹائیاں یا تیل وغیرہ پر صرف کی جائے گی، لیکن اگر مسجد مذکور کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہو جس سے مسجد کو بے نیازی ہو، یا مسجد کی گھاس یا اس کی چٹائیاں ہیں جن سے مسجد بے نیاز ہے، یا حوض یا مسافر خانہ یا کنواں ہے جس پر اراضی وقف ہیں، اور وہ حوض یا مسافر خانہ یا کنواں خراب و ویران اور بے مصرف ہوگیا، اس پر رقم صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا اس کی موقوفہ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی بہت زیادہ ہے، جو اس کی ضروریات سے فاضل ہے، موقوفہ

اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور مزید اراضی خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، نیز رقم کو محفوظ رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ متولی وغیرہ اس کا بے جا استعمال کریں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی اسی جنس کے وقف پر جو اس سے قریب ہو صرف کی جائے گی۔ مثلاً کسی مسجد کی فاضل آمدنی اس سے قریب کی مسجد یا اس کی ضروریات پر، پھر اس سے جو قریب ہو، اس طرح الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے پورے ہندوستان کی مساجد پر صرف ہوگی۔ یا حوض کی آمدنی قریب کے حوض پر، مسافر خانہ کی آمدنی مسافر خانہ پر، مدرسہ کی آمدنی مدرسہ پر صرف ہوگی۔ مسجد کی آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی آمدنی مسجد پر یا مسجد و مدرسہ کی آمدنی حوض یا مسافر خانہ یا کنواں پر صرف نہیں ہوگی۔

"(ومثله) في الخلاف المذكور (حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما و) كذا (الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر) أو حوض (إليه) (ردمختار) قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ، لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمختار ۳/۴۷۱)۔

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمختار میں اسی صفحہ کے بعد یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اگر واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہوں، تو ایسی صورت میں ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر صرف کر سکتے ہیں، مثلاً کسی شخص نے اپنی ایک زمین کسی مسجد کی تعمیر، چونہ گردانی وغیرہ پر وقف کی اور دوسری زمین اسی مسجد کے امام و مؤذن کی تنخواہ کے لئے وقف کی تو ایسی صورت میں چونکہ واقف اور جہت وقف دونوں متحد ہیں، اس لئے اگر امام و مؤذن کی تنخواہ اس پر موقوفہ اراضی کی آمدنی سے پوری نہیں ہو پاتی ہے تو دوسری اراضی جو اسی مسجد کی تعمیر یا چونہ گردانی وغیرہ پر وقف تھی اس کی آمدنی امام و مؤذن کی تنخواہ پر صرف ہوگی...اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں میں سے

کوئی ایک بھی مختلف ہوتو پھر ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً دو آدمیوں نے الگ الگ مسجد بنائی یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان دونوں پر کچھ اراضی وغیرہ وقف کیا تو مسجد کی فاضل آمدنی مدرسہ پر یا مدرسہ کی فاضل آمدنی مسجد پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر دومنزلہ عمارت وقف ہو، جس کی ایک منزل رہنے کے لئے اور دوسری منزل آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہوتو یہ بھی جہت وقف کے مختلف ہونے کی صورت ہے، اس میں بھی ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

''(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه)؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد (وإن اختلف أحدهما) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا و مدرسة ووقف عليهما أوقافا (لا) يجوز له ذلك (درمختار) (قوله اتحد الواقف والجهة) بأن وقف وقفين على المسجد أحدهما على العمارة والآخر إلى إمامه و مؤذنه والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدينى أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة، إن كان الوقف متحدا؛ لأن غرضه إحياء وقفه و ذلك يحصل بما قلنا...(قوله بسبب خراب وقف أحدهما) أى خراب أماكن أحد الوقفين...(تنبيه) قال الخير الرملى أقول ومن اختلاف الجهة ما إذاكان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهى واقعة الفتوى'' (ردالمحتار ۳/ ۳۷۲)۔

حضرت تھانویؒ ''امداد الفتاوی'' میں اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو

اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مسجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۴)۔

دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۸)۔

فتاوی دار العلوم قدیم میں مفتی عزیز الرحمن صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند ایک سوال (مسجد کی موقوفہ اراضی میں واقف یا غیر واقف مدرسہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟) کے جواب میں فرماتے ہیں: نہیں بنا سکتا (فتاوی دار العلوم قدیم ۵، ۶/ ۲۵۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کریں گے، دوسرے وقف پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

غیر آباد قبرستان کا حکم شرعی:

الف۔ غیر آباد وقف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنا:

اوپر تمہید میں استبدال وقف سے متعلق پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس کی روشنی میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ موقوفہ قبرستان مدارس اور خانقاہیں یا ان پر موقوفہ جائداد جو مسلمانوں کے وہاں سے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہیں، اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر ان اوقاف کے کاغذات موجود ہیں اور ان کاغذات میں یہ صراحت موجود ہے کہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو شئی موقوف فروخت کر کے متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار رہوگا، بلاشبہ خود واقف کو یا اس کے نامزد کردہ شخص کو واقف کی شرط کے

مطابق مذکورہ اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر وقف ڈیڈ میں اس طرح کی صراحت موجود نہیں ہے تو بھی چونکہ شئ موقوف فی الحال بے مصرف اور ویران ہے، مزید اس کے ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے منشاء واقف کے تحفظ و بقا کے پیش نظر قاضی شریعت کی اجازت سے ان اوقاف کو فروخت کر کے دوسری جگہ متبادل وقف قائم کر سکتے ہیں۔ اگر قاضی شریعت موجود نہ ہوں تو پھر صاحب تقوی اور پابند شرع متولی اپنے علاقہ کے ایسے علماء کے مشورہ سے جو علم وعمل اور عدل میں ممتاز ہوں یہ کام کرسکتا ہے۔ اگر متولی بھی موجود نہ ہو تو پھر وہاں کے مسلمان کسی عالم باعمل اور عدل میں ممتاز شخص کو متولی بنادیں وہ یہ کام کرسکتا ہے۔

ب۔ کسی فرد یا حکومت سے تبادلہ:

ان اوقاف کا تبادلہ بھی شرعاً جائز و درست ہے، خواہ حکومت سے کریں یا کسی فرد سے، مذکورہ اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے میں مساجد اور دیگر اوقاف کے درمیان فرق ہے۔ مذکورہ صورت میں اوقاف کو فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے کا جو اختیار ہے وہ عام اوقاف کا حکم ہے، مسجد کا یہ حکم نہیں ہے، چونکہ جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اس کی مسجدیت کو تا قیامت باقی رکھنا ضروری ہے، اس لئے نہ تو مسجد کی جگہ کو فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا تبادلہ کر سکتے ہیں، اور نہ اس میں کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو۔

مقاصد واقف کے خلاف کام کرنا:

چونکہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کی رعایت ضروری ہے کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے ہیں جو منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہو، لہذا صورت مذکورہ میں مذکورہ نا قابل استعمال

اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کر سکتے ہیں، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

الف۔ مسجد کی موقوفہ فاضل اراضی میں دینی یا عصری ادارہ قائم کرنا:

مسجد کی موقوفہ اراضی میں گرچہ اس کی ضروریات سے فاضل کیوں نہ ہوں، کوئی بھی ادارہ قائم نہیں کر سکتے ہیں، خواہ وہ دینی ادارہ ہو یا عصری، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہے، جبکہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

ب۔ مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال تعلیمی یا رفاہی ادارہ کے لئے:

اگر مسجد کی فاضل آمدنی ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سے مزید اراضی خرید کر وقف کر دیا جائے تا کہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام دے، اور اگر مزید اراضی خریدنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے رکھے رہنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس کو قریب کی مسجد یا اس کی دیگر ضروریات پر صرف کریں گے۔ اگر قریب کی مسجد کو ضرورت نہ ہو تو پھر اس سے قریب کی مسجد پر، اسی طرح الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے مساجد ہی پر وہ رقم صرف کی جائے گی۔ تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے مسجد کی فاضل آمدنی کا استعمال نہیں کر سکتے ہیں، اس سے احتراز لازم ہے۔

ایک وقف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اس کا جواب بھی تقریباً آ ہی گیا ہے۔ اگر واقعتہً ایک وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے فاضل ہوتی ہے، اور ہر سال رقم جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جا رہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، بلکہ خطرہ سے خالی نہیں، تو ایسی صورت میں اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات پر وہ رقم صرف کی جائے گی، الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کرنی ہوگی۔ دیگر دینی، ملی اور علمی کاموں اور مساجد وغیرہ پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔

وقف شدہ مکان کوفروخت کرنا:

اس سے قبل گذر چکا ہے کہ استبدال کی تیسری صورت میں جب کہ شئی موقوف قابل انتفاع ہے، لیکن کم منفعت بخش ہے، اس کو زیادہ نفع آور بنانے کے لئے دوسری نفع آور شئی سے اس کا تبادلہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ناجائز۔ یہ اختلاف اراضی وقف کے سلسلہ میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں موقوفہ مکان کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ لہذا مذکورہ صورت میں جو مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہو، اس کا تبادلہ کسی دوکان سے جو کسی تجارتی مقام پر ہو جائز نہیں ہے، گرچہ اس سے معمولی کرایہ آتا ہو، جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں۔

"إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا، فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض، فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها، أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى" (ردالمحتار ۳؍۳۸۷)۔

جہت وقف ختم ہو جانے کی صورت میں شئی موقوف کا مصرف:

اگر کوئی جائداد کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف ہو، اور وہ خاندان ہی ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے فقراء و مساکین پر صرف ہوگی۔ اس لئے کہ جہت وقف ختم ہو جانے کی صورت میں اس کے حقدار فقراء و مساکین ہی ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ شرائط وقف میں سے ایک شرط تابید بھی ہے۔ ایسی جہت بیان کی جائے جو ختم ہونے والی نہ ہو۔ البتہ اس جہت کی صراحت ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے... امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی صراحت ضروری ہے۔ اگر بوقت وقف ختم

نہ ہونے والی اس جہت کی صراحت نہ کی جائے تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔۔امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہوگا، اور وہاں پر بھی تابید مقصود ہوگی، یعنی جہت وقف ختم ہوجانے کے بعد اس کی آمدنی فقراء ومساکین پر صرف کی جائے گی، فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

''ولا يتم الوقف عند أبي حنيفة ومحمد حتى يجعل آخره بجهة لا تنقطع أبدا وقال أبويوسفؒ: إذا سمّى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمّهم... وقيل: إن التابيد شرط بالإجماع إلا أن عند أبي يوسف لا يشترط ذكر التابيد؛ لأن لفظة الوقف والصدقة منبئة عنه لما بينا أنه إزالة الملك بدون التمليك كالعتق، ولهذا قال في الكتاب في بيان قوله: و صار بعدها للفقراء وإن لم يسمّهم وهذا هو الصحيح''(ہدایہ ۶۳۹/۲)۔

علامہ ابن ہمام نے ''شرح فتح القدیر'' میں برامکہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''قال أبو يوسف: إذا انقرض الموقوف عليهم يصرف الوقف إلى الفقراء'' (شرح فتح القدیر ۱۹۹/۶)''(ويجعل آخره لجهة) قربة (لا تنقطع) هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد، لأنه كالصدقة وجعله أبويوسف كالإعتاق واختلف الترجيح والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر في الدار وصدر الشريعة وبه يفتي وأقره المصنف'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/ ۳۶۵-۳۶۶)۔

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا، اور اب نہ وہ مسجد رہی اور نہ ہی مدرسہ، تو مسجد کے اوقاف کی آمدنی دیگر مساجد پر اور مدرسہ کے اوقاف کی آمدنی دیگر مدارس پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔ ایک کی آمدنی دوسرے پر صرف نہیں کرسکتے ہیں۔

الف۔ کسی بلڈر سے اس شرط پر مکان بنوانا کہ اس کی ایک منزل یا دو منزل اس کی ہوگی:

اگر وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے، اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے، اسی طرح وقف کی کوئی زمین ہے، جس پر کوئی عمارت نہیں ہے اور نہ ہی اس سے

انتفاع کی کوئی صورت ہے، اور کوئی بلڈر مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے یا خالی زمین پر چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے تیار ہے کہ ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا، اور بقیہ منزلیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی، تو چونکہ اس صورت میں وقف کو کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اس میں منشاء واقف اور مقاصد وقف کا تحفظ و بقا بھی ہے۔ اس لئے میرے خیال سے اس صورت کو جائز ہونا چاہئے اس طرح کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ نیچے کی منزل وقف رہے، وہ بلڈر کی ملک نہ قرار دی جائے۔ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

ب۔ موقوف زمین کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت تعمیرات میں لگانا:

جب وقف تام ومکمل ہو جائے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کسی مصرف پر صرف کرنا اور وقف کو وقفیت سے نکال دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ شی موقوف کی وقفیت کو باقی رکھنا خواہ اصلی حالت میں ہو یا اس کی جگہ پر اسی نوع کی دوسری شی خرید کر ہو ضروری ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں موقوفہ زمین وجائداد کے کسی حصہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت مخدوش عمارت کی نئی تعمیر یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے یا نئی مسجد کی تعمیر پر صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی اس سے احتراز لازم ہے۔

علامہ ابن نجیم ''البحر الرائق'' میں خلاصہ اور فتاویٰ نسفی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

''بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا'' (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)۔

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ بنانا شرعاً صحیح نہیں ہے، گرچہ مسجد یا قبرستان کی ضروریات سے فاضل ہو، اس لئے کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہے۔ جب کہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

غیر آباد قبرستان کا حکم:

اگر قبرستان، اردگرد کی مسلم آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے غیر آباد ہو اور قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردے کو سڑگل جانے کا ظن غالب ہو اور اس کے کچھ حصہ پر غیروں کا قبضہ ہوگیا ہو، اور بقیہ پر قبضہ کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس سے مقاصد وقف کا تحفظ ہو سکے۔ مثلاً قاضی شریعت کی اجازت سے اس پر کھیتی کی جائے، یا مکان یا چاروں طرف سے دوکانیں بنا کر کرایہ پر لگا دی جائیں جس سے قبرستان کی حفاظت بھی ہو، اور بوقت ضرورت اس میں مردے دفن ہوسکیں، اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی دوسرے قبرستانوں پر الاقرب فالاقرب کی ترتیب سے صرف کی جائے گی۔

"کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابا، زیلعی" (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۱/۶۰۲)۔

مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار:

مساجد کی بنیاد ذکر الٰہی نماز وغیرہ کے لئے ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے، نہ کسی فرد کو نہ ہی کسی حکومت کو۔ اس سے بڑھکر ظالم کوئی نہ ہوگا جو لوگوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکے... اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها" (سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور اس کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

لہذا صورت مسئولہ میں بعض مساجد کو محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی قرار دے کر ان میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور بہت بڑا ظلم ہے۔ حکومت کو قطعاً اس طرح کا حق نہیں ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان مساجد کی بازیابی کی پوری کوشش کریں۔

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے کناروں میں دوکان بنانا:

جب کہ قبرستان کی چہار دیواری کے لئے قبرستان کے پاس کوئی رقم نہ ہو اور چہار دیواری نہ کرانے کی وجہ سے قبرستان غیر محفوظ ہو تو اس کے اطراف میں لوگوں سے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانیں بنا کر ان کو کرایہ پر لگا سکتے ہیں۔ شرعاً اس کی اجازت ہوگی۔ لیکن اس کے لئے قاضی شریعت سے اجازت لینی ہوگی، قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر یہ کام نہیں کر سکتے ہیں۔

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

اگر مسجد اور قبرستان دونوں کے الگ الگ کاغذات موجود ہیں، اور کاغذات میں مسجد اور قبرستان دونوں کے رقبہ کی صراحت ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کاغذات موجود نہیں تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ منشاء واقف رقبہ کی تحدید نہیں ہے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ پوری زمین مردوں کی تدفین اور مسجد کے لئے وقف ہے۔ ضرورۃً مسجد کی توسیع بھی ہو سکتی ہے، اور مردے بھی دفن کئے جا سکتے ہیں۔ لہذا اگر قبرستان کے اندر کی مسجد کے اردگرد مردے کبھی دفن نہیں ہوئے ہیں یا مردے تو دفن ہوئے ہیں، لیکن قبریں اتنی پرانی ہیں کہ مردوں کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مسجد کی توسیع قبرستان کی زمین پر کر سکتے ہیں۔ اور اگر قبریں نئی ہیں تو توسیع نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ مسجد کو دو منزلہ اور سہ منزلہ بنا کر ضرورت پوری کر لی جائے تا کہ کسی طرح کا شبہ باقی نہ رہے۔

غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں مساجد و مقابر یا دیگر اوقاف کا رہنا:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف بھی صحیح ہے، البتہ اس کے وقف کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جس کے لئے وقف کر رہا ہے اس پر وقف کرنا اس کے نزدیک بھی باعث قربت ہو اور ہمارے نزدیک بھی۔ جیسے اپنی اولاد یا فقراء یا بیت المقدس پر وقف کرنا، اس کے نزدیک بھی باعث قرب ہے اور ہمارے نزدیک بھی، اگر اس کے نزدیک باعث قرب ہے، لیکن ہمارے

نزدیک نہیں۔مثلاً مندر کے لئے وقف۔یا ہمارے نزدیک ہے لیکن اس کے نزدیک نہیں۔جیسے حج وغیرہ کے لئے تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔لہذا اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر کسی مسجد یا قبرستان کے لئے وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح ہوگا۔

''وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أوعلى الفقراء أوعلى فقراء أهل الذمة، فإن عمم جاز الصرف إلى كل فقير مسلم أوكافر وإن خصص فقراء أهل الذمة اعتبر شرطه كما نص عليه الخصاف''(البحر ۵/ ۲۰۲)۔

''(قوله بشرط كونه قربة عندنا وعندهم) الظاهر أن هذا شرط في وقف الذمي فقط ليخرج ما لو كان قربة عندنا فقط كوقفه على الحج والمسجد ماكان قربة عندهم فقط كالوقف على البيعة بخلاف الوقف على مسجد القدس، فإنه قربة عندنا وعندهم فيصح الخ'' (منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ۵/ ۲۰۲)۔

اور جب غیر مسلم کا وقف صحیح ہے تو وہ اپنے اوقاف کا متولی بھی بن سکتا ہے، اس لئے کہ صحت تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

''ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه لما في الإسعاف''الخ (ردالمحتار مطلب فی شروط المتولی ۳/ ۳۸۵)۔

''ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف ولو كان عبدا يجوز قياساً واستحسانا والذمي في الحكم كالعبد الخ'' (الفتاوی الہندیہ ۲/ ۴۰۸)۔

لہذا مذکورہ صورت میں اگر ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد یا مقابر پر وقف کیا ہے اور نسلاً بعد نسل یہ تولیت ان کے خاندانوں میں آ رہی ہے، جس کی وجہ سے آج بھی وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہیں تو ایسی صورت میں غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ان اوقاف کا رہنا صحیح ودرست ہے۔

ویران مساجد کا حکم اور استبدال وقف

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ☆

نیکی اور خیر کے کاموں کی بقاء، مقاصد شریعت کی تکمیل اور فقراء وضعفاء کی مدد جیسے اعمال خیر کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے جان ومال کو خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وقتی ضرورت اور لازمی مصارف میں صدقات نافلہ وصدقات واجبہ خرچ کیا جائے، تاکہ حاجتمندوں کی ضرورت پوری ہو۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وقتی حاجت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اجتماعی ضرورت اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ٹھوس اموال کو ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا جائے، تاکہ اصل شی کو باقی رکھتے ہوئے اسکے منافع استعمال میں لائے جائیں اور اس سے واقف کو اس کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ اجر وثواب ملتا رہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث، صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له'' (مشکوۃ المصابیح)۔

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ جاریہ چھوڑنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ عملی طور پر بھی اسے اختیار کر کے انسانیت کے لئے بہترین اسوہ چھوڑا ہے۔ اور اپنی زندگی میں ایسے آٹھ باغ جو مدینہ میں تھے وقف کیا (**روی البیهقی أنه** ﷺ **جعل سبع حيطان بها بالمدينة صدقة علي بني عبد المطلب وبني هاشم و ذكر الماوردی ثماني حيطان**) بلکہ

☆ ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

اپنی زندگی کے تمام اندوختہ کو بھی وقف قرار دیا (**ما ترک رسول الله ﷺ إلا بغلته البيضاء وسلاحه وأرضا جعلها صدقة، وروى أبو بكر قول النبي ﷺ نحن معاشر الأنبياء ما تركناه صدقة**) (بخاری) اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ میں جتنے بھی اصحاب مال تھے انہوں نے بھی کسی نہ کسی خیر کے کام میں مکان وزمین وغیرہ وقف کیا (**قال جابر بن عبد الله: لم يكن أحد من أصحاب النبي ذو مقدرة إلا وقف**) (المغنی لابن قدامہ ۵/۵۴۵) اور اس کا اثر بعد کی صدیوں میں بھی یہ رہا کہ تمام ایسی جگہوں میں جہاں مسلمان آباد ہوئے انہوں نے خیر کے کاموں میں زمین ومکان وغیرہ وقف کیا، اور آج عالم اسلام کا کوئی خطہ اس سے خالی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کے لئے تمام اسلامی ممالک میں ''وزارت اوقاف'' اور وقف کے ادارے قائم ہیں۔

وقف کی صورت حال:

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اوقاف نے جہاں دینی تعلیم کی نشر واشاعت مسکینوں و بیواؤں کی مدد، مسافروں ومجاہدوں کی نصر وحمایت اور اسلامی زندگی کی بقاء واستحکام میں ایک موثر کردار ادا کیا، وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اوقاف کی بڑی تعداد قلت پیداوار یا تعطل کا شکار ہوکر اپنا سابقہ کردار کھوچکی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وقف اپنی ابتداء میں چاہے وہ مکانات ہوں، زرعی اراضی ہوں یا باغات ہوں۔ اپنی بہتر پیداوار وآمدنی کی وجہ سے مقاصد کے لئے بہت مفید ہوتا ہے، مگر بعد میں آہستہ آہستہ طول دہر سے مکان کی بنیاد جب کمزور ہوجاتی ہے پھر وہ منہدم ہوجاتا ہے، یا باغات واراضی کی دیکھ بھال کی کمی سے پیداوار صفر کے درجہ میں آجاتی ہے تو وقف اپنے مقصد میں ناکام ہوجاتا ہے، جبکہ ذاتی باغات یا اراضی میں نئے درخت اور پودے لگائے جاتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اس لئے وہ زرخیزی کو باقی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انقلابات دہر کی بناپر کبھی پوری کی پوری آبادی وہاں سے منتقل ہوجاتی ہے اور اوقاف بنجر بن جاتے ہیں۔ آج بیشتر ممالک کی اوقاف کی جائدادیں اپنے بنجر پنا، بوسیدگی، اور کھنڈر پنے

کے ذریعہ پہچانی جاتی ہیں، بلکہ ایسے ممالک جہاں سے مسلمان مختلف سیاسی حالات اور ظلم وتشدد کی بنا پر نقل وہجرت سے دوچار ہوئے ہیں۔ جیسے برما، ہندوستان، روس، صقلیہ وغیرہ وہاں تو اوقاف کی حالت یہ ہے کہ یا تو ظالمین وغاصبین کے قبضہ میں ہیں۔جس میں افراد بھی ہیں اور حکومتیں بھی یا اگر موجود ہیں تو بجز پنا کا شکار ہو کر غیر نافع ہو گئے ہیں۔خود ہندوستان کی وہ ریاستیں جہاں سے مسلمان ۴۷ء یا اسکے قبل ہجرت کر گئے، یا شہید ہو گئے اور بستیاں ویران ہو گئیں جیسے ریاست پنجاب، ہریانہ، اتر پردیش، وغیرہ کے بعض علاقے وہاں کی مساجد، اوران کی جائدادیں، مدرسے وخانقاہیں اور مسافر خانے وغیرہ سے متعلق سیکڑوں اوقاف ایسے ہیں جن پر افراد یا حکومتوں کا قبضہ ہوگیا ہے، اور جو باقی ہیں وہ معرض خطر میں ہیں، اوران کی حفاظت مشکل ہے، نیز ان کی واقفین کے منشا وارادوں کے مطابق ان کا استعمال بھی نا قابل عمل ہوگیا ہے، اس لئے یہ سوال انتہائی اہم ہے کہ ایسے اوقاف کا کیا کیا جائے؟

وقف کا حکم:

اوقاف کے بارے میں گرچہ شریعت اسلامی کا عمومی حکم یہی ہے کہ جب کسی کار خیر کے لئے وقف کیا جائے۔ اور وہ وقف مکمل وصحیح ہو کر لازم ہو جائے تو واقف کے منشاء وارادہ کے مطابق اسکے منافع کا استعمال کیا جائے گا اور اصل شی کو باقی رکھا جائے گا، چنانچہ امام برہان الدین مرغینانی، امام ابویوسف اور امام محمد کے مسلک پر وقف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(وهو) **حبس العين على حكم ملك الله تعالى، فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث**'' (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۲۰۴)، ''**ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه**'' (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۲۳۵)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ واقف نے جس کار خیر کے لئے وقف کیا اور جن لوگوں پر اسکے منافع کو خرچ کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر وہ افراد ہی ختم ہو جائیں تو ایسے اوقاف کو کیا کیا جائے، اگر

اس حکم کو باقی رکھا جائے کہ نہ ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ دینے والے کی ملکیت میں یا اس کی وفات کے بعد اسکے وارثین کی ملکیت میں وہ جائداد آسکتی ہے تو اوقاف کا تعطل لازم آئے گا۔ جیسے کسی آبادی میں مسجد تھی وہاں کی آبادی دوسری جگہ پر منتقل ہوگئی اور پھر وہاں دوسرے لوگ آ کر آباد ہوگئے جو مسلمان نہیں ہیں ان کا مسجدوں پر قبضہ بھی ہوسکتا ہے، اسکے سامان ولکڑیاں اور اینٹ وغیرہ کو لوٹ بھی سکتے ہیں، اور اس جگہ کو رہائش وغیرہ کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں، بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں کی درجنوں مساجد غیر مسلمین کے زیر قبضہ جا چکی ہیں جن کو وہ رہائش خانوں یا مویشی خانوں وغیرہ میں تبدیل کر چکے ہیں، اس لئے ان ویران مساجد کے شرعی احکام پر غور کرنا ضروری ہے۔

ویران مساجد کا حکم اور استبدال وقف:

مساجد کی حیثیت ''بیت اللہ'' اور شعار اسلام کی ہے، ان کی حفاظت، دیکھ بھال، اور تعمیر وآباد کرنا ایمان والوں کا وصف ہے، اور ان کی تخریب اہل کفر کا کام ہے، اس لئے مسلمانوں کے اوپر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی نمازوں سے آباد کریں، اور اس کی ظاہری تعمیر وترقی میں حصہ لیں۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام ابو یوسف (ایک قول کے مطابق) یہ کہتے ہیں کہ اگر مسجدیں بستی کے ویران ہونے کی وجہ سے ویران ہوجائیں یا دوسری مسجد کے بن جانے کی وجہ سے اس آبادی کو اس مسجد کی ضرورت نہ رہ جائے۔ بہر حال جو مسجد ایک بار بن گئی ہے اس کی مسجدیت ختم نہ ہوگی بلکہ تا ابد رہے گی۔

''ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، أبداً الى قيام الساعة'' (الدرالمختار ۳۵۸/۴)''وهو قول أبي حنيفة ومالك والشافعي فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى (حاوي القدسي) وأكثر المشائخ عليه (مجتبى) وهو الأوجه'' (فتح) الخ بحر، (ردالمختار ۳۵۸/۴)۔

اور امام ابو یوسف کا دوسرا قول ہے کہ ایسی مسجد کے سامان کو قاضی کی اجازت سے فروخت کر کے اس کی قیمت دوسری مسجد میں صرف کردی جائے۔

''وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي جزم به في الإسعاف حيث قال، ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملک الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد" (ردالمحتار ۳۵۹/۴)۔

یہی ایک قول امام احمد کا ہے:

''وعن أحمد يباع نقضه ويصرف إلى مسجد آخر" (فتح القدیر ۲۳۶/۶)۔

''وقد روى علي بن سعيد عن الإمام أحمد أن المساجد لا تباع ولكن تنقل آلتها (مجموع في المناقلة والاستبدال" (تحقیق محمد سلیمان الاشقر ۵۱)۔

ایسا ہی قول بعض اصحاب شافعی سے منقول ہے:

''ولهم في آلة الوقف كاخشابه ان تعطلت وجه لمساغ بيعها، وسوغوا نقل آلة المسجد إذا تعطل الانتفاع به بخراب المحلة ونحوه إلى مسجد آخر ولم يخرجوا الأول عن كونه وقفا (مجموع في المناقلة والاستبدال" (تحقیق محمد سلیمان الاشقر ۵۱)۔

امام ابو یوسفؒ کے اس دوسرے قول کو مشائخ احناف میں سے امام ابو شجاع، شمس الائمہ حلوانی، شیخ الاسلام، علامہ ابن عابدین وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

''وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الامام أبو شجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلک إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز، ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل

عن مسجد أو حوض خرب لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر، قال نعم، ومثله في البحر عن القنية" (ردالمحتار ۴/ ۳۵۹)۔

(فتاوی خانیہ میں ہے کہ مسافر خانہ جو رہ گذر سے دور ہو اور گذرنے والے اس سے قریبی سرائے کی وجہ سے مستغنی ہوں تو سید الامام ابو شجاع کا قول ہے کہ اس کا سامان وغلہ دوسرے سرائے میں استعمال کیا جائے گا۔ جیسے کہ مسجد ویران ہو جائے اور گاؤں والوں کو اس کی ضرورت نہ ہو، پھر معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے، اور وہ لکڑی فروخت کردے اور اس کی قیمت دوسری مسجد میں لگادے تو جائز ہے۔ نیز ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کی آبادی وہاں سے منتقل ہوگئی ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو تو کیا قاضی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے تو انہوں نے کہا، ہاں۔

علامہ ابن عابدین شامی اس مسئلہ پر اور لوگوں کی رائے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد اور حوض کے درمیان کوئی فرق کئے بغیر مذکورہ بالا مشائخ کا اتباع کیا جانا چاہئے، جیسا کہ امام ابو شجاع اور امام حلوانی نے فتوی دیا ہے۔ **وكفى بهما قدوة۔**

اسکے بعد پھر "ذخیرہ" میں فتاوی نسفی کے حوالہ سے بیان کیا کہ شیخ الاسلام سے ایک ایسے محلّہ کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے افراد اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہیں اور اس کی مسجد خراب وخستہ ہو رہی ہے اور کچھ لٹیرے اس کی لکڑیوں کو اٹھا کر اپنے گھروں کو لے جا رہے ہیں تو کیا اس محلّہ کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس کی اجازت ہے کہ قاضی کی اجازت سے اس کی لکڑیوں کو فروخت کردے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھے تا کہ کسی دوسری مسجد میں یا اسی مسجد میں پھر صرف کر سکے۔ تو انہوں نے جواب دیا، ہاں (ردالمحتار ۴/ ۳۶۰)۔

۱۔ مساجد کے بارے میں اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ویران وشکستہ مساجد کے سامان ۔مثلاً فرش، چٹائیاں، کتابیں، واٹر پمپ، پنکھا وغیرہ کو دوسری مساجد میں یا تو بعینہ منتقل کر دیا جائے یا اسے فروخت کر دیا جائے، جیسا کہ امام ابو یوسف سے منقول ہے اور ایک قول میں امام صاحب بھی یہی کہتے ہیں، اور یہی فتوی شمس الائمہ حلوانی اور امام ابو شجاع نے دیا ہے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"و أما الحصير و القنديل فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيم المسجد للمسجد لأنه ما جعله مسجدا ليصلي فيه أهل تلك المحلة لاغيره بل يصلي فيه العامة مطلقا أهل تلك المحلة وغير هم.قال محمد .....ولو جعل جنازة و ملاء ة ومغتسلا وقفا في محلة ومات أهلها كلهم، لايرد إلى الورثة بل يحمل الى مكان آخر۔ فان صح هذا من محمد فهو رواية في الحصر والبواري أنها لا تعود إلى الورثة" (فتح القدیر ۶/۲۳۷)۔

یہی مسلک علماء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کا ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۹۔۳۰۰)۔

۲ – اور اگر مسجد ویران وشکستہ ہو جس میں لکڑیاں، اینٹیں، چھڑ، لوہے، دروازہ وغیرہ ہوں جن کی ضرورت اس مسجد میں نہ ہو اور اسکے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو انہیں بھی امام ابو شجاع اور امام حلوانی کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے دوسری مسجد میں بعینہ لگا دی جائے، یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت لگا دی جائے۔

فقہاء کی عبارتوں سے انقاض مسجد کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قاضی موجود ہو اس کی اجازت سے ہی اسکو منتقل کیا جائے، اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں اہل محلہ، یا وقف بورڈ، اصحاب فتوی کے مشورہ سے منتقل کریں یا فروخت کریں (قاضی خاں حاشیہ فتاوی ہندیہ ۳/۳۴۲) لیکن

فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انقاض مسجد کی منتقلی کے لئے قاضی کی اجازت ضروری نہیں ہے، انقاض مسجد کو منتقل کرنے کے جواز کے قول کو مفتی کفایت اللہ صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے (فتاویٰ مظاہر علوم/ ۱۵۰)۔

مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہ رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جا سکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے۔

ایک دوسرے جواب میں لکھتے ہیں: مسجد منہدم شدہ میں اگر وہ لکڑیاں کام میں نہ آسکیں تو دوسری مسجد میں یا مسجد کے موقوفہ مکانات میں استعمال کی جا سکتی ہیں (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۹، ۳۰۰)۔

الف، ب۔ ویران مساجد کے اوقاف میں عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا:

ایسے ادارے جو خالص دینی نہیں جیسے عصری تعلیم کے ادارے، تو ایسے ادارے قائم کرنے کی ویسی ضرورت نہیں ہے جیسے کہ مدرسہ کی ہے، البتہ ایسے رفاہی شفاخانہ جو مسلمانوں کے لئے بالخصوص فقراء کے لئے ہوں تو ان کو بھی قائم کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے اگر مصلحت عامہ اس کی متقاضی ہو اور ویران مساجد کے ایسے اوقاف کی اراضی موجود ہوں جن کے مصارف منقطع ہو گئے ہوں تو قاضی کی اجازت سے یا جہاں نظام قضاء نہ ہو وہاں وقف بورڈ و متدین علماء کی اجازت سے قائم کیا جا سکتا ہے، گرچہ اصل اصول یہی ہے کہ ایسے اوقاف اسکے متماثل دیگر اوقاف و مصارف میں خرچ ہوں۔

ایسی ویران مساجد کی مسجدیت کو باقی رکھتے ہوئے اس کی حفاظت و بقاء اور آباد کرنے کے لئے وقتی طور پر اس میں دینی تعلیم کا نظم کیا جا سکتا ہے، بالخصوص اراضی مسجد کے اس حصہ میں جو

مسجد سے خارج ہوتی ہے اس میں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جائے۔حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ایک فتوی میں لکھتے ہیں:

مسجد کے احاطہ میں زمین فاضل ہے اور وہ نماز پڑھنے کے لئے نہیں ہے، یعنی حقیقتاً وہ مسجد نہیں تو اگر اس میں مدرسہ ومکتب بنایا جائے تو جائز ہے، بلکہ ان دنوں ضرور بنانا چاہئے تا کہ مسجد کی آبادی ہو اور بچے تعلیم پائیں (فتاوی امارت شرعیہ زیر طبع)۔

بہر حال آج کے دور میں مساجد کی آبادی اور تعلیم دین کی اشاعت کے لئے ویران مساجد میں درس دینا، اور اس سے ملحق اراضی میں دینی مدرسہ بنانا عین مصلحت شرعی ہے۔ اور واقف کی غرض اصلی "تسبیل منفعت" کی تعمیل ہے۔

آباد مساجد کی فاضل اراضی میں دینی وعصری ادارے قائم کرنا:

اور اگر ایسی مساجد جو آباد ہوں اور ان کی ضرورت سے زائد اوقاف ہوں تو ان کی فاضل وافتادہ اراضی میں اگر مدرسہ قائم کرنے کی ضرورت ہو تو متولی کی اجازت سے مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا سجادؒ نے فتوی دیا ہے، البتہ دیگر اداروں کے قیام کی ضرورت داعی ہو تو اسکے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کرایہ پر مسجد کی فاضل اراضی کو حاصل کیا جائے پھر اس پر ادارہ قائم کیا جائے۔

اوقاف کی زائد آمدنی کا دوسرے مصرف میں خرچ کرنا:

الف، ب۔ ایسے اوقاف جو کسی مسجد یا درگاہ وغیرہ کار خیر کے لئے وقف ہوں اور ان کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ جس مسجد یا درگاہ وغیرہ کے لئے وقف کیا گیا ہو اسکو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ اسکو ضرورت ہوگی اور آمدنی سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہو جس کی حفاظت بھی دشوار ہو، اور حکومت یا منتظمین کی طرف سے اس میں دست درازی وکھا جانے کا خطرہ بھی درپیش ہو تو سوال یہ ہے کہ ایسے اوقاف کی فاضل آمدنی کا کیا مصرف لیا جائے۔

۱- کیا اسی نوع کے دوسرے ضرورت مند اوقاف میں خرچ کیا جائے۔

۲- یا ان کے علاوہ بھی حسب ضرورت دیگر دینی وملی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جو گذشتہ صدیوں میں پیش آیا تھا جس طرح آج کل درپیش ہے، اور فقہاء اسلام نے ہر دور میں اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ان کا جواب متفقہ نہیں ہے، بلکہ حالات وزمانہ کے اعتبار سے مختلف ہے، چنانچہ فقہاء احناف کے ایک طبقہ نے تو اس بنیادی نکتہ کو سامنے رکھا ہے کہ واقف نے جس کام کے لئے وقف کیا ہے اس کی پوری پوری پابندی کی جائے اور وقف کی آمدنی اسی وقف میں استعمال کی جائے، اور اسکے علاوہ کسی دوسرے وقف یا کسی دیگر، دینی وملی مصرف میں خرچ نہ کی جائے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوی (البحر الرائق اور الدرر) وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے، لیکن فقہاء احناف کا دوسرا طبقہ جہت وقف اور واقف کے اتحاد کی صورت میں ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے محتاج وقف میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے، چنانچہ الدر المختار میں ہے:

"اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه، لأنهما حينئذ كشئ واحد، وإن اختلف أحد هما بأن بني رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلک" (الدر المختار مع رد المختار ۴؍ ۳۶۰)۔

واقف اور جہت وقف متحد ہو اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اسکے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے اس پر خرچ کرے، کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئی واحد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اگر واقف یا جہت وقف مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے وقف کیا تو ایک وقف کی آمدنی دوسرے پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف کا تیسرا طبقہ اس صورت حال میں متولی اوقاف کو مطلقاً یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی کو دوسرے وقف یا کار خیر میں صرف کرسکتا ہے، علامہ حموی لکھتے ہیں:

''ویعارضه ما فی فتاوی الإمام قاضی خان من أن الناظر له صرف فائض الوقف إلی جهات برّ بحسب ما یراه''۔

اور عدم اجازت والے حکم کا معارض وہ قول ہے جو فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

علامہ حموی نے عدم اجازت والے قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا قول اس صورت میں ہے، جبکہ مسجد کو دیگر عمارتوں کی احتیاج ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے روپیہ جمع کر کے رکھا جائے گا، تاکہ بوقت ضرورت صرف کیا جا سکے، اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے اوقاف بھی اسی حکم میں ہوں۔

بہر حال فقہاء احناف کا وہ طبقہ جو ایک وقف کے مال زائد کو دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس میں بھی بعض افراد تو اتحاد واقف واتحاد جہت کی شرط لگاتے ہیں، مگر بعض ایک مسجد کے مختلف اوقاف کو چاہے واقف ایک ہو یا مختلف ایک ہی قرار دیکر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ خانیہ میں ہے:

''مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقیم أن یخلط غلتها کلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر؛ لأن الکل للمسجد ولو کان مختلفا لأن المعنی یجمعها''۔

علامہ شامی نے البحر کے حوالہ سے اس قول کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے، ''ومثله فی البزازیه ''تأمل''۔

اس طرح فقہاء احناف کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ''مجتہد فیہ'' ہے اور اس بارے میں تین اقوال ہیں: پہلا قول عدم اجازت کا ہے، دوسرا قول مشروط اجازت کا ہے،

اور تیسرا مطلق اجازت کا ہے۔ اور اسی آخری قول کو فقہاء ہند میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، شیخ الہند محمود حسن، علامہ انور شاہ کشمیری، اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کے تحریر کردہ کئی فتاوی پر ان اکابر نے دستخط کئے ہیں۔ ایک فتوی میں وہ لکھتے ہیں:

ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان کے اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا یا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی نے فقہاء احناف کے ایسے کئی اقوال نقل کئے ہیں، جس میں انہوں نے بعض صورتوں میں مسجد کے اوقاف سے ضرورت کے وقت قرض لینے، کسی فتنہ کے موقع پر مسجد میں اسباب وسامان کے ساتھ رہنے، زائد آمدنی کی صورت میں مال کے ضائع ہونے کے اندیشہ سے مسجد کے نقش ونگار میں اسے استعمال کرنے، مسجد کی لکڑی کو جلا کر ٹھنڈک زدہ شخص کو اپنی جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ یہ سارے اقوال فتاوی ہندیہ، الدر المختار اور رد المحتار وغیرہ کتب فتاوی میں منقول ہیں۔ ان اقوال کو نقل کر کے تیسرے قول کی تائید میں بعض احادیث کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

منجملہ ان روایات حدیثیہ کے یہ روایت ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ:

"سمعت رسول اللهﷺ يقول: "لولا أن قومک حديثو عهد بجاهلية أو قال بكفر، لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله"۔

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، فرماتے تھے کہ اگر تمہاری قوم

قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کردیتا)۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو وائل سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا کہ اسی مقام پر حضرت عمرؓ بیٹھے تھے اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کردوں الخ۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کردیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ حنفیہ حجت نہیں، کیونکہ انہوں نے خود اس ارادہ کو چھوڑ دیا جب کہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ تو حضرت عمر کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا۔ اور تقسیم کرنا ممنوع تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے بھی تقسیم نہ کیا۔

وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا۔ اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، تو حضرت عمر کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرت ﷺ کے ترک کے موافق واقع ہوا، گرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی اور وہ وجہ حضرت عمر کے زمانہ میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتضاء آثار پیغمبر ﷺ آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن الصلاح کا قول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ غلاف کعبہ کو بیچے یا یونہی مسلمانوں کو عطا کردے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کردیتے۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر غلاف کعبہ کو اس لئے تقسیم کر دیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا، یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کر لیتے اور حضرت عمر کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو خانہ کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے۔ اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے، یہ تو اوقاف مساجد اور اسکے مثل کا حکم تھا۔ رہے اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے۔ جیسا کہ متتبع پر ظاہر ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ وفقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استفادہ و استیناس کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتوی دیدے، بشرطیکہ اسکو وقف کے لئے اصلح اور عامة المسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے سامان شکستہ مسجد کے نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابوشجاع کے قول کو قابل اتباع قرار دیا ہے۔ باوجود یہ کہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے، اور یہ ضرورت کی بنا پر ہے (کفایت المفتی ۷/ ۷)۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی مساجد یا اوقاف کی زائد آمدنی جسے ان مساجد یا اوقاف کو نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ ظن غالب میں مستقبل میں اس کی ضرورت ہو تو اس آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف میں جنکو ضرورت ہو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر قریبی اوقاف کو بھی حاجت نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے ان کے تعلیمی دعوتی وغیرہ امور میں صرف کیا جائے یا کسی دیگر مصرف خیر میں خرچ کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے انفع ہو، بہتر ہے کہ ایسے اموال کے بارے میں اپنے شہر کے مفتی کے مشورہ سے وقف کے متولی خرچ کریں۔ اور اگر مسجد ہو اور اس کی کمیٹی ہو تو باہمی مشورہ سے یا مصلیان کے مشورہ سے خرچ کیا جائے۔

اوقاف کی تبدیلی وفروختگی:

اوقاف کی جائدادوں کی بہتری اور منشاء واقف کی صوری یا معنوی تکمیل کے لئے ان

کی تبدیلی یا فروختگی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس بارے میں فقہاء کرام نے بنیادی طور پر اوقاف کے بارے میں اس بنیادی اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ وقف کو برقرار رکھا جائے، اور اس کی بربادی یا ناجائز قبضہ وکھا جانے کی صورتوں پر بند لگاتے ہوئے جن قیود وشرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اس کا خلاصہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جنکی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت وہ ہے جسمیں واقف نے خود وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اسکے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا حق ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے، اور اس باب میں وقف نامہ خاموش ہے یا اسکی صراحت موجود ہے کہ واقف خود یا کوئی اور ان اراضی وقف کا تبادلہ نہیں کرسکتا، پھر اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو ان اراضی وقف سے بالکلیہ کسی طرح کی آمدنی اور نفع حاصل نہ ہوسکتا ہو، یا تھوڑی بہت آمدنی ہو بھی تو اس آمدنی کے حاصل کرنے پر ہونے والے اخراجات آمدنی سے زائد ہوں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ آمدنی تو حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر اس کا تبادلہ کردیا جائے تو زیادہ آمدنی حاصل ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں جب کہ واقف نے خود تبادلہ کا اختیار اپنے لئے یا دوسروں کے لئے رکھا ہو اور اراضی وقف سے آمدنی حاصل نہیں ہوتی ہو تو اس اراضی کا تبادلہ کر کے دوسری اراضی حاصل کرنا جس سے وقف کو فائدہ پہنچے جائز ہے۔

دوسری صورت میں اگر بالکلیہ اراضی وقف آمدنی سے محروم ہے یا خرچ آمد سے زائد ہے تو اگر چہ واقف نے اسکے تبادلہ کی اجازت نہیں دی ہو، یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

اور تیسری صورت میں جب کہ اراضی وقف بالکل بے مصرف نہیں ہیں محض آمدنی کے

اضافہ کے لئے تبادلہ چاہا جائے تو قول اصح اور مختار یہی ہے کہ ایسی صورت میں اضافہ آمدنی کی خاطر اراضی وقف کے تبادلہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

واضح رہے کہ یہ حکم اراضی کا ہے، وقف کے مکانات کا نہیں، وقف کا مکان اگر اس کا کچھ حصہ ویران ہوجائے تو اسے باتفاق رائے نہیں بدلا جاسکتا۔

''اعلم أن الاستبدال...... إلى قوله على كل الأقوال'' (ردالمحتار ۳/ ۵۳۶)۔

واضح رہے کہ اگر وقف نامہ میں واقف یا متولی وقف کے لئے تبادلہ اراضی وقف کی اجازت صراحتاً موجود ہو تب تو مطابق شرائط وقف واقف یا متولی مفاد وقت کو سامنے رکھتے ہوئے اراضی وقف کا تبادلہ کرسکتا ہے۔ اور اگر وقف نامہ میں تبادلہ کی اجازت مصرح نہیں ہے یا یہ صراحت موجود ہے کہ اراضی کا تبادلہ نہیں کیا جاسکتا، ان ہر دو صورتوں میں اگر ضرورت داعی ہو تو حکم قاضی سے ہی تبادلہ ہوسکتا ہے کہ وہ مصالح کا نگراں ہے، اور قاضی کے حکم سے تبادلہ کے لئے ضروری ہے کہ:

(۱) اراضی بالکلیہ بے مصرف ہوجائیں۔

(۲) اور وقف کے پاس ایسی آمدنی نہ ہو جس سے ان اراضی کو دوبارہ آبادی کے قابل بنایا جاسکے۔

(۳) اراضی کے بدلہ اراضی ہی حاصل کی جائے کہ روپیہ پیسہ اگر لیا گیا تو اسکے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

(۴) اس کی بھی رعایت رکھنا چاہئے کہ یہ تبادلہ غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

(۵) قاضی یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے ساتھ اراضی وقف کا تبادلہ نہ کرے جو اس کا ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی شہادت اسکے حق میں مقبول نہ ہو، جیسے باپ، بیٹا، بیوی وغیرہ۔ اسی طرح ایسے شخص کے ساتھ بھی تبادلہ نہیں کیا جائے جس کا کوئی دین قاضی یا اس متولی وقف پر واجب ہو۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قاضی کو اختیار حاصل ہوگا جو علم وعمل اور عدل میں

ممتاز ہو۔

''(وأما الاستبدال...... بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي) (درر) وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقارا والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل'' (درمختار ۳/۱/۵۳۶،۵۳۷) ''والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش'' (ردالمحتار ر ۵۳۷)۔

یہ مسئلہ کہ اگر اراضی وقف سے آمدنی تو حاصل ہوتی ہو، لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کرلیا جائے یا اسے فروخت کر کے دوسری اراضی حاصل کرلی جائے تو وقف کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، کیا اضافہ آمدنی کے خیال سے اراضی وقف کا تبادلہ یا بیع درست ہوگا؟ اس بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ جواز کی طرف گئے ہیں۔ اور اسی قول پر مذکور الصدر فتوی مبنی ہے، لیکن عام طور پر علماء محققین بدلے ہوئے حالات میں اموال وقف میں بیجا تصرف اور اس کی بربادی کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ جواز مبنی بر ضرورت ہے۔ اور اضافہ آمدنی ضرورت نہیں، اس سے بڑی ضرورت وقف کی حفاظت اور اسکو اہل ہوس کی دست برد سے بچانا ہے۔

مصارف منقطعہ کا حکم:

رہے ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ خاندان ختم ہوگیا، یا اسکے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ یا وقف کسی مسجد و مدرسہ کے لئے تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ایسے اوقاف کی آمدنی کو بھی اسی نوع کے کسی دوسرے مدرسہ و مسجد یا فقراء پر خرچ کیا جائے، اگر آبادی بالکل اجڑ گئی ہو اور قریب میں اس نوع کا وقف یا مصرف نہ ہو تو دیگر جگہ کے مصرف خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایسے اوقاف کی آمدنی نئے مصارف میں خرچ کرنے کے لئے اگر قاضی ہو تو اس سے یا مفتی سے

اجازت وفتوی لیکر خرچ کیا جائے۔

''وفي الخانية رباط بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط، قال السيد الإمام أبو شجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب و استغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز''۔

(اگر کوئی رباط (مسافر خانہ) دور پر واقع ہو، اور گذرنے والوں کو قریبی دوسرے رباط کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ پڑتی ہو تو امام ابو شجاع کا قول ہے کہ پہلے رباط کے غلہ وآمدنی کو اس دوسرے رباط میں خرچ کیا جائے، جیسے کوئی ویران مسجد کہ اہل محلّہ کو اس کی حاجت نہ ہو، اور یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوا اور قاضی نے اس کی لکڑی فروخت کردی اور قیمت دوسری مسجد میں خرچ کردی تو جائز ہے)۔

ویران مساجد کے اوقاف میں دینی ادارہ قائم کرنا:

عام طور پر مساجد کے لئے اراضی اور عمارتیں بھی وقف ہوتی ہیں۔ جو مساجد ہی کی طرح دائمی ہوتی ہیں۔لیکن یہ اوقاف دو طرح کے ہوتے ہیں۔کچھ تو صرف کسی معین مسجد کے لئے ہوتے ہیں۔لیکن ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ وامام محمد کہتے ہیں کہ وقف صحیح نہیں ہے۔

''ولا يتم الوقف عند أبي حنيفة ومحمد حتى يجعل آخره لجهة لا تنقطع أبداً كالمساكين ومصالح الحرم والمساجد بخلاف ما لووقف على مسجد معين ولم يجعل آخره لجهة لا تنقطع لايصح لاحتمال أن يخرب الموقوف عليه''۔

لیکن امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ آخری جہت غیر منقطعہ کا تذکرہ اگر نہیں کیا گیا تو بھی وقف صحیح ہے اور موقوف علیہ کے ختم ہونے کے بعد وقف فقراء کے لئے ہوجائے گا۔

''وقال أبويوسف: إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء

و إن لم یسمھم"۔

بہر حال ان ویران مساجد کے اوقاف یا تو امام اعظم کے مسلک پر ہوں گے اور معین مسجد کے ساتھ دیگر مساجد کے لئے یا فقراء وغیرہ پر بھی صرف کا تذکرہ ہوگا۔ یا امام ابو یوسف کے مسلک پر ہوگا تو بھی یا تو معین و غیر معین مساجد شامل ہوں گی یا فقراء شامل ہوں گے۔ اس لئے ایسے ویران مساجد کے اوقاف کے وقف نامہ میں اگر صراحت ہوتو اسکے مطابق عمل کی کوشش ہوگی۔ اور جہاں وقف نامہ موجود نہ ہو اور نہ واقف ہو اور نہ ہی اسکے عہد کے لوگ ہوں جن سے معلوم ہو سکے تو ایسے اوقاف کا پہلا حکم تو یہی ہوگا کہ دوسری مساجد میں ان کا غلہ صرف کیا جائے اور اگر وہ نہ ہوں یا ضرورت نہ ہوتو فقراء پر صرف کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا ویسے ویران مساجد کے اوقاف کی اراضی یا مکان میں کوئی دینی ادارہ، مدرسہ، دعوت وتبلیغ کا مرکز یا مسلمانوں کے لئے اسکول، شفاخانہ، وغیرہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اس بارے میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے اصل مسجد کے بارے میں جو بحث کی ہے کہ اس کی مسجدیت تا قیامت باقی رہے گی۔ یہ بات مساجد کے دیگر اوقاف کے بارے میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کی اصل جگہ کو تو باقی رکھنے کا حکم ہے چاہے وہ ویران ہو یا آباد۔ لیکن مساجد کے دیگر اوقاف کے استبدال وبیع کی خاص حالت میں اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کی اصل جگہ کے کچھ مخصوص احکام ہیں جو مسجد کے دیگر اوقاف کے لئے نہیں ہیں۔ مثلاً مسجد میں رہائش اختیار کرنا۔ جنبی یا حائضہ کا اس میں داخل ہونا۔ بلند آواز سے بولنا، لڑنا جھگڑنا، خرید وفروخت کرنا۔ پاخانہ پیشاب کرنا۔ وغیرہ امور شنیعہ ناجائز ہیں، جبکہ مسجد کے دیگر اوقاف کی عمارتوں واراضی کا یہ حکم نہیں ہے۔

اس لئے ویران مساجد کے اوقاف منقطعہ میں اگر مصلحت وضرورت شرعی کسی دینی مدرسہ کے قیام کی متقاضی ہوتو قاضی شریعت کی اجازت سے اگر نظام قضاء ہو یا وقف بورڈ

اصحاب علم کے مشورہ سے اس کی اجازت دیکر قائم کرائے ۔ کیونکہ جسطرح مسجد مسلمانوں کی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتی ہے اسی طرح مدرسہ بھی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتا ہے، مولانا سجادؒ نے اپنے فتوی میں مسجد کی افتادہ اراضی میں مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ اسے حالات کے پیش نظر ضروری قرار دیا ہے، بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ویران مسجد میں درس وتدریس کا نظام قائم کرنے اور چلانے کی اجازت دی ہے (فتاوی محمودیہ)۔

ویران مقابر کی اراضی کا استعمال:

قبرستان بھی مساجد کی طرح عام طور پر وقف ہوتے ہیں۔ اور کہیں ذاتی ونجی بھی ہوتے ہیں۔

ایسے قبرستان جس کی اراضی کسی کی ذاتی ملک ہو اور اس میں اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوں مگر دوسروں کو دفن کی عام اجازت نہ ہو اور اس کی اراضی کو مالک نے اپنی ملک سے خارج نہ کیا ہو تو فقہاء اسکے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر قبریں جدید ہوں تو ان کا احترام کیا جائے، لیکن اگر اتنی پرانی ہوں کہ لاش مٹی بن چکی ہو تو اس کی سابقہ حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور مالک اراضی کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر نعش بوسیدہ ہوگئی اور مٹی بن گئی تو دوسرے کا اس قبر میں دفن، اس میں کاشت کرنا، اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

اراضی قبرستان کسی کی ذاتی ملک وشخصی تحویل میں نہ ہو، بلکہ عام مسلمانوں کے لئے ہوں تو ایسے اراضی قبرستان وقف ہوتے ہیں، چاہے وقف صراحتاً کی گئی ہو یا موتیٰ کے دفن کی عام اجازت دے دی گئی ہو، امام محمدؒ کے قول کے مطابق قبرستان کے وقف کے لئے نہ زبان سے کہنا ضروری ہے نہ کسی متولی کا قبضہ ضروری ہے، بلکہ عملاً کسی اراضی پر مردوں کو دفن کیا جانے لگے تو ملک زائل ہو جاتی ہے اور اس کی حیثیت عام وقف کی ہو جاتی ہے، یعنی قرائن وآثار سے اجازت کا واضح ہو جانا کافی، البتہ یہ ضروری ہے کہ اذن عام ملک خاص میں ہو، مشترک ومشاع

جائداد میں نہ ہو۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک محض زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے واقف کی ملک زائل ہوجائے گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی کھینچنے لگیں، مسافر خانوں میں اور رباطوں میں ٹھہرنے لگیں، اور قبرستان میں تدفین شروع ہوجائے تب ملک زائل ہوگا (الہندیہ ۲/ ۳۵۰)۔

اور جب ایک بار قبرستان وقف ہوگیا تو ہمیشہ کے لئے وقف ہوگیا۔ اب نہ اس کی بیع درست ہے اور نہ کسی کی ذاتی ملک قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

اور جب وقف صحیح ہوگیا تو اب نہ اس کا فروخت کرنا درست ہے اور نہ کسی اور کو مالک بنانا (الہدایہ مع فتح القدیر)۔

قبرستان چاہے قدیم ومردہ ناقابل استعمال ہو یا جدید وقابل استعمال ہو اسکے فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ ایسے قدیم ومردہ قبرستان جن میں عرصہ دراز سے دفن موتیٰ کا کام نہیں لیا جارہا ہے اور نہ آئندہ یہ مصرف لئے جانے کا اظہار امکان ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ان اراضی پر غاصبین کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، اور آئندہ ان کے قبضہ کو ہٹانا ناممکن ہے یا بے حد دشوار ہے اور ان مقابر کے ختم ہوجانے ہی کا خدشہ یقینی ہے تو فقہاء احناف کے مشائخ متاخرین شمس الائمہ حلوانی اور امام شجاع کے قول سے استیناس کرتے ہوئے، اور زیلعی کے اس قول کے پیش نظر کہ جب قبر میں میت کی نعش بوسیدہ ہوکر مٹی میں مل جائے تو اس پر کھیتی کی جاسکتی ہے اور مکان بنایا جاسکتا ہے۔ فقہاء ہند میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب وغیرہ نے ایسے قدیمی ناقابل استعمال اور خطرہ غصب سے گھری ہوئی اراضی قبرستان میں مسجد ومکانات بنانے کی اجازت دی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

اگر یہ قبرستان زمین موقوفہ میں تھا جو دفن اموات کے لئے وقف تھی اسکو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں۔ ہاں اگر اس میں دفن اموات کی اجازت نہ رہی ہو تو جب کہ مردوں کے جسم مٹی ہو جانے کا گمان غالب ہو جائے اس وقت اس زمین کو کھیت یا باغ بنا کر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں صرف کیا جائے گا، اور اگر زمین وقف نہ ہو، بلکہ مملوک ہو تو مالک آمدنی کو اپنے صرفہ میں لا سکتا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۱۴۳)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں:

ہاں جو موقوفہ قبرستان اس حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اس میں تدفین موقوف ہوگئی اور آئندہ اس کی توقع بھی نہ ہو کہ تدفین ہوگی، بلکہ اس کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہوگیا ہو تو اس کے اور اس کے واقف کے منشاء کے تحفظ و بقا کے لئے جو مناسب صورت ہو اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اسکو چہار دیواری سے محفوظ کر کے اس میں کل کے اندر باغ لگا کر یا مثلاً اسکے حواشی پر بیرون رخی دکانیں بنوا کر اور اندر باغ لگا کر اس کی آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کی جائے، اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کر دی جائے یا دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۴-۱۷۵)۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب لکھتے ہیں: پس پنجاب وغیرہ کی صورت حال جہاں سرے سے ان قبرستانوں کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہی یقینی ہے ایسے مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک پہلو پر اصرار جس سے دین کے عام مصالح مجروح ہوتے ہوں صحیح نہیں معلوم ہوتے۔

لہذا ایسے قدیم مقابر جو عرصہ سے غیر آباد ہیں اور آئندہ بھی ان کے آباد ہونے کی توقع نہیں ان پر عمارتیں بنا کر کرایہ پر لگائی جا سکتی ہیں، اور ان اراضی کو لیز پر بھی دیا جا سکتا ہے، تا کہ اصل اراضی وقف کی حیثیت سے باقی رہ سکے اور اس سے آمدنی حاصل ہوتی رہے۔

اور اس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ یا ایسے شہروں و آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح

کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم میں اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر جلد ۲، شمارہ ۱۰۳۔۱۰۵)۔

اس بحث سے مقابر ومساجد کے علاوہ دیگر اوقاف، مثلاً خانقاہ، سرائے وغیرہ جو ویران ہو گئے ہوں، اور ان کی اراضی موجود ہوں اور ان کے مصرف کا انقطاع ہو تو حسب ضرورت دینی ومصلحت شرعی قاضی کی اجازت سے مدارس وغیرہ ان میں قائم کئے جاسکتے ہیں، احکام شرع سے واقف دقیق النظر علماء پر یہ مخفی نہیں ہے کہ مساجد ومقابر کے علاوہ دیگر اوقاف کے احکام قدرے مختلف ہوتے ہیں۔

اوقاف

مولانا ظفر عالم ندوی ☆

جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں، مسلمانوں کی آبادی وہاں نہ ہونے کی وجہ سے ان کا آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق ان کو بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے اور ان پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، مساجد کے علاوہ ایسے تمام اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی رعایت کرتے ہوئے ان کی جگہ متبادل وقف ایسی جگہ قائم کرنا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو شرع اسلامی کی رو سے جائز اور درست ہے، استبدال وقف کے سلسلہ میں فقہاء نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر سوال میں مذکور صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔علامہ ابن عابدین شامیؒ نے استبدال وقف پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”والثانی أن لا یشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه“ (ردالمحتار علی الدر المختار ۳۸۴/۴)۔

اس سلسلہ میں علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے، استبدال کی شرطوں، اس کے جواز وعدم جواز کے پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ کے جزئیات کو بھی پیش کیا ہے، طوالت کے خوف سے علامہ موصوف کے کلام کو یہاں پیش کرنے سے گریز کیا جارہا ہے۔

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مساجد ودیگر اوقاف میں فرق ہے، ویران یا غیر مفید ہونے کی صورت میں عام اوقاف کا استبدال درست ہے لیکن مساجد کا استبدال اور منتقلی جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق ہرگز درست نہیں، علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں لکھا ہے:

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى'' (درمختار ۴؍ ۳۵۸)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''وكذا لوخرب ما حوله وليس له ما تعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر... فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وأكثر المشائخ عليه وهو الأوجه'' (ردالمحتار علی الدر المختار ۴؍ ۳۵۸)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ نے مسجد کی حیثیت متعین کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کا قول عدم استبدال کا نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''وقال أبو يوسفؒ: هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى'' (البحر الرائق ۵؍ ۲۵۱)۔

فتاوی ہندیہ میں اسی طرح فتاوی قاضی خاں (ص؍ ۱۷۵) وفتح القدیر (۶؍ ۲۲۸) میں بہت سے جزئیات موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت بھی مسجد کا استبدال اور اس کی تبدیلی جائز نہیں۔ ''فتاوی ہندیہ'' سے ایک جزئیہ یہاں بطور نظیر درج کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہوجائے:

''ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلک المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم

مکانه عوضاً ما هو خیر له، فیسع فیه أهل المحلة قال محمدؒ: لا یسعهم ذلک" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۵۷)۔

اس جگہ یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ مسجد کا حکم الگ ہے اور اس کے اوقاف کا حکم الگ ہے، مساجد کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کی طرح ہے، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے واقدیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"**والوقف علی المسجد لیس کالمسجد فی حرمة البیع والاستبدال مطلقاً**"۔

آگے فتاوی ظہیریہ کے حوالہ سے ایک فتوی نقل ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کے اوقاف کا حکم مساجد سے جدا ہے۔

"**سئل الحلوانی عن أوقاف المساجد تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها ویشتری بثمنها أخری؟ قال: نعم**" (اعلاء السنن ۱۳/۱۹۶)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کرنا واجب ہے جب کہ وہ اصول شرع سے متصادم نہ ہوں، علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة**" (رد المحتار ۴/۴۴۵)۔

لیکن اگر قاضی شریعت یا دیندار مسلمانوں کی جماعت جس میں کم از کم ایک عالم دین ہو، کا اگر یہ فیصلہ ہوجائے کہ ویران اور نا قابل استعمال ونا قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کرکے ان کی قیمت سے دینی تعلیمی ادارہ یا رفاہی ادارہ قائم کرنا بہتر ہے تو فقہ اسلامی کی رو سے اس کی اجازت ہوگی۔

الف۔ جو اراضی مسجد کے لئے وقف ہیں تاکہ ان سے مسجد کی ضروریات پوری ہوں، لیکن فی الحال وہ مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں، ان اراضی میں تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اوقاف مصرف سے

زائد ہیں ان کو قاضی شریعت کی اجازت سے اسی نوع کے اوقاف میں منتقل کرنے کی اجازت ہوگی لیکن غیر نوع میں منتقل نہیں کرسکتے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے صراحت کی ہے:

''لا یجوز صرف وقف المسجد خرب إلی حوض وعکسه، وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (ردالمحتار ۴/ ۳۵۹)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے بھی فتح القدیر میں صراحت کی ہے:

''وهکذا نقل عن شیخ الإسلام الحلوانی فی المسجد والحوض إذا خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه أنه یصرف أوقافه إلی مسجد آخر أو حوض آخر....'' (فتح القدیر شرح ہدایہ ۶/ ۲۳۷)۔

حضرت تھانویؒ نے ایک فتوی کے جواب میں وضاحت کی ہے کہ مذکورہ عبارت جو ردالمحتار کی ہے اگر چہ ویران اوقاف وویران مساجد کے سلسلہ میں ہے لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے، اس لئے یہ حکم عام ہے خواہ اوقاف ویران ہوں یا نہ ہوں، حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

''قلت: هذه الروایة وإن کانت منقولة فی صورة خراب المسجد وغیره لکن ما کان مبنی الحکم الاستغناء کان الحکم عاما، وإن لم یخرب وهذا ظاهر عندی'' (امداد الفتاوی جدید ۲/ ۵۹۳)۔

مذکورہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی اراضی پر تعلیمی ورفاہی ادارہ قائم کرنا درست نہیں ہے، ہاں ان کی آمدنی دوسری ضرورت مند مساجد پر صرف کی جاسکتی ہے۔

ب۔ اسی طرح مسجد کی آمدنی بھی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے، فتاوی ہندیہ میں صراحت کے ساتھ یہ جزئیہ موجود ہے کہ مسجد کی زائد وفاضل آمدنی فقراء پر بھی صرف نہیں کی جاسکتی، جب کہ باب وقف میں اس کی گنجائش موجود رہتی ہے کہ جہاں جہت وقف ختم ہوجائے تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہوجاتے ہیں۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

''الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل: لا یصرف

و إنه صحیح، ولکن یشتری به مستغلا للمسجد" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)۔

الف۔ وقف کی آمدنی اس وقف کے متعین مصارف سے زیادہ ہو اور اس زیادہ آمدنی کے مصرف کا اس کے متعین مصارف میں طویل عرصہ تک خرچ کرنے کا امکان نہ ہو تو اسی نوع کے مصارف میں اس زائد آمدنی کو صرف کرنا درست ہوگا۔ خصوصاً جب کہ اسکے ضائع ہونے اور اس پر حکومت کی دست درازی کا اندیشہ ہو تو اس وقت اس کا بچانا اور دوسرے اوقاف میں صرف کردینا ہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں ویران اوقاف کی آمدنی کو دوسرے اوقاف میں صرف کرنے کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ومثله حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض" (الدر المختار ۴/ ۳۵۹)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (رد المحتار علی الدر المختار ۴/ ۳۵۹)۔

جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسی قسم کے فتوی کے جواب میں اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ درمختار یا رد المحتار کی عبارتوں میں جواز کا پہلو اگر چہ ویران مساجد اور ویران اوقاف کے سلسلہ میں ہے، لیکن حکم کی بنیاد استغناء پر ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، خواہ ویران اوقاف ہوں یا غیر ویران ہوں (امداد الفتاوی جدید ۲/ ۵۹۳)۔

ب۔ لیکن اس نوع کے اوقاف کے علاوہ دوسری نوع مثلاً مسجد کی آمدنی ہے تو اس کو تعلیمی یا رفاہی کاموں پر صرف کرنا درست نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے،

اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی بہت ہی واضح ہے۔ راندیر، ضلع سورت کی ایک مسجد کی زائد آمدنی کے مصرف کے سلسلہ میں لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مسجد کی زائد آمدنی کے ضیاع کا اندیشہ ہے اور مسجد کو حاجت بھی نہیں ہے کیا اس سے دینی مدرسہ کی مدد کی جاسکتی ہے، جبکہ وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو۔ حضرت تھانویؒ نے جو جواب دیا، میں ان ہی کے الفاظ کو نقل کررہا ہوں۔

الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہوتو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی جدید ۲/ ۵۹۶)۔

وقف کردہ مکان کی فروختگی:

اگر شی موقوف قابل انتفاع ہو مگر اس کی منفعت کم ہو، تو ایسی صورت میں اس وقف کو زیادہ نفع بخش اور مفید بنانے کے لئے دوسری نفع بخش چیز کے ذریعہ اس کا تبادلہ درست ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ جواز کے قائل ہیں، فقیہ ہلال اور دیگر ائمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف اراضی موقوفہ کے استبدال کی صورت میں ہے، مکان کے سلسلہ میں نہیں ہے، محض نفع بخش بنانے کے لئے مکان موقوف کا تبادلہ بالاتفاق جائز نہیں ہے، لہذا صورت مذکورہ میں کسی مسجد یا مدرسہ پر موقوف مکان کا تبادلہ ایسی دکان یا مکان سے جو کسی تجارتی یا مرکزی مقام پر واقع ہو جائز نہیں ہوگا، اگر چہ موقوفہ مکان سے معمولی کرایہ آتا ہو جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ارض موقوفہ اور مکان موقوف کے استبدال کے مابین فرق کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال

بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا، فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال قال ولا يمكن قياسها على الأرض، فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استيجارها مدة طويلة لاجل تعميرها للسكنى" (رد المحتار ۶/ ۵۸۴)۔

جو اوقاف جن مصارف کے لئے ہیں، ان کی آمدنی ہم جنس اور انہی نوع کے مصارف میں صرف کی جائے گی، جیسا کہ فقہاء کی بعض اصولی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے "شرح الملتقی" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

"يصرف إلى أقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۴/ ۳۵۹)۔

اور جو اوقاف کسی خاص خاندان یا افراد کے لئے تھے ان کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اوقاف عام فقراء کے لئے ہو جائیں گے۔ علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

"قال أبويوسفؒ يرجع إلى الواقف وإلى ورثته إلا أن يقول صدقة موقوفة ينفق منها على فلان وعلى فلان، فإذا انقرض المسمى كانت للفقراء والمساكين؛ لأنها جعلها صدقة على مسمى فلا تكون على غيره" (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۶۲۳)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو جمہور کا قول مختار بتایا ہے:

"أخذ الجمهور غير الحنفية بقول أبي يوسفؒ" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۱۹۹)۔

فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوقاف جو خاندان یا افراد کے لئے ہیں اگر اس خاندان یا افراد کا انقطاع ہو جائے اور جہتیں ختم ہو جائیں تو وہ اوقاف فقراء کے لئے ہو جاتے ہیں، چنانچہ علامہ حصکفیؒ درمختار میں لکھتے ہیں:

''فلو وقف علی أولاد زید ولا ولد له أو علی مکان هیأه لبناء مسجد أو مدرسة صح (في الأصح) وتصرف الغلة إلی الفقراء إلی أن یولد لزید أو یبنی المسجد'' (درمختار ۴؍۴۳۰)۔

علامہ شامیؒ نے اس جگہ شرح کرتے ہوئے ایک اصولی بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''علم من هذا أن منقطع الأول ومنقطع الوسط یصرف إلی الفقراء'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۴؍۴۳۰)۔

''فتاویٰ ہندیہ'' اور ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں اس مسئلہ کے متعلق بعض صریح جزئیات بھی موجود ہیں، یہاں دو جزئیات ہم نقل کر رہے ہیں:

''إذا وقف وقفا مؤبدا واستثنی لنفسه أن ینفق من غلة هذا الوقف علی نفسه وعیاله وحشمه مادام حیا جاز الوقف والشرط جمیعا عند أبي یوسفؒ، فإذا انقرضوا صارت الغلة للمساکین، کذا في الذخیرة'' (فتاویٰ ہندیہ ۲؍۳۹۹)۔

''ولو قال علی بني ولیس له بنون فالغلة للفقراء وکذا لو قال علی بناتي وله بنون فالغلة للفقراء لیس للبنین'' (ہندیہ ۲؍۳۷۵)۔

حاصل یہ کہ ایسے اوقاف جو کسی خاص خاندان یا خاص افراد کے لئے ہوں جب وہ خاندان ختم ہو جائے یا وہ افراد باقی نہ رہیں تو وہ اوقاف فقراء ومساکین کے لئے مقرر ہو جائیں گے، اور ان کی آمدنی انہی پر صرف کی جائے گی۔

الف۔ اوقاف کی عمارتیں اگر مخدوش ہوں تو ان کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کے لئے اوقاف کے کسی حصہ کو تعمیر کے عوض میں بلڈر کو دینا، وقف کے بعض حصوں کو فروخت کرنا ہے جو اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ذخیرہ کے حوالہ سے اس قسم کا صریح جزئیہ موجود ہے:

"وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلک، فإن باع القيم شيئا من البناء لم ينهدم ليهدم أو نخلة حية لتقطع فالبيع باطل" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۱۷)۔

لیکن اگر مخدوش عمارت کے ضائع ہوجانے اور گر جانے کا قوی اندیشہ ہو اور آئندہ مستقبل میں وقف میں اس کی گنجائش نظر نہ آتی ہو کہ اس کی مرمت یا تعمیر ہو سکے تو قاضی شریعت یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین اس عمارت کو بلڈر کے ذریعہ تعمیر کرانے اور کچھ حصے کو بلڈر کے دینے ہی میں بہتر سمجھتی ہو اور اس سے وقف کا فائدہ ہی ہو تو پھر اس کی گنجائش ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنوانے کے لئے وقف ہی کے کچھ حصہ کو بلڈر کو عوض میں دینے کی عام اجازت نہ ہوگی۔ بعض مخصوص حالات میں صرف قاضی یا ان کے قائم مقام جماعت المسلمین کو یہ اجازت حاصل ہوگی۔ لیکن وقف کی مصلحت کے پیش نظر ہوگی، عموماً اجازت نہ ہوگی۔

ب۔ اگر وقف کی حفاظت اسکے بغیر ممکن نہ ہو تو وقف شدہ زمین میں سے کچھ زمین کو فروخت کر کے وقف کی حفاظت کرنے کی گنجائش ہوگی۔

مسجد یا قبرستان کی جو زمین زائد ہے اور آئندہ اس کی ضرورت کا امکان بھی نہیں ہے، تو اس زائد زمین میں سے اسی نوع کا وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں۔

ایسے قبرستانوں کے سلسلہ میں مسلمانوں کی دینی وملی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کریں اور چہار دیواری کردیں تاکہ قبضہ رہ سکے۔

کسی بھی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکنے کا حق کسی بھی حکومت کو نہیں ہے، اگر حکومت نے کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا ہے تو یہ غیر قانونی عمل ہے، مسلمانوں کا اس صورت میں دینی فریضہ ہوگا کہ وہ اس کے خلاف حکومت سے احتجاج کریں۔

قبرستان کی حفاظت کی غرض سے اگر ایسا کیا گیا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، بعد میں

اس کی زائد آمدنی دوسرے قبرستانوں پر صرف کی جاسکتی ہے۔

اگر قبرستان میں اس کی گنجائش ہے کہ مسجد کی توسیع کی جاسکے اور طویل عرصہ تک قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہ پڑے تو مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس کی نظیر ''فتاوی ہندیہ'' میں موجود ہے:

''أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة أو اقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به'' (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۷)۔

(ویران اور زیر استعمال قبرستانوں میں یقیناً فرق ہے، مگر صرف اسقدر کہ اگر ویران قبرستان کا استبدال بہتر ہوتو اسے فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو دوسرا قبرستان اس کی قیمت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیر استعمال قبرستانوں کے فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی)۔

اسی طرح جدید وقدیم قبروں میں بھی فرق ہے جدید قبریں، خواہ موقوفہ قبرستان میں ہوں یا نجی زمین میں بلاعذر شرعی ان کو کھودنا یا ان میں عمارت بنوانا یا کھیتی کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر نجی زمین میں قدیم قبریں ہوں اور اتنی قدیم ہوں کہ ان کے سارے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبروں کی جگہ تعمیر یا زراعت کے کام میں لانا درست ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے:

''إذا بلى الميت وصار تراباً جاز زرعه والبناء عليه'' (البحر الرائق ۱/ ۱۳۸، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۳۱ کتاب الجنائز)۔

لیکن اگر موقوفہ قبرستان ہے تو اس کی اجازت نہ ہوگی، جبکہ فقہاء نے صراحت کی ہے اور محیط کے حوالہ سے فتاوی ہندیہ میں شمس الائمہ محمود الاوزجندی کا فتوی نقل کیا گیا ہے:

’’وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره، هل يجوز زرعها واستغلالها قال: لا ولها حكم المقبرة‘‘ (ہندیہ ۴۷۱/۲ کتاب الوقف)۔

مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اولاً تولیت کے جو شرائط فقہاء نے بیان کئے ہیں وہ غیر مسلم ذمہ داروں میں مفقود ہیں، خاص طور پر امین ہونے کی شرط بنیادی شرط ہے (البحر الرائق ۲۴۴/۵)، بلاشبہ امانت کا تصور بلا ایمان ممکن نہیں۔

بالخصوص ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کی کسی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، لہٰذا ایسے اوقاف جو ہندو وقف بورڈ کے تحت ہیں ان کے سلسلہ میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کوشش کر کے ہندو وقف بورڈ سے منتقل کرا کر مسلم وقف بورڈ میں داخل کرائیں۔

اوقاف کی خرید وفروخت اوراس میں تبدیلی کا شرعی حکم

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

یہاں یہ بات بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی آبادی کے پاکستان کی طرف منتقل ہوجانے کے سبب تقریباً بہت سے اوقاف ویران ہو چکے ہیں، اور اگر کسی بستی میں کچھ اوقاف پائے بھی جاتے ہیں تو وہاں دور دراز تک مسلمانوں کی آبادی کے نہ ہونے کے سبب ان اوقاف کی اراضی کوآباد رکھنا یا واقف کے منشا اور اس کے اغراض ومقاصد کے تحت ان اراضی کی پیداوار کو استعمال کرنا، ایک حد تک ناممکن سا ہوگیا ہے، بلکہ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔

اوقاف کی خرید وفروخت اوراس میں تبدیلی کا شرعی حکم:

اب ایسی صورت میں اوقاف کے تحفظ کی خاطر سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا ایسے قریب الہلاک اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے اغراض ومقاصد کوملحوظ رکھتے ہوئے کسی دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی پائی جاتی ہو، اس کا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہوجانے سے بالکل ویران ہو چکے ہیں، اور وہاں پر مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کوآباد کرنا اور انہیں واقف کی منشا کے مطابق

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ شکر پور بھرواڑہ، دربھنگہ۔

بروئے کار لانا ممکن نہیں رہ گیا ہے، تو اگر یہ اوقاف مساجد ومقابر موقوفہ کے علاوہ ہیں، تو انہیں چند شرائط کے ساتھ فروخت کر کے واقف کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے ان کے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں اور استبدال کی کتنی صورتیں جائز ہیں، تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری نے ''الاشباہ والنظائر'' میں اور علامہ شامی نے رد المحتار میں شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ استبدال کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

''اعلم أن الاستبدال على ثلاثة أوجه: الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا... الخ'' (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)، ''وفي الهندية: ''إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلک فتكون وقفا مكانها فالوقف والشرط جائز عند أبي يوسفؒ وكذا لوشرط أن يبيعها ويستبدل بثمنها مكانها، وفي واقعات القاضي الإمام فخرالدين قول هلالؒ مع أبي يوسفؒ وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۹۹)، ''وفي البزازية: ''وإن قال الواقف وقفت على أن اشتري بثمنها أرضا أخرى إن احتاج إلى ذلک صح استحسانا؛ لأن الأولى وإن تعينت للوقف قيمتها يقوم مقامها في الحكم'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۶)۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہو، اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے، شامی میں ہے:

''والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث

لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الاصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)، وفي البزازية: "شرط في أصل الوقف لا يستبدل أو البيع و شراء أرض أخرى بثمنها صح الشرط والوقف عند الثانیؒ وعند محمد وهلالؒ الوقف جائز والشرط باطل... وعليه الفتوى لأن الوقف يحتمل للانتقال من أرض إلى أرض، و ذكر القاضي قول هلال مع الثاني" (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۶)۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

"قال ابن عابدين في رد المحتار: والثالث أن لايشرطه أيضا، ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار، كذا حرره العلامة قنالي زادة في رسالته الموضوعة في الاستبدال وأطنب فيها عليه الاستبدال وهو مأخوذ من الفتح أيضا كما سنذكره عند قول الشارح لا يجوز استبدال العامر" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اشیاء موقوفہ کو غاصب نے قبضہ کر کے اس میں ایسا تصرف کر دیا ہے کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہوگئی، اور اب وہ قیمت دینے پر رضامند ہے، یا غاصب نے اس زمین کے وقف ہونے کا انکار کر دیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے، تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلہ دوسری جگہ زمین خرید لے۔

"في رد المحتار نقلا عن الاشباه الثانية إذا غصب غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحرًا فيضمن القيمة و يشترى المتولي بها أرضا بدلا،

الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة أی وأراد دفع القيمة فللمتولی أخذها ويشتری بها بدلا'' (ردالمحتار ۳/۴۲۶، الاشباہ والنظائر/ ۱۰۳ کتاب الوقف)، وفی هامش الأشباه ''قوله يجحده الغاصب أی فيصالحه الناظر علی مال صلحا عن إنكار'' (ہامش الاشباہ/ ۳۰۱)، وقال فی الخانية: ''فإن أرض الوقف إذا غصبها غاصب وأجری الماء عليها حتی صار بحرًا لا يصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشتری بقيمتها أرضا أخری فتكون الثانية وقفاً علی وجه الأولی'' (خانیہ علی الہندیہ ۳/۳۰۶)، وفی البزازية: ''غصب أرض الوقف غاصب وأجری عليها الماء حتی صار بحرًا يضمن قيمتها ويشتری بالقيمة أرض أخری ويكون وقفاً مكانها'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۵۶)۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلہ میں اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے، تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ بھی کہا ہے۔

''وفی الأشباه: الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفاً فيجوز علی قول أبی يوسف، وعليه الفتوی كما فی فتاوی قاری الهداية'' (الاشباہ/ ۱۰۳، ردالمحتار ۳/۴۲۶)۔

مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند صورتوں میں استبدال کو جائز اور بعض جگہ استبدال کو ناجائز قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی جس قول کے جواز وعدم جواز کا قول کیا ہے اس کے مفتی بہ ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز وغیرہ پر کلام کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه،

فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لايختلف فيه وإن كان لا لذلک بل اتفق انه أمكن أن يوخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لايجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا (أى الثالث) إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان الخ'' (فتح القدیر بحوالہ ردالمحتار ۳/۴۲۷)، ''قال ابن عابدين: أقول: ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب'' (ردالمحتار ۳/۴۲۷)، ''قال الراقم: في الرابع والخامس أيضا الضرورة، فافهم''۔

لیکن صاحب ''شرح وقایہ'' نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

''ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد ما لايعد و لا يحصى، فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا ۔۔ الخ'' (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۳، ومثلہ فی ردالمحتار ۳/۴۲۶)۔

مندرجہ سطور میں صدر الشریعۃ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کے ساتھ استبدال کو مشروط کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

شرائط استبدال:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہوگیا ہو، اوراس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہوگیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری بلند جگہ نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہوسکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ گھاٹے) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم وعمل دونوں کا جامع ہو، اور وہ استبدال ہی میں وقف کے لئے مصلحت سمجھتا ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری اراضی ہی سے ہو، روپے پیسے، دراہم ودنانیر سے نہ ہو، اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی وقف کے روپے کو ہضم نہ کر جائیں۔

(۶) وقف کے تبادلہ کا معاملہ مقبول الشہادت شخص ہی سے کیا جائے، ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص چھوٹے بچے وغیرہ سے اوقاف کا تبادلہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، نیز وقف کے تبادلہ کا معاملہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کا دَین بدلنے والے پر باقی ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دَین کے عوض فروخت نہ کردے، یا دوسرے لفظوں میں ممکن ہے کہ دائن اپنے دَین کے عوض وقف کی اراضی کو رکھ لے اور بدلنے والے مدیون سے کہدے کہ میرے دَین کے عوض تم ہی وقف کا ثمن ادا کردو، نیز حضرت امام ابو یوسفؒ نے جب وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، تو پھر وہ کیونکر دَین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ایک وقف مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنے کے لئے صاحب قنیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ ایک ہی محلّہ کے اندر ہو، کیونکہ اگر وقف مکان کا تبادلہ دوسرے محلّہ کے مکان سے کیا جائے تو اگرچہ ممکن ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو، لیکن دوسرے محلّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے احتمال ہے کہ لوگوں کی رغبت اس سے کم ہوجائے، البتہ اگر دوسرا محلّہ پہلے محلّہ سے بہتر ہو، اور وہاں کے باشندے نیک ہوں، نیز تبادلہ کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہوجانے کی توقع ہو تو اس صورت میں پہلے محلّہ میں واقع وقف مکان کو دوسرے محلّہ کے مکان سے بدل سکتے ہیں، ورنہ تبادلہ جائز نہیں۔

(۸) علامہ قنالی زادہ نے اپنے رسالہ میں استبدال کے جواز کے لئے آٹھویں شرط یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، کیونکہ ''فتاوی خانیہ'' میں ہے کہ اگر خود واقف نے اپنے لئے وقف گھر کو کسی دوسرے گھر سے استبدال کی شرط لگائی ہو تو خود اس کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس وقت گھر کا تبادلہ گھر کے بجائے کسی زمین سے کر دے، یا اس کے برعکس معاملہ کرے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تبادلہ کی جس صورت میں خرچہ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ تو اچھی بات ہے (مستفاد از رد المحتار ۳؍ ۴۲۵)۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے، اسی طرح قاضی کو بھی دی ہے، لیکن صاحب ''فتاوی خانیہ'' کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے، ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے، اور کہا ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگر چہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے، البتہ قاضی پر لازم ہوگا کہ وہ مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ کر کے واقف وقف کا استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتاب ''اسعاف'' سے نقل کرتے ہوئے ''فتاوی عالمگیری''، اور ''رد المحتار'' میں لکھا ہے کہ قاضی علم وعمل کا پیکر ہو، تا کہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا وہ سامنے نہ آئے۔

''قال العلامة عبد الحی فی عمدة الرعاية: الاستبدال بدون الشرط لايمكنه إلا للقاضی الغير الجائر بشروط أحدها أن يخرج الموقوف عن الانتفاع بالكلية الخ'' (عمدۃ الرعایہ بر حاشیہ شرح وقایہ ۲؍ ۳۵۳)۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ مساجد ومقابر موقوفہ کا تبادلہ اگر چہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں، شرعاً جائز نہیں ہے۔

"قال في الهداية ومن اتخذ أرضه مسجدًا لم يكن له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه" (ہدایہ ۲/۶۴۵)، "وفي الهندية نقلا عن فتاوى الحجة: لو صار أحد المسجدين قديما و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه في الجديد فإنه لا يجوز إما على قول أبي يوسفؒ فلأن المسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لايعود إلى ملك الباني (الى قوله) والفتوى على قول أبي يوسف.....كذا في المضمرات" (ہندیہ ۲/۴۵۸)، "سئل القاضي الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم وخرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال: لا، وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة، كذا في المحيط" (فتاوی عالمگیری ۲/۴۷۰-۴۷۱)، "قال في هامش الهندية: قوله: لا، هذا لا ينافي ما قاله الزيلعي في باب الجنائز من أن الميت إذا بلى وصار تراباً جاز زرعه، والبناء عليه، لأن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله في غيره، فليتأمل وليحرر" (حاشیہ عالمگیری ۲/۴۷۱)۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوال میں پوچھے گئے اجزاء کے جوابات حسب ذیل ہیں:

الف۔ ویران اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے (مستفاد از فتاوی عبد الحی ۲/۶۴۷)۔

"وفي البزازية: وعن محمدؒ ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنه أرضا أخرى أكثر ريعا منه له البيع و شراء ما هو أكثر منه ريعا" (بزازیہ

علی الہندیہ ۶/۴۷۱)، وفي الخانية: روى عن محمدؒ...قال: إذا ضعفت الأرض الموقوفة على الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرى هي أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنها أرضا أخرى جوّز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض" (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۰۰)۔

ب۔ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جاسکتی ہے۔

"قال في رد المحتار: فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل عنها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن؛ لأن الأرض أدوم و أبقى و أغنى عن كافة الترميم و التعمير... الخ" (ردالمحتار ۳/۴۲۵)۔

فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد ومقابر کا تبادلہ کسی حال میں جائز نہیں، البتہ دیگر ویران اوقاف کا تبادلہ شرعاً شرائط استبدال کو ملحوظ رکھ کر کیا جاسکتا ہے (والتفصيل كما مرّ) نیز مسجد، مدرسہ، حوض وغیرہ کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کا ہے کہ ان کا تبادلہ شرائط استبدال کے ساتھ جائز ہے۔

ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

"لأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۳/۴۶۴)، "شرط الواقف كنص الشارع" (الاشباہ والنظائر تحت القاعدۃ الاولی/۵۵، قواعد الفقہ/۸۵، ردالمحتار ۳/۴۵۶)، "وبيع أرض الوقف لا يجوز" (فتاوی خانیہ علی الہندیہ ۳/۳۱۰)۔

الف، ب۔مسجد کی فاضل آمدنی واراضی کو تعلیمی ورفاہی کاموں میں استعمال کرنا:

جن مقامات پر مساجد و مدارس یا مقابر کے لئے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں

اورمکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اسی طرح مسجد کے پاس بہت سی فاضل اراضی ہیں، جن کی مسجد کو نہ فی الحال ضرورت ہے، اور نہ تعمیر مسجد کے لئے آئندہ ضرورت پڑسکتی ہے، تو کیا مسجد کی فاضل اراضی پر دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، نیز کیا مسجد کی فاضل آمدنی، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد کے لئے وقف کیا تھا، نیز ان کی آمدنیاں بھی مسجد ہی کے لئے وقف تھیں، تو اس سلسلہ میں عام طور سے فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی یا آمدنیوں کو تعلیمی ورفاہی ادارے کی تعمیر اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی جگہ سخت ضرورت ہو، اور مسجد کو اس رقم کی ضرورت نہ ہو، تو بطور قرض کے مسجد کی فاضل رقم دی جاسکتی ہے، اسی طرح مسجد یا دیگر اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریبی اوقاف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، لہذا ایک مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد کی ترقی وتعمیر میں اور اسی طرح ایک مدرسہ کی دوسرے مدرسہ میں ایک حوض کی دوسرے حوض کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، چنانچہ ''درمختار'' میں ہے:

''حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه، قال في رد المحتار: وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (ردالمحتار ۳/ ۴۰۷)، ''وفي الخانية: إذا اجتمع من مال الوقف على الفقراء أو على المسجد الجامع ثم نابت الإسلام نائبة بأن غلبت جماعة من الكفرة فاحتيج في ذلك إلى مال لمدفع شرهم قال رحمه الله تعالى ما كان من غلة المسجد الجامع يجوز للحاكم أن يصرف ذلك على وجه القرض إذا لم يكن للمسجد حاجة إلى ذلك المال ويكون ذلك دينا'' (فتاوی

خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۳۱۴)۔

لیکن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ''کفایت المفتی'' میں اس سلسلہ میں بزبان عربی ایک تفصیلی فتوی لکھا ہے، اور خود ہی عربی عبارت کا انہوں نے ترجمہ بھی فرمادیا ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف کے اس فتوی پر تقریبا انیس (۱۹) گرامی قدر علماء کے دستخط ثبت ہیں جس کے سبب حضرت مفتی صاحب کے اس فتوی کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، لہذا مذکورہ تفصیلی فتوی کا ترجمہ من وعن مفتی صاحب مدظلہ ہی کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے، البتہ حوالہ کی جو عبارتیں ہیں ان کو حتی الامکان من وعن نقل کیا جائے گا۔

جواب نمبر ۷۲۳: إن الحکم إلا للہ" (سورہ یوسف: ۴۰)، شرط واقف کی رعایت ضروری ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے: شرط واقف مثل نص شارع کے ہے، اسی طرح ''اشباہ'' اور ''درمختار'' وغیرہ میں مذکور ہے، اور اسی قاعدہ پر فقہاء نے بہت سے احکام جزئیہ مہمہ متفرع کئے ہیں، پھر شرط کبھی تو صراحۃ ثابت ہوتی ہے، مثلاً واقف نے ایک شی کسی مسجد معین پر وقف کر کے تصریح کردی کہ دوسری چیز پر صرف نہ کی جائے، اور کبھی شرط کا ثبوت دلالۃً بحکم عرف ہوتا ہے، جیسے واقف نے کسی مسجد معین پر جائداد وقف کردی اور یہ تصریح نہ کی کہ کسی دوسری چیز میں صرف کی جائے یا نہ کی جائے، اور یہ حکم ماہرین فقہ پر ظاہر ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اوقاف کی زائد از حاجت آمدنی کے بارے میں کہ آیا وہ فاضل آمدنی کسی دوسرے مصرف میں خرچ ہوسکتی ہے یا نہیں، فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء تو مطلقا منع کرتے ہیں، اور بعض اس شرط سے اجازت دیتے ہیں کہ دونوں وقفوں کا واقف اور جہت وقف متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر خرچ ہوسکتی ہے، اور بعض فقہا فرماتے ہیں کہ امام جیسی مصلحت دیکھے اس کے مطابق خرچ کرسکتا ہے، تو فقہاء کے یہ تین گروہ ہوئے، اور ان کے یہ تین قول ہو گئے۔ فرقہ اولی نے تو قاعدہ مذکورہ کو لیا، اور اس پر نہایت سختی سے عمل کیا، اور اس کے خلاف کی اجازت نہ دی۔ اور فرقہ ثانیہ نے ذرا نرمی برتی، لیکن دونوں جانب کی رعایت مدنظر رکھی، یعنی قاعدہ مذکورہ کا بھی لحاظ کیا،

اور محاصل اوقاف کو ضائع ہونے سے بھی محفوظ رکھنے کا خیال کیا۔ اور فرقہ ثالثہ نے امام وحاکم اسلام کو مختار بنادیا کہ وہ غرض واقفین کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں مناسب سمجھے خرچ کرے، کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف کرنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کے اوقاف امور خیر اور خدا کی راہ میں خرچ ہوں، اور متغلبین کے کھانے کے لئے یا ضائع ہونے کے لئے نہ چھوڑ دیئے جائیں بفرقہ اولی اور فرقہ ثانیہ کے قول تو نہایت صاف اور ظاہر ہیں، اور روایات فقہیہ کے لحاظ سے نہایت قوی ومستحکم اور پھر ایک قول دوسرے سے اقوی ہے۔ مانعین کی دلیلوں میں سے ''اشباہ'' کی یہ عبارت ہے:

''صرح في البزازية وتبعه في الدرر والغرر بأنه لا يصرف فائض وقف لوقف آخر اتحد واقفهما أو اختلف'' (الاشباہ مطبوعہ دیوبند، ص ۱۹۲)۔

(بزازیہ میں تصریح ہے اور درروغرر میں بھی اس کا اتباع کیا ہے کہ ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے میں خرچ نہ کی جائے، خواہ دونوں کا واقف ایک ہو یا مختلف)۔

ناقل حروف محمد ابوبکر عرض کرتا ہے کہ علامہ حموی نے حاشیہ اشباہ میں فتاوی بزازیہ، اور درروغرر کی عبارت کے نقل کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن نجیمؒ کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اگر واقف اور جہت میں اتحاد ہو تو ایک وقف کی فاضل آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

''قال المصنف: لا يجوز صرف فائض الوقف اتحد واقفهما أو اختلف وهو يضاده فقد أساء في النقل (إلى قوله) قد أطلق صاحب هذا الكتاب المنع نقلا عن الدرر والغرر والبزازية والحال أن ما في الدرر والغرر نقلا عن البزازية إنما هو التفصيل'' (حاشیہ اشباہ للحموی ۱۹۲)، ''قلت: ما قال المحشي: فهو الصحيح، وانظر إلى البزازية في كتاب الوقف قبيل نوع في الفاظ جارية في الوقف تحت نوع في وقف المنقول'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۶۱)۔

اور جو لوگ کہ اتحاد واقف وجہت وقف کی صورت میں اجازت دیتے ہیں، منجملہ ان کی دلیلوں کے درمختار کی یہ عبارت ہے:

''اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد'' (درمختار مع رد المحتار ۳؍۴۰۸)۔

واقف اور جہت وقف متحد، اور ایک وقف کی آمدنی کم ہوجانے سے اس کے موقوف علیہم کا وظیفہ کم ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے خرچ کرے، کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئی واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ اور اس حکم کا معارض وہ حکم ہے جو فتاویٰ قاضی خاں میں ہے، وہ یہ ہے کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کرے۔

اور جو لوگ کہ امام کو مطلقاً اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیلوں میں ''حاشیہ حموی علی الاشباہ'' کی یہ عبارت ہے:

''ويعارضه ما في فتاوى الإمام قاضي خان في أن الناظر له صرف فائض الوقف إلى جهات برّ بحسب ما يراه'' (حاشیہ حموی علی الاشباہ ص ۱۹۲)۔

ان تمام بیانات سے ظاہر ہوگیا کہ مسئلہ اختلافی ہے، لیکن جب ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا تو ان اقوال مختلفہ کو جمع کرنے کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آگئی وہ یہ ہے کہ مانعین غالباً اس صورت میں منع کرتے ہیں، جبکہ مسجد موقوف علیہ تعمیر کی محتاج ہو، خواہ فی الحال ہو یا فی المآل، جیسا کہ حاشیہ حموی میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، حاشیہ مذکورہ کی عبارت یہ ہے:

''قال بعضهم: الذي فيها (أي في التاتارخانية) لا يصرف القاضي الفاضل من وقف المسجد (ثم قال) والظاهر أن ذلك لجواز احتياج المسجد إلى عمارة كثيرة فينبغي أن يعيد لها ما صرف إليها بشراء مستغل وينبغي أن

يكون أوقاف المدارس والرباط في حكمه بخلاف ما ليس من هذا القبيل من الأوقاف''(حاشیہ حموی علی الاشباہ ص ۱۹۲)۔

(بعضوں نے کہا کہ تاتارخانیہ میں یہ مذکور ہے کہ قاضی وقف مسجد کی فاضل آمدنی خرچ نہ کرے، پھر محشی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا حکم اس لئے ہے کہ مسجد کے محتاج تعمیر ہونے کا امکان ہے، اسلئے مناسب ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے اس قدر روپیہ رکھا جائے کہ بوقت ضرورت صرف کیا جا سکے، اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے وقف بھی اسی حکم میں ہوں، بخلاف ان اوقاف کے جو اس قسم کے نہیں)۔

خاکسار کا کہنا ہے کہ اس عبارت میں ممانعت کے حکم کو معلل باحتیاج مسجد ہونا بیان کیا ہے، پھر محشی کا یہ قول 'مناسب' ہے، اس امر کی جانب مشیر ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے روپیہ جمع رکھنا امر مستحسن ہے، واجب نہیں، کیونکہ حاجت اگر چہ ما لاممکن الوجود ہے لیکن فی الحال تو معدوم ہے، ورنہ وہ مال فاضل نہیں، بلکہ مشغول ہوگا۔ اور مجوزین جو اجازت دیتے ہیں وہ اس صورت میں کہ وقف مستغنی ہو، پھر ان میں دو فریق ہو گئے، ایک فریق نے بصورت استغناء اجازت تو دی لیکن اتحاد واقف وجہت وقف کا لحاظ مدنظر رکھا تا کہ حتی الامکان شرط واقف کی رعایت ہو سکے، اور دوسرے فریق نے حفاظت مال وقف کے خیال کو مقدم رکھا، اور غرض واقف کی رعایت کی، کہ اس کا مال خدا کی راہ میں خرچ ہو اور فضول برباد نہ ہو، اور اس صورت میں بعض قوال کو بعض پر ترجیح دینے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر فریق کی نظر ایک خاص شرعی امر پر ہے، اور ہر ایک کا قبلہ توجہ ایک امر مستحسن ہے، پس مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ واقعہ سوال میں جواز نقل کا فتوی دے، تا کہ خدا کے مال ضائع ہونے سے بچیں، اور ظالمین متغلبین کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، جو کہ اوقاف کے مال بے باکی سے ہضم کر جاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے، پھر اگر تم چاہتے ہو کہ فریق ثالث کے قول کے مؤیدات معلوم کرو، تو ان روایات حدیثیہ اور فقہیہ کا بغور ملاحظہ ہو۔

روایات فقہیہ:

''فتاوی عالمگیری''میں ہے کہ کسی کو راستہ میں سخت سردی لگی وہ کسی مسجد میں داخل ہوا، مسجد میں کسی شخص کی لکڑیاں رکھی تھیں، اس کی حالت یہ تھی کہ اگر آگ نہ سلگائے تو ہلاک ہو جائے، تو مسجد کی لکڑیاں سلگانا اولی ہے، اس سے کہ کسی غیر شخص کی لکڑیاں جلائے (عالمگیری)۔

خاکسار کہتا ہے کہ جب ایک شخص کی جان بچانے کے لئے مسجد کی لکڑیاں سلگانے کی اجازت دیدی گئی تو اگر ایک جماعت مسلمین کی جان بچانے کے لئے اموال مسجد خرچ کئے جائیں تو بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

''وفي الهندية: يجوز إدخال الحبوب وأثاث البيت في المسجد للخوف في الفتنة العامة، كذا في القنية'' (فتاوی عالمگیری بحوالہ الاشباہ ۲۱۴)۔

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو ضرورت شدیدہ کے وقت مسجد کو ایک ایسے کام کے لئے استعمال کرنا جائز ہوگیا جو غرض مسجد کے خلاف ہے۔اور درمختار میں ہے کہ مسجد میں نقش ونگار سوائے محراب کے اور جانبوں میں بنانے کا مضائقہ نہیں ہے، چونے سے یا سونے کے پانی سے بشرطیکہ بنانے والا اپنے مال سے بنائے نہ کہ مال وقف سے کہ یہ حرام ہے، اور اگر متولی مال وقف سے نقش ونگار بنوائے، یا سفیدی کرائے تو ضامن ہوگا، ہاں اگر ظالموں کی طمع کا خوف ہو تو مضائقہ نہیں۔اور ''رد المحتار''میں ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ طمع کا خوف ہو الخ، یعنی جب کہ متولی کے پاس مسجد کا مال جمع ہو جائے، اور مسجد کو تعمیر کی حاجت نہ ہو، ورنہ متولی ضامن ہوگا، جیسا کہ قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے (درمختار مع رد المحتار ۱/ ۳۸۶ تا ۳۸۷)۔

خاکسار کہتا ہے کہ، دیکھو، مسجد کے استغناء عن العمارۃ اور مال کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں ایک ایسے کام میں خرچ کرنے کی اجازت دیدی کہ بصورت عدم خوف ہلاک اس میں خرچ کرنے سے متولی ضامن ہوتا تھا، اور ''رد المحتار کتاب الوقف''میں پہلے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی مسجد ویران ہو جائے، اور اس کی حاجت نہ رہے تو

اس کے اوقاف مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، پھر فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ جواز نقل میں مشائخ مذکورین کا اتباع کیا جائے، اور مسجد اور حوض کا فرق نہ کیا جائے، جیسا کہ امام حلوانی اور امام ابو شجاع نے فتوی دیا ہے، اور ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، بالخصوص ہمارے اس زمانے میں، کیونکہ مسجد یا رباط یا حوض خراب شدہ کا اسباب اگر نقل نہ کیا جائے تو چور اور متغلبین اسے اٹھالے جاتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہورہا ہے، اور اس کے اوقاف کو خود متولی یا اور اشخاص کھا جاتے ہیں، اور اس کا اسباب نقل نہ کرنے سے دوسری محتاج مسجدیں بھی ویران رہ جاتی ہیں (رد المحتار کتاب الوقف ۳/ ۷۰۴)۔

اور "فتاوی عالمگیری" میں ہے کہ کچھ مال ہے جو سبیل خیر کے لئے اور غیر معین فقراء کے لئے وقف ہے، اور کچھ مال مسجد جامع کے لئے وقف ہے، اور ان دونوں کی آمدنی جمع ہے، پھر اسلام کو کوئی حادثہ پیش آیا، جیسے کہ روم کا حادثہ اور اس حادثہ میں خرچ کی حاجت ہوئی تو مسجد جامع کا جو مال ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کو فی الحال اس کی حاجت نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس مال کو اس اسلامی حادثہ میں بطور قرض خرچ کرلے، اور پھر مال غنیمت میں سے ادا کردے، اور مال موقوف علی الفقراء کی تین صورتیں ہیں: کہ یا تو وہ محتاجوں میں صرف کیا جائے، یا اغنیائے مسافرین میں یا اغنیائے غیر مسافرین میں۔ پہلی اور دوسری صورت میں بغیر لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے۔ اور تیسری صورت میں پھر دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ کوئی قاضی اغنیاء غیر مسافرین میں خرچ جائز سمجھتا ہو، تو اسے بلا لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے، دوسرے یہ کہ قاضی اسے ناجائز سمجھتا ہو تو بطور قرض خرچ کرلے، اور مال غنیمت پر دین رہے (واقعات حسامیہ، فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۴)۔

خاکسار کہتا ہے کہ اس قول سے کہ مسجد کو فی الحال حاجت نہ ہو، یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اگر مسجد کو فی المآل بھی حاجت نہ ہو تو بلا لحاظ قرض بھی خرچ کرنا جائز ہوگا، اسی طرح وقف فقراء کا اغنیاء پر خرچ کردینا بھی اسی کا مؤید ہے، نیز کسی قاضی کے جائز سمجھنے سے خرچ کرنے کی

اجازت دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، مگر یہ سب باتیں ضرورت شدیدہ اور نائبہ عظیمہ پیش آنے کی حالت میں ہیں۔

روایات حدیثیہ:

منجملہ روایات حدیثیہ کے یہ روایت بھی ہے جو امام مسلمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ:

"لولا أن قومک حدیثو عهد بجاهلیة أو قال بکفر لأنفقت کنز الکعبة فی سبیل الله" (مسلم شریف ۱/۴۲۹)۔

(اگر تمہاری قوم ابھی قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کردیتا)۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں ابو وائل سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسی مقام پر حضرت عمر بیٹھے تھے، اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کردوں (صحیح بخاری۔باب کسوۃ الکعبہ ۱/ ۲۱۷)۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمر کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے، جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کردیتا، اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ محض حجت نہیں، کیونکہ انہوں نے خود اس ارادے کو چھوڑ دیا، جبکہ شیبہ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں کہ ان کی اقتداء کی جاتی ہے، تو حضرت عمر کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا، اور تقسیم کرنا ممنوع تھا، اس لئے حضرت عمر نے بھی تقسیم نہ کیا، وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا، اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے، جیسا

کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے، تو حضرت عمر کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرت ﷺ کے ترک کے موافق واقع ہوا، اگرچہ آنحضرت ﷺ کے ترک کی وجہ اور تھی، اور وہ وجہ حضرت عمر کے زمانے میں موجود نہ تھی، لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتضائے آثار پیغمبر آپ کا اتباع کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن صلاح نے فرمایا: امام کو اختیار ہے کہ (غلاف کعبہ کو) بیچے یا یونہی مسلمانوں کو عطا کردے، اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کردیتے تھے (حاشیہ بخاری، باب کسوۃ الکعبۃ ۱/ ۲۱۷)۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ غلاف کعبہ اس لئے تقسیم کردیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی، کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے، تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہوجاتا، یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کرلیتے، اور حضرت عمرؓ کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو کعبہ میں مدفون تھا، کعبہ کو جو مال دئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے، اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کردیا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔ یہ تو اوقاف مساجد اور اس کے مثل کا حکم تھا، رہے اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ وفقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استناد واستیناس میں پیش کیا جاسکتا ہے، اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتوی دیدے، بشرطیکہ اس کو وقف کے لئے اصلح اور عامہ مسلمین کے لئے انفع سمجھے، جیسا کہ علامہ شامی نے مسجد کے سامان شکستہ نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابو شجاع کے قول کو قابل اتباع بتایا ہے، باوجودیکہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے۔ اور یہ کیوں؟ صرف ضرورت شدیدہ کی وجہ سے۔

مذکورہ بالا تحقیق کی بناپر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیر جمع ہوں، اور مسجد کو نہ فی

الحال ان کی حاجت ہو، اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہوجانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو، تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہوسکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو، خرچ کرنا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۶۵ تا ۲۷۵)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے مندرجہ تفصیلی فتوی پر جن جلیل القدر علماء نے تائیدی دستخط کئے ہیں، ان میں علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثانی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری، مولانا مرتضی حسن چاند پوری اور مولانا اعزاز علی صاحب وغیرہم اکابر علماء بھی ہیں۔ اس مفصل فتوی میں مسجد کی فاضل آمدنی کے سلسلہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے روایات حدیث اور تصریحات فقہاء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے، اور جس علت کی بنیاد پر مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کی ضروریات یا دیگر رفاہی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد پر وقف اراضی فی الحال یا فی المآل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو اس پر مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعاً جائز ہے، لیکن عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا مسجد کی اراضی پر جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ زمین مسجد کی ضروریات سے فاضل ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ دینی ادارہ کی تعمیر درحقیقت مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لیکن عصری تعلیم کے ادارہ کی تعمیر کی شرعاً یہ حیثیت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ یہاں مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کے قائم کرنے کے جواز کا جو فتوی دیا گیا ہے وہ فتوی اگرچہ جمہور علماء اسلام کی تصریحات کے خلاف ہے، لیکن جائز قرار دینے کی علت یہ ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں بہت سی جگہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں نے اسے غصب کر کے اپنا مکان وغیرہ بنالیا ہے، اور اس کے مالک بن بیٹھے ہیں، جب کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ وقف زمین کا مالک ہوجائے، اور اگر مسجد کی فاضل اراضی پر دینی تعلیم کا ادارہ قائم کردیا جائے تو اس صورت میں مسجد کا وقف بھی علی حالہ باقی رہتا ہے، علاوہ ازیں دینی

ادارہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، لہذا مذکورہ اسباب کی بنا پر احقر کے نزدیک مسجد کی فاضل اراضی پر دینی ادارہ کی تعمیر کی شرعاً گنجائش ہے، اور اس کی نظیر راقم سطور کے نزدیک پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا جواز ہے۔

دیگر اوقاف کی فاضل آمدنیوں کا حکم:

الف، ب۔ جن اوقاف کی آمدنی ان کے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہوکر ایک بڑا سرمایہ بن جاتی ہے، اور اس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ بلکہ خالی از خطرہ نہیں خواہ یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا ہو یا منتظمین کی خیانت کا، دوسری طرف یہ آمدنی جن اوقاف کی ہے ان کی اصلاح ومرمت کے لئے اس رقم کی نہ فی الحال ضرورت ہو اور نہ آئندہ ہو، اور نہ ہی اس آمدنی کو مذکورہ اوقاف کی روزمرہ کی ضروریات ہی میں خرچ کیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ مذکورہ اوقاف کی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جائے، البتہ اگر کسی جگہ کوئی حادثہ پیش آجائے، یا قوم وملت کا کوئی اہم کام درپیش ہو یا کسی جگہ کوئی مسجد تعمیر ہورہی ہو اور وہاں رقم کی ضرورت ہو، نیز کسی ملی ودینی اور علمی کاموں کی تکمیل کے لئے رقم درکار ہو تو ایسے موقع پر عام اوقاف کی فاضل آمدنیوں کو خرچ کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، یہاں تک کہ مسجد کی بھی فاضل آمدنی کو غریب ونادار مسلمانوں کی امداد یا دیگر دینی وعلمی کاموں میں خرچ کرنے کی بعض علماء وفقہاء نے اجازت دی ہے، چنانچہ کفایت المفتی میں متعدد فتاوی کے اندر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مسجد کی فاضل آمدنی کو دوسری مسجد کے علاوہ دیگر دینی وعلمی کاموں میں خرچ کرنے کی نہایت صراحت ووضاحت کے ساتھ اجازت دی ہے، حضرت مفتی صاحب کا ایک طویل ومدلل فتوی اوپر درج کیا جاچکا ہے، ذیل میں چند اور فتاوی ملاحظہ ہوں:

الجواب ۲۳۶: جب کہ مسجد موقوف علیہ کا مال اس قدر جمع ہوجائے کہ مسجد کو نہ فی الحال اس کی ضرورت ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہو، اور جمع رہنے میں مال کے تلف ہو

جانے کا ظن غالب خوف ہو، اور دوسری مسجد کو تعمیر کی حاجت ہو کہ بغیر تعمیر اس کی ویرانی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد اول الذکر کا مال اقرب الی المساجد المحتاجۃ الی العمارۃ میں لگا دینا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۶۴)۔

الجواب ۲۴۰: اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اس طرح جمع رہنے کی حالت میں طمع طامعین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو، تو بے شک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ اور سانحہ کبری ہے، خرچ ہو سکتی ہے، یعنی ترک مجروحین ویتامی وبیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جا سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۷۸)۔

الجواب ۲۵۳: اگر مساجد کی آمدنی مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کے بعد اس قدر فاضل رہے کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ آئندہ اس کا خوف ہو کہ مسجد اس کی حاجتمند ہوگی، تو ایسی فاضل جمع شدہ رقم کو تعلیم میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اگر دینی تعلیم کا مدرسہ مسجد ہی میں قائم ہو تو اس کی فاضل آمدنی کو اسی مدرسہ میں خرچ کرنا ایک طرح مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور اگر مسجد سے خارج مدرسہ قائم ہو تو متولیان مسجد کی اس متفقہ رائے سے خرچ ہو سکتی ہے کہ مسجد اس سے مستغنی ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۱)۔

الجواب ۲۶۵: جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل تو ایسی حالت میں جمع شدہ رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جا سکتا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۰)۔

الجواب ۲۶۵: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلق مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں، اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دار المطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا

اجزاءِ مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے، اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے، اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہوتا ہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۲)۔

الجواب ۲۶۷: مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے، مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امدادی وظائف میں دی جاسکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے۔ دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۲)۔

الجواب ۲۶۷: مسجد کے اوقاف کی آمدنی کا اصل حکم یہ ہے کہ اسی مسجد پر صرف کیا جائے جس کے لئے وقف ہے، البتہ اگر آمدنی اتنی زیادہ اور رقم اتنی جمع ہوگئی ہو کہ مسجد کو نہ فی الحال اس رقم کی حاجت ہے اور نہ اس کا اندیشہ ہے کہ آئندہ مسجد کو اس رقم کی حاجت پڑے گی، تو اس زائد از حاجت رقم میں سے کسی دوسری محتاج مسجد کو امداد دی جاسکتی ہے، قبرستان کی مسجد یا جنازہ گاہ یا ان کی متعلقہ ضروریات میں کسی مالدار مسجد کی زائد از حاجت رقم سے امداد کرنا متولیان مسجد کے لئے سخت ضرورت کے وقت جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۴)، ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال نعم إن لم تكن وقفا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد، قال: إلى ما هي وقف عليه'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۷۶)۔

''وفي مجموع النوازل: أشجار في مقبرة يجوز صرفها إلى المسجد

إن لم یکن وقفاً علی جھة أخری فإن تداعت حوائط المقبرة إلی الخراب لا یصرف الیه بل إلی الجھة الموقوفة إن عرفت''(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/ ۲۶۱)۔

''قال فی الھندیة: تحت الوقف علی المسجد: إن للقیم أن یتصرف فی ذلک علی ما یری و إذا استغنی ھذا المسجد یصرف إلی فقراء المسلمین فیجوز ذلک کذا فی الظھیریة، رجل وقف أرضا له علی مسجد ولم یجعل آخره للمساکین تکلم المشائخ فیه والمختار أنه یجوز فی قولھم جمیعا، کذا فی الواقعات الحسامیة'' (عالمگیری ۲/ ۴۶۰)۔

کم منفعت بخش اوقاف کوفروخت کرکے کسی تجارتی مقام میں دوکان خریدنا:

اگر کسی جگہ اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلّہ کے اندر واقع ہے، جس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کوفروخت کرکے کسی دوسرے تجارتی مقام پر کوئی دوکان وغیرہ خریدنا شرعاً جائزنہیں ہے، اگر چہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہوجانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ''فتاوی خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ایک جزئیہ امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم منفعت والے وقف کوزیادہ منفعت والی زمین کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

''روی عن محمدؒ ما ھو أعلی من ھذا وھو أن أرض الوقف لو قل ریعھا فللقیم أن یبیعھا ویشتری بثمنھا أرضا أخری ریعھا أکثر نفعا للفقراء فجوّز استبدال الأرض بالأرض''(بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۴)۔

مگر اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق کم منفعت والے اوقاف کوفروخت کرنا جائزنہیں ہے۔ چنانچہ استبدال کی تیسری صورت کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اورفقہ حنبلی میں بھی قلیل المنفعت اوقاف کوفروخت کرکے اس کا متبادل کثیر النفع وقف

خریدنا جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے:

"وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت: وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه؛ لأن الأصل تحريم البيع وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود" (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۲۲۷)۔

البتہ تکلیل المنفعت اراضی موقوفہ میں زیادہ نفع کے حصول کے لئے عمارت بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۹۵ جواب ۸۴)۔

"ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيواجرها" (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۱۴)۔

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہوجائیں تو اس کی رقم کہاں خرچ کی جائے:

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی، وہ خاندان ختم ہوگیا، یا اس کے افراد ختم ہوگئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے زمین وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنیوں کا مصرف یہ ہے کہ وہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنیاں ہیں، اسی قسم کے دیگر قریبی اوقاف کے مصارف میں ان کو خرچ کیا جائے، مثلاً وہ وقف کسی خاندان کے فقراء کے لئے ہے، تو اس خاندان کے ختم ہونے پر اس وقف کی آمدنی عام فقراء پر خرچ کی جائے اور ایک مسجد کے انہدام کے بعد اس کی آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسہ کے ختم ہو جانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدرسہ پر خرچ کی جائے، البتہ یاد رہے کہ پہلے قریبی اوقاف کو دیا جائے، اور اگر اس قسم کے اوقاف کے مصارف اس شہر میں یا قریبی شہر میں نہ ہوں، تو دیگر شہروں میں جہاں اس جیسے اوقاف ہوں، وہ آمدنی کی رقم منتقل کر دی جائے، چنانچہ "امداد الفتاوی" جلد دوم سوال نمبر ۲۳۷ کے جواب کے ذیل میں

مرقوم ہے:

''الجواب: مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب'' (امداد الفتاوی ۲/۲۹۶)۔

''فتاوی قاضی خان'' میں ہے:

''رباط فی طرق بعید استغنی عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السید الإمام أبو شجاع رحمه الله تعالی: یصرف غلته إلی الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب و استغنی عنه أهل القریة فرفع ذلک إلی القاضی فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر جاز'' (فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۵)۔

''وقال أبویوسفؒ: إذا سمی فیه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء'' (قدوری/۱۳۹)۔

''وفی البزازیة: وعن الحلوانیؒ فی المسجد والحوض إذا خرب وتفرق الناس یصرف أوقافه إلی حوض ومسجد آخر'' (فتاوی بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱)۔

''وفیه أیضا وإن استغنی هذا المسجد یصرف إلی مسجد آخر'' (فتاوی بزازیہ ۶/۲۸۴)۔

''وفی الدر المختار: حشیش المسجد و حصره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إلیه الخ، وفی الشامیة: وظاهره أنه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعکسه، وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۴۰۷)۔

الف۔اراضی وقف پر تعمیر کرنے کے عوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنادینا:

اگر اوقاف کی عمارتیں مخدوش ہوگئیں اور واقف کے پاس ان کی تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے، اورکوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چندمنزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کردے کہ اس کی ایک یا دومنزل بلڈر کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا، اور بقیہ عمارتیں وقف کے مصارف کے لئے ہوں گی،تو شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے،تو ایسی صورت میں بھی اگر کسی بلڈر سے مذکورہ بالا معاملہ کیا جائے تو شرعاً اس کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ وقف زمین پر عمارت بنانے کےعوض بلڈر کو وقف مکان کی کسی منزل کا مالک بنادینا درحقیقت اس مکان موقوفہ کوفروخت کرنا ہے،جس کی مذہب اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، چنانچہ ''قاضی خان'' میں ہے:

''ویجوز بیع الأشجار الموقوفة فی أرض الوقف إذا لم تکن مثمرة بعد القلع، ولا یجوز قبل القلع؛ لأنها قبل القلع متصلة بالأرض، فتکون تبعا للأرض وبیع أرض الوقف لا یجوز فکذلک ماکان تبعا له'' (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۰)۔

ب۔ایک وقف کوفروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرے وقف پر مکان کی تعمیر کرنا:

اگر کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا کسی خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر

کے اس سے نئی تعمیر کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، اگر چہ اس کے فروخت کرنے کا مقصد وقف ہی کی حفاظت ہے اور اگر چہ بغیر فروخت کئے مذکورہ اوقاف کی تعمیر ممکن نہ ہو، کیونکہ حضرات فقہاء نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقف کی حفاظت وتعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی جائز نہیں ہے، چنانچہ ''فتاوی بزازیہ'' میں ہے:

''بیع عقار المسجد لمصلحة لایجوز وإن بأمر القاضی'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۷۱)۔

''قال فی الھندیة: وإذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضھا لیرم الباقی بثمن ما باع لیس له ذلک'' (عالمگیری ۲/۴۱۷)۔

البتہ اگر وقف کی آمدنی سے کوئی زمین خریدی گئی تو متولی اس زمین کو فروخت کر کے وقف کی تعمیر میں لگا سکتا ہے۔

''اشتری بمال الوقف دارا ثم باعه یجوز'' (فتاوی بزازیہ ۶/۲۵۵)۔

''قال فی رد المحتار أما إذا اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فإنه یجوز بیعه بلا ھذا الشرط (أی تعذر الانتفاع) لأن فی صیرورته وقفا خلافا والمختار أنه لا یکون وقفا فللقیم أن یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت'' (ردالمحتار ۳/۴۱۹)۔

نیز ایک وقف میں تعمیر کے لئے اسی وقف کی دوسری زمین کو یا خود اسی زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے بلکہ جو زمین شرعاً مسجد ہوگئی، اگر اس کی تعمیر کے لئے اس کو کرایہ پر دینا پڑے تو حضرات فقہاء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔

''إن المسجد إذا احتاج إلی العمارة وآجرہ القیم لینفق من الأجرة یجوز'' (بزازیہ ۶/۲۶۰)۔

"قال في رد المحتار: إن الخان لواحتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه وفي رواية يؤذن للناس بالنزول سنة و يؤجر سنة أخرى ويرمّ من أجرته، وقال الناطفي: القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمته وفي البرجندي والظاهر أن حكم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر و أمثالها حكم الوقف على الفقراء" (ردالمحتار ۳/۴۱۹، ومثلہ فی الہندیہ ۲/۴۱۴ مختصراً)۔

مسجد یا قبرستان پر وقف شدہ فاضل اراضی پر مدرسہ بنانا:

مسجد یا قبرستان کے لئے ایک زمین وقف ہے، جو مسجد وقبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اب اگر اس زمین پر اس ارادے سے مدرسہ بنادیا جائے کہ وہ ضرورت سے فاضل زمین ایک کارخیر میں استعمال ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں فقہائے احناف نے عام طور سے کتب فقہ وفتاویٰ میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین جس کام کے لئے وقف کی گئی ہو اس کو اسی مصرف میں استعمال کیا جائے، کیونکہ فقہ واصول کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "نص الواقف كنص الشارع" (قواعد الفقہ ۸۵)، "ومراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۴/۶۴۴)۔

حضرات فقہاء کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہو وہ اگر چہ ضرورت سے زائد ہو، لیکن اس پر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے (جامع بیان العلم ۲/۳۱) البتہ اگر واقف کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً مسجد وقبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانے کی اجازت ہو تو پھر مدرسہ کی تعمیر جائز ہوگی، بلکہ دور حاضر میں عموماً خواندہ واقفین کی طرف سے دلالۃً اجازت پائی جاتی ہے، کیونکہ مسجد پر زمین وقف کرنے سے ان کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی مسجد، مصالح مسجد اور تعمیر مسجد وغیرہ میں خرچ کی جائے، اور ظاہر ہے کہ مدرسہ کی تعمیر مسجد کی معنوی تعمیر ہے، علاوہ ازیں اگر کوئی شخص مسجد کی فاضل اراضی پر مدرسہ بنادیتا ہے، اور واقف کو اس کا علم بھی ہوجاتا ہے، مگر وہ خود اس پر نکیر نہیں کرتا، بلکہ بہت سی جگہ دیکھا گیا

ہے کہ مسجد کی فاضل اراضی پر واقف سمیت گاؤں والوں کی اجازت سے مدرسہ بنادیا گیا، اور پورے انہماک سے وہاں تعلیم ہورہی ہے، بلکہ بہت سے شہروں میں بعض بڑے بڑے مدرسے مسجد ہی کے اطراف میں قائم ہیں وہاں پہلے سے مسجد تھی، اور مدرسہ بعد میں بنایا گیا، نیز زمانہ قدیم میں زیادہ تر طلبہ کی تعلیم وتربیت مسجد ہی کے اندر ہوتی تھی، بلکہ مسجد خود اس کا مرکز تھی، اور علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ نے ''جامع بیان العلم'' میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے ایک ازدی شخص نے جہاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تم کو جہاد سے بہتر چیز بتاتا ہوں: **''تبتنی مسجدا و تعلم فیه القرآن والسنة والفقه فی الدین''** (جامع بیان العلم ۳۱/۲) مسجد تعمیر کرکے اس میں کتاب وسنت اور دینی احکام کی تعلیم دو۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد وقبرستان کی وہ فاضل اراضی جس کی مسجد و قبرستان کو نہ ابھی ضرورت ہے، اور نہ ہی آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہے، مثلاً قبرستان میں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبریں منہدم ہوگئیں، تو ان صورتوں میں مسجد وقبرستان کی فاضل اراضی پر مدرسہ کی تعمیر جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قدرے تفصیل دوسرے سوال کے تحت گذر چکی ہے، نیز یہ بھی گذر چکا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے نزدیک مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے (کفایت المفتی ۳۰۲/۷، جواب ۲۹۶) نیز آگے یہ مسئلہ آرہا ہے کہ ویران قبرستان پر تعمیر مسجد ومدرسہ کی حضرات فقہاء نے اجازت دی ہے، البتہ اگر خود واقف نے زمین کو کسی معین مسجد پر وقف کرکے صراحت کردی ہو کہ اس کی آمدنی کسی دوسری جگہ خرچ نہ کی جائے تو اس وقت اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔

''لأن شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه'' (ردالمحتار ۴۹۷/۳)۔

لیکن اگر مسجد وقبرستان کی فاضل اراضی پر کسی کے غصب کرلینے کا واقعی خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بہر حال اس پر تعمیر مدرسہ کی اجازت دی جائیگی۔

ویران قبرستان پر قبضہ کے خطرہ کے وقت اس سے انتفاع کی جائز شکلیں:

جس قبرستان سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اب اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے، یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے، جس کے سبب اس کے استعمال کرنے اور اس میں تدفین کرنے سے سرکار نے پابندی عائد کر دی ہے اور اب اس قبرستان پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہو رہا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً گنجائش ہے کہ جب قبریں منہدم ہو جائیں تو اس زمین پر کوئی مسجد یا مدرسہ یا کوئی دینی انجمن یا کوئی رفاہی ادارہ قائم کر دیا جائے۔ اسی طرح غیر آباد قدیم قبرستان میں عمارت تعمیر کر کے اس کو کرایہ پر لگایا جا سکتا ہے، نیز جب قبریں منہدم ہو جائیں تو اس کو کھیت بنا کر یا اس میں باغ لگا کر اس کی آمدنی دیگر قبرستان کی حفاظت یا خریداری یا مساجد و مدارس کے مصارف میں اسی طرح عام غرباء پر خرچ کی جا سکتی ہے، اور ان تمام باتوں کی اجازت اکابر علماء کے فتاوی میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے "امداد الفتاوی" میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ویران قبرستان میں جہاں مردوں کو دفن نہیں کیا جاتا اسلامی انجمن کے مکان بنانے کے جواز کا فتوی صادر فرمایا ہے (امداد الفتاوی ۵۷۹/۲، سوال ۷۰۲)، اسی طرح حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے بھی احسن الفتاوی میں پرانی قبرستان میں مسجد بنانے کو جائز قرار دیا ہے (احسن الفتاوی ۴۰۹/۶)، ایک دوسرے فتوی میں وقف قبرستان پر قبضہ کر کے اس کو فروخت کرنے وغیرہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے اور ان کی بیع و شراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے، اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا کوئی اور رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرے (احسن الفتاوی ۴۱۴/۶) آگے حضرت مفتی رشید صاحب نے بطور تائید کے "عمدۃ القاری" (۱۷۹/۴) کی عبارت نقل کی ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب مدظلہ نے ویران مقابر و اوقاف کے شرعی احکام کو بیان فرماتے ہوئے بحث ونظر کے شمارہ ۲۱ (ص ۱۰۵) میں لکھا ہے کہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ غیر آباد قدیم اور مردہ قبرستانوں کو اگر لیز پر لگا دیا جائے تو ہزارہا قبرستان جو ابھی آباد ہیں، اوران کا تحفظ خطرہ میں ہے، ایسے قبرستانوں کے تحفظ کی صورت نکالی جاسکتی ہے، لہذا میرے نزدیک شرع اسلام کی رو سے ایسے مردہ اور قدیم قبرستانوں کو تعمیرات یا کاشت کے لئے لیز پر دیا جاسکتا ہے۔ اوراس طرح کی آمدنی کو اولاً دیگر مقابر کے تحفظ یا ایسے شہروں اور آبادیوں کے لئے قبرستان کی اراضی حاصل کرنے پر خرچ کرنا چاہئے جہاں قبرستان کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کے مدات پر خرچ کے بعد رقم بچ جائے تو اسے مدارس، مسافر خانوں، نادار بچوں کی تعلیم اور دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے (بحث ونظر شمارہ ۲۱ جلد ۶ صفحہ ۱۰۵، فقہ المشکلات، ص ۲۴۵، ۲۴۶)۔

’’قال فی الهداية أن الميت إذا بلی وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه‘‘ (ہدایہ ۳/ ۴۷۱ ومثلہ فی ردالمحتار ۱/ ۶۵۹)۔

قدیم مساجد کو آثار قدیمہ قرار دیکر اس میں نماز کی ادائیگی سے روکنا:

ہندوستان کی جن قدیم مساجد کو ان کی تاریخی اہمیت کی بنا پر حکومت نے محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی کردیا ہے، اوران میں بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے لوگوں کو منع کردیا ہے تو یہ امر ظلم ہے اور امر منکر ہے، جس کا ہرگز ہرگز حکومت کو حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص قدرت رکھتا ہو کہ حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ تصرف سے مساجد مذکورہ کو نکال کر اس میں حسب سابق نماز جاری کرادے تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے، اوراگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۰۸-۶۰۹) اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں مسجد میں اللہ پاک کو یاد کرنے سے روکنے یا مسجد کی ویرانی کی سعی کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم کہا ہے، چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہے:

’’ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى فی

خرابها أولئک ماکان لهم أن یدخلوها إلا خائفین، لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم" (سورہ بقرہ/۱۱۴)۔

(اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو، ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں، اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں، ان کے لئے تو دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں عذاب عظیم)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مسجد کی ویرانی کے مفہوم میں مسجد کے انہدام اور اس کے تعطل دونوں کو شامل کیا ہے، چنانچہ جلالین میں ہے:

''وسعی فی خرابها بالهدم والتعطیل" (جلالین/۱۷)۔

اور امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا نزول مشرکین کے متعلق ہوا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں ذکر خداوندی سے روکا اور مسجد کو ذکر وطاعت کے ذریعہ آباد کرنے سے روک کر اس کو ویران کرنے کی کوشش کی (احکام القرآن ۱/ ۷۰)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر کے مفہوم میں جس طرح مسجد کی عمارت بنانا اور اس میں عبادت کرنا دونوں داخل ہے، اسی طرح مسجد کو ویران کرنے میں اس کو ڈھانا اور اس میں عبادت کرنے سے روکنا دونوں شامل ہے، لہذا مسجد خواہ نئی ہو یا پرانی، کچی بنی ہو یا پختہ ہو، اسی طرح اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہو یا نہ ہو بہر حال وہ مسجد ہے، اور اس کا مالک صرف اللہ ہے، اور اس کی حیثیت شعار اسلام کی ہے، اب اگر وہ مسجد نہ کسی کی زمین پر غصب کر کے بنائی گئی ہے، اور نہ وقتی وعارضی ضرورت کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے، اور نہ کسی فتنہ وفساد کے پیش نظر اس کو بنایا گیا ہے، بلکہ اس کو اراضی موقوفہ پر تقوی اور خدا ترسی کے جذبہ سے خلوص نیت کے ساتھ بنایا گیا ہے، تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور قیامت تک وہ کسی کی مملوک نہ ہوگی، چنانچہ ''اعلام الساجد'' میں ہے:

''إذا تعطل المسجد بتفرق الناس عن البلد أو خرابها أو بخراب المسجد فلا یعود مملوکا'' (اعلام الساجد باحکام المساجد ۳۴۵)۔

اور شامی میں ہے:

''ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود إلی ملک الواقف عند أبی یوسف'' (ردالمحتار ۳/ ۴۰۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد کو آ تا رقدیمہ قرار دیکر اس میں نماز پڑھنے سے روکنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی مسجد کے قریب مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہو جائے اور وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہ پہنچے تو ایسی مسجد کو حفاظت کے پیش نظر مقفل کر دینا چاہئے، چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے ''کفایت المفتی'' میں لکھا ہے:

(الجواب ۲۶۲): مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی، اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے، تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جا سکتی ہوں، دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دیا جائے، اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جا سکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۹)۔

قبرستان کے اطراف میں اس کی حد بندی کی غرض سے دوکان تعمیر کرا کر کرایہ پر دینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ اس کی حد بندی واحاطہ (باؤنڈری) بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اگر اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے، جس کے لئے بطور کرایہ کے پیشگی رقم لے لی جائے، اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے، اگر چہ ایسا کرنے سے قبرستان کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا، اور اس قبرستان کے متولی کو چاہئے کہ بعد میں جو فاضل آمدنی ہو اسے مناسب مصارف خیر میں صرف کر دے (بحث ونظر شمارہ ۲۱، ص ۱۰۵، جلد ۶)۔

''قال فی الهندیة: وإذا أراد القیم أن یبنی فیها قریة لیکثر أهلها و

حفاظها ويحرث فيها الغلة لحاجته إلى ذلك كان له أن يفعل ذلك، وهذا كان الخان الموقوف على الفقراء إذا احتيج فيه إلى خادم يكسح الخان ويفتح الباب ويسده فيسلم المتولي بيتا من بيوته إلى رجل بطريق الأجرة له ليقوم بذلك فهو جائز كذا في الظهيرية'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۱۴)۔

قبرستان کی اراضی میں مسجد کی توسیع:

جب بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وہاں کی وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جو ممکن ہے کہ کسی زمانے میں تدفین کی غرض سے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ جب وہ قبرستان میں آئیں اور نماز کا وقت ہوجائے تو وہاں نماز ادا کرسکیں، اب اگر اس علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی، تو ایسی صورت میں قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کرنی شرعاً جائز ہے، باوجودیکہ اس قبرستان میں تدفین کا بھی سلسلہ جاری ہو، البتہ اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جہاں تک مسجد کی توسیع متوقع ہے اس کو چھوڑ کر تدفین کا عمل جاری رکھا جائے، لیکن یاد رہے کہ اس زیر استعمال قبرستان میں اگر مسجد کے قریب والی جگہ میں کوئی جدید قبر ہے تو فی الفورمیت کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد کی توسیع نہ کی جائے، ہاں اگر قبر قدیم ہوگئی تو پھر فی الفور توسیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر ویران قبرستان ہے تو وہاں بھی شرعاً فی الفور مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اسی طرح مسجد کی توسیع کرنی بھی جائز ہے،''فتاوی رحیمیہ''میں ہے:

الجواب: مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی، بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی ہے اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کردی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۴)۔

قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے استفتاء (۱۶۷۳) کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ:

توسیع مسجد کے وقت ان پرانی قبروں کو زمین کے برابر کرکے شامل کرلینا بلا کراہت جائز ہے، اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی، بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے، (اسی استفتاء کے آخر میں لکھا ہے) کہ قبروں کے نشانات باقی رکھنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۶؍ ۹۳)۔

اور حضرت مفتی عزیز الرحمنؒ نے "فتاوی دارالعلوم قدیم" میں پرانی قبروں کو مسجد کے صحن کے فرش میں شامل کرلینے کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(الجواب): قبروں کو برابر کرکے فرش مسجد میں لیا جاوے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی (فتاوی دارالعلوم قدیم المعروف عزیز الفتاوی ۶؍ ۸)۔

اسی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے غیر آباد قبرستان میں مسجد کی تعمیر کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

(جواب ۱۳۷): اس صورت میں قبروں کو برابر کرکے اس کو مسجد میں شامل کرلینا مباح ہے، مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہوگئی ہوں، ان کو کھود کر برابر کردینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں، یعنی ابھی تک ان کی لاشوں کا مٹی ہوجانا متیقن نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈال کر برابر کردیں، اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷؍ ۱۴۰)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مندرجہ فتوی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نئی قبروں پر بھی مٹی ڈال کر مسجد بنانا شرعاً جائز ہے، لیکن حضرات فقہاء کی تصریحات میں غور کرنے اور حدیث نبوی "انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا یؤذیک" (ابن ماجہ حدیث ۱۵۶۵، شرح معانی الآثار ۱؍ ۳۴۸) کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں مسجد کی تعمیر کے جواز کے مسئلہ کو پرانی یا ویران قبرستان کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہئے۔

"نظیرہ ماقال الزیلعی: ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ" (فقہ المشکلات ص ۲۴۰، فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۶۷، رد المحتار ۱/۶۵۹)۔

کیا کوئی غیر مسلم اوقاف کا متولی ہوسکتا ہے؟

ہندوستان کی جن بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں اور غالباً واقف کے ہندو ہونے کے باعث اب تک مساجد کی یہ اراضی ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق نظم و نسق کو انجام دیتا ہے، لیکن چونکہ شرعاً مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے اگر حکمت عملی سے کوئی شخص اوقاف مذکور کو غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکال کر مسلم اوقاف کے زیر نگرانی اس کے انتظام و انصرام کو کرسکتا ہو تو کردے لیکن اس کام کے کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس جگہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، جن کا سمجھنا ضروری ہے ورنہ اشتباہ ہوسکتا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم قربت و ثواب کی نیت سے کوئی زمین کسی مسجد و مقبرہ وغیرہ پر وقف کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز کوئی غیر مسلم کسی اوقاف کا واقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی غیر مسلم کسی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو جہاں تک غیر مسلم کے واقف ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ شرعاً جائز ہے، "قال فی الهندیة فی کتاب الوقف: وأما الإسلام (للواقف) فلیس بشرط" (فتاویٰ ہندیہ ۲/۳۵۲، درمختار مع رد المحتار ۳/۳۹۲ و مثلہ فی احسن الفتاویٰ ۶/۴۳۹) "وفی شرح التنویر بدلیل صحته من الکافر"۔ البتہ غیر مسلم کا کسی بھی اسلامی وقف کا متولی ہونا جائز نہیں ہے، "قال الله تعالی: وما کانوا أولیائه إن أولیائه إلا المتقون" (سورۃ الانفال: ۳۴) ہاں اگر غیر مسلم نے وقف علی الاولاد وغیرہ کیا ہو تو اس صورت میں غیر مسلم متولی ہوسکتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۲/۴۰۸)۔

دوسرے مصارف میں اوقاف کی آمدنیاں صرف کرنا

مولانا محمد ارشد فاروقی ☆

اوقاف کی ابتداء حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہوئی جو ایک ضابطہ اور ایک اصول بن گیا اور اسی ضابطے اور اصول کے مطابق دنیا میں آج تک وقف کا باقاعدہ نظام مساجد، قبرستان، مکاتب، مدارس، اور مسافر خانہ وغیرہ کی شکل میں چلا آرہا ہے، جس کا مقصد عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے (شامی ۳/۳۵۷) لیکن کبھی کبھی اس کے ساتھ بڑی بڑی پیچیدگیاں بھی پیش آتی ہیں جن کو قرآن وحدیث اور اصول وقواعد کی روشنی میں حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے متبادل وقف قائم کرنا:

کتب احناف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی علاقہ میں اوقاف نا قابل استعمال یا ویران ہو جائے جیسا کہ بعض جگہوں میں نقل آبادی کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی ادارہ یا کسی فرد کے حوالہ کر کے یا اس کو فروخت کر کے جہاں مسلمانوں کی آبادی موجود ہے وہاں متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقف شدہ زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو کسی کے حوالہ کر کے اس کے عوض ان سے متبادل زمین حاصل کی جا سکتی ہے، نیز ذخیرہ اور منتقی کے حوالہ سے دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ہشامؒ نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی وقف کی زمین اس قابل ہو جائے کہ جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو قاضی کو چاہئے کہ اس نا قابل استعمال زمین کو

☆ استاذ معہد انور، دیوبند۔

فروخت کر کے اس کی جگہ کوئی متبادل وقف قائم کردے۔

"ولو صارت الأرض بحال لا ینتفع بھاجاز شرط الاستبدال به أرضا أخری حینئذ" (درمختار ۳/۳۸۷)۔

فی الذخیرة وفی المنتقی قال هشام: سمعت محمدا یقول: إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی ..... کلام المشائخ أن محل الاستبدال عند التعذر" (شامی ۳/۳۸۲)۔

حنابلہ اور مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ اگر وقف شدہ چیز نا قابل استعمال ہوجائے جس کو اگر اہل وقف کی طرف واپس کرنا چاہیں تو نہ کرسکیں یا اس کے باقی نہ رکھنے ہی میں کوئی مصلحت ہوتو اس کو فروخت یا کسی کے حوالہ کر کے اس کی جگہ اس کا کوئی متبادل قائم کیا جا سکتا ہے۔

"إذا خرب الوقف ولم یرد شیئا بیع واشتری بثمنه ما یرد علی أهل الوقف وجعل وقفا کالأول ... إن الوقف إذا بیع فأی شئ اشتری بثمنه مما یرد علی أهل الوقف جاز سواء من جنسه أو من غیر جنسه" (المغنی ۵/۳۶۹)۔

اگر وقف ویران ہوجائے اور اس سے آمدنی حاصل نہ ہو پائے تو اسے فروخت کردیا جائے اور اس کی قیمت سے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جو اہل وقف پر لوٹا دی جائے اور اس کو بھی پہلے وقف کی طرح وقف کردیا جائے، خواہ وہ وقف کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے۔

"روایة أبی الفرج عن مالک إن رأی الإمام بیع ذلک لمصلحة جاز ویجعل ثمنه فی مثله" (شرح الکبیر ۴/۹۱)۔

ابو الفرج کی امام مالکؒ سے روایت ہے کہ اگر امام موقوفہ جائداد کو فروخت کرنے میں مصلحت سمجھے تو اس کا ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اس کے ثمن کو اسی نوع کے اوقاف میں لگادے۔

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مساجد اور دیگر اوقاف میں فقہاء احناف نے مختلف انداز اور مختلف طرز سے فرق کو ظاہر کیا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جب کوئی چیز وقف کرتا ہے تو وہ اس کی ملکیت سے اس وقت تک نہیں نکلتی ہے جب تک حاکم اس کے نکلنے کا فیصلہ نہ کردے، لیکن مساجد چونکہ محض اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا اور عبادت کے لئے وقف کی جاتی ہیں، اس لئے یہ وقف کرتے ہی واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہیں، حاکم کے فیصلے کی اس میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک مساجد کے سواء دیگر اوقاف کے درست ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو وقف کرنے کے بعد متولی کے سپرد کردیا جائے، لیکن مساجد کا وقف بغیر متولی کے سپرد کئے درست ہوجائے گا۔

امام ابو یوسفؒ چونکہ اوقاف کے درست ہونے کے لئے متولی کو سپردگی شرط قرار نہیں دیتے، اس لئے وقف مشاع جو قابل قسمت ہو اس کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن مساجد اور مقابر میں وقف مشاع جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

"**اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد وفي منع الشيوع عند أبي يوسف وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام وإن لم يحكم به حاكم**" (شامی ۳۶۹/۳)۔

مسجد تمام اوقاف کے مخالف ہے متولی کی طرف سپردگی کی شرط نہ ہونے میں امام محمد کے نزدیک، اور وقف مشاع مسجد میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ممنوع ہے، امام صاحب کے نزدیک اوقاف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گا جب تک حاکم نہ فیصلہ کردے، لیکن مسجد میں ایسا نہیں ہے۔

مسلک شافعی و حنبلی:

امام شافعی اور امام احمدؒ کے یہاں بھی مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ مساجد جب منہدم ہوجائیں اور نوبت یہ آجائے کہ ان کا اعادہ کبھی ممکن نہ ہوسکے تو اس کے باوجود اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی طرح کا تصرف کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو مالک کی ملکیت کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس مرحلہ میں آجائے کہ اس سے انتفاع ناممکن ہوجائے تو اس کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جاسکتا ہے۔

ابن قدامہ نے بھی یہی بات تحریر کی ہے کہ مساجد جب اس مرحلہ میں آجائیں کہ ان میں نماز پڑھنا ناممکن ہوجائے تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا، بخلاف دیگر اوقاف کے کہ جب وہ اس قابل ہوجائیں کہ ان سے انتفاع ممکن نہ ہوتو ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔

"أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته، فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه" (شرح مہذب ۱۵/۳۶۱)۔

مسجد جب منہدم ہوجائے اور اس کا اعادہ متعذر رہوجائے تو اس کو کسی بھی حالت میں نہیں بیچا جائے گا، کیونکہ ممکن ہے اس زمین میں کبھی نہ کبھی نماز پڑھی جائے۔

"وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلوة لم يعد إلى الملک ولم يجز التصرف فيه" (شرح مہذب ۱۵/۳۶۰)۔

اگر کسی نے مسجد وقف کیا پس وہ جگہ ویران ہوگئی اور نماز پڑھنا اس جگہ میں بند ہوگیا تو وہ مالک کی ملکیت کی طرف نہیں لوٹے گی اور نہ اس میں تصرف جائز ہوگا۔

"قال أبو بكر: وقدروى علي بن سعيد أن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلاتها" (المغنی ۵/۳۶۸)۔

ابوبکر نے کہا کہ علی بن سعید کی روایت ہے کہ مساجد فروخت نہیں کی جائے گی، البتہ

اس کے اسباب منتقل کئے جائیں گے۔

منشاء واقف کی رعایت:

اگر کوئی یہ چاہے کہ اراضی اوقاف کوفروخت کرکے منشاء واقف کی رعایت کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جائیں تو قائم نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ واقف جوبھی شرط لگاتا ہے وہ معتبر سمجھی جاتی ہے، لہذا اس کی رعایت کی جانی چاہئے، کیونکہ واقف جوشرط لگاتا ہے وہ وجوب عمل میں شارع کے نص کی طرح ہوتی ہے، لہذا اگر کوئی چیز واقف کی شرط کے مخالف ہو اس کو گویا شارع کے نص کے مخالف سمجھا جائے گا، اوراگر خدانخواستہ کوئی فیصلہ واقف کی شرط کے خلاف کردیا جائے تو اس کو بلادلیل سمجھا جائے گا، کیونکہ واقف کے جائز منشاء کی رعایت واجب ہے، چنانچہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

"وقال: لأن شرط الواقف معتبر فيراعى" (شامی ۴؍۳۸۴) "قال الحنفية: شرط الواقف كنص الشارع أى في الفهم والدلالة ووجوب العمل به .... إن كل ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحكم به بلا دليل سواء أكان كلام الواقف نصا ام ظاهرا؛ لأنه يجب اتباعه عملا بقول المشائخ شرط الواقف كنص الشارع" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/۸ ۱۷)۔

مسلک مالکی:

محمد علیش نے شرح منح الجلیل میں لکھا ہے کہ اگر واقف کوئی شرط لگائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا بغیر کسی دشواری کے اس سے عدول کرنا جائز نہیں ہوگا، اس سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے گی:

"(شرطه) أى الواقف وجوبا (إن جاز) الشرط فيجب العمل به ولا يجوز العدول منه إلا أن يتعذر، فيصرف في مثله كما تقدم في القنطرة

ونحوها" (شرح منح الجلیل ۴؍ ۶۴)۔

واقف کا شرط لگانا وجوباً اگر شرط جائز ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا اور اس سے عدول کرنا نا جائز ہوگا، مگر یہ کہ اس پر عمل کرنا متعذر ہو جائے تو اسی کے مثل کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جیسا کہ پل وغیرہ کے مسائل میں گذرا۔

مسجد پر موقوفہ اراضی جس کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو:

الف، ب۔ اگر کسی مسجد پر موقوفہ اراضی کی آمدنی مسجد کے موجودہ اخراجات سے زیادہ ہو یا مسجد پر موقوفہ اراضی کے علاوہ کسی اور وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور بظاہر آئندہ اس موقوفہ کام کے لئے اس زائد آمدنی کے استعمال کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو اس کے ذریعہ اگر مسلمانوں کا دینی یا عصری تعلیمی ادارہ یا اسی نوع کی دوسری چیز قائم کرنا چاہیں تو قائم کیا جا سکتا ہے۔

دلیل: قاضی خاں نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ مسجد کو فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو فقراء مسلمین کو دیدیا جائے گا اور ایسا کرنا جائز ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اس زائد آمدنی سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم کر سکتے ہیں۔

"إذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك؛ لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع" (خانیہ علی ہندیہ ۵؍ ۳۷۰)۔

جب مسجد کی آمدنی زیادہ ہو جائے تو اس کو فقراء مسلمین کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور ایسا کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس جنس کی قربت ان میں سے نہیں ہے جو منقطع ہو جائے۔

مسلک مالکی وحنبلی:

مسلک حنابلہ اور مالکیہ کی کتب سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ اگر اس زائد آمدنی

سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم کرسکتے ہیں۔

ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

"وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو ليتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم" (المغنی ۳۷۰/۵)۔

اگر مسجد کی چٹائی اور اس کے تیل میں سے کچھ بچ جائے اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو دوسری مسجد میں دے دینا جائز ہے یا اس کو مسجد کے قریب فقراء یا اس کے علاوہ فقراء کو دیدیا جائے۔

مسلک شافعی:

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اس کو فقراء مسلمین کو دینا چاہیں یا اس سے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا چاہیں تو قائم نہیں کرسکتے جیسا کہ اس پر یہ عبارت دال ہے:

"أما غير المنهدم فما فضل من غلة الموقوف على مصالحه يشترى به عقار ويوقف عليه بخلاف الموقوف على عمارته يجب ادخاره لأجلها" (شرح مہذب ۳۶۱/۱۵)۔

جو کچھ موقوفہ آمدنی سے بچ جائے جو اس کے مصالح پر موقوف ہو اس کے ذریعہ زمین خریدی جائے گی اور اس پر وقف کردی جائے گی، بخلاف اس وقف کی آمدنی کے جو موقوف ہو کسی وقف کی عمارت وتعمیر کے لئے، اس کا ذخیرہ کرنا اسی عمارت کے لئے واجب ہوگا۔

مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے:

اگر مسجد کے ساتھ کوئی موقوفہ جائداد ہو، لیکن اس کی آمدنی کم ہو اور اگر اس اصل موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے دوسری جگہ جائداد حاصل کی جائے تو آمدنی بڑھ جائے گی تو کیا ایسا کرنا

جائز ہے؟ اس سلسلے میں علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ صورت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور عمل بھی اسی پر ہے، آگے لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا یہ قول صدر الشریعہ کے قول کے معارض ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم اصل موقوفہ جائداد کے استبدال یا فروخت کرنے کا فتوی نہیں دیں گے، کیونکہ ہمارا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں موقوفہ جائداد برباد ہوجاتی ہے، اور گویا بعض قاضیوں نے اس کو اوقاف مسلمین کے باطل کرنے کا حیلہ بنالیا ہے، دوسری دلیل عدم جواز پر یہ دیتے ہیں کہ واجب اصل موقوفہ کو جوں کا توں باقی رکھنا ہے نہ کہ اس میں زیادتی کرنا مقصود ہے، علامہ شامی کا رجحان بھی مذکورہ صورت کے عدم جواز کی طرف ہے۔

''قال قارى الهداية: وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف والعمل عليه .... والعمل على قول أبي يوسف معارض بما قاله صدر الشريعة، نحن لانفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد و يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين .... أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ...أقول ما قاله هذا المحقق الصواب'' (شامی ۳۸۹/۳)۔

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کے یہاں اصل موقوفہ چیزوں کو بلاضرورت فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ موقوفہ جائداد کو آمدنی کی خاطر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آمدنی کی زیادتی کوئی ضرورت نہیں ہے، ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

''إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غير أنفع منه وأكثر رد اعلى أهل الوقف لم يجز بيعه؛ لأن الاصل تحريم البيع وانما أبيح

للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود" (المغنی ۵/ ۳۶۹)۔

اگر وقف کی مصلحت مکمل ختم نہ ہوئی ہوتو اس کی بیع جائز نہیں (میں کہوں گا کہ) البتہ اگر اس کے علاوہ اس سے زیادہ فائدہ منداورزیادہ آمدنی والا ہوتو بھی اس کی بیع درست نہیں، اور اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی تحریم ہے، اور بیع کو مباح ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے، وقف کے مقصود کوضیاع سے بچانے کی خاطر، اور جب اس سے انتفاع ممکن ہو اگر چہ کم ہوتو مقصود ضائع نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

مالکیہ کے یہاں بھی مسجد پر موقوفہ جائداد جس کی آمدنی کم ہے، اس کی فروختگی درست نہیں ہے، چنانچہ ''حاشیہ الدسوقی'' میں ہے:

''(لاعقار) حبس من دور وحوانيت وحوائط وربع فلايباع ليستبدل به غيره وإن خرب'' (حاشیہ الدسوقی ۴/ ۹۱)۔

موقوفہ گھر، دکانیں، دیواریں اور کھیت، کو خراب ہو اس کو فروخت کرکے اس سے استبدال جائز نہیں ہوگا۔

جس وقف کا مصرف ختم ہوجائے:

اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہوجائے مثلاً کوئی جائداد کسی مدرسہ پر وقف ہو اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو ایسے وقف کی آمدنی اسی نوع کے اوقاف جو دوسری جگہ واقع ہیں پھیر دیا جائے گا، اس پر علامہ شامی کی یہ عبارت دال ہے:

''فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه وفي الرد لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف

وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی ۵۴۹/۶)۔

مسجد، خانقاہ، کنواں اور حوض کے وقف کو قریبی مسجد، خانقاہ، یا کنواں، یا حوض کی طرف پھیرنا جائز ہے، شامی میں ہے کہ یہ لف ونشر مرتب ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ منہدم مسجد کو حوض یا حوض کو مسجد کی طرف لوٹانا جائز نہیں ہوگا۔

مسلک مالکی:

امام مالکؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہوجائے تو اس کی آمدنی کو اسی نوع کے اوقاف میں استعمال کیا جائے گا، چنانچہ ابو البرکات "الدردیر" میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے کچھ کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کیں اور اب وہ مدرسہ باقی نہیں رہا کہ وہاں کے لوگ اس سے استفادہ کرسکیں تو اسے دوسرے مدرسہ کو دیدیا جائے گا۔

"أما كتب العلم إذا وقفت على من لا ينتفع بها كأمي أو امرأة، فإنها لا تباع و إنها تنقل لمحل ينتفع بها فيه كالكتب الموقوفة بمدرسة معينة فتخرب تلك المدرسة و تصير الكتب لا ينتفع بها، فإنها تنقل لمدرسة أخرى ولا تباع" (الشرح الکبیر ۹۱/۴)۔

بہر حال علم کی کتابیں جب وقف کی جائیں اس شخص پر جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے جیسے ان پڑھ یا کسی عورت پر تو اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو ایسی جگہ منتقل کیا جائے گا جو اس سے فائدہ اٹھا سکے، چنانچہ اگر کتابیں کسی متعین مدرسہ پر وقف کی جائیں اور وہ مدرسہ ویران ہوجائے اور ان کتابوں سے فائدہ اٹھانے والا نہ ہو تو اس کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کردیا جائے گا لیکن فروخت نہیں کیا جائے گا۔

مسلک حنبلی:

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی وقف کا مصرف ختم ہوجائے تو اس کو فقراء ومساکین کی طرف منتقل کردیا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

''ولأنه مال الله تعالى لم يبق له مصرف فصرف إلى المساكين كالوقف المنقطع'' (المغنی ۳۷۱/۵)۔

وقف کی مخدوش عمارت تعمیر کرنے والے کو اس کے عوض وقف کا کچھ حصہ بطور اجرت دینا:

الف، ب۔صاحب بزازیہ نے لکھا ہے کہ اگر وقف منہدم ہوجائے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کی تعمیر کرائی جائے تو اس کو ایسی ہی حالت میں واقف یا اس کے ورثاء کو واپس کردیا جائے گا، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے دکان یا بازار وقف کیا اور وہ جل گیا اور اس کی حالت ایسی ہوگئی کہ اس سے انتفاع ناممکن ہوگیا تو ایسی صورت میں اس کو واقف یا اس کے ورثہ کو لوٹا دیا جائے گا، اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی وقف کی عمارت مخدوش حالت میں ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں، کوئی شخص اس بات کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت کی صورت میں تعمیر کردے گا اور اس کے عوض ایک دو منزل اس کی ملکیت ہوگی تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ مخدوش عمارت واقف کو واپس کردی جائے گی۔

''انهدم الوقف وليس له من الغلة ما يعاد به بنائه دفع النقض إلى الواقف أو وارثه احترق حانوت الوقف والسوق فصار بحال لا ينتفع بطل كونه وقفا وعاد إلى الواقف أو وارثه'' (بزازیہ علی ہندیہ ۲۷۲/۶)۔

اگر وقف منہدم ہوجائے اور وقف کے پاس آمدنی نہ ہو جس سے اس کی دوبارہ تعمیر کی جائے تو ناظر ملبہ کو واقف یا اس کے وارث کو دیدے گا، وقف کی دکان اور بازار جل جائے اور اس کی حالت ایسی ہوجائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کا وقف ہونا باطل ہوجائے گا اور وہ واقف یا وارث کی طرف لوٹ جائے گا۔

مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

اگر کسی نے کسی خاص عمارت مثلاً مسافر خانہ یا خانقاہ وغیرہ کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کچھ سرمایہ بچ گیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اسی نوع کے قریبی اوقاف مثلاً مسجد کے امام یا مدرسہ کے مدرس کو دیدیا جائے گا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست ہونی چاہئے، کیونکہ مدرسہ بھی مسجد اور قبرستان کی طرح رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

"في الدر ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة (وفي الرد)، فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ يبدأ بماهو أقرب للعمارة وهو عمارته ...... ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة" (شامی ۳۷۶/۳)۔

وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے وقف کی تعمیر ومرمت پر خرچ کیا جائے گا پھر ان اشیاء پر جو اس کی آبادی سے تعلق رکھتی ہوں مثلاً مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس پر۔ (شامی میں ہے) کہ اگر مقصد وقف کا کام ختم ہوجانے کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو پھر اس پر خرچ کیا جائے گا جو اس مقصد کے زیادہ قریب ہو (اگر پھر بھی کچھ بچ جائے) تو اس پر خرچ کیا جائے جو اس مقصد کے زیادہ قریب اور زیادہ مصلحت والا ہو مثلاً مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس۔

مسلک مالکی: امام مالکؒ کے یہاں بھی مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے، مدرسہ کی تعمیر درست ہوگی، کیونکہ شیخ محمد علیش نے اپنی کتاب میں سحنون، وحون، ابن رشد، اور ابن عرفہ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی خاص مسجد وغیرہ کے لئے کوئی چیز وقف کیا اور وہ اس کی ضرورت سے فاضل ہوجائے تو اس کو دوسری مسجد کو دیا جاسکتا ہے، یہ صورت مسئولہ کے جائز ہونے پر دال ہے۔

''فتیا سحنون فی فضل زیت المسجد انه یوقد منه فی مسجد آخر وفتیا دحون فی حبس حصن یغلب العدو علیه یدفع فی حصن آخر قال: و ما کان للہ تعالی واستغنی عنه یجوز جعله فی غیر ذلک الوجه مما هو للہ تعالی وفتوی ابن رشد فی فضل غلات مسجد زائدة علی حاجته أن یبنی منها مسجد تهدم، وقال ابن عرفة: شبیه المصرف مثله إن تعطل (شرح منح الجلیل ۴؍۶۲، ۶۱)۔

مسجد کے بچے ہوئے تیل کے بارے میں سحنون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسری مسجد میں جلایا جائے، وہ قلعہ جس پر دشمن کا غلبہ ہو اس کے وقف کے سلسلہ میں ابن دحون کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کو دوسرے قلعہ میں دیدیا جائے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو اور لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو اس کو اسی نوع کے اوقاف میں استعمال کرنا جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کے سلسلہ میں ابن رشد کا فتویٰ ہے کہ اس سے دوسری منہدم مسجد تعمیر کی جائے، اور ابن عرفہ کا کہنا ہے کہ موقوفہ چیز کے مصرف کا مماثل اسی کے حکم میں ہے اگر وہ بیکار ہو جائے۔

مسلک شافعی: امام شافعیؒ کے یہاں اگر کسی نے کسی خاص عمارت کی تعمیر کے لئے کچھ سرمایہ وقف کیا اور تعمیر کے بعد کچھ سرمایہ بچ جائے تو اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھنا واجب ہے، یہ اس بات پر دال ہے کہ مسجد یا قبرستان کی موقوفہ اراضی پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہے مدرسہ کی تعمیر درست نہیں ہے، چنانچہ امام نووی رقم طراز ہیں:

''أما غیر المنهدم فما فضل من غلة الموقوف علی مصالحه یشتری به عقار و یوقف علیه بخلاف الموقوف علی عمارته یجب إدخار لأجلها'' (شرح مہذب ۱۵؍۳۶۱)۔

جو کچھ موقوف آمدنی سے بچ جائے جو اس کے مصالح پر موقوف ہو تو اس کے ذریعہ زمین خریدی جائے گی اور اس پر وقف کر دی جائے گی بخلاف اس موقوفہ عمارت کی آمدنی کے جو اس کی عمارت پر موقوف ہو اس کا ذخیرہ کرنا اسی عمارت کے لئے واجب ہے، فی زمانہ فتویٰ مسلک

احناف ومالکیہ پر ہونا چاہئے، کیونکہ جس طرح مسجد اورقبرستان کا وقف رفاہ عام کے لئے ہوتا ہے اسی طرح مدرسہ بھی رفاہ عام ہی کے لئے قائم کیا جاتا ہے، لہذا اس کی تعمیر مسجد یا قبرستان کی زائد موقوفہ اراضی پر درست ہونی چاہئے۔

جس قبرستان کے اطراف مسلمانوں کی آبادی ختم ہوچکی ہو:

اگر کسی وقف کی جائداد پر ناجائز قبضہ کا خوف ہوتو متولی کو چاہئے کہ اس کوفروخت کرکے اس کی قیمت کوصدقہ کردے،نیز ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ سے لوگ چلے گئے ہیں اور وہاں مسجد اور حوض ہے جس کی اب ضرورت باقی نہیں رہی تو قاضی کو چاہئے کہ اس کے اوقاف کودوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف منتقل کردے، گویا مذکورہ دونوں باتوں سے من جملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی وقف کے لوگوں کوضرورت باقی نہیں رہی یا اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہوتو اس کوفروخت کرکے اسی نوع کے اوقاف میں اس کی قیمت کوخرچ کیا جاسکتا ہے یا پھر فقراء ومساکین کودیدیا جائے۔اس تفصیل سے مسئولہ صورت واضح ہوجاتی ہے کہ اس کوفروخت کرکے اسی نوع کے اوقاف کی طرف لوٹا دیا جائے یا اگر چاہےتوفقراء ومساکین کودیدیا جائے۔

''نقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر فقال: نعم ومثله في البحر''۔

ذخیرہ میں شمس الائمہ حلوانی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان سے ایسی ویران مسجد یا حوض کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی لوگوں کوضرورت باقی نہیں رہی کہ کیا قاضی ان اوقاف کودوسری مسجد یا دوسرے حوض کی طرف لوٹا سکتا ہےتو جواب دیا ہاں لوٹا سکتا ہے، اسی کے مثل بحر میں ہے۔

''قيم خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها وكذا كل قيم إذا خاف شيئا من ذلک له أن يبيع ويتصدق بثمنها'' (البحر الرائق ۵/ ۲۰۷)۔

اگر ناظر سلطان یا وارث سے خطرہ محسوس کررہا ہو کہ وقف کی زمین پر غلبہ پالے گا تو اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم کو صدقہ کردے، ایسے ہی ہر وہ نگراں جو ایسی باتوں کا خوف کرے تو وہ اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم صدقہ کرسکتا ہے۔

مسلک حنبلی: حنابلہ کی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں انتفاع کی صورت یہ ہوگی کہ اس کو فروخت کرکے دوسری جگہ قبرستان خرید لیا جائے، یا دوسری جگہ واقع قبرستان میں لگا دیا جائے، چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اگر موقوفہ جائداد سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو فروخت کردیا جائے۔

''الوقف إن لم یمکن الانتفاع بشیٔ منه بیع جمیعه'' (المغنی ۵/ ۳۶۸)۔

اگر وقف سے انتفاع ممکن نہ ہو تو ان تمام کو فروخت کردیا جائے گا۔

وہ مساجد جو محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہیں:

اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کے لئے جو بھی عبادت گاہیں قائم ہیں، خواہ وہ مساجد کی شکل میں ہوں یا خانہ کعبہ کی شکل میں، اس میں حکم ہمیشہ ہمیش عبادت گاہ ہی کا رہے گا، ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ منہدم ہوجائے اور اس قابل ہوجائے کہ اس میں عبادتیں نہ کی جاسکیں یا وہ غیر مسلم یا حکومت کی نذر ہوجائے تو اس کا مسجد یا کعبہ ہونے کا حکم ختم ہوجائے گا، بلکہ روز قیامت تک اس کا حکم جوں کا توں برقرار رہے گا، بنابریں جو بھی مساجد محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہیں اور حکومت نے ان میں نماز ادا کرنے پر پابندی لگادی ہے ان کا حکم قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، چنانچہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلی یوم الساعة'' (در علی الرد ۳/ ۳۷۱)۔

اگر مسجد یا مسجد کے اردگرد کی چیز ویران ہوجائے تو بھی اس کا حکم روز قیامت تک مسجد ہی کا رہے گا، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ''لأن المسجد لا یخرج عن

المسجدية أبدا'' (شامی ۶/۶ ۵۷) مسجد ہمیشہ مسجد ہی کہلائے گی۔

''إذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلى فيه عاد ملكا لواقفه أو لورثته حتى جاز لهم أن يبيعوه.. وقيل: هو مسجد أبدا، وهو الأصح، كذا في خزانة المفتيين'' (ہندیہ ۲/ ۴۵۸)۔

جب مسجد ویران ہوجائے اور لوگ اس سے بے نیاز ہوجائیں اور مسجد اس قابل ہوجائے کہ اس میں نماز ادا نہ کی جائے تو وہ واقف یا اس کے وارث کی طرف لوٹ جائے گی یہاں تک کہ ان کے لئے جائز ہے کہ اس کوفروخت کردیں اور کہا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش مسجد ہی رہے گی اور قول اصح یہی ہے۔

مسلک شافعی: ''أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته، فإنه لا يباع بحال لإمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه'' (شرح مہذب ۱۵/ ۳۶۰)۔

مسجد جب اس طرح منہدم ہوجائے کہ اس کی دوبارہ تعمیر مشکل ہو تو اس کو کسی بھی حالت میں فروخت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس سے انتفاع فی الحال بھی یوں ممکن ہے کہ اس کی زمین میں نماز ادا کی جائے۔

جس قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں:

اگر قبرستان کی حفاظت کے لئے وسائل نہ ہوں تو تاجروں سے پیشگی رقم لے کر چاروں طرف دکانیں بنادینا جائز ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قبرستان کا اگرچہ تھوڑا سا نقصان ہے کہ چند گز اراضی دکانوں میں چلی جائے گی، لیکن فوائد زیادہ ہیں، اولاً یہ کہ وہ دکانیں قبرستان کی حصار بندی اور باؤنڈری کا کام دیں گی، ثانیاً یہ کہ ان دکانوں کی وجہ سے قبرستان کو ہمیشہ کرایہ ملتا رہے گا ، اور کسی موقوفہ اراضی سے نفع حاصل کرنے کے لئے اس میں دکانیں تعمیر کرانا یا اس میں زراعت کرنا جائز ہے، چنانچہ صاحب بزازیہ رقم طراز ہیں:

''أراد القيم أن يبني في الأرض الموقوفة حوانيت ليستغلها بالإجارة

ليس له ذلك؛ لأن استغلال الأرض بالزرع إليهم إلا إذا كانت الأرض متصلة بالمصر'' (بزازیہ علی ہندیہ ۶/ ۲۵۴)۔

(اگر ناظر یہ چاہے کہ موقوفہ زمین میں دکان بنائے تاکہ اس کو اجارہ پر دے کر نفع حاصل کرے تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کو زمین میں کھیتی کر کے نفع حاصل کرنا ہے، ہاں اگر زمین شہر سے متصل ہو تو پھر دکان بنا کر نفع حاصل کر سکتے ہیں)۔

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

اگر وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے اور آبادی کے قریب ہونے، نیز قریب میں دوسری مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو توسیع کی جائے گی، کیونکہ جس طرح قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے اسی طرح مسجد بھی اوقاف مسلمین میں سے ہے، اور جس طرح قبرستان کی تملیک جائز نہیں اسی طرح مسجد کی بھی تملیک جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کی توسیع قبرستان میں جائز ہوگی، لیکن شرط یہ ہے کہ جہاں مسجد کی توسیع کی جائے وہاں کوئی نئی قبر نہ ہو اور اگر پرانی قبر ہو تو توسیع کے وقت اس کو مٹا دیا جائے، چنانچہ صاحب عینی رقم طراز ہیں:

''**لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد**'' (عینی ۱۰/ ۱۵۲)۔

اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان پرانا ہو جائے اور اس پر مسجد بنادی گئی تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان میت کو دفن کرنے کے لئے مسلمانوں کے وقف میں سے ایک وقف ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا، اس لئے اگر وہ پرانا ہو جائے اور اس میں دفنانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کا استعمال مسجد کے لئے درست ہے اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں

کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے، اس پر کسی کی ملکیت جائز نہیں۔

"لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرهفی قبره وزرعه والبناء علیه" (زیلعی ۱/۲۴۶)۔

(اگر میت پرانی ہوکر مٹی ہوجائے تو اس قبر میں دوسری میت دفن کرنا اور اس کے اوپر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے)۔

غیر مسلم کا مسلم اوقاف کا متولی ہونا:

اگر کوئی واقف کسی غیر مسلم کو مسلم اوقاف کا متولی بنادے یا اپنے وقف میں اس کی شرط لگادے تو اس کا غیر مسلم کو متولی بنانا درست نہیں ہوگا اور نہ اس کی شرط کی اتباع کی جائے گی، کیونکہ صاحب تقریر رافعیؒ نے لکھا ہے کہ ذمی اوقاف کا ذمی تو متولی ہوسکتا ہے، لیکن مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہوسکتا ہے، اس سے ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے، جب ذمی مسلم اوقاف کا متولی نہیں ہوسکتا ہے تو وہ غیر مسلم جو ذمی نہیں مسلم اوقاف کا متولی کیسے ہوسکتا ہے۔

"إن تولیة الذمی صحیحة ینبغی أن یخص بوقف الذمی، فإن تولیة الذمی علی المسلمین حرام لا ینبعی اتباع شرط الواقف فیها من خط ابن نجیم" (تقریر الرافعی مع الشامی ۶/ ۸۴)۔

ذمی کا متولی بننا جائز ہے، مناسب ہے کہ اسے ذمی کے وقف کے ساتھ خاص کیا جائے، کیونکہ ذمی کا مسلمان پر متولی بننا حرام ہے، مناسب ہے کہ اس میں واقف کے شرط کی اتباع نہ کی جائے۔

ختم شدہ مصارف اوقاف کے احکام

مولانا نذر توحید مظاہری ☆

وقف کی حقیقت عرفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین و جائداد وغیرہ کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تبارک وتعالی کے ملک میں ودیعت کردے تا کہ وہ شی موقوف باقی رہے اور اسکے منافع کو حسب تصریح واقف مصارف خیر میں صرف کیا جاتا رہے۔ قرون اولی سے وقف کرنے کا دستور چلا آرہا ہے، اسلاف کے بہت سارے اوقاف آج بھی مساجد، مدارس، خانقاہوں ومسافر خانوں وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں۔

اوقاف کے منافع سے استفادہ حسب تصریح واقف لازم وضروری ہے جیسا کہ فقہاء کی صراحت ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" (رد المحتار ۳/۴۵۶) واقف کی صراحت کے خلاف کسی وقف کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

فی زماننا بہت سارے اوقاف سے استفادہ ناممکن ہوگیا ہے، کیونکہ ان اوقاف کے دور دور تک مسلم آبادی نہیں ہے جو ان سے استفادہ کرے یا مسلم آبادی تو ہے، مگر ان اوقاف پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہے، تو ان حالات میں ان اوقاف کی جگہ دوسرے اوقاف قائم کرنا جائز ہوگا یا نہیں اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

استبدال وقف کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ واقف وقف کرنے کے وقت استبدال کی شرط اپنے لئے یا دوسرے کے لئے یا

☆ جامعہ رشید العلوم چترا، جھارکھنڈ۔

اپنے اور دوسرے کے لئے لگائی ہوتو بالاتفاق وقف کا استبدال جائز ہے۔

۲۔واقف نے وقف کرتے ہوئے استبدال کی نفی کردی ہو یا استبدال کے متعلق خاموش ہو (نہ اثبات کیا ہو اور نہ نفی) اور وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے بالکلیہ نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا ہو، تو باجازت قاضی استبدال جائز ہوگا۔یا کوئی شخص وقف پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہو یا کوئی ایسا کام کیا ہو، مثلاً باندھ باندھا ہو یا تالاب کی کھدائی کردیا ہو جس سے موقوفہ زمین سیلابی ہوگئی ہو اور قابل زراعت نہیں رہی، اس وقت غاصب زمین کا ضمان قیمتاً دے۔ یا غاصب نے تو غصب کرلیا، مگر اس کا اعتراف نہیں کرتا اور نہ ہی متولی وقیم کے پاس بینہ ہو تو اس وقت غاصب کچھ دے رہا ہو، تو ان صورتوں میں استبدال جائز ہوگا۔

۳۔واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی ہے اور وقف سے فی الجملہ نفع حاصل ہورہا ہو، مگر اس حال میں ہو کہ اس کو فروخت کرکے دوسری جگہ وقف قائم کردیا جائے تو وقف کی آمدنی بڑھ جائے گی تو اس مقصد کے لئے استبدال اصح قول کے مطابق جائز نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ استبدال دوصورتوں میں جائز ہے: (۱) شرط (۲) ضرورت۔

ضرورت کی وجہ سے جائز ہے مگر وہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

۱۔وہ وقف بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو

۲۔مستبدل متولی یا قیم ہو۔

۳۔استبدال باجازت قاضی ہو۔ایسے قاضی کی اجازت جس کی دیانت وامانت مسلَّم ہو اور علم وعمل میں فائق ہو۔

۴۔فقدان قاضی کی صورت میں جماعت مسلمین کی اجازت سے ہو۔جماعت مسلمین سے مراد ایسے افراد کی جماعت ہے جو دیانت وامانت وغیرہ کے اعتبار سے معتمد ہوں۔

''اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه: الأول أن يشترطه الواقف

لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً والثانی أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أوسكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئ أصلا ولا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز علی الأصح إذا كان بإذن القاضی ورأيه المصلحة فيه، والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع فی الجملة وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله علی الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالی زادة فی رسالته الموضوعة فی الاستبدال و أطنب فيها عليه الاستبدال وهو ماخوذ من الفتح''(ردالمحتار ۳؍ ۴۲۴)۔

''وقد اخلف كلام قاضيخان فی موضع جوزه القاضی بلا شرط الواقف حيث رأی المصلحة فيه فی موضع منع منه ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضی بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناک ريع للوقف يعمربه وأن لايكون البيع بغبن فاحش وشرط فی الإسعاف أن يكون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلی إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب فی زماننا'' (ردالمحتار ۳؍۴۲۵)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے آیا اسے مفت یا قیمتاً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟

جواب: اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن القاضی جائز ہے (شامی ۳؍۳۹۹)، تحقیق مذکور کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنوانے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس

عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہری عیدگاہ کے لئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو، اور فقدان قاضی کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین، واللہ اعلم بالصواب (احسن الفتاوی ۶/ ۴۶۱)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے، اگر کچھ بھی نفع حاصل ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"(قوله وجاز شرط للاستبدال به) اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه الخ" (بحوالہ شامی ۳/ ۵۳۵، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۴۳)۔

استاذی حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامدا ومصلیا! جو زمین مسجد کے مصارف کے لئے وقف ہو چکی ہے اس کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت نہیں کہ اس کو فروخت کر کے اس سے زیادہ آمدنی کی زمین خریدی جائے۔

"فإذا تم ولزم لا یملک ولا یملّک أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه" (شامی ۳/ ۵۰۷)۔

البتہ مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے، اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے، یا اگر وقف شدہ زمین قابل انتفاع نہ رہے تب بھی اجازت ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کردی جائے، پھر زمین، مکان و دوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر

دیا گیا اور اب وہ مسجد نہیں رہی اور خریدار نے کوئی اس میں غیر اسلامی حرکت کی تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے نہ کہ منتظمین (فتاوی محمودیہ ۲۱۹/۱۵)۔

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: حامدا ومصلیا! واقف نے جبکہ وقف نامہ میں جائداد موقوفہ ہر قسم کے انتقال کو صراحۃً منع کر دیا ہے تو متولی کو کسی طرح اس کے انتقال کا حق نہیں، البتہ اگر جائداد بالکل ناقابل انتفاع ہو جائے تو شرعی قاضی کو اس کا استبدال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

''هذا إذا شرط الاستبدال في أصل الوقف، وأما إذا لم يشترط فقد يخصص برأي أول القضاة الثلثة المشار إليه بقوله عليه الصلوة والسلام قاض في الجنة وقاضيان في النار المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا'' (اسعاف ۲۷)، ''والمعتمد يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لايكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش كذا في بحرالرائق، وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم، كذا في نهر الفائق'' (فتاوی عالمگیری ۴۹۱/۲)۔

اور صورت مسئولہ میں مکان مذکور قابل انتفاع ہے اور ایک رقم اس پر صرف کرنے کے بعد زیادہ آمدنی کی امید ہے، اور واقف نے مکان کی مرمت وغیرہ کے لئے ایک جز متعین کیا ہے۔ الخ (فتاوی محمودیہ ۵۱۸/۱)۔

اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید عبد اللطیف نور اللہ مرقدہ (سابق ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) تحریر فرماتے ہیں:

وقف نامہ میں اصل چیز یہ ہے کہ شرائط واقف جن کی واقف نے تصریح کی ہو ان کا اتباع کیا جائے کہ ''نص الواقف كنص الشارع'' کتب فقہ باب الوقف میں منجملہ مسلمہ

اصول موضوعہ ہے، البتہ جن شرائط کی تصریح واقف نے نہ کی ہو، یا مبہم یا مجمل چھوڑی ہو ان میں قاضی کے اجتہاد اور تصرف کی گنجائش ہے، وقف نامہ ہذا میں مصارف اور شرائط کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجمل نہیں چھوڑا، اور جن صورتوں میں فقہاء کے کلام سے قاضی کو تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے وہ خاص خاص صورتوں میں ہے، مثلاً موقوفہ چیز کا بالکل قابل انتفاع نہ رہنا، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے (فتاوی محمودیہ ۱/ ۵۴۰)۔

الف۔عبارات بالا سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اوقاف جو نقل آبادی کی وجہ سے بالکل ویران ہوگئے ہوں اور ان اوقاف کے قرب میں مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہوگئی ہو، بلکہ ان اوقاف کے دور دور تک کوئی مسلمان آباد نہ ہو، اور ان اوقاف کو آباد کرنے والا کوئی نہ ہو اور آئندہ بھی آباد ہونے کا امکان نہیں ہو، اور وہ اوقاف حکومت یا غیر مسلموں کے دست برد سے محفوظ نہ ہو ، اور وہ اوقاف جو محفوظ ہوں، مگر آئندہ محفوظ رہنے کی ضمانت نہ دی جاسکتی ہو، اور وہ اوقاف بالکل معطل ہوں، ناقابل انتفاع ہوں، تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کرلیا جائے۔

ب۔ایسے ویران اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اسکے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جائے۔

ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کرتے ہوئے ان کی جگہ اسی طرح کے اوقاف قائم کئے جائیں (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

الف۔ ایسی اراضی جو مسجد پر وقف ہو اور جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو ایسی اراضی پر منشاء واقف کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے (جیسا کہ ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

ب۔مسجد کی آمدنی یا اسی طرح وہ زمین ومکان کی آمدنی جو مسجد کے لئے وقف ہو منشاء

واقف کے خلاف صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

''الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لا وانه صحيح ولكنه يشترى به مستغلا للمسجد'' (تاتارخانیہ ۸۶۱/۵)۔

الف۔ جن اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بن جائے، خدانخواستہ وقف کی عمارت منہدم ہوجائے تو اس سرمایہ سے دوبارہ تعمیر کے بعد رقم بچ جائے اور اس کی حفاظت بھی مشکل ہو تو فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف محتاج کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہوگا۔

''وسئل أبوبكر عمن وقف أرضا له على عمارة المسجد وشرط أن ما فضل من عمارته يصرف إلى الفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد غير محتاج إلى العمارة فى الحال قال تحبس الغلة، وهكذا كان يقول الفقيه أبوجعفر، وقد ذكرنا هذه المسئلة قبل قال الفقيه أبو الليث: والصحيح عندى أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة يمكن العمارة منها وتبقى زيادة شئ من الغلة تصرف الزيادة إلى الفقراء على ماشرط الواقف وفى العتابية قال الصدر الشهيد وهو المختار للفتوى'' (تاتارخانیہ ۸۵۶/۵)۔

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہوں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہو اور وہ محلّہ کے اندر واقع ہو جس سے معمولی کرایہ ملتا ہو، اور اگر اسکو فروخت کر کے دوسری جگہ قائم کیا جائے تو زیادہ آمدنی ہوگی، تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے (ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے)۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر جو کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی اور وہ خاندان ختم ہوگیا یا اسکے افراد ایسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے کہ وہاں تک ان اوقاف کی آمدنی بھیجنا یا صرف کرنا دشوار تر ہو، یا کسی مسجد ومدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ

مسجد ہے نہ مدرسہ تو ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے مصارف پر خرچ کیا جائے۔مثلاً فقراء مخصوص کے لئے وقف تھا تو ان کے فقدان کی صورت میں دوسرے قریب کے فقراء پر صرف کیا جائے اور مسجد ومدرسہ کے اوقاف کو دوسرے قریب محتاج مسجد ومدرسہ پر صرف کیا جائے۔

الف۔جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہوں اور واقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہوتو متولی وقف یا قیم وقف کے لئے جائز نہیں کہ کسی بلڈر کو اس شرط پر تعمیر کے لئے دیدے کہ ایک یا دو منزل تمہاری ہوگی اور تم کو مکمل تصرف کا اختیار رہوگا کوئی ایسی شکل اختیار کرنا جائز نہیں، اسی طرح زمین پر تعمیر اس شرط کیساتھ کرانا جائز نہ ہوگا۔

"ولا تجوز الإجارة الطويلة علی الوقف ولو احتيج إليها فالوجه في ذلک أن يعقد عقودا متفرقة مترادفة کل عقد علی سنة فيکتب في الصک استأجر فلان بن فلان کذا ثلاثين عقدا کل عقد علی سنة، فيکون العقد الأول لازما ويکون العقد الثاني غير لازم وفي الذخيرة وبعض المشائخ زيفوا هذه الحيلة، وفي الخانية: وذکر شمس الائمة السرخسي أن الإجارة المضافة تکون لازمة في إحدی الروايتين هو الصحيح" (تاتارخانیہ ۵/ ۷۵۰)۔

"الواقف اذا آجر الوقف إجارة طويلة إن کان يخاف علی رقبتها التلف بسبب هذه الإجارة، فللحاکم أن يبطلها وکذلک إن آجرها من رجل يخاف علی رقبتها من المستاجر فينبغي للحاکم أن يبطل الإجارة" (تاتارخانیہ ۵/ ۷۵۲)۔

عبارت بالا سے مستفاد ہوتا ہے کہ وقف کو طویل مدت کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں، اسی طرح طویل مدت کے لئے اجارہ پر لگانا جس سے مال وقف کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہوتو حاکم وقت ایسے اجارہ کو باطل قرار دے گا، اور ختم کردے گا اس مسئلہ میں یہی ہے کہ ایک یا دو منزل بالکل وقف سے خارج ہونا لازم آتا ہے اس لئے جائز نہ ہوگا۔

ب۔کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم

کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔

"وفیه أیضا سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارته قال: لا یجوز بأمر القاضي وغیره" (تاتارخانیہ ۵/ ۸۶۴)۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ یا کوئی اور مقصد کے لئے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ وقف کو مقاصد وقف میں استعمال کرنا چاہئے اسکے خلاف جائز نہیں۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہو اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہو تو گویا یہ قابل انتفاع نہیں، اس کا انتفاع بالکلیہ ختم ہو گیا ہے، اس صورت میں فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا وقف قائم کرلیا جائے۔

جو مساجد تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کر دیا ہے تو حکومت کی طرف سے یہ ممانعت کرنا جائز نہیں ہے۔

"ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعی في خرابها الخ" (سورۂ بقرہ/ ۱۱۴)۔

اور حکومت کو اس طرح منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قبرستان کی باؤنڈری عند الشرع مطلوب نہیں ہے اور صرف باؤنڈری کرانے کے لئے مقاصد وقف کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

البتہ قبرستان پر غاصبانہ قبضہ ہو رہا ہو یا بیجا تصرف ہو رہا ہو یا خطرہ لاحق ہو تو ان امور

سے حفاظت کے لئے باؤنڈری دینا ہوتو دوکان بنائی جائے، جبکہ کوئی نئی قبر ان دوکانوں میں نہ آئے اور اس کی آمدنی قبرستان کے مقاصد میں خرچ کیا جائے۔

حکومت وقت کو زندوں سے زیادہ مردوں کی حفاظت کی فکر ہے، اس لئے مرکزی حکومت نے تمام قبرستانوں کی باؤنڈری کا قانون وضع کیا ہے، اس لئے اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس اسکیم سے باؤنڈری کرالی جائے، ان ممنوعات کے ارتکاب کی چنداں کوشش نہ کی جائے۔

قبرستان میں مسجد ہو، اس کی توسیع کی جارہی ہو، اور اس کی توسیع میں پرانی قبریں آجائیں وہ پرانی قبریں کہ جس کی میت مٹی ہوچکی ہوتو اس طرح کی توسیع جائز ہے۔

''قال الزيلعي: لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه'' (ردالمحتار ۱/ ۶۵۹، بحرالرائق ۲/ ۱۹۵، نظام الفتاوی ۱/ ۱۶۱، احسن الفتاوی ۶/ ۴۰۹)۔

جو اوقاف ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر وقف کی ہیں اور وہ ہندو وقف بورڈ کی نگرانی میں ہیں، وہ مساجد و مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست و جائز ہے۔

''(غير مامون) قال في الاسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثى، كذا الأعمى والبصير، وكذا المحدود في قذف إذا تاب؛ لأنه أمين وقالوا: من طلب التولية على الوقف لا يعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد الخ والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة وإن الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ينعزل كالقاضي إذا فسق لا ينعزل على الصحيح المفتى به.... ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه لما في الإسعاف'' (ردالمحتار ۴/ ۴۲۲)۔

استبدال وقف کے شرائط واحکام

مولانا محمد ارشاد القاسمی ☆

الف، ب۔ خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ جو اوقاف ویران اور معطل ہو چکے ہوں، وہاں سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہو چکی ہو، اوقاف سے نفع اور انتفاع کی کوئی صورت باقی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو کیا کیا جائے۔ یونہی معطل بیکار چھوڑ دیا جائے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ اوقاف غیروں کی ملکیت اور استعمال میں آ جائے گا، یا اس کے بدل و استبدال کی شرعی گنجائش ہوگی۔

جی ہاں ایسے اوقاف کا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، اگر اسکے بقا اور انتفاع کی کوئی شکل نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے دوسرا متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔ قریب قریب تمام فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ حصکفی ''درمختار'' میں لکھتے ہیں:

''وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض'' (۳۵۴/۴)۔

''اسعاف'' اور ''قاضی خاں'' کے حوالہ سے ہے:

''رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو الشجاع، تصرف غلته إلى الرباط الثاني'' (ص۳۵۹)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ہے:

''حوض وبئر ورباط ودابة وسيف...فقد ذكر التتارخانية وغيرها

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ ترجمہ والی مسجد بھوپال۔

جواز نقلها" (صفحہ ۳۶۰)۔

اسی طرح ابن ہمام کی "فتح القدیر" میں بھی جائز لکھا ہے:

"إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال ويجد القيم بثمنها أخرى مما أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا" (صفحہ ۲۲۱)۔

اسی طرح ابن ہمام نے "ظہیریہ" کے حوالہ سے لکھا ہے:

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذرت استغلالها هل للمتولي بيعها ويشتري بثمنها أخرى قال نعم"۔

اسی طرح ابن ہمام نے ہشام کے واسطے سے امام محمد کی روایت نقل کی ہے:

"وروى ابن هشام عن محمد أنه قال: إذا صار الوقف بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره" (صفحہ ۲۳۷)۔

اور جن لوگوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ واقف یا اس کے وارث کی جانب لوٹ آئے گا، اس قول کی تردید اور اسے غیر مفتی بہ قرار دیتے ہیں:

"وعلى هذا لا يفتى على قوله برجوعه إلى ملك الواقف وورثته بمجرد تعطله وخرابه" (صفحہ ۲۳۷) "وهكذا في الشامي" (۳۷۹/۴)۔

لہذا نہ واقف، نہ واقف کے وارثوں کی جانب لوٹایا جائے گا، بلکہ اس کا متبادل وقف قائم کیا جائے گا۔

اسی طرح قاضی خان کے حوالے سے ابن ہمام لکھتے ہیں:

"وقف على مسكين خرب ولاينتفع به ولايستاجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه" (صفحہ ۲۳۷)۔

اسی طرح ابن نجیم کی "بحر الرائق" میں ہے:

"الوقف إذا صار بحيث لاينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه

ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی" (۵/ ۲۲۳-۲۳۷)۔

اسی طرح "منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق" میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

"سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانها آخری قال: نعم" (۵/ ۲۲۳، ۵/ ۲۳۷)۔

قاضی کی طرح متولی بھی معطل اوقاف کو فروخت کر کے اس کے بدلے دوسرے اوقاف کو خرید سکتا ہے۔ ابن نجیم نے بحر الرائق میں شمس الائمہ حلوانی کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانا آخر قال نعم" (۵/ ۲۲۳)۔

اسی طرح "مجمع الانہر" میں ہے:

"حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه فللقاضی أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر" (۱/ ۷۴۹)۔

اسی طرح "ہندیہ" میں ہے:

"وقف صحیح علی أقوام مسمین خرب ولا ینتفع به وهو بعید من القریة لا یرغب أحد فی عمارته ولا یستأجر أصله یبطل الوقف ویجوز بیعه" (صفحہ ۴۸۰)۔

اسی طرح "قاضی خاں" میں ہے:

"فإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أرضا أخری هی أنفع للفقراء وأكثر ریعا كان له أن یبیع هذه الأرض ویشتری بثمنها أرضا أخری" (۳/ ۳۰۰ برحاشیہ ہندیہ)۔

حاصل کلام:

فقہاء کی ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ اوقاف جو معطل اور ویران ہو جائے اس

کا متبادل وقف اسے فروخت کر کے قائم کیا جا سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فروخت کر کے اسی جیسا وقف اختیار کیا جائے گا، اگر مسجد پر وقف تھا تو اس رقم سے خرید کر زمین یا مکان وغیرہ مسجد پر وقف کر دیا جائے گا، اگر سرائے خانہ یا حوض تھا تو اسی طرح سرائے خانہ یا حوض بنوادیا جائے گا، اور قریبی مسجد پر اس کی آمدنی استعمال ہوگی۔ کذا فی الشامی۔

"وفی شرح المنتقی یصرف وقفها لأ قرب مجانس لها" (صفحہ ۳۵۹) یعنی دونوں کی جہت ایک ہوگی۔

معطل ویران اوقاف کو لقطہ میں داخل کرنا:

فقہاء کے کلام میں اس کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ایسے اوقاف کو لقطہ میں داخل کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن نجیم کی "البحر الرائق" میں ہے:

"حوض محلة خرب وصار بحال لا یمکن عمارته فهو للواقف ولورثته، فإن کان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة، وزاد فی فتاوی الخلاصة: إذا کان کاللقطة یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر ثم ینتفع بثمنه" (۵/۲۲۴)۔

ابن ہمام "ہدایہ" کی شرح "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

"حوض محلة خرب وصار بحیث لا تمکن عمارته، فهو للواقف ولورثته، فإن کان واقفه وورثته لا تعرف فهو لقطة، کذا فی الخلاصة، إذا کان کاللقطة یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر فینتفع بثمنه" (ص۲۲۱)۔

خیال رہے کہ وقف کا ملک واقف کی جانب لوٹنا قول غیر مفتی بہ ہے:

"وقال صدر الشهید۔۔۔ لأن الوقف بعد ما خرج إلی الله تعالی لا یعود إلی ملک الواقف" (فتح/۲۲۱)۔

اسی طرح علامہ شامی نے "رجوع الی الوارث" کوضعیف اور نا قابل فتوی قرار

دیا ہے:

''وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه'' (۳۷۹/۴)۔

لقطہ اور اس کا مصرف:

ماقبل سے یہ معلوم ہوا کہ اوقاف معطلہ اور ویران کو فقہاء کرام کے ایک قول میں لقطہ مانا گیا ہے۔ اور لقطہ کا مصرف جہاں یہ ہے کہ فقراء پر تصدق ہو، وہاں علامہ ''حصکفی'' نے لقطہ کا مصرف بیت المال بھی بتایا ہے، یعنی لقطہ کا مال جس کا مالک نہ مل رہا ہو اسے بیت المال میں داخل کردیا جائے۔ اور بیت المال کا مصرف عام نوائب المسلمین ہے جس میں رفاہی کام بھی داخل ہے۔

''كذا في الدر المختار: فهو مصرف جزية وخراج ومصرف زكوة وعشر مر في الزكاة ومصرف خمس وركاز مر في البر وبقي رابع وهو لقطة، وتركة بلا وارث'' (۲۱۹/۴)۔

الانتباہ: خیال رہے کہ ویران ومعطل اور ناقابل انتفاع واستغلال اوقاف کے استبدال کی اجازت مطلقاً کھلے عام ہر ایک کو ہر وقت اجازت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے فقہاء نے شرطیں ذکر کی ہیں جو متعدد مقام پر موضوع کے ذیل میں مذکور ہیں، جن میں لابدی شرطیں یہ ہیں:

۱۔غبن فاحش کے ساتھ انتہائی کم قیمت میں فروخت نہ کیا جارہا ہو۔

۲۔اس کے بدلہ زمین ہی خریدی جائے، روپیہ پیسہ کی شکل میں یا غیر منقولہ شکل میں اسے نہ منتقل کیا جائے، کہ یہ قریب الہلاکت ہوتے ہیں اور جو ابقاء وقف اور انفع للوقف کے خلاف ہے۔

۳۔ایسا متولی یا قاضی فروخت کرسکتا ہے جو نہایت صالح اور امانت دار ہو، جسکی تشریح

فقہاء قاضی الجنۃ سے کرتے ہیں۔

علامہ زحیلی نے بھی ان شرطوں کو ذکر کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۸/ ۲۴۲)۔

لہذا ان اوقاف کا استبدال نہایت احتیاط سے شروط مذکورہ کی رعایت کرتے ہوئے کیا جائے گا۔

مساجد اور دوسرے اوقاف میں فرق:

مفتی بہ اور محقق قول کے اعتبار سے مسجد کو منتقل یا فروخت یا اس کا متبادل دوسری مسجد میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔

''درمختار'' میں ہے:

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى''۔

علامہ شامی اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لوخرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه فلايعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر''۔

حتی کہ لوگ نماز چھوڑ چکے ہوں۔آبادی ختم ہونے کی وجہ سے یا اور کسی غلط اقدام، مثلاً دوسروں کا غاصبانہ قبضہ ہوجانے کی وجہ سے، تب بھی اس کی مسجدیت باقی رہے گی۔

چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: ''سواء كانوا يصلون فيه أولا'' اور اسی پر فتوی بھی ہے۔ ''وهو الفتوى، وأكثر المشائخ عليه وهو الأوجه'' (۴/ ۳۵۸)۔

نہ مسجد کی مسجدیت منتقل ہوسکتی ہے نہ مسجد کی تعمیر۔چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''أنه لا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر كما مر عن الحاوي'' (۴/ ۳۵۹)۔

شیخ سراج الدین نے بھی یہی فتوی دیا ہے۔

اسی طرح ''بزازیہ'' میں ہے: "خربت القرية والمسجد ولا يصلي فيه أحد عند الثاني هو مسجد أبداً؛ لأن كونه مسجدا لايتوقف في الابتداء على الصلوة عنده فكذا في البقاء'' (۶/۲۷۰)۔

اسی طرح ''ہندیہ'' میں ہے: "والفتوى على قول أبي يوسفؒ أنه لا يعود إلى ملك مالك أبدا، كذا في المضمرات" (۲/۴۵۸) "وإذا خرب المسجد واستغنى أهله وصار بحيث لا يصلى فيه ..قيل هو مسجد أبدا وهو الأصح كذا في خزانة" (۲/۴۵۸)۔

اسی طرح ''فتح القدیر'' میں ہے: "يبقى مسجداً على حاله عند أبي يوسف وهو قول أبي حنيفة ومالك والشافعي"۔

فقہاء کرام کی ان تمام عبارتوں سے یہ بات بالکل منقح اور واضح ہوگئی کہ دیگر اوقاف اور مساجد میں فرق ہے۔ جب ایک مرتبہ مسجد مسجد بن جائے گی، شرعی مسجد ہوجائے گی تو پھر اب خواہ مدتوں ویران ومعطل ہوجائے یا نماز متروک ہوجائے، در ودیوار منہدم ہوجائے، اسکی مسجدیت باقی رہے گی، مفتی بہ قول کے اعتبار سے مسجد ہی رہے گی حتی کہ کفر وشرک کا غلبہ ہوجائے، اس میں بت رکھ دیئے جائیں، نماز، ذکر، عبادت الٰہی متروک ہوجائے، شرعی مسجد کی حیثیت باقی رہے گی۔ کیا کعبہ پر ایک طویل زمانے تک مشرکین کا قبضہ نہیں رہا، بت نہیں رکھے گئے، پھر بھی مسجد رہی کہ جب اسلام کا اقتدار ہوا بت ہٹا کر اس کی مسجدیت باقی رکھی گئی۔

''كذا في فتح القدير: واستدل أبو يوسف وجمهور العلماء بالكعبة، فإن الإجماع على عدم خروج موضعها عن المسجدية والقربة'' (۶/۲۳۷)۔

الف۔ وقف کی ایک نوع کو دوسری نوع پر صرف کرنا درست نہیں۔ ہاں البتہ واقف ایک ہو، جہت ایک ہو تو فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے۔

''كذا في مجمع الأنهر: إذا اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض

الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر إليه وإن اختلف أحدهما فلا" (۱/۴۷۹)۔

اسی طرح "ہندیہ" میں ہے: کہ مسجد کی فاضل آمدنی کو فقراء کو نہیں دیا جاسکتا: "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل: لا يصرف وإنه صحيح" (۲/۴۶۳)۔

ابن نجیم کی "بحر الرائق" میں ہے: "لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر، أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة أحدهما لا يبدل شرط الواقف، وكذا اختلف الواقف لا الجهة يتبع شرط الواقف" (۵/۲۳۴)۔

ہاں البتہ فاضل آمدنی کو مدرسہ پر یا دینی تعلیمی امور میں اس وقت صرف کیا جاسکتا ہے جب کہ فاضل آمدنی تعمیر اور ضروری اخراجات اور اسی طرح مزید مسجد کو آمدنی کے ذرائع کی ضرورت نہ ہو، اور زائد آمدنی سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ضرورت سے زائد فاضل آمدنی کو مدارس پر اور دینی تعلیم پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس وقت ہے، جبکہ واقف نے کچھ شرط نہ لگائی ہو، اگر شرط لگا دی اور مصرف بیان کر دیا ہو تو دوسری جگہ اس کو صرف کرنا درست نہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"فإن انتهت عمارته وفضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب للعمارة وهو عمارته المعنوية التى هى قيام شعائره قال فى الحاوى القدسى والذى يبدأ به من ارتفاع الوقف اى من غلة عمارته شرط الواقف أم لا ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم ...هذا إذا لم يكن معينا" (۴/۳۶۷)۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فاضل اوقاف کے مصارف کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فيقدم أولاً العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر

بقدر ما يقوم به الحال فإن فضل شئ يعطى بقيته المستحقين إذ لاشک أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته لامجرد انتفاع أهل الوقف...هذا إذا لم يكن معينا"

پھر مزید لکھتے ہیں کہ فاضل آمدنی کو دین اور شعائر دین میں کہاں خرچ کیا جا سکتا ہے:

"يعني أن الصرف إلى ما هو أقرب إلى العمارة کالإمام ونحوه إنما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين کالمسجد والمدرسة، أما لو کان معينا کالدار الموقوفة على الذرية أو الفقراء، فإنه بعد العمارة يصرف الريع إلى ما عينه الواقف بلا تقديم لأحد على أحد" (۳۶۸/۴)۔

اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اوقاف مساجد کی آمدنی جو ضرورت تعمیر و استغلال سے فارغ ہو مدارس پر جو مصالح اور شعائر میں داخل ہے، صرف کیا جا سکتا ہے۔

ابن نجیم "بحر الرائق" میں لکھتے ہیں: "ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم قدر کفايتهم"۔

ظاہر ہے کہ مساجد کا احیاء تعلیم اور مدارس سے ہے، اسی وجہ سے مدارس اور علم دین کی اشاعت کو مصالح میں شامل کیا گیا ہے۔ حاشیہ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں: "إنما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد بإقامة شعائرها" (صفحہ ۲۳۱)۔

پھر حاوی قدسی کی عبارت "کذلک إلى آخر المصالح" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أي مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر، لأنا قدمنا إنهم من المصالح، وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام؛ لأنه إمام الجامع فتحصل به أن الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقاً بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر" (ص ۲۳۲)۔

اس عبارت سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اوقاف مسجد کی فاضل آمدنی کو

مدارس اور مدرس پر لگایا جاسکتا ہے۔ابن نجیم نے تو بحر الرائق میں لکھا ہے کہ کسی واقف نے دو وقف میں سے ایک مسجد کے صرفہ کے لئے اور ایک امام وموذن کے لئے وقف کردیا ہے، اور ادھر امام ومؤذن کی تنخواہ کم پڑتی ہے تو گنجائش ہے کہ وقف مسجد میں سے فاضل آمدنی کو امام وموذن پر جو مصالح مسجد میں داخل ہے خرچ کرسکتا ہے۔ اور اسی مصالح مسجد میں مسجد کا مدرسہ بھی داخل ہے۔خیال رہے کہ عام مدرسہ نہیں، بلکہ اسی مسجد کا مدرسہ اس فاضل آمدنی کا اولین مصرف ہوگا۔

علماء اکابر کے فتوی سے تائید:

''فتاوی محمودیہ'' میں مفتی محمود صاحب نوراللہ مرقدہ نے بھی اس امر کی اجازت دی ہے کہ فاضل آمدنی کو مدارس میں لگایا جاسکتا ہے۔چنانچہ سوال میں ہے:

ایک کثیر الاوقاف جامع مسجد ہو اور واقف سے کچھ شرائط منقول نہ ہوں، آمد مصارف سے بہت زیادہ ہو اور شکست وریخت مسجد کے لئے روپیہ جمع وموجود ہو، اور زیادہ روپے جمع رہتے ہیں تو کیا ان اوقاف مسجد کی زائد آمدنی کو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام اور تدریس علوم شرعیہ پر صرف کرسکتے ہیں؟

الجواب: حامدا ومصلیا! صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ ہے، صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہوسکے، اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپیہ سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں۔اگر اس میں دشواری ہو اور روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے۔تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو۔کیونکہ آبادی مسجد کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے (فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۹)۔

ب۔مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی امور پر صرف کرنے کی اجازت نہیں:

''كذا في الهندية: الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء

قيل لايصرف و إنه صحيح" (۴۶۳/۴)۔

اولاً مسجد کی آمدنی مساجد کے مصالح میں خرچ کی جائے گی اور مسجد کے مصالح میں رفاہی امور نہیں ہیں۔ البتہ مسجد میں مدرسہ ہو اور فاضل آمدنی تعمیر اور استغلال سے بھی زائد ہو اور جمع رکھنے کی بھی ضرورت نہ ہو تو تعلیم وتدریس جو مصالح میں داخل ہے حسب ضرورت خرچ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل "الف" کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

الف۔ اسی نوع کے اوقاف میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے، كذا في الشامي:

"جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه؛ لأنهما حينئذ كشئ واحد"۔

اسی طرح شامی نے "بحر" کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

"مسجد له أوقاف مختلفة لا بأس للقيم أن يخلط غلتها كلها وإن خرب حانوت منها فلا بأس بعمارته من غلة حانوت آخر؛ لأن الكل للمسجد۔ هكذا في عبارة البحر" (۳۳۴/۵)۔

ب۔ نہیں کرسکتے ۔

"كذا في الشامية إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر" (صفحہ ۳۶۱)۔

ضرورت کی وجہ سے کہ آمدنی کم ہے صرفہ پورا نہیں ہوتا، یا وقف کا نقصان ہورہا ہے تو اس سے بہتر شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس وقف کو فروخت کرکے دوسرا حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ابن نجیم "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"ونقل عن شمس الائمة الحلواني أنه يجوز للقاضي والمتولي أن يبيعه ويشتري مكانه آخر وإن لم ينقطع، ولكن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه

للمسجد لا یباع"۔

اسی طرح امام محمد سے بھی یہ منقول ہے کہ آمدنی کم ہوجائے، زمین یا وقف مکان کمزور یا پرانا ہوکر نا قابل رغبت ہوجائے تو ایسی صورت میں اسے فروخت کرکے اس کے بدلہ اس سے بہتر صورت اختیار کی جاسکتی ہے، تاکہ زیادہ نفع حاصل کیا جاسکے۔ ابن نجیم کی "البحر الرائق" میں ہے:

"وقد روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری هی أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا" (۲۲۳/۵)۔

اسی طرح ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے:

"إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال ویجد القیم بثمنها أخری هی أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ماهو أکثر ریعا" (۲۲۱/۶)۔

یہی عبارت فتاوی قاضی خان میں بھی ہے۔ علامہ شامی نے بھی جواز اور گنجائش کا قول نقل کیا ہے، اس مسئلہ پر مفصل کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اعلم أن الاستبدال علی ثلثة وجوه: الأول أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل: اتفاقا، والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه، والثالث أن لایشرطه أیضا، ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا ونفعا، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح" (ص ۳۸۴)۔

خلاصہ: خلاصہ یہ نکلا کہ قلت آمدنی کی وجہ سے صرفہ نہ نکل رہا ہو، ضرورتیں پوری نہ ہوتی ہوں تو فروخت بإحسن جائز ہوگا۔ محض زیادتی نفع کے لئے گنجائش نہیں، جیسا کہ الثانی اور الثالث کی عبارت سے واضح ہورہا ہے۔

علامہ شامی نے ''حاشیہ منحۃ الخالق'' میں اس کی اجازت دی ہے: ''إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستبدال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا'' (۲۳۷/۵)۔

خیال رہے کہ اس قسم کے استبدال کی اجازت کم ازکم دو لابدی شرطوں کے ساتھ ہوگی (۱) روپیہ یا جائداد منقولہ کی شکل نہ ہوگی بلکہ عقار اس کا متبادل وقف حاصل کیا جائے گا۔(۲) ہر ایک کو اجازت نہ ہوگی بلکہ صالح دیانتدار متولی کو اجازت مل سکتی ہے۔

علامہ عبدالحی فرنگی محل نے بھی زائد انتفاع کی بنیاد پر (جب کہ اخراجات پورے نہ ہورہے ہوں) اس سے بہتر شکل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ ''مجموعۃ الفتاوی'' میں ہے:

الجواب: قاضی اگر مصلحتے در استبدال وقف داند مختار است، کرد... وور اشباہ می آرد....

''الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا، فيجوز على قول أبي يوسف وعليه الفتوى''۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت اور منافع کی وجہ سے قاضی اور متولی فروخت کرکے انفع صورت اختیار کرسکتا ہے (قدیم مجموعۃ الفتاوی ۸۹/۳)۔

خلاصہ: انفع للوقف کے مدنظر کہ ضرورتیں اور اخراجات پورے نہیں ہوتے تو استبدال کی شرطوں کے ساتھ استبدال کی اجازت ہے۔

خیال رہے کہ اس سوال میں دو جز ہیں:

(۱) اگر کوئی جاگیر یا اوقاف کسی خاص خاندان کے لئے وقف کیا گیا تھا اور خاندان ختم ہوگیا۔ تو اب اس وقف کا کیا ہوگا؟

(۲) مسجد ومدرسہ کے لئے وقف تھا وہ مسجد یا مدرسہ ختم ہوگیا۔ تو اب ان اوقاف کا کیا حکم ہوگا؟ دونوں کے جوابات الگ ہیں:

پہلے جز کا جواب یہ ہے کہ کسی خاص خاندان کے اوقاف جب کہ وہ خاندان ختم

ہوجائے عام فقراء کی جانب منتقل ہوجائیں گے۔اور اس کی آمدنی اس علاقے کے فقراء میں تقسیم کردیا جائے گا۔

ابن ہمام کی ''فتح القدیر'' میں ہے: "مالو وقف داره علی سكنی قوم بأعيانهم أو ولده و نسله ما تناسلوا، فإذا انقرضوا كانت غلتها للمساكين'' (۲۱۲/۶)۔

اسی طرح ''ہندیہ'' میں ہے: ''وكذا لو قال: علی ولدی وعلی من يحدث لی من الولد، فإذا انقرضوا فعلی المساكين...وإن لم يبق له ولد صرفت الغلة إلی الفقراء'' (۳۷۱/۲)۔

''رجل قال أرضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی كانت الغلة لولد صلبه يستوی فيه الذكر والأنثی وإذا جاز هذا الوقف فما دام يوجد واحد من ولد الصلب كانت الغلة له لا غير، فإذا لم يبق واحد من البطن الأول تصرف الغلة إلی الفقراء"۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان کے ختم اور انقطاع کے بعد فقراء اس کے مصرف ہوں گے۔

دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ اگر مسجد یا مدرسہ پر وقف کیا گیا تھا تو اس کے انقطاع کے بعد قریبی مسجد و مدرسہ میں اس کے اوقاف کو منتقل کردیا جائے گا۔

''كذا فی الهندية رباط يستغنی عنه وله غلة فإن كان بقربه رباط صرفت الغلة إلی ذلک الرباط، وإن لم يكن بقربه رباط يرجع إلی ورثة الذی بنی الرباط"(۴۲۸/۲)۔

اسی طرح مسجد کے لئے حکم ہے کہ اس کے اوقاف کو قریبی مسجد کی جانب **لوٹا** دیا جائے گا۔ کذا فی مجمع الانہر:

''حوض أو مسجد خرب أو تفرق الناس عنه فللقاضی أن يصرف

أو قافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر'' (۷۴۹/۱)۔

اسی طرح ''شامی'' میں ہے:

''یصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (۳۵۹/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد یا مدرسہ کے اوقاف کو عدم ضرورت کی بنیاد پر قریبی اوقاف میں منتقل کردیا جائے گا۔

الف۔ اگر عمارت مخدوش حالت میں ہے تو اس کی ایک یا دو منزل کسی کی ملکیت میں دے کر اس سے تعمیر کا صرفہ لے کر تعمیر درست نہیں ہے۔ بلکہ کسی کرایہ دار سے پیشگی رقم لے کر اس کی تعمیر کرائی جائے چونکہ لوگ مکان و دوکان کے شدید محتاج ہونے کی بنیاد پر پیشگی رقم ادا کر کے اجارہ قبول کر لیتے ہیں، باقی خالی زمین ہوتو اسے عدم انتفاع کی شکل میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ اور بلڈر سے کسی منزل کو دے کر بھی معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''فإن الأرض إذا ضعفت لایرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها، أما الدار فیرغب في استئجارها مدة طویلة لأجل تعمیرها للسکنی''(ص/۳۸۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے نا قابل انتفاع کی شکل میں اس کے استبدال اور فروخت پر اختلاف ہے۔ اور علامہ شامی کی رائے اس کے استبدال کی جانب ہے۔ اور صاحب منتقی کے بھی اطلاق سے زمین کا داخل جواز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ مکان کے مخدوش کا نہیں بلکہ اس کا حل کرایہ دار سے پیشگی رقم دے کر نکل سکتا ہے۔

''کذا في الشامي: محل الاستبدال إنما هو الأرض لا البیت... واعترضه الرملي، بأن کلام المنتقی المذکور شامل للأرض والبیت فالفرق بینهما غیر صحیح'' (۳۷۹/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمارت مکان اور زمین دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ علامہ شامی کی آخری رائے منحۃ الخالق میں بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح ہندیہ میں ہے: "إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك" (۴/۴۱۷)۔

اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ب۔ حاصل اس سوال کا یہ ہے کہ مخدوش شدہ کی تعمیر جدید کے لئے کوئی رقم نہ ہوتو نئی تعمیر یا اصلاح اور ضروری مرمت کے لئے وقف کو بچانے کے لئے اس کا کوئی جز فروخت کردیا جائے اور اس کی رقم سے تعمیر واصلاح کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

خیال رہے کہ فقہاء کرام نے تعمیر اور مخدوش کی اصلاح اور ٹوٹ پھوٹ کی درستگی کے لئے ہر ممکن صورت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، تا کہ وقف کی بقا رہے، اس کے لئے اولاً یہ صورت ہے کہ اسے کچھ یوم کے لئے کرایہ پر لگادیا جائے اور حاصل شدہ رقم سے اصلاح ودرستگی کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر قرض حاصل کر کے درست کیا جائے۔ اگر یہ دونوں شکل ممکن نہ ہو اور عمارت حد درجہ مخدوش وناقابل استعمال ہوگئی ہو اور کہیں سے کوئی رقم نہیں مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کے کسی جز کو فروخت کر کے اس کی تعمیر واصلاح جو حد درجہ ضروری ہو کی جاسکتی ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کل مخدوش ناقابل استعمال واستغلال کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری جائداد اختیار کی جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے تعمیر کی جائے تا کہ وقف باقی رہے۔

خیال رہے کہ اس مقام پر بعض فقہاء کی عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کسی حصہ کو فروخت کر کے کل کی تعمیر جائز نہیں، مگر غالباً یہ قول اس صورت میں ہے جب کہ فروخت کے علاوہ کوئی ممکنہ صورت ہو۔ چونکہ فقہاء کی دوسری عبارت میں اس کا جواز منقول ہے۔

ا۔ کل کے فروخت کی اجازت یعنی استبدال:

"ولو لم يجد القاضي من يستاجرها لم أره وخطر لي أنه يخيره بين أن

يعمرها أو يردها لورثة الواقف ...وفي فتاوى قارى الهداية ما يفيد استبداله أو رد ثمنه للورثة أو للفقراء"۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "**والحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم يوجد مستاجر باعها القاضي واشترى بثمنها ما يكون وقفا**" (۳۷۹/۴)۔

بعض مشائخ کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ استبدال کا اختیار زمین میں تو ہے مگر دار اور بیت میں نہیں چونکہ مکان اور دکان کی عموماً لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے تعمیر کے لئے پیشگی رقم لگا کر یا دے کر مکان اور دوکان کو لوگ حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن علامہ رملی منتقی کی عبارت کے اطلاق سے ہر ایک کے استبدال کی اجازت دیتے ہیں اور فرق کو جو زمین اور دار و بیت ودکان کے درمیان قرار دیا گیا ہے رد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی اسے نقل کرتے ہیں:

''**واعترضه الرملي، بأن كلام المنتقى المذكور شامل للأرض والبيت فالفرق بينهما غير صحيح**'' (۳۷۹/۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ استبدال کا حق جس طرح زمین میں ہے اسی طرح کرایہ دار اور مکان جو قابل اجارہ و انتفاع ہو اس میں بھی ہوگا۔ اسی طرح ''منحۃ الخالق حاشیہ البحر الرائق'' میں ہے:

''**فالحاصل أن الفرق بين الأرض والدار غير صحيح**'' (۲۳۷/۵)۔

خیال رہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ پیشگی رقم دے کر کوئی اسے حاصل کرنے کو تیار نہ ہو ورنہ تو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ کہ ''**مهما أمكن ابقاء وقف**'' کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن نجیم کی عبارت سے واضح ہے:

''**وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث ما أمكن إعادته**'' (۲۳۷/۵)۔

اسی طرح ''بزازیہ'' کی عبارت سے بھی جواز مستنبط ہوتا ہے:

''وعن الحلواني يجوز أن يباع ويشترى بثمنه آخر ويجوز للحاكم والمتولي'' (۲۷۱/۶ علی ھامش الہندیہ)۔

اسی طرح صاحب ''ہدایہ'' نے بھی استبدال کی اجازت دی ہے:

''وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل'' (فتح القدیر)۔

اسی عبارت سے علامہ زحیلی نے بھی استبدال کا جواز ثابت کیا ہے (الفقہ الاسلامی ۲۲۲/۸)۔

۲۔اسی طرح جز بیچ کر اس کی رقم مرمت میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔''جامع الوجیز'' میں ہے:

''وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز'' (علی ھامش الہندیہ ۲۷۱/۶)۔

''جامع الوجیز'' کی اس عبارت سے اس بات کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مخدوش یا خراب نا قابل اجارہ واستغلال عمارت کے کسی حصہ کا فروخت کردینا، تا کہ باقی کی مرمت واصلاح ہوکر ابقاء استغلال وانتفاع کی شکل پیدا ہوجائے تو یہ کیا جاسکتا ہے۔علامہ شامی ''منحۃ الخالق حاشیہ البحر الرائق'' میں بھی لکھتے ہیں:

''قال في البزازية بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وإن بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز'' (حاشیہ بحر الرائق ۲۳۷/۵)۔

اس سے معلوم ہوا کہ شدید ضرورت کی صورت میں جب کہ مخدوش وقابل اصلاح وقف میں بغیر کسی حصہ کے فروخت کے تعمیر کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو اس کے کسی حصہ کو فروخت کر کے باقی کی تعمیر کی جاسکتی ہے تا کہ وقف کے باقی اور قابل انتفاع ہونے کی شکل پیدا ہوجائے۔

"لأن الصرف إلى العمارة ضرورة إبقاء الوقف" (فتح القدیر ۶/۲۲۲)۔

ایک اشکال اور اس کا دفاع:

صاحب "ہدایہ" نے جو مرمت اور اصلاح کے لئے فروخت کی اجازت دی ہے:

"وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة" (فتح القدیر/ ۲۲۴)،

اس پر ابن نجیم صاحب "البحر" نے لکھا ہے: "وظاهره أنه لايجوز"۔ جس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ صاحب ہدایہ کا فروخت کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب "ہدایہ" نے جو فروخت برائے تعمیر کی اجازت دی ہے یہ اس وقت صحیح نہیں ہے جب کہ بلا فروخت کئے اس کی تعمیر اور ابقاء کی شکل ہو۔ چنانچہ اسی وجہ سے صاحب "البحر الرائق" نے "وظاهره أنه لا يجوز" کو "حيث أمكن إعادته" کی قید سے مقید کیا ہے، جس کا واضح اور منقح مطلب یہ ہے کہ تعمیر واعادہ کی کوئی دیگر ممکن صورت نہ ہو تب اجازت ہے ورنہ نہیں۔

چنانچہ ابن ہمام "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

"وإن تعذرت إعادته بأن خرج عن الصلاحية لذلک لضعفه ونحوه باعه وصرف ثمنه في ذلک إقامة للبدل مقام المبدل"۔

اگر مطلقاً یا ممکنہ صورت کے نہ ہونے کے باوجود فروخت کرنا ناجائز ہوتا تو صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی وضاحت وتشریح کے بجائے رد دیدکرتے، اور کہتے "والأصح لا يجوز مطلقاً"، لیکن ایسا نہیں کہا۔ اس سے بقید ضرورت جائز ثابت ہوگیا۔ اسی طرح "ہندیہ" میں جو ہے:

"إذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضها ليرمّ الباقي بثمن ماباع ليس له ذلک" (۲/۴۱۷)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیر کی ضرورت ہوئی اس کا ایک حصہ فروخت کر کے تعمیر کرالیا۔ اجارہ یا استدانہ کے ذریعہ رقم حاصل نہ کر کے ایسا کرلیا تو اس کی ضرورت نہیں، چونکہ اس طرح تو

اوقاف ہی ختم ہو جائیں گے۔ یعنی بلاضرورت شدیدہ کی صورت میں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہو تو مجبوراً کل کی بقاء کے لئے تھوڑے جز کی قربانی کی جائے گی تاکہ وقف کا انتفاع و استغلال باقی رہے۔

مسجد کی وقف زمین پر مسجد اور مصالح مسجد کے علاوہ دیگر اشیاء کا بننا درست نہیں ہے۔ گو اس وقت ضرورت نہ ہوگی مگر بعد میں جیسا کہ تجربہ شاہد ہے ضرورت ہوگی۔ اوقاف میں آئندہ مستقبل کی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مسجد کے ملبے اور انقاض کی بیع کو روک دیا گیا ہے کہ بعد میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ہاں البتہ مسجد کی فاضل ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ کی تعمیر ہو سکتی ہے کہ مدرسہ مصالح مسجد میں داخل ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مدرسہ مسجد کو کرایہ ادا کرے۔ مسجد کے اوقاف پر مدرسہ کو مالکانہ اختیار نہ ہوگا۔

علامہ شامی کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے: "**الصرف هو إلى ما هو أقرب إلى العمارة كالإمام و نحوه انما هو فيما إذا لم يكن الوقف معينا على جماعة معلومين كالمسجد والمدرسة**......"، اسی طرح ایک اور عبارت سے معلوم ہوتا ہے: "**ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر بقدر ما يقوم به الحال**" (۳۶۸/۴)۔

چنانچہ "فتاوی رحیمیہ" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: احاطہ مسجد کی تمام جگہ مصالح مسجد پر وقف ہوتی ہے۔ اس جگہ مدرسہ کی عمارت بنانے کے لئے اجازت دینا درست نہیں ہے (رحیمیہ ۹۵/۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی وقف زمین پر مصالح مسجد کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بنائی جا سکتی، البتہ مصالح مسجد میں مدرسہ داخل ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، تو مدرسہ مسجد کی ملک رہ کر مصالح عامہ کے تحت بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم کی اس عبارت سے مستفاد ہے:

"**أي مصالح المسجد فيدخل المؤذن والناظر؛ لأنا قدمنا أنهم من**

المصالح ..وقدمنا أن الخطيب داخل تحت الإمام، لأنه إمام الجامع فتحصل به الشعائر التی تقدم فی الصرف مطلقا بعد العمارة الإمام والخطيب والمدرس والوقاد والفراش والمؤذن والناظر'' (البحرالرائق ۲۳۲/۵)۔

اسی طرح ''حاشیہ منحۃ الخالق'' میں ہے: ''إنما هو عدم النفع الحاصل من انتظام مصالح المساجد بإقامة شعائرها'' (البحرالرائق ۲۳۱/۵)۔

حضرت مفتی محمود صاحب کا بھی فتوی ہے کہ مسجد کی زمین پر مدرسہ (جو مسجد کے ملک میں ہوگا بنایا جاسکتا ہے) چنانچہ محمودیہ میں اسی قسم کے سوال ''مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے'' کا جواب یہ ہے:

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں۔ مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں۔ یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کردیا جایا کرے (فتاوی محمودیہ ۲۴۰/۱۸)۔

مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے:

''لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم فيها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن تملکها، فإذا درست واستغنی عن الدفن فيها جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين'' (عمدۃ القاری بحوالہ فتاوی محمودیہ ۴۸۷/۱)۔

مزید اس مسئلہ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طریق مثل مقبرہ کے عام ہے اور توسع کی وجہ سے طریق کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ تو مقبرہ سے بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ کذا فی قاضی خان۔

''قوم بنوا مسجدا واحتاجوا إلى مكان ليتسع المسجد فأخذوا من الطريق و أدخلوه في المسجد إن كان يضر ذلک بأصحاب الطريق، فلا يجوز و إلا فلا بأس'' (ہندیہ ۴/ ۴۹۳)۔

توجیہ جواز یہ ہے کہ طریق اور مسجد دونوں عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح قبرستان بھی عامۃ المسلمین کے لئے ہے۔ لہذا قبرستان کی وہ زمین جو تدفین مردہ سے زائد ہے یا قدیم قبریں ہیں تو ان پر ان کی جگہوں کو مسجد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ قبرستان بھی عام پر وقف ہے اور مسجد بھی عام لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے۔

فتاوی محمودیہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ قبرستان کی قبر پرانی ہوگئی ہو، ہڈیوں کے بوسیدہ ہوجانے کا گمان ہوگیا ہو، اور وہاں قبر کی ضرورت نہ ہو تو برائے مسجد اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور پرانی قبروں کی جگہ جب مسجد کی اجازت ہوگی تو توسیع مسجد کی بھی اجازت ہوجائے گی کہ اوقاف مسلمین عام ضرورتوں کے ہوتے ہیں اور مسجد اور قبرستان مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں ہے۔ ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

وہاں (قبرستان کی زمین میں جب کہ وسیع ہو) مسجد بنانا شرعاً درست ہے۔ بشرطیکہ دفن موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اور استدلال میں عمدۃ القاری شرح بخاری کا حوالہ پیش کیا ہے'' لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت الخ''(۱/ ۴۸۷)۔

اسی طرح ایک اور مقام پر توسیع مسجد میں قبرستان شامل کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تو بھی شامل کرنا جائز نہیں۔ اگر قبریں پرانی ہوچکی ہوں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اور مردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔ ''ولو بلي الميت صار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه قال ابن قاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين الخ'' (ص۴۸۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کی تدفین میں خلل اور پریشانی نہ ہو تو مسجد کی توسیع

درست ہے۔

پرانی اور نئی قبروں میں فرق:

نئی قبر ہو تو اس میں توسیع کی اجازت نہ ہوگی۔ چونکہ فقہاء کرام نے "صار ترابا" میں ہی اجازت دی ہے جیسا کہ ماقبل کی عبارت سے ظاہر ہے۔

تولیت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ لہذا ہندو راجاؤں نے یا جاگیر داروں نے جو اراضی وقف کی ہیں ان کے نگراں اور متولی وہ یا اس کے وارثین یا غیر مسلم ادارے کی تولیت ہو درست ہے۔

علامہ شامی کی "ردالمحتار" میں ہے: **"ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه لما فی الإسعاف"** (۳۸۱/۴)، "فتاوی ہندیہ" میں ہے: **"ولا تشترط الحریة والإسلام للصحة"** (۴۰۸/۲)۔

اسی طرح ابن نجیم البحر الرائق شرح کنز الدقائق" میں تولیت کے لئے اسلام اور حریت کی شرط نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **"ولا تشترط الحریة والإسلام للصحة"** (ص ۲۴۵)، البتہ بلوغ اور عقل شرط ہے۔ **"ویشترط للصحة بلوغه وعقله"** (ص ۲۴۴)، البتہ "امداد الفتاوی" میں اسلام کو تولیت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

اکابر کے فتاوی سے اس کی تائید:

مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی (ضرورت کی بنا پر جب کہ مسلمان سے ضیاع کا خوف ہو) غیر مسلم کا متولی ہونا درست قرار دیا ہے (دیکھئے: سوال نمبر ۵۶۳-۳۰۲/۱۵)۔

غیر آباد مساجد سے متعلق احکام

مولانا محمد مصطفی قاسمی آ واپوری ☆

اوقاف کے سلسلہ میں حضرات فقہاء کے کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند شرائط انہیں فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، اب وہ شرائط کیا ہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ نے ''الاشباہ والنظائر'' میں اور علامہ شامی نے ''رد المحتار'' میں شرح وسط سے کلام کیا ہے جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اگر واقف نے وقف کے دوران ہی اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط رکھی ہو تو صحیح قول کے مطابق بلاشبہ استبدال جائز ہے۔

''واعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أولغيره أولنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقا'' (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴، وہکذا فی الفتاوی العالمگیریہ ۲/ ۳۹۹)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی تو شرط نہ لگائی ہو، لیکن وہ وقف بالکل ویران ہوکر رہ گیا ہو اور اس سے منتفع ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی اصح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔

''والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته، فهو أيضا جائز

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ دربھنگہ۔

علی الصحیح إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نہ واقف نے استبدال کی کوئی شرط لگائی اور نہ ہی وقف ویران ہوا ہے، بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے تو اس صورت میں اصح اور مختار قول یہ ہے کہ استبدال جائز نہیں ہے۔

"**والثالث أن لا یشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا ونفعا وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار کذا حرره العلامة قنالی زاده فی رسالته الموضوعة فی الاستبدال وأطنب فیها علیه الاستبدال وهو مأخوذ من الفتح، الخ**" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ واقف کے بعد اراضی موقوفہ کو کسی غاصب نے قبضہ کر کے ایسا تصرف کر دیا کہ وہ اراضی ناقابل کاشت ہوگئی، یا غاصب نے اس کے وقف میں ہونے کا انکار کر دیا اور اس پر متولی کے پاس کوئی بینہ نہیں ہے، لیکن غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو ان صورتوں میں بھی متولی کے لئے جائز ہے کہ غاصب سے قیمت لے کر ان اراضی موقوفہ کے بدلے میں دوسری جگہ زمین خرید لے۔

"**فی رد المحتار نقلا عن الأشباه والنظائر (قولها إلا فی أربع) الأولی لو شرطه الواقف، الثانیة إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحراً فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها أرضا بدلا، الثالثة أن یجحده الغاصب ولا بینة أی وأراد دفع القیمة فللمتولی أخذها ویشتری بها بدلا**" (ردالمحتار ۳/ ۴۲۶، الاشباہ والنظائر ۳/ ۱۰۳ تا ۱۰۴، فتاوی خانیہ ۳/ ۳۰۰، فتاوی بزازیہ ۳/ ۲۵۶)۔

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کو کوئی شخص لینے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس کے بدلے اس سے بہتر اور زیادہ پیداوار والی زمین دینا چاہتا ہے تو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس صورت میں بھی استبدال جائز ہے، اور حضرات فقہاء نے اس قول کو

مفتی بہ بھی قرار دیا ہے۔

"فی الاشباہ: الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا فيجوز على قول أبي يوسف و عليه الفتوی کما فی فتاویٰ قاری الهداية"
(الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴، ومثلہ فی ردالمحتار ۳/۴۲۶)۔

مندرجہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھ کر چند شرائط کے ساتھ استبدال کو جائز قرار دیا ہے اور ساتھ ہی قول جواز کے مفتی بہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے، علامہ ابن الہمام نے بھی مختصراً استبدال کے جواز پر کلام کیا ہے، لکھتے ہیں:

"والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ماكان عليه دون زيادة، ولأنه لاموجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا (في الثالث) إذ لا تجب زيادة بل تبقيه كما كان (قال ابن عابدين) أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب" (ردالمحتار ۳/۴۲۷ بحوالہ فتح القدیر)۔

لیکن صاحب "شرح وقایہ" نے کتاب الوقف میں استبدال کے سلسلہ میں حضرات صاحبین کا اختلاف درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ونحن لا نفتي به فقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد وما لا يعد لا يحصى، فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا" (شرح وقایہ ۲/۳۵۳ تا ۳۵۴)۔

(ہم اس کا فتویٰ نہیں دیتے اس لئے کہ ہم نے استبدال کی صورت میں جو فساد دیکھا ہے اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، ظالم قاضیوں نے اس کو اوقاف کے ختم کرنے کا ایک بہانہ بنالیا

ہے اور پھر جو سمجھ میں آیا کیا)۔

مندرجہ سطور میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے استبدال کی صورت میں جن مفسدات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان مفسدات کی پیش بندی کے لئے حضرات فقہاء نے آٹھ شرطوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وقف ویران ہوگیا ہو اور اس کی آمدنی اور اس کا نفع بالکل ختم ہوگیا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ وقف کی کوئی دوسری بلند جگہ نہ ہو کہ جہاں دوسری تعمیر ہو سکے۔

(۳) وقف کی بیع اور اس کا استبدال غبن فاحش (بہت زیادہ خسارہ) کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) بدلنے والا قاضی علم و عمل دونوں کا جامع ہو۔

(۵) اراضی موقوفہ کا تبادلہ دوسری زمین ہی سے ہو، دراہم ودنانیر، روپے پیسے سے نہ ہو، اس لئے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ کہیں بدلنے والے لوگ استبدال سے پہلے ہی روپے کو ہضم نہ کر جائیں۔

(۶) وقف کا تبادلہ ایسے شخص سے نہ کیا جائے جس کی شرعاً شہادت قبول نہیں ہوتی ہے، اور نہ ایسے شخص سے کیا جائے جس کا دین (قرض) بدلنے والے پر ہو، کیونکہ خطرہ ہے کہ بدلنے والا کہیں وقف کو دَین کے عوض نہ فروخت کردے، حالانکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے وقف کی بیع سامان کے عوض کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، پھر وہ کیونکر دَین کے عوض وقف کے فروخت کرنے کا فتویٰ دیں گے۔

(۷) ساتویں شرط یہ ہے کہ ایک وقف کا تبادلہ دوسرے وقف سے ایک ہی محلّہ کے اندر کیا جائے، اور اگر دوسرے محلّہ کے اندر کیا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ محلّہ پہلے محلّہ سے بہتر ہو، اگر بہتر نہ ہو تو پھر تبادلہ جائز نہیں ہے۔

(۸) آٹھویں شرط علامہ قنالی زادہ نے یہ ذکر کی ہے کہ بدل اور مبدل منہ ایک ہی جنس سے ہو، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بظاہر اس شرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جہاں تبادلہ کی صورت میں خرچ کم ہو اور آمدنی زیادہ آئے تو یہ اچھی بات ہے، یاد رہے کہ حضرات فقہاء نے جس طرح بعض صورتوں میں واقف کو استبدال کی اجازت دی ہے اسی طرح قاضی کو بھی اجازت دی ہے، لیکن صاحب فتاویٰ قاضی خاں کا کلام قاضی کے سلسلہ میں مختلف ہے۔

ایک جگہ انہوں نے بغیر واقف کی شرط کے مطلقاً قاضی کو استبدال کی اجازت دی ہے کہ جہاں وہ مصلحت دیکھے وقف کا استبدال کرے، لیکن دوسری جگہ مطلقاً منع کیا ہے، اگرچہ وقف ویران ہی کیوں نہ ہو جائے۔

لیکن مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے قاضی کے لئے استبدال کی شرعاً اجازت ہے جب کہ وہ مندرجہ بالا شرطوں کا لحاظ کر کے استبدال کرے، البتہ فقہ کی مشہور کتب ''اسعاف'' سے نقل کرتے ہوئے ''فتاویٰ عالمگیری'' اور ''رد المحتار'' میں لکھا ہے کہ قاضی علم و عمل دونوں کا پیکر ہو، تاکہ ظالم قاضیوں کی طرف سے اوقاف مسلمین کے ابطال کا جو خطرہ اوپر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے وہ سامنے نہ آئے۔

یہاں پر یہ بات ملحوظ رہے کہ مساجد و مقابر کے اوقاف کا تبادلہ اگرچہ وہ ویران ہی کیوں نہ ہو جائیں شرعاً جائز نہیں ہے۔

''سئل القاضی الإمام شمس الائمة محمود الأوزجندی عن مسجد لم یبق له قوم و خرب ما حوله و استغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال: لا، و سئل هو أیضا عن المقبرة فی القریٰ إذا اندرست و لم یبق فیها أثر الموتیٰ لا العظم الخ'' (فتاوی ہندیہ ۲/۴۷۰، ۴۷۱، ۴۵۵-۴۵۴، ہدایہ ۲/۶۴۵، المبسوط ۱۲/۶۴۵، بزازیہ ۴/۲۷۰)۔

الف۔ ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسری

جگہ پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، ایسے مراحل ونوازل کے مواقع کے سلسلہ میں صاحب ''فتاویٰ خانیہ'' علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرىٰ هي أنفع للفقراء وأكثر ريعاً كان له أن يبيع هذه الأرض ويشترى بثمنها أرضا أخرىٰ جوّز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض'' (الفتاوی الخانیہ ۳۰۰/۳)۔

''وقال شمس الأئمة السرخسي في المبسوط: ومن ذلک أنه إذا شرط في الوقف أن يستبدل به أرضا أخرى إذا شاء ذلک فهو جائز عند أبي يوسف وعند محمد وهو قول أهل البصرة الوقف جائز والشرط باطل؛ لأن هذا الشرط لا يوثر في المنع من زواله والوقف يتم بذلک ولا ينعدم به معنى التابيد في أصل الوقف فيتم الوقف بشروطه ويبقى الاستبدال شرطا فاسدا فيكون باطلا في نفسه كالمسجد إذا شرط الاستبدال به أو شرط أن يصلي فيه قوم دون قوم فالشرط باطل واتخاذ المسجد صحيح فهذا مثله'' (المبسوط ۴۱/۱۲، ۴۲)۔

ب۔ ویران اوقاف کو حکومت کے بجائے کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض میں دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل شرعاً اختیار کی جاسکتی ہے، قال ابن عابدین الشامی فی ''رد المحتار'':

''فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن؛ لأن الأرض أدوم وأبقى وأغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكن'' (رد المحتار ۴۲۵/۳)۔

حضرات فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد ومقابر موقوفہ اور دیگر اوقاف میں

فرق ہے، مساجد ومقابر موقوفہ کا تو تبادلہ کسی حال میں جائز نہیں ہے، البتہ دیگر عام ویران اوقاف کا تبادلہ شرعاً کیا جاسکتا ہے، نیز مسجد ومدرسہ وحوض وغیرہ کے اوقاف کا حکم عام اوقاف کا ہے کہ ان کا تبادلہ شرائط استبدال کے ساتھ جائز ہے۔

"قال: ومن اتخذ أرضه مسجدا لم یکن له أن یرجع فیه ولا یبیعه ولا یورث عنه؛ لأنه یحرز عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالی الخ" (ہدایہ ۲/۶۴۵)۔

"والظاهر أن حکم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حکم الوقف علی الفقراء" (ردالمحتار ۳/۴۱۹)۔

ویران وناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرکے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

"(قوله ویجعل آخر لجهة قربة لا تنقطع) یعنی لابد أن ینص علی التابید عند محمد خلافا لأبی یوسف" (ردالمحتار ۳/۳۹۹)۔

"(شرط الواقف کنص الشارع)" (ردالمحتار ۳/۴۵۶) "مراعاة غرض الواقفین واجبة" (ردالمحتار ۳/۴۶۴)۔

جن مقامات پر مساجد ومدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے، اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ ایک وقف کا سامان دوسرے وقف میں منتقل کرنے کے مسئلہ میں امام ابوشجاع اور امام حلوانیؒ کے فتوی کی اتباع کی جائے کہ اس مسئلہ میں ان کے نزدیک مسجد یا حوض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، خصوصاً ہمارے زمانے میں، اس لئے کہ مسجد، سرائے یا حوض وغیرہ کو اگر منتقل نہ کیا جائے تو اس کے شکستہ حصے چور اور غارت گر اٹھالے جائیں گے، جیسا کہ مشاہدہ وتجربہ ہے، نیز خود اوقاف کے نگراں وغیرہ اسے کھاجائیں گے، اور منتقل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری مسجد بھی جس کو اس کی

ضرورت ہے ویران ہوجائے گی (اس کی تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۳/۴۰۶، ۴۰۷، ہدایہ ۲/۶۴۲، ۶۴۴، المبسوط ۱۲/۴۲، ۴۳ تا ۴۳، فتاوی ہندیہ ۲/۴۸۱، بدائع الصنائع ۶/۲۱۸، ۲۲۱)۔

مسجد کی فاضل رقم کے سلسلے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف:

سوال نمبر (۷۱۹) کے جواب میں فرماتے ہیں:

"الجواب : فی الدر المختار ،ومثله حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنها، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ. فی رد المحتار لف ونشر مرتب فظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفی شرح الملتقى يصرف وقفها لأ قرب مجانس لها" (۳/۵۷۴)۔

"قلت وهذه الرواية وإن كانت منقولة فی صورة خراب المسجد وغيره لكن ما كان مبنى الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وإن لم يخرب وهذا ظاهر عندی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کرسکتے ہیں لیکن ترتیب سے کہ اول اقرب مساجد میں اور اگر اس میں ضرورت نہ ہوتو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں (امداد الفتاوی ۲/۵۹۳ تا ۵۹۴، احسن الفتاوی ۶/۴۲۶ تا ۴۲۷، ردالمحتار مع الدر المختار ۳/۴۰۷)۔

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۷۲۳) میں آپ کے فتوی کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

"مذکورہ بالا تحقیق کی بناپر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ

فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ ظن غالب فی المآل، اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہوجانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہوسکتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے'' (کفایت المفتی ۷/۵۷۴، مسلم مع النووی ۱/۴۲۹۔ باب لقض الکعبہ وبناءھا)۔

الف۔ مسجد کی اراضی موقوفہ پر جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے کوئی دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا شرعی نقطہ نظر سے ممنوع وحرام ہے۔

''سئل القاضي الامام شمس الائمة محمود الاوزجندي عن مسجد لم يبق له قوم و خرب ما حوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال: لا، وسئل هو أيضا عن المقبرة في القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال: لا، ولها حكم المقبرة كذا في المحيط'' (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۷۰ تا ۴۷۱)۔

ب۔ مسجد کے اوقاف کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے جب کہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا، اسی طرح کے سوال کے جواب نمبر (۲۵۹) میں مفتی کفایت اللہ صاحب قلمبند فرماتے ہیں: جب کہ مسجد کی جمع شدہ رقم مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو اور آئندہ بھی مسجد کو ظن غالب اس رقم کی حاجت پڑنے کا احتمال نہ ہو تو دوسری محتاج مسجد پر یہ رقم صرف کی جاسکتی ہے، اس اجازت میں وہ مقدار شامل ہوگی جس سے مسجد حالاً ومآلاً مستغنی ہو، واللہ اعلم (کفایت المفتی ۷/ ۲۹۷)۔

اور جواب نمبر (۲۵٦) میں ہے کہ جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل، تو ایسی حالت میں جمع شدہ زائد رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جاسکتا ہے (کفایت المفتی ۷/ ۳۰۰)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں: رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل آمدنی کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد و ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۲، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۴ تا ۱۸۷)۔

"عن عائشة زوج النبي ﷺ أنها قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لو لا أن قومك حديثو عهد بجاهلية أو قال: بكفر لأنفقت كنز الكعبة في سبيل الله، ولجعلت بابها بالأرض ولأدخلت فيها من الحجر" (مسلم ۱/ ۴۲۹ تا ۴۳۰)۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی، یا فرمایا کہ اگر وہ کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتے تو میں یقیناً کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کر دیتا اور میں کعبہ کو از سر نو تعمیر کرتا اور حطیم کا حصہ اندر داخل کر دیتا اور اس کے دو دروازے کر دیتا کہ ایک سے لوگ داخل ہوں اور دوسرے سے باہر نکلیں اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا)۔

علامہ نووی اس حدیث کی توضیح وتشریح اس طرح فرماتے ہیں: "وفيه دليل لجواز إنفاق كنز الكعبة ونذورها الفاضلة عن مصالحها في سبيل الله .... ومذهبنا أن الفاضل من وقف مسجد أو غيره لا يصرف في مصالح مسجد آخر ولا غيره بل يحفظ دائماً للمكان الموقوف عليه الذي فضل منه فربما احتاج إليه والله أعلم" (نووی علی ہامش المسلم ۱/ ۴۲۹)۔

خلاصہ یہ کہ متقدمین کے فتویٰ سے ہٹ کر متاخرین محقق علماء کا دوسری رائے قائم کرنے کی علت یہ ہے کہ وقف اپنے مقاصد کو پورا نہیں کر رہا ہے، اور اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو غاصبین اس پر قبضہ کرلیں گے، درانحالیکہ دوسری مساجد کو ضرورت ہے، پس اگر اس

ویران مسجد کے سامان دوسری ضرورت مند مساجد کو منتقل کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو اس فتویٰ کے ذریعہ دوسری مساجد کو ویران کرنا لازم آئے گا، لہذا مصلحت شرع اس کی متقاضی ہے کہ اس انتقال کو درست قرار دیا جائے۔

جن اوقاف کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے، جو سال بسال جمع ہوکر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ، بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اسکے صرف کو سوچا جاسکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، تو ایسے مراحل پر ایسی فاضل آمدنی کا دوسرے مواقع یعنی یتیم خانہ، مسافر خانہ، ہسپتال، دارالمطالعہ ولائبریری، خانقاہ ودارالاصلاح، مدارس اسلامیہ، نادار بچوں کی کفالت وتعلیم، نادار غیر مستطیع عصری علوم حاصل کرنے والے اسٹوڈنٹ (Student) اور دیگر رفاہی کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب (۲۶۶) میں رقمطراز ہیں: مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلقہ مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے، ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجراء یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دارالمطالعہ کا قیام جائز ہے، مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے، ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں، اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگرچہ جائز بھی ہو، تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے (کفایت المفتی ۳۰۱/۷، ۳۰۲)۔

جواب (۲۶۷): مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کے لئے ہوتی ہے، مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس

کی فی الحال بھی حاجت نہ ہواور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ ہوتو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امدادی وظائف میں دی جاسکتی ہے، نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے، دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہیں (کفایت المفتی ۳۰۲/۷)۔

الف ۔اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

ب ۔دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد اور قبرستان کی احاطہ بندی، دار الشوریٰ، دالان وچوپال کی تعمیر ومرمت پر، مفلس وقلاش کے مکان کی تعمیر پر، مفلس ونادار بیوہ کی لڑکیوں کی شادی وبیماری پر اوقاف کی فاضل رقم کوخرچ کیا جاسکتا ہے۔

کم منفعت بخش وقف کی بیع:

اگر کوئی وقف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہے، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّہ کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسے کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اگر اس کو فروخت کرکے کسی تجارتی مقام پر کوئی دکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوگی، مگر اس کے باوجود اس مکان موقوفہ یا مذکورہ اوقاف کوفروخت کرکے کسی دوسرے تجارتی مقام و مارکیٹ پر دکان خریدنا، مکان خریدنا، شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے، اگرچہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہوجانے کی امید ہی کیوں نہ ہو۔

''وبيع أرض الوقف لا يجوز فكذلک ما كان تبعا له'' (الفتاویٰ الخانیہ ۳۱۰/۳)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے، وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے

اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کردو اور اسکی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دے دو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو اسی طرح وقف کردیا اور فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیدیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے، نہ اس میں وراثت جاری کی جائے، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں، مسکینوں اور اہل قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے، بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔

"عن نافع عن ابن عمر ... قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها قال: فتصدق بها عمر أنه لا يباع أصلها ولا تباع ولا تورث ولا توهب قال: فتصدق عمر فی الفقراء، وفی القربیٰ، وفی الرقاب، وفی سبیل الله، وابن السبیل والضیف ولا جناح علی من ولیها أن یاکل منها بالمعروف أو یطعم صدیقا غیر متمول فیه" (بخاری ۱/ ۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/ ۴۱، ترمذی ۱/ ۲۵۶، نسائی ۲/ ۱۲۶، ابوداؤد ۲/ ۳۹۸، ابن ماجہ ۲/ ۱۷۳، فتح الباری ۵/ ۳۶۸ تا ۴۷۴) تشریح وتوضیح کے لئے دیکھئے (شرح معانی الآثار ۲/ ۲۲۹ تا ۲۳۰، الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۹)۔

یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کردیا، حضرت عمرؓ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی تو آپ نے ان

کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کردیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرما دیئے، جمہور فقہاء نے وقف مسجد کی زمین کی بیع ناجائز ہونے اور مالک کی ملکیت میں دوبارہ نہ لوٹنے پر حضرت عمرؓ کے اس وقف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو اوپر مذکور ہوچکی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواق رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''ابن عرفة من المدونة وغيرها، يمنع بيع ما خرب من ربع الحبس مطلقا ....وعبارة الرسالة ، ولا يباع الحبس وإن خرب ...... وفي الطرر عن ابن عبد الغفور: لا يجوز بيع مواضع المساجد الخربة، لأنها وقف، ولا بأس بيع نقضها''۔

ابن عرفہ مدونہ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ وقف مکان کی بیع مطلقاً جائز نہیں، اگر چہ وہ ویران ہوجائے ...... اور رسالہ میں یہ عبارت درج ہے کہ وقف کی بیع جائز نہیں، اگر چہ وہ ویران ہوجائے ... طرر میں ابن عبد الغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بنا پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج والاکلیل للمواق، حاشیہ حطاب ۴۲/۶ بحوالہ فقہی مقالات ۲۴۱/۱ مولانا محمد تقی عثمانی زمزم بکڈپو، دیوبند)۔

فقہاء شوافع میں سے امام خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولو انهدم مسجد، وتعذرت إعادته أوتعطل بخراب البلد مثلا، لم يعد ملكا ولم يبع بحال، كالعبد إذا عتق.... ولم ينقض إن لم يخف عليه لإمكان الصلاة فيه ولإمكان عوده كما كان .....فإن خيف عليه نقض، وبنىٰ الحاكم بنقضه مسجداً آخر إن رأى ذلك وإلا حفظه....''۔

اگر مسجد منہدم ہوجائے اور اس کو دوبارہ درست کرنا ممکن نہ ہو یا اس بستی کے اجڑ جانے سے وہ مسجد بھی ویران ہوجائے تب بھی وہ مسجد مالک کی ملکیت میں نہیں آئے گی اور نہ اس کو بیچنا

جائز ہوگا، جیسا کہ غلام کو آزاد کردینے کے بعد اس کی بیع حرام ہوجاتی ہے، پھر اگر اس مسجد پر غیر مسلموں کے قبضے کا خوف نہ ہو تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ اس کو اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان دوبارہ یہاں آکر آباد ہوجائیں اور اس مسجد کو دوبارہ زندہ کردیں... البتہ اگر غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں حاکم وقت مناسب سمجھے تو اس مسجد کو ختم کردے اور اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنادے اور یہ دوسری مسجد پہلی مسجد کے قریب ہونا زیادہ بہتر ہے اور اگر حاکم وقت اس مسجد کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے (مغنی المحتاج ۳۹۲/۲)۔

فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية، لكن قلت: وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه؛ لأن الأصل تحريم البيع وانما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع مع إمكان تحصيله ومع الانتفاع وإن قل ما يضيع المقصود"۔

(اگر وقف کی مصلحت اور منفعت بالکلیہ ختم نہ ہوئی ہو، لیکن اس میں کمی آگئی ہو اور دوسری صورت میں اہل وقف کے لئے زیادہ نفع بخش اور بہتر ہے، تب بھی اس وقف کی بیع جائز نہیں، اس لئے کہ وقف میں اصل بیع کی حرمت ہی ہے، لیکن وقف کی مصلحت کے لئے اور اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ضرورت کے وقت بیع اس وقت جائز ہے، جبکہ بیع کا مقصد بھی تحصیل مقصود ہو، لیکن اگر موجودہ حالت میں وقف کی بیع کے بغیر ہی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو، اگرچہ وہ نفع قلیل مقدار میں ہو تو اس صورت میں مقصود وقف بالکلیہ ختم ہونے کی وجہ سے اس وقف کی بیع جائز نہیں ہوگی) (المغنی لابن قدامہ ۲۲۷/۶)۔

میرے نزدیک مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اس سلسلے میں جمہور کا مسلک راجح ہے، لہذا کسی مسجد کے شرعی مسجد بن جانے کے بعد یا وقف کے شرعی وقف بن جانے کے بعد اس کو بیچنا

جائز نہیں، اگر مسجد کو بیچنے کی اجازت دیدی جائے تو پھر لوگ مسجدوں کو بھی گرجا گھر کی طرح جب چاہیں گے بیچ لیں گے اور مسجدیں ایک تجارتی سامان کی حیثیت اختیار کرلیں گی۔

جن کے اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہوگیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ، تو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف یہ ہے کہ جس قسم کے اوقاف کی آمدنی ہے اس قسم کے دیگر اوقاف کے مصارف میں آمدنی کی اس رقم کو خرچ کردیا جائے۔

جن فقراء پر وقف کی گئی تھی اب بالفعل وہ لوگ ناپید ہیں تو دوسرے فقراء پر اس رقم کو خرچ کرنا چاہئے، اگر موقوف علیہ فقراء کسی دوسرے گاؤں میں منتقل ہو گئے ہیں تو رقم اس فقراء تک پہنچانے کی سعی بلیغ کرنی چاہئے، مسجد کے انہدام کے بعد اس کی آمدنی دوسری مسجد پر اور مدرسہ کے ختم ہوجانے پر اس کے وقف کی آمدنی دوسرے دینی مدارس اسلامیہ پر خرچ کرنی چاہئے، اراضی موقوفہ کی بیع کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، ہاں اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے یا مکان بنواکر کرایہ دار کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

''عن ابن عمر أن عمر وجد مالاً بخيبر فأتى النبي ﷺ فأخبره فقال: إن شئت تصدقت بها فتصدق بها في الفقراء والمساكين وذي القربىٰ والضيف'' (بخاری ۱/ ۳۸۹، الاشباہ والنظائر ۳۰۱تا ۳۰۹، ہدایہ ۲/ ۶۳۶تا ۶۴۲، شرح وقایہ ۲/ ۳۵۰تا ۳۵۵، قدوری ۱۳۸تا ۱۴۰، الجوہرۃ النیرۃ ۲/ ۲۱۴تا ۲۲۰)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی تو اس کے بارے میں آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی پیداوار اور آمدنی کو صدقہ قرار دیدو، چنانچہ آپ نے (آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق) اس زمین کو وقف کردیا اور اس کی پیداوار اور آمدنی کو فقیروں،

مسکینوں قرابت داروں اور مہمانوں کی خدمت میں صدقہ قرار دیدیا)۔

"قال العلامة الحصكفي في الدر المختار: الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه" (الدرالمختار مع الردالمحتار ۳/۴۰۷)۔

"رباط في طريق بعيد استغنىٰ عنه المارة و بجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع رحمه الله تعالى: تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنىٰ عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر جاز" (الفتاوی الخانیة ۳/۳۱۵)۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کا موقف:

اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل، اور اس رقم کے اسی طرح جمع رہنے کی حالت میں ظالمین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو تو بیشک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ عظمیٰ اور نائبہ کبریٰ ہے خرچ ہوسکتی ہے، یعنی ترک مجروحین و یتامیٰ و بیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جاسکتی ہے الخ (کفایت المفتی ۷/۲۷۸ تا ۲۷۹، جواب نمبر ۲۴۰)۔

میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ دوسری محتاج مساجد و مدارس اسلامیہ و بیوگان وغیرہ پر جمع شدہ رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

الف۔ بعض اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے اور کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ کردے کہ اس کی ایک یا دو منزل اسی کی ملکیت ہوگی، جس میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے ہوں گے تو شرعی نقطہ نظر سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے یعنی بلڈر کو نہ پہلی منزل اور نہ دوسری اس کو دی

جائے گی، ''شرط الواقف کنص الشارع" (ردالمحتار ۳/ ۴۵۶) کے خلاف ہے، نیز "مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ" (ردالمحتار ۳/ ۴۶۴) کے بھی خلاف ہے، سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ احکام نبوی کے بھی خلاف ہے، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔

اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے اگر کسی بلڈر سے اسی طرح کا معاملہ کرلیا جائے تو شرعی نقطہ نظر سے ایسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی جائے گی، کیونکہ آپ ﷺ نے وقف کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی زمین کسی شخص کے معرفت نہ بیچی جائے گی نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری کی جائے گی (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۱۱۶۔ اس کی تفصیلی تشریح وتوضیح کے دلائل دیکھئے: بخاری ۱/ ۳۸۸ تا ۳۸۹، مسلم ۲/ ۴۱، نووی مع مسلم ۲/ ۴۱ تا ۴۲، نسائی ۲/ ۱۲۶، ترمذی ۱/ ۲۵۶، ابوداؤد ۲/ ۳۹۸، ابن ماجہ ۲/ ۱۷۳، ردالمحتار ۳/ ۳۹۱ تا ۵۰۰، فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۰ تا ۴۹۱، بدائع الصنائع ۶/ ۲۱۸ تا ۲۲۱، المبسوط ۱۲/ ۲۷ تا ۴۷، شرح معانی الآثار ۲/ ۲۲۹ تا ۲۳۰)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا موقف:

سوال (۷۰۸) کے جواب میں رقمطراز ہیں: جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی (امدادالفتاوی ۲/ ۵۸۷)۔

یعنی کوئی دغاباز مکار متولی موقوفہ اراضی کو فروخت کردیا پھر عرصہ دراز کے بعد مشتری سے خرید کر اپنی ذاتی ملکیت میں لانا چاہتا تھا اس موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے عدم جواز کا فتوی دیا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا موقف:

ایک سوال کے جواب (۹۶) کے تحت رقمطراز ہیں:

عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے اور وقف ہونے میں اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں، پس اس کو عبادت عامہ کے لئے تو استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن ذاتی منافع کے لئے کوئی اس پر

قبضہ نہیں رکھ سکتا، اگر کسی غاصب نے اس پر جبرا قبضہ کرلیا ہوتو مسلمانوں کوحق ہے کہ اس کے قبضہ سے نکال لیں اور غرض صحیح میں استعمال کریں، غاصب اوقاف سے اوقاف کو واپس لینے کا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے اور گذشتہ زمانے میں غاصب نے جس قدر روپیہ وقف کے ذریعہ حاصل کیا ہے وہ اس سے واپس لیا جائے گا اور وقف کے کام میں خرچ کیا جائے گا فقط (کفایت المفتی ۷/ ۱۰۷-۱۰۸)۔

جواب (۳۰۱): مسجد اور مسجد کے متعلق موقوفہ زمین پر ذاتی تعمیر بنانا غصب وقف ہے، اس لئے اس کو خالی کرنا اور وقف میں شامل کرنا لازم ہے، ذاتی مکان کا دروازہ زمین وقف پر کھولنا بھی جائز نہیں (کفایت المفتی ۷/ ۳۳۱)۔

لہذا مذکور فی السوال کے مطابق اوقاف مساجد ومقابر وغیرہ کی بیع کا سوال ہے، یعنی بلڈر کو وقف شدہ زمین کا مالک بنادینا عمارت تعمیر کردینے کے صلے میں فروخت کردینے کے مترادف ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ قدیم مساجد ومقابر کے وقف شدہ املاک جن سے نماز پڑھنے اور دفن موتیٰ کا مصرف عرصۂ دراز سے نہیں لیا جارہا ہے اور نہ آئندہ یہ مصرف لئے جانے کا امکان ہے ایسے مساجد ومقابر کی اراضی کو کیا کیا جائے۔

خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کا قوی امکان ہے کہ ان اراضی پر غاصب لوگ قبضہ کرلیں گے جس کو ہٹانا ناممکن ہے، یا دشوار ترین معاملہ ہوجائے، میری رائے میں ایسے مساجد ومقابر کی اراضی کو کرایہ (LEASE) پر دیا جاسکتا ہے اور یہی اقرب الی الفقہ ہے، مثلاً کوئی عمارت وقف تھی اور وہ منہدم ہوگئی اور اب کوئی ایسا ذریعہ آمدنی نہیں جس کے ذریعہ دوبارہ اسے آباد کیا جائے تو امام محمد کے نزدیک وہ اراضی بانی یا ورثاء بانی کی طرف منتقل ہوجائے گی، اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی حیثیت وقف برقرار رہے گی، لیکن امام محمد کا قول بھی اس صورت میں ہے جب کہ قطعی طور پر مفاد وقف کا حصول ختم ہو چکا ہو، اگر کسی صورت میں بھی استفادہ ممکن

ہے تو پھر وہ بانی کی طرف نہیں لوٹے گی (ردالمحتار ۳/ ۴۰۷، المبسوط ۳/ ۴۲ تا ۴۳، ہدایہ ۲/ ۶۴۵، فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۵۸)۔

مثلاً دکان جل کر خاک ہوگئی، تعمیر کا خرچ نہیں اور اسے کرایہ پر لگانے کی کوئی صورت نہیں، لیکن اگر وہ اراضی ذریعہ آمدنی ہوسکتی ہے تو وہ وقف برقرار رہے گی، اور اسے اجارہ پر لگایا جاسکتا ہے (ردالمحتار ۳/ ۴۰۷ تا ۴۰۸، فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۷۹ تا ۴۸۰، فقہ المشکلات ۲۴۳)۔

مخدوش شدہ عمارت اور غیر تعمیر شدہ والی زمین سے تبادلہ:

مخدوش عمارت کی بنا پر یا صرف خالی زمین ہے، یعنی اس پر عمارت بنی ہوئی نہیں ہے اور نہ اس سے بالفعل انتفاع کی کوئی صورت ہے اگر اس کو کارآمد بنانے کے لئے کوئی ذریعہ ہوجائے تو مفاد وقف کا حصول جاری رہے، تو اس کے لئے کوئی مسلم یا غیر مسلم جتنی اراضی موقوفہ ہے اتنی مقدار والی اپنی زمین جس پر عمارت بنی ہوئی ہو اور وہ تبادلہ کرلیں تو یہ صورت جائز ہوسکتی ہے۔

''الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن وصفا، فيجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتویٰ کما فی فتاویٰ قاری الهدایة'' (الاشباہ والنظائر ۱۰۳ تا ۱۰۴)۔

شجر کاری کے ذریعہ انتفاع:

ایسی اراضی موقوفہ جو سوال میں مذکور ہے کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے جو اپنے ذاتی مصارف سے مکان بنالے اور اس میں سکونت پذیر ہوجائے اور مصارف عمارت کو ماہانہ کرایہ جو متعین ہوجائے اس میں وضع کرلے تو ایسی صورت جواز کی ہوسکتی ہے، اگرچہ کرایہ کم حاصل ہو، یا ایسی زمین پر پھل دار درخت یا غیر پھل دار درخت لگائے جس سے مفاد وقف کا منشا باقی رہے تو یہ بھی صورت جواز کی ہے، مثلاً آم، لیچی، امرود، انگور، سیب، سنترہ، کیلا وغیرہ کا باغ

لگالے یا شیشم، سال یعنی ساکھو، ساگوان، تلکا، وغیرہ کا درخت لگالے جس سے آمدنی وقف کو ہونے لگے بلاشبہ جائز ہے پھر اسی آمدنی سے عمارت کی تعمیر بھی ہوسکتی ہے (ردالمحتار ۳؍۴۰۶)، اگر اراضی موقوفہ پر آرچڈ کی شجرکاری ہوجائے تو سب سے زیادہ نفع حاصل ہونے لگے اسی یعنی آرچڈ درخت کی قیمت غیر ممالک میں بہت زیادہ ہے۔

منی پور آرچڈ کے درختوں کا روایتی علاقہ ہے:

اس درخت کی توصیف کا طائرانہ مطالعہ کرلیا جائے جو افادہ و استفادہ سے خالی نہیں ہے۔

منی پور کے مسحور کن پہاڑی سلسلے گھنے جنگلات اور سرسبز شاداب ڈھلانیں اور صاف وشفاف چمکتے ہوئے پانی کے چشمے آرچڈ کے پودوں کے لئے بہترین قدرتی ماحول فراہم کرتے ہیں، منی پور میں آرچڈ کے پودوں کی (۴۷۰) اقسام پائی جاتی ہیں اگرچہ آرچڈ کے پودے منی پور وادی کے بہت سے حصوں میں پائے جاتے ہیں تاہم پہاڑیاں آرچڈ کی خوبصورت اقسام کا روایتی مسکن ہیں۔

آرچڈ کے پودے نہایت سرد خطوں سے لے کر گرم خطوں میں اور سطح آب سمندر سے ۱۰۰۰۰ فٹ تک کی بلندی پر اگتے ہیں۔

ہندوستان میں آرچڈ کی ایک ہزار اقسام پائی جاتی ہیں، باغبانی کے لئے ان کی ایک بڑی اہمیت ہے، باغبانی کی بین الاقوامی تجارت میں بہت سی ہندوستانی اقسام کی مانگ ہے، قریبی ریاستوں میں اگنے والی بیشتر اقسام اور کچھ غیر ملکی اقسام جوملیشیا اور فلپائن میں پائی جاتی ہیں، ریاست منی پور میں دستیاب ہیں، یہ زیادہ تر ٹینگ ہاؤ پال، جیری بام، سیناپتی، اکھرول، نامنگ لانگ، میں پائی جاتی ہیں، ریاست میں چھ قیمتی اقسام ایسی ہیں جن کا پودا غیر ممالک میں ۳۰۰ روپئے تک میں بکتا ہے، آرچڈ کے پودے اپنے خوبصورت شگوفوں کے لئے مشہور ہیں۔

میرے نزدیک اس قسم کے اراضی موقوفہ جو غیر آباد و ویران ہوں ان پر جمیع اشجار کی شجر

کاری کرنا بالخصوص آرچڈ کی شجر کاری کرنا جائز ہے انہیں تجارتی مقصد کے لئے استعمال کر کے غیر ملکی زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے، پھر اسی آمدنی سے اراضی موقوفہ پر مکان کی تعمیر بھی ہو جائے گی۔

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائیداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے اس سے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے جب کہ اس کا مقصد وقف کی حفاظت ہے اور اس کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ اس مجبوری کے باوجود شرعی نقطۂ نظر سے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے نئی تعمیر نہیں کی جاسکتی ہے اگر چہ اس میں مفاد وقف کا حصول ومنشاء ہے، کیونکہ فقہاء عظام نے اوقاف کی فروختگی کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک وقف کی حفاظت وتعمیر کے لئے دوسرے اوقاف کی فروختگی شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے (الفتاوی البزازیہ ۳؍۲۷۱)، البتہ ایک وقف کی زمین میں تعمیر کرنے کرانے کی غرض سے اس کے دوسرے اوقاف کی زمین کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے (الفتاوی البزازیہ ۳؍۲۶۰)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا موقف:

سوال (۷۳۸) کے جواب میں رقمطراز ہیں...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور اس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کرسکتا (امداد الفتاوی ۲؍۶۰۹)۔

میری رائے بھی یہی ہے کہ وقف شدہ مساجد ومقابر اوقاف کی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے، ہاں وقف شدہ زمین کو مفاد وقف کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے کہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو؟ اگر اس نیک ارادے سے بھی مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا چاہے تو شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہے، کیونکہ جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا

سکتا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی مسجد بنانے کے سلسلہ میں یہ ہے:

"عن عثمانؓ قال قال رسول الله ﷺ: من بنی لله مسجداً بنی الله له بیتا فی الجنة" (رواہ البخاری ومسلم)، حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لئے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔

تشریح: حدیث قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا، اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لئے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے (بخاری ۱/ ۶۴، مسلم ۱/ ۲۰۱، معارف الحدیث ۳/ ۱۸۱)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کا موقف:

سوال: ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کرکے اس میں امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

"قال فی شرح التنویر: ولو خرب ماحوله واستغنیٰ عنه یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة وبه یفتی۔

وفی الشامیة: (قوله ولو خرب ما حوله الخ) أی ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب ولیس له بأن یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر" (ردالمحتار ۳/ ۵۱۳) والله تعالی أعلم (احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۳۶)۔

عید گاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم سے سوال کیا گیا (مدرسہ کی تعمیر کے لئے عید گاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کافی وسیع پیمانہ پر چلایا

جاسکتا ہے) اس سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

الجواب: بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز نہیں، ہر چند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بنا سمجھ میں نہیں آتی...... بہر کیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مع ہذا جو امور موجب خلجان ہوسکتے ہیں اثناء جواب میں ان کی تنقیح بھی کردی ہے الخ (تفصیلی دلائل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۳تا ۴۳۶)۔

پرانی مسجد کو مکتب بنانا:

پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں، البتہ اس کی مسجدیت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

(۱) معلم اجرت لے کر نہ پڑھائے، بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

(۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد نہ آنے دیا جائے۔

(۳) مسجد کے احکام اور ادب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

''قال في التنوير: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوي القدسي وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح الخ بحر'' (ردالمحتار ۳/ ۳۸۲) والله تعالى أعلم (احسن الفتاوی ۶/ ۴۵۶، ردالمحتار ۳/ ۴۰۶)۔

زبدۃ الخلاصۃ: فقہاء عظام کی تشریحات وتوضیحات کی روشنی سے یہ بات روز روشن کی

طرح عیاں ہے کہ اوقاف مساجد کو فروخت کرنا یا اس کے اوپر کوئی دینی ادارہ یا عصری ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، یہی رائے میری بھی ہے۔

اوقاف قبرستان کی جگہ پر کوئی دینی ادارہ بنانا:

اگر کوئی قبرستان ویران پڑا ہو اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے ہیں تو ایسے قبرستان کی اراضی مخروبہ پر مدرسہ کی تعمیر کردی جائے، تاکہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہوتی رہے تو شرعی نقطہ نظر سے اس کی گنجائش ہے، ایسی زمین پر انجمن اسلام کے لئے مکان بنانا، یا مسافر خانہ بنانا، ہسپتال بنانا وغیرہ جائز ہے تاکہ مفاد وقف کا منشاء باقی رہے اور کوئی غاصب اس کو غصب نہ کرنے پائے، سوال نمبر (۷۰۲) کے تحت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

الجواب: عینی شرح بخاری میں ہے: "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد"۔

جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان ونیز نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے، واللہ اعلم (امداد الفتاوی ۵۷۹/۲)۔

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے بھی پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا فتوی صادر فرمایا ہے:

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کردیا ہو اور سابقہ قبروں کے

نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو اور اس میں قبریں مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے (احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہورہا ہے، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا، اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہے بلکہ قبضہ ہورہا ہے تو ایسے پرخطر ماحول کے سامنے آجانے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے ایسے قبرستان پر مفاد وقف کا خیال کرتے ہوئے کوئی دینی ادارہ قائم کردینا، انجمن کا مکان بنالینا، مسافر خانہ، یتیم خانہ بنادینا جائز ہے، تاکہ وقف کی وقفیت کا منشاء حاصل ہو اور غاصبوں کی غصبیت وملکیت سے مامون ومصئون ہوجائے۔

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر ممنوع:

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتہم رقمطراز ہیں:

الجواب: قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے، اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہِ عام کی چیز تعمیر کرے۔

’’قال الحافظ العینی رحمه الله تعالی: فإن قلت: هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم رحمه الله تعالی: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لأحد فمعناهما

علی هذا واحد" (عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹، احسن الفتاوی ۶/ ۱۳، ۴۱۴)۔

"وقال الزیلعی: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه علیه" (ردالمحتار ۱/ ۱۵۹، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۶۷)۔

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کردیا ہے تو شرعی نقطہ نظر سے یہ سراسر ظلم وستم اور تعدی کے مترادف ہے، ہرگز ہرگز حکومت ہند کو یہ حق حاصل نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی شوکت وثروت کے اثر سے حکومت اور محکمہ آثار قدیمہ کے قبضہ وتصرف سے مساجد قدیمہ کو آزاد کرا کے اس میں نماز پڑھنا حسب سابق جاری کردے تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ حتی الامکان مسجد کو آزاد کرا کے دم لے، ان شاء اللہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا، اور اگر قدرت نہیں ہے تو چپ چاپ رہے، دل سے حکومت ہند کے رویہ کو برا سمجھے اور عمل میں صبر کافی ہے کوئی مظاہرہ وایجی ٹیشن نکالنا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کے انہدام کا حادثہ عظمیٰ ہوا، وہ نااہل سیاستدانوں کی شرارت وخیانت کا نتیجہ تھا، ورنہ ایسا حادثہ کبریٰ ہرگز ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

"ومن أظلم ممن منع مسجد الله أن یذکر فیها اسمه وسعیٰ فی خرابها" (سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

(اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں، ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں، مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے ان کی تفصیل یہ ہے:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم

ہے، اگر چہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں۔ ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃً روکا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور وشغب کر کے یا اس کے قرب وجوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کے نماز وذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں، اس میں بھی جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہوجائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں یا کم ہوجائیں (تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۱/۲۹۹ تا ۳۰۰)۔

غیر آباد مساجد کے احکام:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۲۶۲) میں رقمطراز ہیں: مساجد اگر ایسی حالت میں ہوجائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جاسکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کردینا چاہئے اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جاسکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں ہے (کفایت المفتی ۷/۲۹۹)۔

موقف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا:

سوال (۷۳۸) (الف ۲) اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو، آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اس کو بطور مسجد رکھا

جائے؟

الجواب (الف ۲) یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کا سو اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے، هذا ظاهر من القواعد الشرعية (امداد الفتاوی ۲/ ۶۰۸ تا ۶۰۹)۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسجدوں کی جو بے حرمتی اور بربادی کی گئی، اس کی المنا کی اب بھی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، ۱۹۷۶ء میں حکومت ہند نے برنی کمیٹی مقرر کی تھی اس کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک صرف دہلی کی تقریبا ایک سوچھہتر (۱۷۶) مسجدیں ایسی تھیں جن کے تصرف سے مسلمان محروم تھے، ان پر یا تو حکومت یا ہندوؤں کا قبضہ تھا، اور اب تک واگذاشت نہیں ہوسکی ہیں، دہلی مسلمان بادشاہوں کا بھی دار السلطنت رہا، لیکن کسی مستند حوالہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں ایک سوچھہتر مندروں کے تصرف سے ہندو محروم کردیئے گئے تھے، ۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال آسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ صرف کلکتہ میں انسٹھ (۵۹) مسجدیں ایسی ہیں جن کے قبضہ سے مسلمان نہ صرف محروم ہیں بلکہ ان پر ہندوؤں کا تصرف ہے، اور بعض مسجدوں کو گوبر سے لیپا جاتا ہے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلایا جاسکتا ہے کہ صرف ایک شہر کے انسٹھ (۵۹) مندروں کی ایسی بے حرمتی کی گئی، اور اخباروں میں برابر ذکر آیا ہے کہ دہلی سے پاکستان کی سرحد تک نوہزار مسجدیں ایسی ہیں جو غیر مسلموں کے تسلط میں ہیں (بابری مسجد ۵/ ۱۴ تا ۱۶، دار المصنفین اعظم گڑھ)۔

مسلمانوں کو مساجد کے تصرف سے محروم کرنا آئین بھارت کے بھی خلاف ہے:

مذہب کی آزادی کا حق ۲۵:

(۱) تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر

توضیحات متاثر نہ ہوں۔

(۲) اس دفعہ کا کوئی امر کسی ایسے موجودہ قانون کے نفاذ کو متاثر نہ کرے گا اور نہ وہ ایسے قانون کے بنانے میں مملکت کا مانع ہوگا جو کسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا دیگر غیر مذہبی سرگرمی کو جس کا تعلق مذہبی عمل سے ہوسکتا ہو منضبط کرے یا اس پر پابندی لگائے۔

مذہبی امور کے انتظام کی آزادی ۲۶:

اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اخلاق عامہ اور صحت عامہ متاثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا۔ (الف) مذہبی اور خیراتی اغراض کے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا، (ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا، (ج) منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے مالک ہونے اور اس کو حاصل کرنے کا، (د) اور ایسی جائداد کا قانون کے بموجب انتظام کرنے کا (بھارت کا آئین (یکم جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم شدہ) (صفحہ ۲۶، دفعات ۲۵-۲۶ ترقی اردو بیورو نئی دہلی، طبع دوم ۱۹۸۵ء)۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے، جبکہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دکانوں میں چلا جائے گا، کیا یہ درست ہوگا؟ شرعی نقطہ نظر سے اوقاف کے مفاد کے مدنظر چند فٹ قبرستان کا حصہ لے کر دکان بنا دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی احاطہ بندی بھی ہوجائے گی تو بلاشبہ جائز ہے اور بعد میں فاضل آمدنی کو مناسب مصارف خیر میں لگا دی جائے۔

''وقال الزيلعي: ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه'' (فقہ المشکلات ۲۴۰، رد المحتار ۱/۵۹۹، فتاوی ہندیہ ۱/۱۶۷)۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ سوال کے جواب نمبر (۱۱۵) میں رقمطراز ہیں:

مقبرہ کی فارغ زمین میں ایسے طور پر درخت لگانا کہ اصل غرض یعنی دفن اموات میں نقصان نہ آئے جائز ہے، ان درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور پھلوں کی قیمت قبرستان کے کام میں لائی جائے گی، جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ درخت لگانے، ان کی حفاظت کرنے، پھلوں کے توڑنے، اور اس کے متعلقہ کاموں میں قبروں کا روندا جانا اور پامال ہونا نہ پایا جائے۔

درختوں کے لگانے میں قبرستان کا روپیہ خرچ کرنا جب کہ اس سے تجربہ کی بنا پر نفع کی امید ہے جائز ہے (کفایت المفتی ۷/۱۲۱)۔

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کی رعایت سے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں، اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، نیز قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت حال میں اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کردیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ چکے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۰) میں رقمطراز ہیں:

یہ زمین قبرستان کے لئے وقف تھی یا مملوکہ زمین جس میں اموات دفن کئے جاتے ہیں، اگر وقف ہے تو اس کو جب تک دفن کے کام میں لانا ممکن ہے کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، لیکن اگر دفن کے کام میں لانا اب ممکن نہیں رہا ہو تو پھر مسجد بنالینا جائز ہے، اور مملوک ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد بن سکتی ہے (کفایت المفتی ۷/۱۳۶)۔

مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کرکے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا:

حضرت مولانا قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دامت برکاتہم سوال نمبر (۱۶۶۲)

کے جواب میں رقمطراز ہیں:

مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہوتو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کردی جائیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۴۔ ۹۲ تا ۹۳)۔

''وأنه أمر ببناء المسجد، فأرسل إلى ملأ من بني النجار، فقال: يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا، قالوا: لا والله لانطلب ثمنه إلا إلى الله، فقال أنس: فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب و فيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفّوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخروهم يرتجزون والنبي ﷺ معهم وهو يقول: اللهم لاخير إلا خير الآخرة۔فاغفر للأنصار والمهاجرة'' (بخاری ۱/ ۶۱، مسلم ۱/ ۲۰۰)۔

''قال العلامة النووی فی شرحه الكامل: (قوله وبقبور المشركين فنبشت) فيه جواز نبش القبور الدارسة وانه إذا أزيل ترابها المختلط بصديدهم ودمائهم جازت الصلوة فی تلک الأرض وجواز اتخاذ مواضعها مسجدا إذا طيبت أرضه'' (نووی مع مسلم ۱/ ۲۰۰)۔

ویران اور زیر استعمال قبرستان اور جدید وقدیم قبروں کے احکام الگ الگ ہیں، اب تک جو مسائل لکھے گئے ہیں وہ ویران قبرستان اور قدیم قبر کے تحت لکھے گئے، زیر استعمال قبرستان اور جدید قبر کی جگہ مسجد کی توسیع نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ اگر زیر استعمال قبرستان میں مسجد کی توسیع کردی جائے تو مردوں کی تدفین میں دقت پیش آئے گی، نیز جدید قبر کی جگہ توسیع کی جائے

تو احترام میت کے خلاف ہے۔

"عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: "كسر العظم للميت ككسره حيا" مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (ابن ماجہ ۱/۲۹۶، حدیث ۱۶۱۶، باب ۶۳، ریاض طبع دوم ۱۴۰۴ھ موطا امام مالک ص/ ۸۳)۔

"أذى المؤمن في مماته كأذاه في حياته" مؤمن کو مردہ حالت میں تکلیف پہنچانا اس کی زندگی میں تکلیف پہنچانے کی طرح ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۶۷)۔

"عن عمرو بن حزم قال: رآني رسول الله ﷺ على قبر فقال: "انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا يؤذيك" عمرو بن حزم الانصاریؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو ایک قبر کے اوپر بیٹھے ہوئے حالت میں رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا تو ارشاد فرمایا: قبر کے اوپر سے اتر جاؤ قبر والے کو تکلیف مت پہونچاؤ، تم کو بھی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی (شرح معانی الآثار ۱/ ۳۲۸ تا ۳۲۹، ابن ماجہ ۱/ ۲۸۷، حدیث ۱۵۶۵، باب ۳۵)۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۳۷) کے تحت یوں فرماتے ہیں: اگر قبرستان کی زمین دفن اموات کے لئے وقف ہے اور اس میں دفن اموات جاری ہے تو اس زمین کو دفن سے معطل کرنا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس کام کے لئے وہ وقف ہے اور وہ کام اس میں جاری یا ممکن ہے تو جہت موقوف علیہا سے اس وقف کو معطل کرنا نا جائز ہے، اور اگر وہ زمین دفن اموات کے لئے وقف تو ہے مگر اب اس میں دفن اموات ممکن نہیں، مثلاً حکومت نے منع کر دیا اور وہاں دفن کرنے کو قانونی جرم قرار دیدیا، تو اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں، اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہیں ہے، بلکہ کسی کی مملوکہ ہے تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے، اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان اموات کی لاشیں مٹی ہوگئی ہوں ان کو کھود کر برابر کر دینا جائز ہے، اور جو قبریں نئی ہوں، یعنی ابھی ان کی لاشوں کا مٹی ہوجانا متیقن نہ

ہو ان کو کھودنا جائز نہیں، ویسے ہی مٹی ڈالکر برابر کردیں اور اوپر مسجد بنالیں تو مباح ہے (کفایت المفتی ۷/۱۴۰تا۱۴۱)۔

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کی ہیں، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں ، اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، تو اس صورت میں مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست وجائز ہے، اگر کوئی شخص حکمت عملی سے ہندو اوقاف سے نکال کر مسلم اوقاف کی زیرنگرانی کردے یا خود ہندو اوقاف حق تولیت اور حق نگرانی اور ہر قسم کے حقوق سے دست بردار ہوجائے اور مسلم اوقاف کا اس پر تسلط وقبضہ مکمل طور پر ہوجائے تو فبہا، ورنہ نہیں، زبردستی ہندو اوقاف تولیت اور انتظام وانصرام کی باگ ڈور حاصل کرنے کے لئے بابری مسجد والا واقعہ رونما نہ ہونے پاوے، نیز شرعی نقطۂ نظر سے بھی زبردستی لینا جائز نہیں ہے کیونکہ تولیت اور انتظام وانصرام کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔

"وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز ويجوز أن يعطى المساكين وأهل الذمة وإن خص في وقفه مساكين أهل الذمة جاز الخ" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲، ردالمحتار ۳/ ۳۲۱تا۳۲۲)۔

"حربي دخل دار الاسلام بامان ووقف جاز من ذلک ما يجوز من الذمي كذا في الحاوي" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۳)۔

"وقال العلامة ابن عابدين الشامي في رد المحتار: ويشترط للصحة بلوغه وعقله لا حريته وإسلامه كما في الإسعاف" (ردالمحتار ۳/ ۳۲۲)۔

مشعل راہ حضرت عمر فاروقؓ کا:

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور

دہقان کہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے (الفاروق ۲/ ۴۱)۔

علامہ شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں: جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی ، بلکہ جہاں جس قسم کا بند و بست تھا ، اور بند و بست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا، حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا، خراج کے محکمہ میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے، تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کردی (الفاروق ۲/ ۴۲)۔

''وقال الحسن: لا يجوز للذمي وصية إلا الثلث، قال ابن عباس: أمر النبي ﷺ أن يحكم بينهم بما أنزل الله وقال الله تعالى و أن احكم بينهم بما أنزل الله" (بخاری ۱/ ۳۸۳)۔

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے، اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے، غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم مساجد و دیگر اسلامی رفاہ عام کے لئے زمین وغیرہ وقف کردے تو اس کا وقف صحیح ہے، اسی طرح اس کا متولی و منتظم بننا اور رہنا بلاتردد صحیح و جائز ہے، اس سے خواہ مخواہ تولیت کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے کوئی فتنہ برپا نہیں کرنا چاہئے۔

مسجد اور وقف کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دامت برکاتہم یوں رقمطراز ہیں: کمیٹی کے اکثر ارکان و ممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہوں گے، اس لئے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دیندار احکام وقف سے

واقف متولی کا ہونا افضل ہے ،کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے (فتاوی رحیمیہ ۴/ ۱۵۷تا ۱۵۸)۔

اہل علم و پابند صوم وصلوۃ اور پرہیز گار کے ہوتے ہوئے بے علم، بے عمل، فاسق وفاجر، داڑھی منڈائے ،تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت وسیادت کے اہل نہیں ہوسکتے ، صحیح حق دار حاملین قرآن وپابند شریعت لوگ ہیں ،حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔ اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے ،اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا۔

(۱) عالم فاسق (یعنی عالم بے عمل) کو۔ (۲) جاہل متقی (بے علم باعمل) کو (کتاب السیاسۃ الشرعیۃ ص/ ۱۷)۔

فتاوی ابن تیمیہ میں ہے: ''ولا یجوز تولیة الفاسق مع إمکان تولیة البر'' یعنی نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو سردار بنانا ناجائز ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱/ ۱۵۰)۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "إذا وسد الأمر إلی غیر أھله فانتظر الساعة'' یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری ۱/ ۱۴)۔

نااہل متولیان مساجد واوقاف کو برطرف کرنے کا مجاز کس کو ہے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سوال نمبر (۷۴۶) کے جواب کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہو خواہ وہ واقف کا مقرر کیا ہوا ہو، یا قاضی کا یا عام مسلمین کا اس کو معزول کردینا واجب ہے اور یہ حق معزول کردینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔

''فی الدر المختار و ینزع وجوبا بزازیة(لو) الواقف -درر - فغیرہ بالأولیٰ (غیر مامون) أو عاجزاً أو ظھر به فسق إلخ مختصراً فی رد المحتار،

مقتضاه اثم القاضی بترکه الخ''۔

اوپر معلوم ہو چکا کہ عام مسلمین بجائے قاضی کے ہیں، اس لئے اگر قاضی نہ ہو تو عام مسلمین کو یہ حق معزول کرنے کا حاصل ہے، لیکن اگر عام مسلمین بذات خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قانوناً قادر نہ ہوں تو ان پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور ان سے درخواست کرا کر متولی صالح کو مقرر کرا کر اگر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں، پس یہ متولی صالح شرعاً مسلمین کے طرف سے ہوگا اور قانوناً حکام وقت کی طرف سے ہوگا۔

اوقاف اسلامی کو عمداً حکومت کو سپرد کر دینا جائز نہیں ہے:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب نمبر (۱۵۰) کے تحت یوں رقمطراز ہیں: اوقاف اسلامیہ کو حکومت کے قبضہ میں دے دینا اور متولیوں کے اختیارات حکومت کو تفویض کر دینا شرعاً درست نہیں ہے، متولیوں کی بے اعتدالی کو روکنے کے لئے حساب فہمی تو کی جا سکتی ہے، لیکن ان کے شرعی اختیارات جو واقف نے دیئے ہیں سلب نہیں کئے جا سکتے (کفایت المفتی ۷/۱۵۷، معارف القرآن ۴/۳۳۱، ہکذا فی فتاوی رحیمیہ ۶/ ۴۷)۔

زبدۃ الخلاصۃ:

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے، آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ وقف کے خیال وعقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، راجح قول ثانی ہے:

''قال فی الهندية: وأما سببه فطلب الزلفیٰ (إلی قوله) وأما الإسلام فليس بشرط، وفی کتاب الوقف من شرح التنوير بدليل صحته من الکافر۔

وفی الشامية حتی يصح من الکافر (إلی قوله) بخلاف الوقف فإنه لابد فيه من أن يکون فی صورة القربة وهو معنی ما يأتی فی قوله ويشترط أن

یکون قربة فی ذاته إذ لو اشترط کونه قربة حقیقة لم یصح من الکافر" (ردالمحتار)۔

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عندالکافر قربت ہوتو یہ وصیت جائز ہے۔

آیت کریمہ "ما کان للمشرکین أن یعمروا مساجد الله"(سورہ توبہ: ۱۷) سے کفار کی تعمیر مسجد کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایت حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے ، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز وعدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہذا "للمشرکین"میں لام جواز نہیں، بلکہ استحقاق وصلاحیت کا ہے، والتفصیل فی بیان القرآن۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق وشان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالی سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا " فانه لکل فن رجال"۔

خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر ہوسکتی ہے؟ " فبأی حدیث بعده یومنون"(سورہ.......)۔

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے (یا مساجد ومقابر اور مدارس دینیہ وغیرہ پر اپنی اراضی وقف کرے) تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار و اظہار منت کا اندیشہ ہوتو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا (احسن الفتاوی ۶/۴۳۹تا۴۴۰،فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۲،درالمختار وردالمحتار ۳/ ۳۹۲تا۳۹۳)۔

میری رائے یہ ہے کہ کافر کا وقف کرنا اور اس کا متولی و منتظم رہنا بلا شبہ جائز و درست ہے، اس کی تولیت کی باگ ڈور کو اپنے تصرف و تسلط میں لینے کی سعی کرنا بہتر نہیں ہے اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت کریمہ مذکورہ بالا سے مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ اور محمد علی صابونی نے کافر کی تعمیر مسجد اور متولی ہونے کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں ہے (معارف القرآن ۴/ ۳۳۰۔۳۳۱، روائع البیان ۱/ ۵۷۳۔ ۵۷۴، بحوالہ احکام القرآن للجصاص ۴/ ۸۷)۔

تدفین پر پابندی لگائے گئے قبرستان سے انتفاع کی شکل

مولانا محمد نور القاسمی ☆

سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استبدال وقف کے شرائط وحالات پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ آگے مسائل کے حل کرنے اور اسے اچھی طرح سمجھنے میں مدد مل سکے۔

حنفی نقطہ نظر: احناف کے نزدیک شرائط استبدال وقف تین ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ واقف نے خود اپنے لئے یا کسی دوسرے شخص کے لئے یا اپنے ساتھ ساتھ دوسرے کے لئے بھی استبدال کی شرط لگادی ہو، بایں طور کہ جب چاہیں گے اس وقف کا تبادلہ کردیں گے، تو اس صورت میں استبدال جائز ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی صراحۃً شرط لگادی، لیکن آگے چل کر وقف کی ایسی حالت ہوگئی کہ یا تو اس سے بالکلیہ استفادہ مفقود ہوگیا ہے یا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ وہ سارا کا سارا وقف شدہ چیز کے خرچ میں صرف ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں بھی استبدال وقف جائز ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی، بایں طور کہ بالکل خاموش رہا یا عدم استبدال کی شرط لگادی ہے، لیکن وقف سے کچھ نہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور استبدال میں فائدہ زیادہ نظر آتا ہے، تو ایسی صورت میں صحیح قول کے مطابق زیادہ فائدہ کے لئے استبدال جائز نہیں ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: رد المحتار ۳/ ۳۸۷)۔

مالکی مذہب: مالکیہ نے اوقاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں، اور ہر ایک کے لئے الگ الگ احکام بھی بیان کئے ہیں:

ا۔مساجد کی خرید فروخت کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

۲۔زمینوں (عقار) کی بھی خرید فروخت جائز نہیں گرچہ وہ خراب ہورہی ہوں، اور نہ ہی اسی جنس کی دوسری زمین سے ان کا استبدال جائز ہے، نیز ان کی لکڑیوں کی بیع بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر ان لکڑیوں کا موقوفہ زمین میں واپس آنا ممکن نہ ہوتو اسی جیسی دوسری موقوف زمین میں منتقل کرنا جائز ہے، مالکیہ کے مسلک کے اعتبار سے صرف ایک صورت میں موقوفہ زمینوں کو فروخت کرسکتے ہیں اور وہ ہے مسجد یا راستہ کو کشادہ کرنے کے لئے۔

۳۔موقوفہ سامان یا جانور کو اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ ان کی منفعت ختم ہوچکی ہو، بایں طور کہ جانور بوڑھاپے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہوگیا ہو، یا کپڑا اتنا پرانا ہو کہ اس کا استعمال ممکن نہ ہو۔ یہ مسلک تو مشہور مالکی فقیہ ابن القاسم کے مطابق ہے، لیکن ایک دوسرے فقیہ ابن ماجشون ان سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی بھی بیع جائز نہیں۔

شافعی فکر: شوافع کے مسلک کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ا۔مساجد: ان میں تصرف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، نہ خرید فروخت کے ذریعہ اور نہ کسی دوسرے ذرائع سے، خواہ مسجد منہدم ہوگئی ہو یا محلہ اور شہر کی آبادی ختم ہونے کی وجہ سے اس میں نماز ادا نہ کی جاتی ہو، ایسی صورت میں اس مسجد کے ''غلہ'' کو دوسری مسجد جو قریب ترین ہو لگایا جاسکتا ہے۔

۲۔مسجد کی چٹائیاں: عدم انتفاع کی صورت میں ان کی بیع جائز ہے، لیکن ان کی قیمت مصالح مسجد پر ہی صرف کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ ان کے علاوہ موقوفہ جانور اور درخت وغیرہ، اگر ان سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہوتو فروخت کیا جاسکتا ہے، بلکہ فروخت کردینا بہتر ہے اور ان کی قیمت فقراء ومساکین اور مصالح

مسلمین میں صرف کردیا جائے۔

حنبلی مذہب: اوقاف کی منفعت جب کالعدم ہوجائے تو فروخت کردینا جائز ہے، ہاں اگر ان سے تھوڑا بھی انتفاع ہورہا ہو تو بیچنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اصلاً اوقاف کی بیع ناجائز ہے، اس کی اجازت صرف ضرورت اور اوقاف کے مقصود کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اسی طرح مساجد کو بھی صرف اس وقت منتقل کرنا جائز ہے جب کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۱-۲۲۷)۔

پنجاب وہریانہ وغیرہ کے اوقاف کی منتقلی:

بہت سے اوقاف خصوصاً پنجاب وہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے اس میں مساجد، قبرستان، مدارس اور خانقاہیں ہر قسم کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے، ایسی صورت میں:

الف۔ اوقاف کو فروخت کرکے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

"عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض فقال: نعم... ولا سيما في زماننا، فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد، وكذلك أوقافه يأكلها النظار أو غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج

إلی النقل إلیه" (ردالمحتار ۳/ ۳۷۲)۔

شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ ان سے ایسی مسجد اور حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوگئی ہو اور لوگوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کی ضرورت باقی نہ ہو تو کیا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان کے اوقاف کو کسی مسجد یا حوض کی طرف منتقل کردے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں اختیار ہے... اور خاص طور سے ہمارے زمانہ میں، اس لئے کہ اگر مسجد اور اس کے علاوہ مثلاً سرائے اور حوض جب منتقل نہ کی جائیں گی تو چور اور شرپسند عناصر اس وقف کی ٹوٹی پھوٹی چیز پر اپنا قبضہ جمالیں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور اسی طرح اس کے اوقاف کو منتظمین وغیرہ کھاجائیں گے، اور منتقل نہ کرنے سے ایک خرابی یہ بھی لازم آئے گی کہ وہ مسجد جو ضرورت مند ہے وہ بھی ویران اور خراب ہوجائے گی۔

نیز دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)۔

لیکن اگر وقف کی یہ حالت ہوگئی ہو کہ اس سے انتفاع بالکل نہ ہو رہا ہو بایں طور کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہ ہوتا ہو یا اس کی آمدنی سے وقف کی ضرورت بھی پوری نہ ہوتی ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق تبادلہ جائز ہے جب کہ قاضی کی اجازت سے ہو اور قاضی اس میں مصلحت دیکھتا ہو۔

اور اس سلسلہ میں فقیہ عصر ڈاکٹر وہبہ زحیلی یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"إذا انهدم وقف ولم یکن له شئ یعمر منه ولا أمکن إجارته ولا تعمیره ولم تبق إلا أنقاضه من حجر وطوب وخشب صح بیعه بأمر الحاکم" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۱)۔

جب وقف منہدم ہوگیا ہو اور اس کی تعمیر کے لئے کچھ نہ ہو، اور نہ ہی اس کو اجارہ پر دینا

ممکن ہو اور نہ ہی اس کی تعمیر ممکن ہو، اور سوائے اس کی ٹوٹی پھوٹی چیز مثلاً پتھر، اینٹ، اور لکڑی کے کچھ بھی باقی نہ ہو تو حاکم کی اجازت سے اسے فروخت کردینا جائز ہے۔

علامہ شامی ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

"قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي" (رد المحتار ۳/ ۳۸۴)۔

ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ وقف جب اس حالت میں پہونچ جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ ختم ہوگیا ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اسے فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے دوسری چیز خرید لے، اور یہ اختیار صرف قاضی کو ہے۔

ب۔ نیز ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری رکھنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ یہ بھی مبادلۃ المال بالمال ہے، گو دونوں کی جنس ایک ہے۔

ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے ہیں، بلکہ انہی جیسا دوسرا وقف قائم کرنا ہوگا، اور اگر ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت انہی جیسے دیگر اوقاف جو اس سے قریب ترین ہوں اس میں صرف کیا جائے گا (یہی مسلک علامہ ابن تیمیہ کا بھی ہے، فقہ السنۃ ۳/ ۳۸۴)، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه" (الدر المختار)۔

(سرائے اور کنواں سے جب انتفاع ختم ہوجائے تو مسجد، سرائے اور حوض کے وقف کو قریب کی مسجد یا سرائے، کنواں یا حوض پر خرچ کیا جائے گا)۔

زائد از ضروریاتِ مسجد کا مصرف:

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے کہیں زیادہ ہے، ایسی زائد آمدنی سے جوفی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، اس سے نہ تو دینی یا عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مسجد کی آمدنی کو رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس آمدنی کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیا جائے، نیز مصالح مسجد، مثلاً امام، خطیب، مسجد کی لائٹ وروشنی اور چٹائی وغیرہ میں صرف کیا جائے گا، پھر بھی اگر کچھ بچ جائے تو دوسری قریب کی مسجد میں صرف کیا جائے گا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے شیخ اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۳۶۲ھ) کی عبارت ملاحظہ ہو:

''مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاوی ۲/۵۹۶)۔

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ (م: ۱۰۸۸ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح و إن لم يشترطه الواقف لثبوته اقتضاءً'' (الدر المختار مع الرد ۳/۳۷۶)۔

اس کی آمدنی پہلے اس کی عمارت پر اور پھر اس کو آباد کرنے والے ذرائع پر خرچ کی جائے گی، مثلاً مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس ان کو انکی کفایت کے بقدر دیا جائے گا، پھر چراغ اور چٹائی پر خرچ کیا جائے گا، اسی طرح آخری مصلحت تک، گرچہ واقف نے اس کی شرط نہ لگائی ہو، اس لئے کہ یہ اقتضاء ثابت ہے۔

اس عبارت میں ''مدرس مدرسہ'' سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرسہ بھی مصارف مسجد میں شامل ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۳۶۲ھ) رقمطراز ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور وقف علی المدرسہ میں مدرس وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے، اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں، بلکہ دو ورق کے بعد ایک جزئی مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۷)۔

دیگر اوقاف کی زائد آمدنی کا مصرف:

الف۔ بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کی آمدنی ان کے لئے متعین مصارف سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو سال بسال جمع ہو کر بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ، بلکہ خالی از خطرہ نہیں، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہوتا ہے اور منتظمین وغیرہ کی طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جا سکتا ہے اور نہ آئندہ حفاظت یا اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورت میں فاضل آمدنی دوسرے مواقع میں صرف کرنا درست ہے، مثلاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کردیا جائے اور یہی بہتر ہے، چنانچہ مفتی نظام الدین اعظمی (حفظہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی آمدنی سے دوسرے محتاج اعانت قبرستان پر خرچ کرنا یا مستقل دوسرا قبرستان قائم کرنا زیادہ قابل ترجیح ہوگا'' (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)۔

ب۔ نیز اس زائد آمدنی کو دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں بھی صرف کرنا جائز ہے، چنانچہ مولانا موصوف (مدظلہ العالی) تحریر فرماتے ہیں:

''اور اگر دوسرا قبرستان محتاج اعانت نہ ہو تو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)۔

علامہ ابن تیمیہ کی عبارت اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

"**فإنه يصرف ريع الوقف عليه إلى غيره وما فضل من ريع وقف عن مصلحته صرف في نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما فلا فائدة**" (مجموعہ الفتاوی ۱۸/۳۱)۔

کسی پر وقف شدہ چیز کی آمدنی اسی پر خرچ کی جائے گی اور جو اس کے مصالح سے بچ جائے اس کو اسی مثل میں یا اسی محلّہ کے مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ روکے رکھنا جائز نہ ہوگا۔

ملی ودینی اور علمی کام مثلاً مدارس ومکاتب کی تعمیر نیز مساجد بھی مصالح مسلمین میں سے ہیں لہذا ان میں صرف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کے لئے فروخت کرنا:

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّہ کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، اور اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے مکان موقوفہ کو فروخت کر کے وقف کی آمدنی بڑھانے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جو مفتی بہ ہے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جو زیادہ منفعت بخش ہو خرید کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں:

"**الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صقعاً، فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى، كما في فتاوى قارى الهداية**" (رد المحتار ۳/۳۸۹، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۲۲)۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ لوگ زیادہ آمدنی اور بہترین جائے وقوع کی وجہ سے تبادلہ کے خواہاں ہوں تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ "قاری الہدایہ" کے فتاوی میں ہے۔

لیکن علامہ شامی آگے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ آج کل دیانتداری کا فقدان ہے اور ہر طرف ظلم وزیادتی کا دور دورہ ہے، دلوں میں خوف خدا کا نام ونشان تک نہیں، ذمہ دار اور ظاہراً اچھے لوگوں کا دامن بھی اس سے پاک نہیں، اس لئے آج کے دور میں سداً للذریعہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا زیادہ مناسب ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ولا يحصى فان ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال في الإسعاف: المراد بالقاضي وهو قاضي الجنة المفسر بذى العلم والعمل ولعمرى أن هذا أعز من الكبريت الأحمر، وما أراه إلا لفظا يذكر، فالأحرى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد والله سائل كل إنسان" (ردالمحتار ۳۸۹/۳)۔

(استبدال کے سلسلہ میں ہم نے ان گنت مرتبہ مشاہدہ کیا ہے کہ ظالم قاضی اس استبدال کو مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرنے کا حیلہ بناتے ہیں، اسی وجہ سے اسعاف میں مصنف نے کہا کہ قاضی سے مراد قاضی الجنۃ ہے، یعنی جس کے پاس علم اور عمل دونوں ہوں، لیکن میری جان کی قسم اب ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں، بس یہ کہنے کی بات ہے، لہذا مناسب یہی ہے کہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے خوف سے عدم جواز ہی کا فتوی دینا چاہئے، اللہ تعالی ہر انسان سے پوچھ گچھ کرنے والا ہے)۔

اسی وجہ سے علامہ بیری کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"قال العلامة البيرى... فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة ولأنه لا موجب لتجويزه؛ لأن الموجب في الأول

الشرط وفی الثانی الضرورة ولاضرورة فی هذا إذ لا تجب الزیادة بل تبقیه کما کان" (ردالمحتار ۳/۳۸۹)۔

علامہ بیری نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، اس لئے کہ وقف کو اسی حالت میں باقی رکھنا واجب ہے نہ کہ زیادتی کرنا، اور اس لئے بھی کہ اس کے جواز کی کوئی چیز متقاضی بھی نہیں ہے، پہلے میں تو تقاضا کرنے والی چیز شرط تھی اور دوسرے میں ضرورت اور یہاں کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ زیادتی واجب نہیں، بلکہ اس کو علی حالہ باقی رکھنا واجب ہے۔

اور شرائط استبدال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"والثالث أن لا یشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار" (کتاب مذکور ۳/۳۸۷، نیز ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۲۲۱)۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، لیکن اس میں فی الجملہ نفع بھی ہوتا ہو اور اس کا تبادلہ فائدہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو، تو بھی اصح اور مختار قول کے مطابق استبدال جائز نہیں۔

لیکن اگر واقعی دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تبارک وتعالی کے پکڑ سے خوف کھاتے ہوئے اوقاف کو زیادہ منافع بخش بنانے کی غرض سے اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنے کا کوئی ذمہ دار شخص ارادہ رکھتا ہو تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ ابو یوسفؒ کا مسلک ہے، ورنہ نہیں۔

اوقاف کے مصارف ختم ہو جانے کی صورت میں آمدنی کا مصرف:

بہت سے اوقاف ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مصارف ختم ہو چکے ہوتے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان اب ختم ہو گیا یا اس خاندان کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا مثلاً کسی مسجد ومدرسہ کے لئے وقف تھا اور اب نہ وہ

مسجد باقی ہے اور نہ ہی مدرسہ، تو ایسے اوقاف کی آمدنی کا مصرف دوسرے فقراء ہوں گے یعنی محلّہ، گاؤں اور شہر کے دیگر محتاج اور ضرورتمند لوگوں کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، چنانچہ علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

''وإذا انقطع المصرف صرف إلى الفقراء ولايعود إلى ملكه إن كان حيا وإلى وارثه إن كان ميتاً'' (مجمع الانہر ۱/ ۷۴۴، نیز دیکھئے: شامی ۳/ ۳۶۶)۔

(جب مصرف ختم ہوجائے تو فقراء کو دے دیا جائے گا، وہ نہ واقف کی ملکیت میں واپس آئے گا اگر وہ زندہ ہو اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی ملکیت میں)۔

اور علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''واختلف الترجيح والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل كما في المنح عن البحر وبه يفتى، كما في الدرر و صدرالشريعة، وفي الفتح أنه أوجه عند المحققين'' (درالمنتقی بہامش المجمع ۱/ ۷۴۴، اور دیکھئے: درمختار مع الرد ۳/ ۳۶۶)۔

(ترجیح میں اختلاف ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط بھی ہے اور آسانی بھی، جیسا کہ منح میں بحر سے نقل کیا ہے، درر اور صدر الشریعہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اور فتح القدیر میں ہے کہ محققین کے نزدیک یہی زیادہ مناسب ہے)۔

الف۔ کسی بلڈر کو اوقاف مشروط طور پر حوالہ کرنا:

بعض اوقاف کی عمارتیں، مثلاً مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے کہ اس کی از سر نو تعمیر کی جائے یا اس کی اصلاح ومرمت کا کام ہو سکے، لیکن کوئی عمارتی ٹھیکیدار اس کے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کر دیگا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہو گی جس میں اس (بلڈر) کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے لئے، ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ یا کوئی موقوفہ زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس زمین

سے انتفاع کی کوئی صورت ہے اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے مذکورہ معاملہ کرنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ متولی اور ذمہ دار حضرات کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ وقف کا کچھ حصہ فروخت کرکے بقیہ کی ترمیم و اصلاح وغیرہ کرے، ''عالمگیری'' میں ہے:

''إذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضا منها لیرمّ الباقی بثمن ما باع لیس له ذلک'' (الفتاوی الہندیہ ۲/۴۱۷)۔

(جب وقف کی زمین خراب ہو جائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض حصہ کو فروخت کرکے ثمن سے باقی کی ترمیم کرے یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا)۔

جب ترمیم کے لئے بعض حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو اس بات کا اختیار دینا کیوں کر ممکن ہوگا کہ وہ بلڈر کو وقف کا ایک حصہ بطور ملک دے دے۔ ہاں اگر کسی بلڈر سے ایسا معاملہ ہوگیا ہو تو جس حصہ یا عمارت کے ملکیت بلڈر میں چلے جانے کی شرط ٹھہری تھی وہ اس کی ملکیت میں داخل تو نہیں ہوگی، البتہ اس کے خرچ کو پورا کرنے کے لئے پوری (تیار شدہ) عمارت یا اس کا کچھ حصہ اس بلڈر کو بطور اجارہ دے دیا جائے، تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا صرفہ وصول کرلے۔

ب۔ ترمیم و اصلاح کے لئے وقف کے بعض حصہ کی فروختگی:

اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کرنے کی فقہ حنفی میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، چنانچہ ''عالمگیری'' میں ہے:

''وإذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضا منها لیرمّ الباقی بثمن ما باع لیس له ذلک فإن باع القیم شیئا من البناء لم ینهدم لیهدم أو نخلة حیة لتقطع فالبیع باطل فإن هدم المشتری البناء أو صرف النخلة ینبغی

للقاضی أن یخرج القیم عن هذا الوقف؛ لأنه صار خائنا ثم القاضی إن شاء ضمن قیمة ذلک البائع، وإن شاء ضمن المشتری فإن ضمن البائع نفذ بیعه وإن ضمن المشتری یبطل بیعه" (الفتاوی الہندیہ ۲/۴۱۷)۔

جب وقف کی زمین خراب ہوجائے اور متولی کا ارادہ ہو کہ اس میں سے بعض کو فروخت کردے، تا کہ ثمن سے اس کی ترمیم ہوجائے تو یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا، لہذا اگر غیر منہدم عمارت کا کچھ حصہ فروخت کردیا تا کہ اسے منہدم کردیا جائے یا شاداب کھجور کے درخت کو فروخت کیا تا کہ اسے کاٹ دیا جائے تو بیع باطل ہوجائے گی، چنانچہ اگر مشتری نے عمارت کو ڈھادیا یا کھجور کے درخت کو اکھاڑ دیا تو قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس متولی کو اس وقف سے برطرف کردے اس لئے کہ وہ خیانت کرنے والا ہوگیا، پھر قاضی چاہے تو مشتری کو ضامن قرار دے، اور اگر چاہے تو اسی بائع کو ضامن قرار دے، اگر وہ بائع کو ضامن قرار دیگا تو اس کی بیع نافذ ہوجائے گی اور اگر مشتری کو ضامن قرار دیا تو اس کی بیع باطل ہوجائے گی۔

اس کی از سر نو تعمیر کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین کو اجارہ پر دیدیا جائے اور حاصل شدہ آمدنی سے اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کردیا جائے۔

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین پر مدرسہ کی تعمیر:

کیا مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضروریات سے زائد ہو اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں مسجد کے اوقاف اور دیگر اوقاف میں فرق کرنا چاہئے کہ مساجد کے اوقاف تو صرف مصالح مسجد، مثلاً اس کی ترمیم، امام ومؤذن اور خطیب وغیرہ کی تنخواہیں یا متولی وذمہ داران یا دوسری محتاج تعمیر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائیں، مدرسہ وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ علامہ اشرف علی تھانوی (م: ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں۔

"مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہوتو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق

مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب'' (امداد الفتاوی ۲/ ۵۹۶)۔

ہاں دیگر اوقاف کی ضروریات سے زائد چیزیں، مثلاً قبرستان کی موقوفہ زمین جو اس قبرستان کے مصارف سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب (مدظلہ العالی) کی رائے ہے:

''اور اگر قبرستان محتاج اعانت نہ ہوتو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کی جائے یا اس میں مسجد تعمیر کردی جائے یا دینی مدرسہ قائم کردیا جائے'' (نظام الفتاوی ۱/ ۱۷۵)۔ اور علامہ ابن تیمیہؒ کی تحریر بھی ملاحظہ ہو:

"وما فضل من ريع الوقف عن مصلحته صرف في نظيره أو مصلحة المسلمين من أهل ناحيته ولم يحبس المال دائما بلا فائدة" (مجموعۃ الفتاوی ۳۱/ ۹۳)۔

(اور وقف کے منافع جو اس کی مصلحت سے بچ جائے اس کو اسی کے ہم مثل میں صرف کیا جائے گا یا اسی محلّہ کے مسلمانوں کی مصلحت میں، اور مال کو بلا فائدہ ہمیشہ نہیں روکا جائے گا۔

یہ واضح رہے کہ مدارس ومکاتب دینیہ کا قیام بھی مصالح مسلمین میں سے ہے)۔

تدفین پر پابندی لگائے گئے قبرستان سے انتفاع کی شکل:

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہورہا ہو یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے اس کے استعمال اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہو اور اس کی وجہ سے ان پر قبضہ کا خطرہ ہوتو ایسی صورت میں ان سے انتفاع کی جتنی شکل ہوسکتی ہے اختیار کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ اس کو چہار دیواری سے محفوظ کرکے اس میں کل کے اندر باغ لگادیا جائے، یا مثلاً اسی کے حواشی پر بیرون رخی دوکانیں اور اندر باغ لگادیا جائے اور اس کی آمدنی سے دوسرے قبرستان کی زمین خرید لی جائے یا دوسرا قبرستان ہوتو اس پر خرچ کیا جائے، یا اگر نہ دوسرے قبرستان کی ضرورت ہو اور نہ ہی دوسرا قبرستان محتاج اعانت ہوتو اس کی آمدنی دینی مدارس پر خرچ کیا جائے یا اس میں مسجد کی تعمیر

کر دی جائے یا مدرسہ قائم کر دیا جائے یا نفع عام کے لئے کوئی رفاہی، دینی کام کیا جائے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کو ثواب پہنچتا رہے، اس لئے کہ واقف کا قبرستان کے لئے زمین وقف کرنا مسلمانوں کے نفع عام کے لئے ہی تھا۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے دوکانوں کی تعمیر:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جس اقدام کی ضرورت ہو وہ عمل میں لانا ضروری ہے، اس میں تساہل وکاہلی اور لاپرواہی سے کام لینا قطعاً جائز نہیں، مثلاً اسکو چہار دیواری سے گھیر دینا چاہئے اگر چہار دیواری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو کم سے کام کانٹے دار تار وغیرہ سے ہی سہی اسے محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر تار سے کام نہ چلتا ہو اور چہار دیواری کے بنانے کا بھی کوئی ذریعہ نہ ہو، اور حکومت یا دیگر شر پسند لوگوں کی طرف سے قبضہ کا خطرہ ہو تو اس قبرستان کے اطراف بیرون رخی دوکانیں تعمیر کرادی جائیں، جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے کام کرلیا جائے، ایسا کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، گو اس کام میں قبرستان کے اطراف چند فٹ زمین دوکانوں میں چلی جائے گی، اس لئے کہ اس قبرستان کی حفاظت کے لئے اور کوئی دوسری سبیل نظر نہیں آتی، بعد میں ان دوکانوں کی آمدنی اسی قبرستان کے مصارف میں خرچ کئے جائیں اور فاضل آمدنی دوسرے محتاج اعانت قبرستان یا دینی مدارس پر صرف کیا جائے یا مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کر دی جائے، یا دیگر مصارف خیر میں صرف کیا جائے۔

قبرستان میں مسجد کی توسیع:

بہت سے بڑے شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوتی ہے جو ممکن ہے کسی زمانہ میں تدفین کے لئے آنے والے حضرات کی رعایت سے بنائی گئی

ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں، اب یہ دیکھا جارہا ہے کہ اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہے، تو کیا اس قبرستان کی زمین میں مسجد کی توسیع کرسکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل ہے کہ اگر اس قبرستان میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے یا اس مسجد کے آس پاس جدید قبریں ہیں تو ایسی صورت میں دائیں بائیں آگے اور پیچھے اس مسجد کی توسیع کی گنجائش نظر نہیں آتی، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اوپر کی منزلوں میں توسیع کریں ایک دو جتنی منزلیں چاہیں اوپر بناسکتے ہیں اور اس طرح توسیع کا عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر قبرستان بہت پرانا ہوگیا ہے اور اس میں تدفین کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے، یا قبرستان تو زیر استعمال ہو، لیکن آس پاس کی قبریں اتنی پرانی ہوگئی ہوں کہ جسد میت کے مٹی ہوچکنے کا ظن غالب ہوچکا ہو تو اس قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا، اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنالینا درست ہے، چنانچہ عالمگیری میں تبیین الحقائق سے نقل کیا گیا ہے:

''لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه'' (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۶۸، نیز ملاحظہ ہو: رد المحتار ۱/۶۰۹۔ کتاب الجنائز)۔

اگر میت گل کر مٹی ہوجائے تو اس کے علاوہ دوسرے میت کو اس کی قبر میں دفن کرنا جائز ہے، نیز اس پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا بھی جائز ہے جب کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو اس پر مسجد کی توسیع اور تعمیر بلاشبہ جائز و درست ہوگی، چنانچہ " تاریخ الکعبة المعظمة'' میں ہے:

''ما بین المقام والرکن وزمزم قبر تسعة وتسعین نبیاً'' (ص/۱۶۷)۔

(مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں)۔

اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کردی جاتی تھی تو نبی علیہ السلام بیت اللہ شریف کے پاس آکر پناہ لیتے تھے اور وہیں تا زندگی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتے ہیں، اور اب جب کہ ان

قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانہ قدیم سے وہ قبریں حدودحرم میں آگئیں، اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبریں حطیم میں ہیں جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں، یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد وتعمیر جائز ہے۔

اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

اس سلسلہ میں نفی یا اثبات میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرائط تولیت پر ایک نظر ڈال لی جائے، دور حاضر کے مشہور عالم دین اور مذاہب اربعہ کے معتمد ناقل ڈاکٹر وہبہ زحیلی (حفظہ اللہ) نے لکھا ہے کہ ناظر ومتولی کے لئے کل تین شرطیں ہیں: (۱) عدالت: یعنی دیانتداری کی صفت ناظر ومتولی میں پائی جانی چاہئے، یہ جمہور کا قول ہے، حنابلہ عدالت کی شرط نہیں لگاتے ہیں۔ (۲) کفایہ: یعنی قوت کا ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ وہ ان تصرفات کے انجام دینے پر قادر ہو جن کا انہیں حق ہے، اسی قدرت میں بلوغ اور عقل کی شرط شامل ہے، البتہ مذکر ہونا شرط نہیں، بلکہ عورت بھی تولیت کے فرائض انجام دے سکتی ہے۔ (۳) اسلام: یعنی اگر اوقاف مسلمانوں کے ہیں تو ان کا ناظر اور متولی بھی مسلمان ہونا چاہئے یا مسجد جیسی دینی اور مذہبی چیزوں کے لئے مسلمان متولی کا ہونا ضروری ہے، ہاں اگر اوقاف غیر مسلم کے لئے ہیں تب غیر مسلم بھی ان کی تولیت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں، یہ مسلک جمہور کا ہے تاہم حنفیہ اس تیسری شرط کے قائل نہیں ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۳۲)۔ علامہ شامی بھی حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته و إسلامه لما في الإسعاف"

(ردالمحتار ۳/ ۳۶۵)۔

(صحت تولیت کے لئے متولی کا بالغ ہونا اور عقل مند ہونا شرط ہے، اس کا آزاد ہونا اور مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ اسعاف میں ہے)۔

اوپر مذکور تفصیل سے **معلوم** ہوتا ہے کہ اسلامی مقاصد کے **تحت** وجود میں آنے **والے** **اوقاف** کا **غیر** **مسلم** ادارہ کی تولیت میں رہنا جائز ہے، **تاہم** ہم **مسلمانوں** کو **کوشش** کرنی چاہئے کہ ایسے اوقاف **کو مسلم** وقف بورڈ کے **تحت** **لائیں** اور اس **کوشش** میں ہر فرد کو ایک دوسرے کا تعاون کرنا اپنا فریضہ سمجھنا چاہئے۔

زائد از ضرورت اوقافی جائداد کا حکم

مولانا قمر الزماں ندوی ☆

اسلام ایک مکمل دین اور کامل دستور العمل ہے، جس میں انسان کے زندگی گذارنے کے لئے تمام اسباب ووسائل فراہم اور مہیا ہیں، مذہب اسلام کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اس نے انسان کے معاشی مشکلات اور اقتصادی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مختلف مدات کو متعین کیا ہے تا کہ انسان صحیح طریقے سے زندگی گذار سکے، ان مدات میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے جس میں ایک شخص اپنی جائداد کو للہ فی اللہ وقف کرتا ہے، تا کہ محتاج وضرورت منداپنی ضرورتوں کو پوری کرسکیں، اسکے ساتھ ہی موجودہ دور میں حکومت اور متولیان وقف کی بے راہ روی اور حرص وہوس کی وجہ سے اوقاف کے چند نئے مسائل ابھر کر سامنے آ گئے ہیں، ذیل میں ان سوالوں کے جوابات جدید وقدیم فقہ وفتاوی کی کتابوں سے دئے جارہے ہیں (واللہ من وراء القصد وھو یھدی السبیل)۔

الف۔ ایسے اوقاف کو جو مسلمانوں کی آبادی کے منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہیں اگر وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہو، اور واقف کے مقاصد کو بروئے کار لانا نا قابل عمل ہوگیا ہوتو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف کے ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہو، یا بالکل ہی نا قابل انتفاع ہوجائیں، تو فروخت کر کے ان کے بدلے میں متوازی ومماثل دوسری چیزیں

خرید کر وقف کر دی جائیں۔

"قال هشام: سمعت محمدا يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلک إلا للقاضي" (البحر الرائق ۵/۲۰۷)۔

(ہشام کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا کہ جب وقف اس پوزیشن میں ہو جائے کہ اس سے مساکین فائدہ نہ اٹھا سکیں تو قاضی کو حق ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی قیمت سے اسی کے متوازی خرید لے، یہ حق صرف قاضی ہی کو ہے)۔

"عن شمس الأئمة الحلواني ينقل الذخيرة حين سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولي أن يبيعه ويشتري مكانه أخرى قال: نعم، والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه قال الفقيه أبو جعفر ينبغي أن يكون ذلک بأمر الحاكم احتياطا في موضع الخلاف" (البحر الرائق ۵/۲۰۷)۔

(شمس الائمہ حلوانی نقل کرتے ہیں، جب ان سے اس مسجد کے اوقاف کے بارے میں سوال کیا گیا جو معطل اور بیکار ہو، کیا متولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو بیچ کر دوسری خرید لے تو انہوں نے کہا ہاں، اور مناسب اور درست یہ ہے کہ بیچنا جب واقعتاً ضروری ہو تو جائز ہے، فقیہ ابوجعفر کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ مختلف فیہ مقامات میں یہ حکم حاکم کی اجازت سے ہو)۔

ب۔ ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے، لیکن عمومی صورت میں نہیں، یہ اس صورت میں ہے جب اوقاف پر حکومت اور غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہو اور جن مقامات پر وہ اوقاف ہوں ان کو آباد کرنا ناممکن ہو گیا ہو۔

ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں ہے، واقف کے منشا کا

خیال بہر حال ضروری ہے۔

الف ۔ ایسے مقامات جہاں مساجد اور مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہوں اور مسلمانوں کی آبادی بہت ہی معمولی رہ گئی ہو، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہوں، اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تو اس صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر مسجد میں اس کی ضرورت بالکل نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اوقاف کی زائد آمدنی وقف شدہ چیزوں ہی میں صرف کیا جائے، اگر واقف وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی تو وقف تام ہو جانے کے بعد اس عبارت ''**وأما الاستبدال ولو للمساكين بدون شرط فلا يملك**'' کی وجہ سے یہ استبدال جائز نہ ہوگا۔

ب ۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا اس صورت میں بالکل درست نہیں ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو۔

ایسے اوقاف جن کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہو اور سال بسال جمع ہو کر ایک بڑا سرمایہ بنتی جاتی ہو اور طویل عرصہ تک حفاظت دشوار نہیں، بلکہ خالی از خطرہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں فاضل آمدنی کا دوسرے اوقاف کی ضروریات، نیز ملی و دینی، علمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں استعمال کرنا بالکل درست ہوگا، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''**حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر....**'' (شامی ۴؍۴۰۷)۔

(مسجد کی گھاس مسجد کی چٹائی اسی طرح رباط اور کنواں جب مسجد کی ضرورت سے زیادہ ہو اور اس سے انتفاع بھی ناممکن ہو تو مسجد کے وقف کو رباط اور حوض کو کسی قریبی مسجد یا رباط یا کنویں میں صرف کر دینا چاہئے)۔

وہ اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ پر کوئی مکان وقف ہے، لیکن اس کا کرایہ بہت معمولی ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو اس صورت میں اس کم منفعت بخش اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقام پر اگر تجارتی دکان خرید لی جائے جس سے آنے والی آمدنی اس سے کئی گنا زیادہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''وفی المنتقی قال هشام: سمعت محمدا یقول: الوقف إذا صار بحیث لاینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی'' (شامی ۴/۴۱۹)۔

(منتقی میں ہے ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ وقف جب اس حیثیت میں ہو جائے کہ اس سے مساکین کا فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو تو قاضی کے لئے حق ہے کہ وہ اس کو بیچ دے اور اس کی قیمت سے دوسرا خرید لے اور یہ حق صرف قاضی کے لئے ہے)۔

علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں:

''وقد روی إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستعمال والقیم یجد بثمنها أخری أکثر ریعا کان له أن یبیعها ویشتری بثمنها ما هو أکثر ریعا''۔

(اور روایت کی گئی ہے کہ جب موقوف شدہ زمین ہی استعمال کے لائق نہ رہے اور متولی اس کی قیمت سے دوسری جگہ اس سے زیادہ نفع بخش پائے تو اسکو حق ہے کہ وہ اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے اس سے زیادہ نفع والے کو خرید لے)۔

''وعن شمس الأئمة الحلوانی حین سئل عن أوقاف المسجد إذا تعطلت هل للمتولی أن یبیعها ویشتری مکانها أخری قال نعم'' (البحر الرائق ۵/۲۰۷)۔

(شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے کہ جب ان سے مسجد کے اوقاف کے سلسلے میں پوچھا گیا جب کہ وہ بیکار ہوگیا ہوتو کیا متولی کے لئے جائز ہے کہ وہ اسکو بیچ دے اور اس کی جگہ دوسری زمین خرید لے، انہوں نے کہا: ہاں!)۔

ایسے اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہوں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی، اور اب وہ خاندان ختم ہوگیا ہو یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہوں، یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھا لیکن اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ مدرسہ، ان تمام صورتوں میں اوقاف کی آمدنی کا مصرف اس سے قریب جو مسجد اور مدرسہ ہے یا وہاں کے جو فقراء ہیں وہ اس کے مستحق ہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والے اور وہاں کی مسجد اور مدرسہ اس سے مستغنی ہوتو متولی وقف کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس آمدنی کو انہی مصارف میں دوسری جگہوں پر خرچ کرے۔ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"إذا سمى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء ولو لم يسمهم هذا هو الصحيح عندنا.. ولا يعطى للفقراء شئ مادام الموقوف عليه حيا، فإذا مات صرف للفقراء" (البحر الرائق ۵/۱۹۸)۔

جب وقف کے اندر کوئی جہت (مد) ایسی متعین کرے جو ختم ہو جائے تو اس کے بعد وہ فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس نے اس کی صراحت نہ کی ہو، اور فقراء کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا جب تک موقوف علیہ باقی رہے، جب وہ مر جائے تو اس کو فقراء کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔

الف۔ ایسے اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں، اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ بھی نہ ہو، لیکن اگر کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہو جائے کہ اس مخدوش عمارت کو نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط کے ساتھ تعمیر کرے گا کہ اس کی ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی اور اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس

صورت میں اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وقف شدہ زمین کسی کی ملکیت میں دینا درست نہیں ہے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف شدہ زمین کا بیچنا، یا رہن میں رکھنا درست نہیں۔

"أنه لا يباع أصلها ولا تبتاع ولا تورث ولا توهب"۔

اوقاف کی چیزیں نہ بیچی جاسکتی ہیں اور نہ خریدی جاسکتی ہیں اور نہ وراثت اور ہبہ میں دی جاسکتی ہیں۔

آئندہ وہ زمین نہ تو بیچی جائے گی نہ خریدی جائے گی نہ اس میں وارثت جاری ہوگی اور نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی۔ البتہ اس زمین کو اجرت پر دینا اور اس اجرت کی آمدنی سے وقف کی تعمیر کرنا درست ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"قال في الخلاصة: هذا دليل إذا احتاج إلى نفقة تواجر قطعة بقدر ما ينفق عليه ولا شك أن باحتياجه إلى نفقة لا تتغير أحكامه الشرعية ولا يخرج به عن أن يكون مسجدا" (البحر الرائق ۳۰۲/۵)۔

خلاصہ میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جب کسی نفقے کی ضرورت پڑے تو کسی حصہ کو اجرت پر رکھ دے اور وہ اتنی مقدار میں ہو جس سے وہ خرچ مکمل ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وقف کے نفقے کے محتاج ہونے کی صورت میں اس کے شرعی احکام متغیر نہیں ہوتے اور........

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"إن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه" (شامی ۳۷۶/۴)۔

اگر سرائے کی مرمت کی ضرورت پڑی تو ایک یا دو گھر اجرت پر رکھ دیا جائے گا جس سے اس پر خرچ کیا جائے۔

اسی طرح ایسے اوقاف جس پر کوئی عمارت نہ ہو اور اس سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو تو اس زمین کو کچھ دنوں کے لئے اجرت پر رکھنا درست ہے جتنے دنوں میں اس زمین سے فائدہ

اٹھانے کے لئے کوئی صورت نکل آئے۔ ہندیہ میں ہے:

"وکذلک وقف صحیح علی أقوام مسمین خرب ولم ینتفع به وهو بعید عن القریة لا یرغب فی عمارته، فیجوز أن یستأجر بشئ قلیل یبقی أصله وقفا" (فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۸۰)۔

اور اسی طرح وہ اوقاف صحیح جو کسی متعین قبیلہ اور جماعت کے لئے وقف ہو، خراب ہوجائے اور وہ قابل انتفاع نہ ہو اور وہ گاؤں سے اتنی دوری پر ہو کہ لوگ اس کی تعمیر کی طرف توجہ نہ دیتے ہوں تو جائز ہے کہ ان اوقاف میں سے کچھ حصہ کو اجرت پر دے دیا جائے جس سے اس اوقاف کو باقی رکھا جاسکے۔

ب۔ وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ، اس کا ملبہ یا اس کے انقاض کو اسی وقت فروخت کر کے نئی تعمیر کی جاسکتی ہے، جب کہ اس کے بغیر یہ ممکن ہی نہ ہو اور مسجد کے اوقاف کا اجرت پر دینا بھی ناممکن ہو یا وہ مسجد کے اوقاف ایسی جگہ پر ہوں جس سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہو، ان صورتوں میں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اوقاف کی زمینیں اجرت پر رکھ کر ہی مسجد یا اوقاف کی تعمیر کی جائے، "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"حیث قال سئل عن وقف إنهدم ولم یکن له شئ یعمر منه ولا أمکن إجارته ولا تعمیره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا کان الأمر کذلک صح بیعه بأمر الحاکم ویشتری بثمنه وقف مکانه" (فتاوی ہندیہ)۔

ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا جو منہدم ہوجائے، اس کا تعمیر کرنا ناممکن ہو، اجرت رکھنا بھی ناممکن ہو، اور نہ ہی اس کی تعمیر ممکن ہو تو کیا اس کے اثاثہ کو بیچا جاسکتا ہے؟ جو پتھر، لکڑی، اینٹ، وغیرہ میں شامل ہے تو جواب دیا گیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہو تو اس کی بیع حاکم کی اجازت سے صحیح ہے، اور اس کی قیمت سے اسی مکان کے مثل خریدے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہو اور اس درجہ میں ہو کہ مدتوں وہاں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی آئندہ ضرورت متوقع ہو تو اس صورت میں حواشی قبرستان پر مدرسہ کی عمارت تعمیر کرنا احقر کی رائے میں درست اور جائز ہے، کیونکہ وہ زمین ایک کار خیر میں استعمال ہو رہی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ قبرستان اور مسجد کی ضرورت سے واقعۃً فاضل ہو تبھی اس زمین کو دینی کاموں میں بھی بر سبیل مناسب با قاعدہ دیانۃً اس پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے ورنہ فی نفسہ کوئی صورت جواز کی نہیں ہے۔

ایسا قبرستان جس کے اطراف مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے یا قبرستان آبادی کے اندر آ گیا جس کی وجہ سے اُسمیں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی، اور قبضہ کا خطرہ ہو، بلکہ قبضہ ہو رہا ہو تو اس صورت میں اس قبرستان سے انتفاع کی صورت یہ ہے کہ وہاں کوئی دینی یا رفاہی ادارہ قائم کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کر کے اسی کے متوازی اور مماثل زمین خرید لی جائے اور قبرستان کی ضرورت کے لئے وقف کر دیا جائے، اور اگر قبرستان کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دوسرے دینی، رفاہی، ملی کاموں میں اس کو لگایا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر حکومت اور غیر مسلموں کے تسلط اور قبضہ کا خوف ہو تو اس صورت میں اس کو ختم کر دے اور اس کے بدلے دوسری جگہ بنادے اور اگر حاکم وقت اس کو توڑنا اور مسمار کرنا مناسب نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت کرے۔

وہ مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے بعض میں حکومت نے نماز کی ادائیگی سے منع کر دیا ہے، شرعاً اس کا مسئلہ یہ ہے کہ جو مسجد بن جاتی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دے، مسلمانوں کو اپنی مسجد کی بازیابی کے لئے اور دوبارہ نماز کی ادائیگی کے لئے پوری کوشش کرنی ہوگی، خصوصاً اس مسجد سے قریب رہنے والے لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ

قانونی طور پر حکومت کو مجبور کریں، اور دوبارہ نماز کی اجازت حاصل کریں، ورنہ ایسی مسجدوں کو آباد نہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔

''وأن المساجد لله'' (سورہ جن: ۱۸) قال المساجد کلھا۔

(اور بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں)، اور تمام مسجدیں اسمیں داخل ہیں، یعنی تمام مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دکان کی تعمیر کرنا اور پیشگی کرائے کے طور پر رقم لے کر اس کام کو کرانا درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں قبرستان کی حفاظت بھی ہو جائیگی اور زمین چند فٹ ہی دکانوں میں جائے گی، اب جو فاضل آمدنی ہوگی اس کو قبرستان کے دیگر مصارف یا اگر اس سے بہت زیادہ ہو تو دوسرے کار خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے، مفتی نظام الدین صاحب ''نظام الفتاوی'' میں لکھتے ہیں:

''کہ اگر وہ زمین جس میں چوحدی قائم کی جارہی ہے وہ مدفین کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آئندہ ضرورت متوقع نہ ہو تو اس صورت میں حواشی پر دکان بنا کر قبرستان کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اسکو دیگر دینی کاموں میں بر سبیل مناسب اور باقاعدہ دیانۃً خرچ کر سکتے ہیں'' (نظام الفتاوی ۱/ ۱۹۷)۔

بڑے شہروں میں جہاں وسیع قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہو، لیکن علاقہ میں آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع ضروری ہوگئی ہو تو اس سلسلہ میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر قبرستان میں تدفین جاری ہے تو بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے اندر مسجد کی توسیع نہ کی جائے، لیکن جب قبرستان میں قبریں اتنی پرانی ہو جائیں کہ میت کے جسم کا مٹی بن جانا غالب ہو گیا ہو تو فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس پر تعمیر کرنا جائز ہے، جہاں تک مسجد کی توسیع کی ضرورت ہے تو اس کا ثواب بھی تدفین سے کم نہیں اس لئے ایسے قبرستان میں جس میں تدفین متروک ہوچکی ہو ویران اور ناقابل

استعمال ہو اگر چہ موقو فہ ہو، اس میں مسجد کی توسیع بلاشبہ جائز ہے، اس صورت میں منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا،صورت مسئلہ میں پرانی قبر کے نشان کو مٹا کر مسجد کی توسیع کر لی جائے اور اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو قبر کو بغیر توڑے اور منہدم کئے ہوئے مٹی اتنی اونچی پاٹ دیجائے کہ قبر اس میں چھپ جائے اور اس پر توسیع مسجد کر دی جائے گی، ''عینی شرح بخاری'' میں ہے:

''قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلک بأسا؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لد فن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين'' (امداد الفتوی ۱۰۹/۴)۔

(ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا کوئی مقبرہ مٹ جائے اور وہاں کوئی مسجد بنا لے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس لئے کہ قبرستان بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہے ان کے موتی کے تدفین کے لئے ،تو کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ اسکو اپنی ملکیت میں رکھ لے، لیکن جب وہ مٹ جائے اور تدفین سے مستغنی ہو جائے تو اس کا مسجد میں منتقل کرنا جائز اس لئے ہے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے)۔

ان ریاستوں میں جہاں ہندو راجاؤں نے اور جاگیرداروں نے مساجد پر زمینوں کو وقف کیا ہے، اور شاید واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے تو اس صورت میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ مساجد ومقابر کا غیر مسلم ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے ۔مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے کوشش کر کے ان اوقاف کو مسلم اوقاف کی تولیت میں شامل کرائے ،جہاں تک ان مسجدوں اور مقابر میں نماز اور تدفین کا مسئلہ ہے تو بہر حال یہ جائز اور درست ہے اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ غیر مسلم کا متولی رہنا درست نہیں، اس کے لئے سنجیدہ اور مثبت انداز میں

کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اوقاف مسلمانوں کی تولیت میں آجائیں۔فتاوی ہندیہ میں درج ہے:

"الصالح للناظرمن لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف وفی الاسعاف لا یولی إلا أمین" (فتاوی ہندیہ)۔

ناظر (متولی) کے لئے بہتر شخص وہ ہے جو ولایت کو نہ مانگے اور اسکے اندر معروف فسق ہو، اور اسعاف میں ہے کہ متولی صرف امین ہی بن سکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

ہندوستان کی ان ریاستوں میں جہاں اب بھی مساجد ومقابر ہندواوقاف کے تحت ہیں اور ان ریاستوں میں ہندو آبادی کی اکثریت ہے اور یہ ممکن نہ ہو کہ ان اوقاف کو مسلم اوقاف میں منتقل کیا جا سکے بلکہ اس کا خطرہ ہو کہ الگ کرنے کی صورت میں مسجد اور قبرستان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا یا حکومت اس پر قبضہ کر لے گی تو اس صورت میں خاکسار کی رائے ہے کہ ہندو متولی جب مسجد کا صحیح نظم ونسق کر رہا ہو تو اس صورت میں مسجد اور قبرستان کو اس کی تولیت میں رہنے دینا چاہئے کیوں کہ خود فقہ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ متولی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، البتہ امین ہونا شرط ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

"ولا تشرط الحریة والإسلام لصحته لما فی الإسعاف" (ہندیہ ۲/۴۰۸)۔

متولی کے صحت کے لئے حریت (آزادی) اور اسلام شرط نہیں ہے جیسا کہ اسعاف میں ہے۔

استبدال وقف کے احکام و مسائل

مولانا ابرار خاں ندوی ☆

نظام اوقاف اسلام کا وہ نادر الوجود شاہکار ہے، قبل اسلام جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، مصر و یونان میں بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا، جنہوں نے معاشی دنیا میں تہلکہ مچادیا، مگر وہ وقف کے تصور تک نہ پہنچ سکیں، افلاطون نے مدنیت کے قانون مرتب کرنے میں شہرۂ آفاق کارنامہ انجام دیا، مگر اس کی پرواز وقف کی اس عدیم المثال ایجاد تک نہ ہوسکی، دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر، مصلحین، دانشوران اور سیاست دانوں نے سماج کی ترقی کا بیڑا اٹھایا، مگر وقف کا نعم البدل پیش نہ کرسکے۔

صرف اور صرف اسلام ہی دنیا کا وہ تنہا مذہب ہے، جس نے امت کو اس عظیم نعمت سے نوازا، حضور علیہ السلام نے بذات خود مدینہ میں بہت ساری جائدادیں وقف کیں، صحابہ کرامؓ نے بھی اوقاف میں حصہ لیا، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے اوقاف آج تک باقی ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجمع الأنہر ۱/۷۳۰)۔

تاریخ اوقاف کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف وہ نسخۂ کیمیا ہے، جس کے ذریعہ افلاس وتنگ دستی، غربت و ناداری کا علاج، اور معاشی واقتصادی مسائل کی عقدہ کشائیاں کی جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا قابل فخر تمدنی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ غرباء کی امداد، مساکین کی اعانت، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی خبر گیری، قرض داروں کی گلوخلاصی اور بے سہارا طبقہ کی دستگیری ہوتی ہے، یہی نہیں، بلکہ معاشی بدحالی میں پھنسے ہوئے اور ذہنی پستی میں دبے ہوئے

☆ استاذ جامعہ ہدایہ جے پور، راجستھان۔

لوگوں کو سماج میں آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کی ضمانت بھی ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس! کہ گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ اس مجرب نسخہ کو فراموش کر دیا گیا، اور ملت کے مفید و کارآمد منصوبے مال و دولت کا شکوہ کر رہے ہیں، کیونکہ ملت کے بے شمار اوقاف ہماری غفلتوں کی وجہ سے ویران، ناقابل استعمال اور بے توجہی کا شکار ہیں۔ خدا جزاء خیر دے، ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کے دردمند افراد کو، جنھوں نے اس جانب توجہ کی، اور ہندوستانی اوقاف کو قابل استعمال بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اس کے لئے اکیڈمی نے سوالات مرتب کر کے شرعی نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ سوالات کے جوابات عرض کرنے میں صحیح اور شرعی حل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اوقاف کا تبدیل کرنا:

الف۔ موجودہ نازک حالات میں مقابر و خانقاہوں کو فروخت کرنا اور ان کو تبدیل کرنا کیسا ہے؟ اور کیا شریعت اسلامیہ میں اوقاف سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کی گنجائش ہے؟ تو اس سلسلہ میں تھوڑی تفصیل اور شرائط ہمارے فقہاء نے بیان کی ہیں کہ:

اگر واقف زندہ ہے تو اسے اس کا کلی اختیار ہے کہ وہ اپنی وقف کردہ شئی کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری چیز وقف کر دے، لیکن اگر وقف کرنیوالا زندہ نہ ہو، اور اس نے وقف کو بیچنے کی نہ وصیت کی ہو، اور نہ ہی شرط لگائی ہو، بلکہ وقف کو بیچنے، تبدیل کرنے سے منع کیا ہے، یا منع نہ کیا ہو اور نہ ہی اجازت دی ہے بلکہ خاموش ہے، تو ایسی صورت میں اگر موقوف بالکل ویران وتباہ حالی کا شکار ہو جائے، مقاصد وقف فوت ہو رہے ہوں، اور انہیں بروئے کار لانے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو کہ انہیں بیچ دیا جائے اور اس کی جگہ اسی پیسے سے متوازی اور اسی طرح کا وقف جہاں آبادی ہے قائم کر دیا جائے، تو اس حالت میں صرف قاضی کو استبدال وقف اور اس کی

خرید فروخت کی اجازت ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں ہے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ ابن عابدین (متوفی ۔ ۱۲۵۲ھ) ان صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع بالكلية، بأن لا يحصل منه شئ أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه'' (دیکھئے: رد المحتار ۳/ ۳۸۷، فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۰۱، احکام الوصایا والاوقاف / ۲۰۳)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کرنے والے نے اس کو تبدیل کرنے کی شرط نہ لگائی ہو، اگر اس نے عدم استبدال کی شرط لگائی ہے یا اس سلسلہ میں بالکل خاموش رہا، لیکن موقوف شئی اس حال میں ہو کہ اس سے بالکل فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو، اس طور پر کہ اس سے اصلاً کوئی چیز حاصل نہ ہو یا اس کا خرچ اس سے پورا نہ ہوتا ہو تو اصح قول کے مطابق قاضی کی اجازت ہو اور اس کی رائے مصلحت پر مبنی ہو تو استبدال جائز ہوگا۔

نیز مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری (متوفی ۔ ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''شرط الوقف عدم الاستبدال فللقاضي الاستبدال إذا كان أصلح'' (الاشباہ والنظائر، مجمع الانہر ۱/ ۷۳۶)۔

شرط وقف عدم استبدال ہے اور استبدال کا حق صرف قاضی کو ہے اگر وہ استبدال کو بہتر سمجھے۔

نیز علامہ شامی نے قاضی جس کو استبدال وقف کا حق حاصل ہے اس کے لئے کچھ اوصاف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل لئلا يحصل التطرق إلى أوقاف المسلمين كما هو الغالب في

زماننا" (ردالمحتار ۳/ ۳۸۸، مجمع الأنہر ۱/ ۷۳۶)۔

اور اسعاف کے اندر شرط لگائی گئی ہے کہ تبدیل کرنے والا قاضی علم کے ساتھ عمل کا بھی پیکر ہو (یعنی علم وعمل کا جامع ہو) تاکہ مسلم اوقاف کے ضیاع کا باعث نہ ہو، جیسا کہ ہمارے دور میں اکثر ہورہا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قاضی کے لئے ضروری ہوگا کہ اس ویران وقف کو تبدیل کرنے یا فروخت کرنے کے بعد اسی کے متوازی ومماثل وقف قائم کرے، اور یہ دوسرا وقف اپنی تمام شرائط کے ساتھ جس طرح پہلا وقف تھا جاری ہوگا۔

فقہ حنفی کے رمز شناس فقیہ علامہ آفندی نے اس کو یوں ذکر کیا ہے:

''وصح شرط أن يستبدل به أي بالوقف غيره أي يبيعه ويشتري بثمنه أرضا أخرى إذا شاء عند أبي يوسف استحسانا، فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ في شرائطها'' (مجمع الأنہر ۱/ ۷۳۶، درمختار ۳/ ۳۸۷)۔

یہ شرط لگانا کہ وہ جب چاہے گا وقف کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید سکتا ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحسانا درست ہے، لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو دوسرا وقف پہلے وقف کی طرح ہوگا تمام شرائط کے اندر۔

نیز موجودہ دور کے مشہور عالم دین حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتوی بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اگر ضائع ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے یا بالکل ناقابل انتفاع ہوجائے تو اس کو فروخت کرکے اس کے بدلہ میں اسی موقوفہ کے متوازی ومماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائیں گی'' (نظام الفتاوی ۱/ ۶۰)۔

اوقاف کو حکومت کے حوالہ کرنا:

ب۔ اوقاف کے قرب وجوار میں مسلم آبادی نہ ہونے کے سبب جہاں یہ مسائل

درپیش ہیں، ان کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض مناسب جگہ اس کے متوازی چیز لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن زیادہ بہتر اور مناسب ہے کہ اوقاف کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کی جائے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کا معروف فتوی ہے:

''مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو فروخت کردینا جائز ہے، بہتر ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضرورت تعمیر میں یا جس قسم کا سامان تھا، اسی کے مثل میں صرف کردیا جائے (کفایت المفتی)۔

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کرنے کے بعد اسی کے مماثل وقف میں صرف کرنا ضروری ہوگا، واقف کے مقاصد کی خلاف ورزی کرنا، اور ان کو دیگر امور دینی، علمی ملی اور رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ نے واقف کے مقاصد اور شرائط کا اعتبار کیا ہے، جبکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

محقق زماں علامہ شامی لکھتے ہیں:

''لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه، وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (ردالمحتار ۳/۳۷۱)۔

ویران وبرباد مسجد کے وقف کو حوض میں صرف کرنا یا اس کے برعکس کرنا، جائز نہیں ہے، اور ''شرح الملتقی'' میں ہے کہ اس کے وقف کو اسی جنس کے قریب وقف میں صرف کیا جائے گا۔

نیز علامہ آفندی رقمطراز ہیں:

''وفي القنية حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر'' (مجمع الانہر ۱/۷۴۹، نیز دیکھئے: الدر المختار ۳/۳۷۱)۔

''قنیہ'' میں ہے کہ حوض یا مسجد خراب یا بربادی کا شکار ہوجائیں اور لوگ وہاں سے

دوسری جگہ چلے گئے ہوں تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ ان کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرے۔

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ علامہ شامی نے اس کی مزید صراحت یوں بیان کی ہے:

''وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر قال السيد الإمام أبو شجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية ..... صرف الثمن إلى مسجد آخر'' (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۳/ ۳۷۱-۳۷۴، درالمنتقی مع المجمع ۱/ ۷۴۸)۔

''خانیہ'' میں مذکور ہے کہ رباط دوری پر ہو اور گذرنے والا اس سے بے نیاز ہو جائے اور اس کے دوسری جانب دوسرا رباط ہو تو شیخ ابو شجاع فرماتے ہیں کہ اس کا منافع دوسرے رباط میں صرف کیا جائے گا، جس طرح مسجد غیر آباد و برباد ہو جائے، اور گاؤں کے لوگ اس سے بے نیاز ہوں تو قاضی اس کے سامان کو بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرے گا۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ نا قابل استعمال اور ویران اوقاف کو دوسرے علمی، دینی، تعلیمی امور میں صرف کرنا درست نہیں ہوگا، مگر قبرستان جو نا قابل تدفین ہو چکا ہو، اس کا حکم اس سے کچھ مختلف ہے جو ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

اوقاف کی فاضل آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ اوقاف جن کی آمدنی مصارف سے زیادہ ہو، اور آئندہ بھی اس کا مصرف نظر نہ آرہا ہو، بلکہ اس طرح ذخیرہ اندوزی کا خطرہ ہے اور ذمہ داران اوقاف اور حکومت کی طرف سے دست درازی کا خدشہ بھی ہو، تو ایسی ضرورت سے زائد آمدنی کو کن امور میں صرف کر سکتے ہیں؟...... تو اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ مسجد کی فاضل آمدنی کو کسی دوسرے علمی، دینی، ملی کاموں میں بھی صرف کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ اس مسجد کی ضروریات سے زائد رقم کو دوسری مساجد میں صرف کریں گے، اگر وہاں کی مساجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسرے

مقامات میں مساجد کی ضروریات میں استعمال کرنا ہوگا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فتوی ملاحظہ ہو:

''مدرسہ جنس مسجد سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو، تو دوسرے شہر کی مساجد میں صرف کریں، جو زیادہ قریب ہو، اس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بترتیب (امداد الفتاوی ۲/۵۹۶)۔

الف، ب۔ دیگر اوقاف کا حکم یہ ہے کہ ان کی فاضل آمدنی انہی جیسے اوقاف میں صرف کرنا تو درست ہے لیکن دیگر اوقاف میں خرچ کیا جائے، یہ جائز نہ ہوگا...... فتاوی ہندیہ کا یہ جزئیہ ملاحظہ ہو:

''ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة، وهناك مسجد محتاج إلى عمارة أو العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عنه العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة، قال، لا، كذا في المحيط"۔

لوگ گرچہ وہاں سے دوسری جگہ نہ گئے ہوں، لیکن حوض عمارت سے بالکل بے نیاز ہو اور وہاں کوئی مسجد ہو جس کو عمارت کی ضرورت ہے یا اس کے برعکس مسئلہ ہو، تو کیا قاضی کو یہ اجازت ہوگی کہ وہ وقف جس کو عمارت کی ضرورت نہیں ہے محتاج عمارت میں صرف کر سکے؟ وہ کہتے ہیں نہیں، یعنی قاضی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا، اسی طرح محیط میں بھی ہے۔

لیکن راقم کی ناقص رائے یہ ہے کہ جو آمدنی مصارف سے زائد ہو، اور جمع رہنے میں ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہو، تو اہل حل وعقد کے مشورہ سے اس کو دیگر تعلیمی وعلمی کاموں میں استعمال کرنا درست ہونا چاہئے، لیکن یہ اسی وقت اجازت ہوگی، جبکہ منشاء واقف کے خلاف نہ ہو اور لوگوں کی جانب سے بے جا استعمال نہ کرنے میں اطمینان بھی ہو...... اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری نے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی نے گھر کو مسجد پر اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ اس کی فاضل آمدنی فقراء کے لئے ہوگی "**أي على أنه ما فضل من**

عمارته فهو للفقراء''۔اس کے بعد کثیر رقم جمع ہو اور مسجد کو عمارت کی ضرورت بھی نہ ہو تو شیخ ابوبکر سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا اب اس زائد رقم کو فقراء پر صرف کریں گے، انہوں نے کہا، نہیں کر سکتے، رقم چاہے کتنی جمع کیوں نہ ہو جائے، کہ بعد میں مسجد کو کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، فقیہ ابوجعفر نے بھی اس سوال کا جواب یہی دیا، لیکن علامہ ابن نجیم کا رجحان جواز کا ہے:

''**ولكن الاختيار عندي إذا علم أنه قد اجتمع من الغلة مقدار ما لو احتاج المسجد والدار إلى العمارة أمكن العمارة منها، صرف الزيادة على الفقراء على ما شرط الواقف**'' (الاشباہ والنظائر)۔

لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ پیسہ یا آمدنی اتنی مقدار میں جمع ہو چکی ہے کہ مسجد و گھر کو اگر عمارت کی ضرورت پڑی تو اس سے عمارت کی تعمیر ممکن ہے، تو واقف کی شرط کے مطابق زیادہ رقم فقراء پر صرف کی جائے گی۔

اوقاف کو زیادہ منفعت بخش بنانے کی شکل:

ایسے اوقاف جن کی آمدنی کم منفعت بخش ہو، اور اس سے اس کی ضروریات کی تکمیل نہ ہوتی ہو، مثلاً مدرسہ یا مسجد پر کوئی مکان وقف تھا، لیکن وہ کسی محلہ یا دیہات کے اندر ہے، جہاں اس کی آمدنی اتنی تھوڑی ہے کہ مسجد یا مدرسہ کی ضرورت کا پورا ہونا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ اس مکان موقوفہ کو فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلے مارکیٹ یا کسی تجارتی مقام پر دوکان خرید لی جائے، جہاں اس کی آمدنی زیادہ ہو سکے، اور مسجد و مدرسہ کی ضروریات کو بآسانی پورا کیا جا سکے، یہ منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، کہ واقف کا اصل مقصد مدرسہ و مسجد کی ضروریات کی تکمیل تھا، اور یہ اس کے علاوہ ممکن نہیں ہے، لہذا یہ اس کے منشاء کے عین مطابق ہوگا۔

فقہ حنفی کے ترجمان علامہ شامی رقمطراز ہیں:

''فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن، لأن الارض أدوم وأبقىٰ وأغنىٰ عن كلفة الترميم والتعمير'' (ردالمحتار ۳/۳۸۸)۔

اگر حانوت کو قابل زراعت زمین سے تبدیل کیا جائے اور اس سے جو منافع حاصل ہوں، وہ حانوت کے منافع کے برابر ہوں تو یہ مستحسن اور بہت اچھا ہوگا، اس لئے کہ زیادہ پائیدار اور تا دیر قائم رہنے والی ہے، اور اس سے اصلاح ومرمت اور ردوبدل کی پریشانی بھی ختم ہوجائے گی۔

نیز اصول فقہ کے ماہر عالم دین علامہ بدران ابو العینین بدران، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ زیادہ منفعت بخش چیز سے وقف کو تبدیل کرنا درست ہے، شیخ بدران رقمطراز ہیں:

''إذا وجدت مصلحة في الاستبدال كما إذا كان الوقف منتفعاً به، ولكن يراد استبداله بما هو أكثر نفعاً من جهة الغلة أو كثرة الثمن، وخالف محمد في ذلک لئلا يتخذ ذلک ذريعة إلى ضياع الأوقاف، والعمل على قول أبي يوسف'' (أحكام الوصايا والاوقاف/ ۳۰۴)۔

وقف کی تبدیلی کسی مصلحت پر مبنی ہو کہ وقف منفعت بخش ہے، لیکن تبدیلی سے یہ مقصد ہو کہ اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا یا ثمن زائد مقدار میں ملے گا تو یہ جائز ہے، مگر امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کہیں ضیاع اوقاف کا ایک ذریعہ نہ بن جائے، لیکن عمل امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے بلکہ حاوی القدسی کے حوالہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے کہ ہر وہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس میں وقف کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو ''صرح صاحب حاوی القدسي بأنه يفي بكل ما هو أنفع للوقف (ردالمحتار

۳/ ۳۶۴)۔

اور علامہ ابن نجیم مصری نے یوں وضاحت کی ہے:

"استبدال الوقف العامر لا یجوز إلا فی مسائل... الرابعة: أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن وصفا، فیجوز علی قول أبی یوسف ، وعلیه الفتوی کما فی فتاویٰ قاری الهدایة" (الاشباہ والنظائر/ ۱۹۴)۔

وقف عامر کا استبدال درست نہیں ہے، مگر چند مسائل میں.... چہارم یہ کہ کا ستبدال کی رغبت اس وجہ سے ہو کہ دوسری زمین باعتبار غلہ کے اس سے بہتر اور اوصاف کے اعتبار سے اس سے اچھی ہو، ان صورتوں میں استبدال امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ "فتاوی قاری الہدایہ" میں ہے۔

نیز مولانا عبد الحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ کا رجحان بھی اسی جانب ہے (مجموعہ فتاوی ۲/ ۱۱۳)۔

مصارف ختم ہونے کے بعد اوقاف کا مصرف:

اوقاف کے مصارف ختم ہوجائیں، مثلاً جس مدرسہ یا مسجد پر وقف تھا، اب اس مدرسہ یا مسجد کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے، یا جن فقراء پر وقف کیا تھا وہ فقراء دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں یا کسی دور دراز مقام پر منتقل ہوجائیں، تو ان اوقاف کی آمدنی کو فقراء پر صرف کیا جائے گا۔

علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

"و إذا انقطع المصرف صرف إلی الفقراء" (مجمع الانہر ۱/ ۷۳۴)۔

جب مصرف ختم ہوجائے تو اس کو فقراء پر صرف کریں گے۔

لیکن فقراء جن پر وقف تھا، اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر وہ ایسی جگہ منتقل ہوجائیں جو ان کے مقام سے الگ بستی شمار ہوتی ہو، تو وہ وقف سے محروم تصور کئے جائیں گے اور اگر وہ جگہ جہاں منتقل ہو کر گئے ہیں وہ اسی بستی (سابق) میں شمار کی جاتی ہے تو وہ وقف سے محروم نہیں کئے جائیں گے۔ علامہ کردری نے اس سلسلہ میں ایک اہم جزئیہ نقل فرمایا ہے:

''وقف على فقراء أقربائهم المقيمين بخوارزم فانتقلوا إلى بلد آخر إن كان مما يحصون لا تنقطع وظيفتهم وإن لا يحصون تنقطع ثم إن بقي هناک منهم أحد يصرف الكل إليه وإن لم يكن صرف الكل إلى الفقراء''

(البزازیہ مع الہندیہ ۶/۲۷۸)۔

کسی شخص نے خوارزم میں مقیم اپنے رشتہ دار فقراء پر وقف کیا، پھر وہ لوگ (فقراء) دوسرے شہر منتقل ہو گئے، تو اگر اس شہر کو لوگ اسی میں سے (خوارزم میں) شمار کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم نہیں ہوگا، اور اگر اس کو خوارزم میں شمار نہیں کرتے ہیں تو ان کا وظیفہ ختم ہوجائے گا، لیکن اگر ان میں سے ایک بھی وہاں باقی ہے تو تمام کا تمام اسی کو دیدیا جائے گا، اور اگر کوئی بھی نہیں بچا ہے تو پورا فقراء ومساکین پر صرف کیا جائے گا۔

الف- بلڈر سے معاملہ کرنا:

اسی طرح اوقاف کی مخدوش عمارتوں کا حکم ہوگا جن کے پاس تعمیر کے لئے کوئی سرمایہ نہ ہو کسی بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کرلیا جائے کہ وہ ڈھا کر از سر نو چند منزلہ عمارت تعمیر کردے اور اس تعمیر جدید کے تمام اخراجات کا بار اس (بلڈر) پر ہوگا، مگر اس کی ایک دومنزل عمارت اس کی ملکیت ہوگی جس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق اس کو ہوگا، اسی طرح زمین پر بلڈر سے اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ واقف کا مقصد وقف کرنے سے یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور یہاں اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

ب- اوقاف کی تعمیر کے لئے اس کے بعض حصہ کا بیچنا:

احناف کے مرجوح اور حنابلہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ وقف کی عمارت مخدوش (حالت سے دوچار) ہو، اور وقف کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو کہ اس کی جدید تعمیر کراکے قابل انتفاع بنایا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت حال کے وقت مخدوش عمارت کی تعمیر

جدید کے لئے وقف کا کچھ حصہ فروخت کردینا جائز ہے، لہذا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے یا مخدوش عمارت کی جدید تعمیر کے لئے، یا وقف کی خالی زمین کو قابل انتفاع بنانے کی غرض سے اس پر عمارت تعمیر کرنے کے لئے وقف کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہوگا، اس لئے کہ اس کے بغیر وقف کو قابل انتفاع بنانے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مسلک حنابلہ کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''لم تمكن عمارته ولا عمارة بعضه جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته، وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۲۲۶)۔

اور نہ اس کے کل کی تعمیر ممکن ہو اور نہ بعض کی، تو اس کے بقیہ کی تعمیر کے لئے اس کے بعض کو بیچنا جائز ہوگا، اور اگر سرے سے ہی بالکل کچھ انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کے تمام کو بیچنا درست ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیہ کا مرجوح قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وفي صدر الشريعة: جوّز بعض المتأخرين بيع الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لايجوز" (دار المنتقی شرح الملتقی ۱/۷۴۳)۔

صدر الشریعہ میں مذکور ہے کہ بعض متاخرین نے وقف مخدوش کو بقیہ حصہ کی تعمیر کے لئے بیچنا جائز قرار دیا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں اگر اس کی اجازت نہ دی جائے یا نہ دی گئی تو ہندوستان کے اوقاف اپنی اسی خستہ حالت میں پڑے رہیں گے، اور حکومت یا متعصب برادران وطن ان پر قبضہ کرنا شروع کردیں گے، لہذا حالات کا تقاضہ ہے کہ قول مرجوع کو اپنا لیا جائے۔

مسجد یا قبرستان کی زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا:

علماء ہند کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا فتوی ہے:

''ہر گاہ مسجد آباد است اگر چہ مستغنی ست آمدنی او درجائے دیگر صرف کردن درست نیست'' (امداد الفتاوی ۴/ ۴۲)۔

لیکن راقم کا خیال ہے کہ مسجد کے لئے وقف زمین جو ضروریات مسجد سے زائد ہے اس پر دینی مدرسہ قائم کردیا جائے، تاکہ وہ زمین کار خیر میں استعمال ہو، فقہاء کی عبارات اور کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کا نظم کرنا اور مسجد کے اندر مکاتب چلانا درست ہے، تو مسجد کی زائد زمین پر دینی علوم کی تعلیم کی اشاعت کے مقصد کے تحت مدرسہ اسلامیہ کا قیام عمل میں لانا بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔

''وتعلیم الصبیان فیه (أی المسجد) بلا أجر وبالأجر یجوز'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفتاوی البزازیہ مع الہندیہ ۶/ ۳۵۷)۔

مسجد میں بچوں کو علم سکھانا تنخواہ لے کر اور بلا تنخواہ لئے دونوں طرح جائز ہے۔

اسی طرح قبرستان پر وقف زائد زمین جس میں تدفین نہیں ہورہی ہے اور نہ آئندہ اس میں تدفین کی ضرورت متوقع ہے تو اس میں منشاء واقف کا خیال رکھتے ہوئے مدرسہ کی تعمیر درست ہوگی۔

قبرستان میں تدفین پر پابندی ہو اس کا حکم:

قبرستان میں اگر تدفین کا عمل جاری ہے تو اس میں کوئی دوسرا عمل کرنا درست نہ ہوگا، لیکن کسی سبب سے اس میں تدفین کا عمل متروک ہوگیا ہو، مثلاً تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہو جس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ خطرہ ہی نہیں قبضہ ہورہا ہے تو ایسے قبرستان میں مدرسہ یا دینی، علمی، تحقیقی ادارہ کا قیام، یا مسجد ومسافر خانہ وغیرہ کی تعمیر کردی جائے تاکہ وہ ایک کار خیر میں استعمال ہوسکے، لیکن یہ عمل اسی وقت درست ہوگا جب یہ یقین اور ظن غالب ہوجائے کہ جسد میت مٹی ہوگیا ہوگا۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت ذکر کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

''ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ'' (الفتاوی العالمگیریہ ۱/۱۶۷)۔

اگر میت اتنی پرانی ہو کہ مٹی ہونے کا ظن غالب ہوتو اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا، اوراس پر کاشت کرنا، عمارت تعمیر کرنا جائز ہے۔

نیز موجودہ دور کے معروف عالم مفتی نظام الدین صاحب کی رائے بھی یہی ہے، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جوقبرستان تدفین سے متروک ہو چکے ہوں، یا قانوناً دفن سے روک دیئے گئے ہوں، اوران کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو اس میں دینی ضرورت کے مطابق مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرکے، یا اس کوکسی ایسے کار خیر میں استعمال کرکے جس سے مسلم عوام اور بچوں کی مذہبی واقتصادی تربیت وترقی کا ایسا کام کیا جائے کہ اصل واقفین کوثواب پہونچتا رہے (نظام الفتاوی ۱/۱۸۰)۔

نیز یہی رائے استاد محترم مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کی ہے، (موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل/ ۱۴۸) کی عبارت سے مسئلہ کی بالکل وضاحت ہوجاتی ہے:

''اگر قبرستان پرانا ہو اور اس میں تدفین بھی نہیں ہورہی ہو اور شدہ شدہ لوگوں نے قبضہ کرنا شروع کردیا ہوتو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنادینا جائز ہے''۔

حکومت کا مساجد میں عبادت پر پابندی لگانا:

مسجد خدا کا مبارک گھر ہے جوخدا کی عبادت وبندگی، ذکر وتلاوت کے لئے بنائی جاتی ہے، اس میں کسی طرح کی لایعنی گفتگو اورغیر ضروری عمل کو ناپسند کیا گیا ہے، جوگھر خدا کی عبادت کے لئے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے، حکومت یا کسی فرد کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ اس میں نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرے، اگر کوئی حکومت ایسا اقدام کرتی ہے تو وہ ظالم ہے، ستم گر ہے بلکہ روئے زمین میں اس سے بڑھکر کوئی ظالم نہ ہوگا جو مساجد الٰہی میں نماز ادا کرنے سے روک دے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:''ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا

اسمه وسعی فی خرابها" (سورۃ البقرۃ: ۱۱۴) (اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں) اس آیت کی تفسیر اور شان نزول ذکر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

اس کے شان نزول نصاری ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقابلہ کرکے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا، یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب وعناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا، باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے (تفسیر عثمانی، سورۃ البقرۃ، صفحہ ۲۲، مجمع خادم الحرمین الشریفین الملک فہد لطباعۃ المصحف)۔

اس کی تفسیر یوں کی ہے:

''والمراد بمنع المساجد أن یذکر فیها اسم الله منع من یأتی إلیها للصلاة والتلاوة والذکر وتعلیمه.. ویجوز أن یراد بالخراب تعطیلها عن الطاعات التی وضعت لها'' (فتح القدیر ۱/۱۳۱، نیز دیکھئے: تدبر قرآن ۱/۳۰۲)۔

مساجد کے اندر اللہ کا ذکر کیا جائے اس سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں نماز ادا کرنے، تلاوت وذکر اور اس کو سیکھنے کی غرض سے آتا ہو اس کو روکا جائے، اور خراب کرنے کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ مساجد کو جس کے لئے بنا گیا ہے اس (طاعات) سے اس کو ختم کردیا جائے۔

''ومن أظلم ...... هذا استنکار واستبعاد لأن یکون أحد أظلم ممن فعل ذلک أی لا أحد أظلم ممن منع الناس من عبادة الله فی بیوت الله'' (صفوۃ التفاسیر ۱/۸۹، نیز دیکھئے: الاساس فی التفسیر ۱/۲۲۲)۔

ومن أظلم ... یہ استنکار اور بعید ہے کہ جو ایسا کرے اس سے بڑا کوئی ظالم ہوسکتا ہے؟ یعنی اللہ کے گھر میں جو لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنے سے روک دے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

اطراف قبرستان دوکانیں تعمیر کرنا:

قبرستان کی حفاظت وصیانت کی خاطر باؤنڈری بنانا درست ہے، لیکن اگر باؤنڈری کے

بجائے اس کے اطراف دوکانوں کی تعمیر کرنا اور اس کے لئے قبرستان کی زمین استعمال کرنا پڑے تو ایسی شکل میں اگر زمین میں تدفین کی ضرورت نہ ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا امکان ہو تو اس پر دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

مفتی نظام الدین صاحب اعظمی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ خالی زمین اگر اس درجہ میں ہو کہ نہ تو اس وقت تدفین کی ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت متوقع ہے تو اس صورت میں حواشی پر دوکانیں بنا کر چوحدی قبرستان بھی محفوظ کر سکتے ہیں اور اس کی آمدنی جو قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو مذکورہ دینی کاموں (یعنی مدرسہ، یتیموں، بیواؤں، غرباء) میں بھی بہ سبیل مناسب اور بقاعدہ دیانت خرچ کر سکتے ہیں، ورنہ کوئی صورت جواز کی نہ ہوگی'' (نظام الفتاوی ۱/ ۱۶۷)۔

قبرستان میں مسجد کی توسیع کرنا:

قبرستان کے اندر تعمیر شدہ مسجد تنگ ہو جائے تو اس کی توسیع کرنا درست ہوگا، لیکن اگر قبرستان زیر استعمال ہے خواہ قدیم ہو یا جدید اس میں مسجد کی توسیع کی گنجائش نہ ہوگی، البتہ قبرستان ویران، غیر استعمال ہو تو اس میں مسجد کی توسیع جائز ہی نہیں، بلکہ بہتر عمل ہوگا، کیونکہ فقہاء نے ویران قبرستان جس میں تدفین کا عمل بند ہو اس میں عمارت تعمیر کرنے، زراعت کرنے کی اجازت دی ہے (البحر الرائق ۲/ ۲۱۰، ردالمحتار ۱/ ۶۰۶، فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۶۷) تو اس میں مسجد کی توسیع بدرجہ اولی جائز ہوگی، اور اگر قدیم قبرستان ہو یا جدید، لیکن زیر استعمال ہو اور لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کثرت کے سبب توسیع کا عمل بہت ہی ناگزیر ہو، تو ایسی صورت میں مسجد کے اوپر دو منزلہ، سہ منزلہ عمارت تعمیر کر کے توسیع کی صورت اپنائی جا سکتی ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے مفتی نظام الدین صاحب کی تفصیلی عبارت کا نقل کرنا مناسب ہوگا، مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ولو بلی المیت الخ''، اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قبر اتنی پرانی

ہوجائے کہ جسد میت کے مٹی ہوچکنے کا ظن غالب ہوجائے تو اس قبر میں دوسرے مردے کا دفن کرنا اور اس پر کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز ہے تو مسجد کی توسیع وتعمیر بلاشبہ جائز ودرست ہوگی، چنانچہ "تاریخ الکعبة المعظمة" (ص/ ۱۶۷) میں ہے: "ما بين المقام والركن وزمزم قبر تسعة وتسعين نبياً"۔ یعنی مقام ابراہیم اور رکن اور چاہ زمزم کے درمیان میں ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں، اور اسی کتاب میں ہے کہ جب کسی نبی کی امت ہلاک کردی جاتی تھی تو وہ نبی بیت اللہ شریف کے پاس آکر پناہ لیتے اور وہیں تا زندگی متعبد ہوجاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نبی کی جس جگہ وفات واقع ہوتی ہے وہ اسی جگہ مدفون ہوتا ہے، اور اب جب کہ ان قبروں کے نشانات صدیوں سے کسی کو معلوم نہیں تو کہنا پڑے گا کہ مسجد حرام کی توسیع میں زمانۂ قدیم سے ہی وہ قبریں حدود حرم میں آگئیں، اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ ہاجرہ کی قبریں دار حطیم میں ہیں، جو حدود مطاف میں ہے اور قبروں کا کوئی نشان نہیں ہے... یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ پرانی قبروں کے نشانات مٹا کر بھی توسیع مسجد وتعمیر جائز ہے، اسی قسم کے مضامین ''طبری'' اور ''البداية والنهاية'' صفحہ ۱۲۰-۸ ۱۴۳-۱۹۱-۱۹۲ میں اور جلد ۹ میں بھی ہیں (نظام الفتاوی ۱/ ۱۶۲-۱۶۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ قبرستان زیر استعمال نہ ہو بلکہ اس میں تدفین متروک ہوچکی ہو تو اس میں توسیع کرنا درست ہے، اور یہ توسیع کا عمل واقف کی منشاء کے خلاف بھی نہ ہوگا۔

مسلم اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا:

اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا متولی غیر مسلم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً مساجد ومقابر وغیرہ کی دیکھ بھال، اس کا نظم ونسق سنبھالنا غیر مسلم ادارہ، یا ہندو وقف بورڈ انجام دیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی خیانت سے اجتناب کرتا ہے تو اس کی تولیت میں رہنا جائز ہوگا، اس لئے فقہاء نے متولی کے لئے جن شرائط کا ذکر کیا ہے اس میں عقل وشعور، بالغ ہونا، اور نظم وضبط کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت (موجود ہو) ہے، آزاد اور

مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔

شیخ بدران ابوالعینین بدران نے تولیت وقف کی تین شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''العقل والبلوغ والقدرة على إدارة الوقف إدارة محققة للغرض المقصود منه، ولايشترط فيه الإسلام ولا الحرية ولا الذكورة، لأنها من الإدارات المالية'' (احکام الوصایا والاوقاف ۳۰۷)۔

عقل و بلوغ اور اس کو، یعنی وقف کو کما حقہ چلانے کی شرط لگانے اس کے مقصود اصلی کے حصول کے لئے ہے، اس میں نہ اسلام کی شرط ہے، نہ آزاد ہونے کی، اور نہ مرد ہونے کی، اس لئے کہ وقف مالی اداروں میں سے ایک ادارہ ہے۔

نیز فقہ حنفی کے رمز شناس فقیہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

''ويشترط للصحة بلوغه وعقله، لاحريته وإسلامه'' (رد المحتار علی الدر المختار ۳؍۳۸۵)۔

اس کے صحیح ہونے کے لئے اس کا بالغ ہونا اور عقل وشعور سے متصف ہونا شرط ہے، آزاد اور اسلام شرط نہیں ہے۔

لیکن دور حاضر میں مسلم اوقاف کا غیر مسلم کی تولیت میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ خائن شخص اوقاف کا متولی نہیں ہوسکتا ہے اور متولی سے خیانت ظاہر ہوتو اس کو معزول کردیا جائے گا، آج کل غیر مسلم پر اعتماد کرنا بڑا مشکل ہے، لوگوں سے عدل وانصاف اور ایمانداری کی صفات مفقود ہوچکی ہیں، خصوصاً غیر مسلم، کہ ان کی جانب سے اوقاف میں خیانت کرنے کا قوی خدشہ ہے، لہذا ایسے حالات میں غیر مسلم، مسلم اوقاف کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔

مخدوش اوقافی عمارتوں کی تعمیر نو کا مسئلہ

مولانا تنویر عالم قاسمی ☆

واقفین کا مقصد وقف سے یہی ہوتا ہے کہ خلق خدا جائداد موقوفہ سے فائدہ اٹھائے، لوگوں کی اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل ہو جس کے نتیجہ میں خدائے عزوجل ہماری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے، اور مقصود اصلی آخرت کی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار اور بہرور کرے، خواہ وہ انسان اپنی جائداد کو مساجد، مدارس، خانقاہوں وغیرہ میں سے جس نوع پر وقف کرے اس کا مقصد وہی ہوا کرتا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

موجودہ صورتحال میں سخت ضرورت ہے کہ اراضی موقوفہ کا جائزہ لیکر اس کی ویرانی و بربادی کو ختم کیا جائے، اور اس کی حفاظت کے اسباب مہیا اور فراہم کر کے اسے قابل انتفاع بنایا جائے، جہاں ان اراضی سے ملت کی اجتماعی ضرورتوں کو بروئے کار لانا ہے وہیں واقف کے منشاء ومقصد کی تکمیل بھی ہے۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد مرسلہ سوالوں کے جوابات یہ ہیں:

الف۔ وہ وقف جو اپنا مقصد کھو چکا ہے، ویرانی و بربادی کا شکار ہے، وہ اپنی موجودہ شکل میں نا قابل انتفاع ہے، جس پر غیروں کا قبضہ وتسلط کا خطرہ یقینی درجہ تک پہنچ چکا ہے تو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ ذخیرہ اور ''منتقی'' کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

☆ استاذ جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی بہار۔

''والحاصل أن الموقوف علیه السکنی إذا امتنع من العمارة ولم یوجد مستأجر باعها القاضی واشتری بثمنها ما یکون وقفا'' (البحر الرائق ۵/۲۱۹)۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص پر رہائش کے لئے وقف کیا جائے اگر وہ خود موقوف مکان کی تعمیر نہ کرائے اور نہ کرایہ دار ملے تو قاضی اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری زمین ومکان خرید ے جو وقف قرار پائے گا۔

ب۔ جب مشروط صورت میں اوقاف کی فروختگی کا ثبوت اور اس کا جواز اوپر معلوم ہو چکا تو پھر یہ سوال کہ: '' کیا ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین ومکان حاصل کر کے الخ ''میرے خیال میں تحصیل حاصل اور عبث ہے۔

جس زمین پر مسجد قائم ہے وہ اوقاف کی زمین اور دیگر اوقاف کی زمین میں فرق یہ ہے کہ بوقت ضرورت تمام اوقاف کی زمینوں کو بالاتفاق فروخت کیا جا سکتا ہے، لیکن امام شیخینؒ کے نزدیک جس زمین پر مسجد قائم ہے اسے کسی حال میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسجد کے اوقاف اور دیگر، یعنی مدارس، قبرستان وغیرہ کے اوقاف میں تبدیلی کا حق صرف قاضی کو ہے کہ قاضی حالات، یعنی ضرورت شدیدہ، غیر شدیدہ کا جائزہ لیکر تبدیلی اور عدم تبدیلی کا فیصلہ کرے۔

''قال فی الذخیرة: وفی المنتقی قال هشام: سمعت محمداً یقول: الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی'' (البحر الرائق ۵/۲۱۹)۔

ویران نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، واقف کے منشاء کی رعایت کئے بغیر کسی طرح کا تعلیمی یا رفاہی ادارہ قائم کرنا قطعاً درست نہیں، لہذا ایسے اوقاف فروخت کر کے واقف کے اغراض ومقاصد کے تحت نئے اوقاف قائم کرنے پڑیں گے جس کی تائید مندرجہ ذیل روایتوں سے ہوتی ہے۔

"مراعاة غرض الواقفين واجبة" (شامی ۴؍۴۲۳)۔

"(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه" (شامی ۴؍۳۷۱)۔

شریعت نے منشاء واقف اور شرط کونص شرعی کا درجہ دیا ہے، واقف کی شرط کے مطابق ہی شئی موقوف سے انتفاع اور اس کا استعمال درست ہوگا۔

"شرط الواقف كنص الشارع أى فى وجوب العمل به، وفى المفهوم والدلالة" (اشباہ ۱۹۵ قدیم نسخہ)۔

جس کا تقاضہ یہ ہے کہ شئی موقوف کا استعمال اسی خاص متعین نوع پر درست ہوگا جس پر واقف نے وقف کیا ہے اسکے علاوہ دوسرے وقف پر جائز اور درست نہ ہوگا، الا یہ کہ شئی موقوف ویران اور برباد ہوجائے اور اس سے انتفاع ختم ہوجائے تو ایسی صورت میں اس شئی موقوف کو بیچ کر حاصل شدہ رقم سے دوسری مناسب جگہ اسی نوع کے وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا، نوع کے تبادلہ کے ساتھ استعمال درست نہ ہوگا، جیسا کہ نمبر دو کی عبارت اس پر دال ہے (شامی ۴؍۳۷۱)۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ ایسے مقامات جہاں مساجد کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، جن کی آمدنی مسجد کے مصارف سے بہت زیادہ ہے، تو کیا اس قسم کی اراضی پر جوفی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ مقصد وقف یہی ہے کہ حاصل شدہ آمدنی کو مسجد کے مصالح وضروریات میں صرف کی جائے۔

"لا شک أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسة لا مجرد انتفاع أهل الوقف" (شامی ۴؍۳۷۷)۔

"فيقدم أولاً لعمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح والشعائر" (شامی ۴؍۳۷۷)۔

الف ۔سوال میں ذکر کردہ زائد اراضی پر صرف دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت ملنی چاہئے، بشرطیکہ وہ اراضی ویران اور نا قابل انتفاع ہو جائے جس کی وجہ سے قبضہ ختم ہو جانے کا قوی خطرہ لاحق ہو، خواہ وہ خطرہ حکومت کی طرف سے ہو یا عوام کی طرف سے، اور دوسری شرط یہ کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بھی ہو، اور مدرسہ قائم کرنے سے وہ خطرات ٹل جائیں جو خطرات پیچھے بیان کئے گئے ۔

اگر وہاں پر بتقاضائے حالات دینی ادارہ قائم کرنے کی فی الحال ضرورت نہیں، لیکن زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا قوی خطرہ درپیش ہے تو ایسی صورت میں زائد زمین فروخت کرکے حاصل شدہ رقم سے دیگر مساجد کیلئے ذریعہ آمدنی کو حاصل کیا جائے ۔

ب ۔اور اگر وہاں پر مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ زائد زمین مسجد کے قبضہ سے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں حاصل شدہ زائد آمدنی کو صرف دیگر محتاج مساجد کے مصالح وضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ملے گی ۔

وجہ ظاہر ہے کہ آمدنی جمع ہوکر چند سالوں میں ایک بڑا سرمایہ بن جائے گی، جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ ہے، ایسی رقم خطرہ سے خالی نہیں ہے، یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہوسکتا ہے اور منتظمین کی طرف سے خیانت کا بھی، یہ خطرات اس زمانہ میں تجربات ومشاہدات کی وجہ سے احتمالی نہیں رہے بلکہ واقعی ہو چکے ۔

جب فقہاء نے ناجائز قبضہ کرنے والوں کے خوف وخطرہ سے اراضی کے انتقال کی اجازت دی ہے تو جب یہی خطرات آمدنی میں پیدا ہو جائے تو بدرجہ اولی آمدنی کا انتقال درست ہوگا۔

اوپر مشروط طور پر دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت اس لئے ہے کہ ہر واقف کا اصل مقصد، حصول ثواب اور رضائے خداوندی ہے، یہ مقصد صرف دینی ادارہ قائم کرنے میں علی حالہ برقرار رہتا ہے، اگر واقف زندہ ہوتا اور وہ اپنے وقف کردہ جائداد کی ویرانی کو دیکھتا تو کیا وہ دینی

ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا، یقیناً اجازت دیتا، لہذا ازائد زمین میں مشروط طور پر دینی ادارہ کا قیام دلالۃً واقف کے منشاء ومقصد کے مطابق ہی ہے۔

اوپر لکھا جا چکا کہ مقصدِ واقف اور شرطِ واقف نص شارع کے درجہ اور حکم میں ہے، جہاں تک ممکن ہو مقصد وقف فوت نہ ہونے پائے۔

الف، ب۔ اس لئے شئ موقوف کے مصارف سے زائد آمدنی (جس پر خیانت کا اندیشہ ہو) کو اسی نوع کے مصالح وضروریات میں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی، اس کے علاوہ دیگر ملی ودینی علمی وغیرہ امور میں صرف نہیں کر سکتے۔

ایسے اوقاف جو اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، اس کا معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، تو کیا اجازت ملے گی کہ اسکو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے جس سے اس کی آمدنی کئی گنا زیادہ آنے لگے، اور اس سے مدرسہ یا مسجد کی ضرورتیں بھی پوری ہونے لگے، اصح اور مختار مذہب کے مطابق ایسے اوقاف کو فروخت کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ اوقاف فی الجملہ قابل انتفاع ہے (شامی ۳؍ ۳۸۷)۔

لیکن صاحب درمختار نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ مسائل وقف جن میں علماء کا اختلاف ہے ایسے قول پر فتوی دیا جائے جو وقف کے لئے مفید تر ہو۔

''یفتی بکل ما هو أنفع للوقف فیما اختلف العلماء فیه'' (درمختار ۳؍ ۴۰۱)۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی روشنی میں اس مقام پر بہت سے ایسے مسائل وقف ذکر کئے ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے اور مرجوح قول پر محض وقف کے فائدے کے پیش نظر فتوی دیا گیا ہے، اور ایسا ہی فتاوی بزازیہ میں ہے:

''عن محمد ضعفت الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنه أرضا أخری أکثر ریعا منه له البیع وشراء ما هو أکثر منه ریعا'' (فتاوی بزازیہ برعالمگیری ۶؍ ۲۷۱)۔

واقفین نے اپنی جائداد جس پر وقف کیا تھا وہ وقف کا مصرف ختم ہو چکا وہ متعین فقراء یا

متعین مساجد و مدارس اب نہ رہے، سب معدوم ہو چکے تو ایسی صورت میں ان اوقاف کی آمدنی کو اسی نوع کے قریبی وقف پر خرچ کریں گے جس نوع پر واقف نے وقف کیا تھا۔

''وحکی أنه وقع مثله فی زمن سیدنا الإمام الأجل فی رباط بعض الطرق خرب ولا ینتفع المارة به وله أوقاف عامرة فسئل هل یجوز نقلها إلی رباط آخر ینتفع الناس به قال نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة ویحصل ذلک بالثانی'' (شامی ۴/۳۷۲)، **''وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها''** (شامی ۴/۳۷۱)۔

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہیں اور نہ اوقاف کے پاس اتنی آمدنی ہے کہ جس سے تعمیر کر کے اس موقوفہ کو قابل انتفاع بنایا جا سکے تو ایسی صورت میں ملی حمیت کا تقاضا تو یہی ہے کہ مسلمان چندہ جمع کر کے اس کی تعمیر کو انجام دیں، بلڈر کے معرفت (محض اس کے تعمیر کی وجہ سے) ایک یا دو منزل کی فروختگی کی صحت سمجھ میں نہیں آتی، ہاں اگر یہ معاہدہ ہو جائے کہ ایک یا دو منزل وقت متعینہ تک کے لئے تصرف میں بطور کرایہ دار کے تم رہو گے، جب کرایہ کی مقدار تمہارے صرف کردہ رقم کے برابر ہو جائے گی تو تم اس عمارت سے اپنا تصرف ختم کرلو گے تو ایسی صورت میں اوقاف کی تعمیر اور اس سے وقت متعینہ تک بلڈر کا تصرف جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ اوقاف کی عمارت مخدوش یا خالی زمین ہونے کی وجہ سے وہ وقف ناقابل انتفاع ہو جائے، اسے کارآمد بنانے کے لئے وقف کی آمدنی میں نہ تو اتنی گنجائش ہے کہ اس سے عمارت کی تعمیر و مرمت کی جا سکے اور نہ اس کے علاوہ اور کوئی سبیل و ذریعہ ہے، اگر اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو وہ وقف ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وقف شدہ زمین و جائداد کا وہ حصہ جو مصالح و ضروریات کے لئے ہیں، اس میں سے بقدر ضرورت فروخت کر کے اوقاف کی تعمیر یا مرمت کی اجازت ہوگی، جس سے وہ وقف قابل انتفاع ہو جائے۔

قبرستان کی موقوفہ زمین پر جو قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے، فقہاء نے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ لوگوں نے اموات دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں اور ایسا ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہو تو قبروں کے نشانات مٹ جانے کے بعد مالک کی اجازت سے مسجد بنانا جائز ہے۔

"قال الحافظ العيني: فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت قال ابن القاسمؒ لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد" (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹، احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)۔

عبارت بالا میں قبرستان میں مسجد کے جواز کی دلیل یہ بیان کی گئی کہ قبرستان اوقاف مسلمین میں سے ہے جس کی منفعت عام ہے اور اس کی تملیک درست نہیں، ایسا ہی مسجد کا حال ہے۔

"لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه"۔

مذکورہ بالا گفتگو میں جس دلیل سے مسجد کی تعمیر کو درست کہا گیا ہے اسی دلیل سے قبرستان کی جگہ میں مدرسہ کی تعمیر کو درست اور جائز کہا جائے گا، "والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد"، چنانچہ "فتاویٰ محمودیہ" میں ہے:

اگر وہ قبرستان مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے دینی مدرسہ کی تعلیم درست ہے، اگر قبرستان وقف ہے تو منشاء واقف ہی میں اس کو استعمال کیا جائے، لیکن اگر وقف ہونے کے باوجود وہ جگہ ضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہوجائے تو دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا درست ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۴۸)۔

عبارت **بالا** میں قبرستان کی زائد از ضرورت جگہ پر جس **دلیل** سے مسجد اور مدرسہ کا جواز اور اس کی درستگی معلوم ہوئی اسی **دلیل** سے مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ کی تعمیر کا جواز اور اس کی درستگی ہوگی۔

زمانہ اتنا بدل چکا ہے کہ حرام و ناجائز جانتے ہوئے آخرت کی جوابدہی سے **بے فکر** ہوکر اراضی موقوفہ پر قبضہ ودخل **لوگوں** کا شیوہ بن چکا ہے، اگر اس زمین پر مدرسہ کی اجازت نہ دی جائے تو کوئی بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں وہ زمین ہضم ہوجائے۔

وہ قبرستان جس سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال **متروک** ہوجائے یا یہ کہ وہ قبرستان بیچ آبادی میں آجانے کی وجہ سے تدفین پر پابندی عائد کردی جائے جس سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے **بلکہ** قبضہ ہورہا ہے ایسے **بے مصرف قبرستان** سے نفع اٹھانے اور وقف کو باقی رکھنے کے لئے ہر وہ تعمیر درست ہوگی جس میں دو شرطیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ تعمیر **جدید** جس مقصد کے لئے ہو قبرستان ہی کی طرح وقف رہے۔ دوسری شرط یہ کہ اس کا نفع **اجتماعی** ضرورتوں پر مبنی ہو یعنی عام مسلمانوں کو حاصل ہو، بہتر یہ ہے کہ اس **بے مصرف قبرستان** پر مسجد یا مدرسہ بنادیا جائے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔

ہمارا یہ **استدلال** عینی شرح بخاری کی مندرجہ ذیل عبارت سے **ماخوذ** ہے:

"قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكيه لأحد فمعناهما على هذا واحد"۔

(ابن القاسم کا **قول** ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ویران ہوجائے اور اس میں مسجد بنادی جائے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ قبرستان مسلمانوں کی

تدفین کے لئے وقف ہوتے ہیں کوئی ان کا مالک نہیں بن سکتا، تو جب قبریں مٹ جائیں اور اس میں تدفین بند ہو جائے تو اس کو مسجد کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہوتی ہے، کوئی اس کا مالک نہیں بن سکتا تو دونوں چیزیں ایک ہی ہیں)۔

حضرت تھانویؒ سے ایک ویران قبرستان کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا کہ اس زمین پر ایک مکان انجمن اسلام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ جواب میں مذکورہ بالا عینی کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان قومی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے'' (امداد الفتاوی ۲/ ۵۷۹)۔

جو مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں، جن میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، حکومت کی طرف سے نماز پر پابندی ظلم اور زیادتی ہے، شرعاً یہ منع غلط ہے، مسجد کی بڑی اہمیت وہی ہے جس مقصد کے لئے مسجد تعمیر ہوئی ہے، قرآن پاک کی آیت ''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه'' (سورہ بقرہ: ۱۱۴) کے تحت علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''وظاهر الآية العموم في كل مانع و في كل مسجد و خصوص السبب لا يمنعه'' (روح المعانی ۱/ ۳۶۳)، اور ''(وسعى في خرابها) أي هدمها و تعطيلها'' (روح المعانی ۱/ ۳۶۴)۔

اوقاف کی حفاظت اور اس کا اپنے مصرف میں استعمال ہونا دونوں شریعت میں اہم اور مقصود اصلی ہے، ایسا قبرستان جو باؤنڈری نہ ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے، اس کی حرمت پامال اور ضائع ہو رہی ہے، نیز اندیشہ ہے کہ اس پر قبرستان سے متصل مالک زمین آہستہ آہستہ قبضہ بڑھاتا چلا جائے، موجودہ صورتحال میں قبرستان کی حفاظت کے لئے (جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو) اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ

کے بطور لے لی جائے اور اس سے کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ طریقہ حفاظت درست ہے، لیکن یہ دوکانیں وقف کی ہوں گی، اس سے حاصل شدہ آمدنی اس کی ضروریات میں صرف ہوں گی، اور زائد آمدنی اسی نوع کی ضروریات میں استعمال ہوں گی۔

وہ قبرستان جس میں تدفین کا عمل جاری ہے، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے ادھر پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، جو نمازی کے لئے تنگ پڑ رہی ہے ضرورت ہے کہ اس کی توسیع کی جائے، کیا ایسی صورت میں توسیع کی اجازت ملے گی؟

مسجد کی توسیع کی اجازت اس وقت ملے گی کہ جس طرف مسجد کی توسیع کرنی ہے اس طرف قبریں نہ ہوں اگر قبریں ہوں تو وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، اور زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد بھی ہے، ورنہ توسیع کی اجازت نہیں ملے گی، جیسا کہ آٹھویں سوال کے تحت تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے۔

مسلم وغیر مسلم دونوں کی طرف سے وقف درست ہے، وقف کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ''و أما الإسلام فليس بشرط'' (الہندیہ ۲/ ۳۵۲)، مساجد ومقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا (خواہ واقف مسلم ہو یا غیر مسلم) غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں رہنا درست ہے بشرطیکہ وہ اوقاف میں خیانت نہ کرے، مساجد ومقابر وغیرہ میں غیر شرعی تصرف نہ کرے، اوقاف کے متولی کا نصب وعزل امانت وخیانت پر موقوف ہے، خواہ وہ متولی مسلم ہو یا غیر مسلم۔

''قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود'' (شامی ۳/ ۳۸۵)۔

وقف کی حیثیت اور استعمال کی شرعی ضابطہ

مولانا سمیع اللہ قاسمی

وقف کی حقیقت کیا ہے؟ کن اشیاء میں وقف صحیح ہے اور کن میں صحیح نہیں ہے؟ اس کی بتدریج تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

وقف کی لغوی تعریف: اکثر لغت میں اس کی تعریف حبس سے کی ہے، یعنی ٹھہرنا، اور لسان العرب میں ''خلاف الجلوس'' یعنی بیٹھنے کے مقابلے میں کھڑے ہونے سے کیا ہے۔

وقف کی اصطلاحی تعریف: وقف کی اصطلاحی تعریف اکثر کتب فقہ میں امام صاحب کے نزدیک یہ ہے:

''**حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة على الفقراء، وزاد فتح القدير على من أحب فيدخل فيه الغني، وزاد في الهندية على وجه تعود منفعتها إلى العباد**''۔

کسی سامان کو واقف کی ملکیت میں محصور کر کے اس کی منفعت کو فقراء پر صدقہ کرنا۔ ''فتح القدیر'' میں مزید ہے: منفعت کا صدقہ کرنا جس پر چاہے تو غنی بھی اس کے تحت داخل ہو جائے گا۔ اور ''ہندیہ'' میں ہے: اس طرح کر دینا کہ منفعت بندوں کو پہونچتی رہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف "**حبس العين على حكم ملك الله تعالى**" (سامان کو اللہ تعالی کی ملکیت کے حکم میں کر دینا) ہے۔

وقف کا حکم:

چونکہ امام صاحب کے نزدیک وقف کی اصطلاحی تعریف "حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة علی الفقراء أو علی من أحب" ہے، اس لئے نہ وقف لازم ہوگا اور نہ شئی موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہوگی حتی کہ واقف کو شئی موقوف بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار رہے، اور واقف کے مرنے کے بعد شئی موقوف میں وراثت بھی جاری ہوگی۔

لیکن تین صورتیں ایسی ہیں جن میں بالاتفاق شئی موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہو جاتی ہے:

(۱) کوئی شخص مسجد کے لئے وقف کرتا ہے تو شئی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی بالاتفاق۔

(۲) قضاء قاضی یعنی قاضی نے شئی موقوف ہونے کا فیصلہ کردیا تو واقف کی ملکیت سے باہر ہوجائے گی۔

(۳) اگر واقف اپنی موت کے ساتھ معلق کردے تو شئی موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہوجائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف "حبس العین علی حکم ملک اللہ" ہے، لہذا جب واقف کا وقف کرنا صحیح ہوگیا تمام شرائط کے ساتھ تو وقف لازم ہوگیا، اور شئی موقوف واقف کی ملکیت سے باہر ہوکر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہوگئی۔

لیکن صاحبین کے مابین بھی تھوڑا اختلاف ہے: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کردینے سے وقف ہوجاتا ہے اور شئی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہوجاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ وقف کے اندر تسلیم شرط ہے اس لئے جب تک سپرد نہ کیا جائے یا استعمال میں نہ لے آیا جائے تب تک وقف لازم نہیں ہوگا اور شئی موقوف واقف کی ملکیت سے باہر نہیں ہوگی، لہذا جب تسلیم (سپردگی) ہوجائے یا شئی موقوف مستعمل ہونے لگے تو وقف لازم بھی ہوگیا

اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج بھی ہوگئی۔لیکن اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول اقرب الی الفقہ اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

مسجد اور دیگر اوقاف میں فرق:

مسجد کے اندر تو بالا تفاق شئ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک اس مسجد کے اندر نماز نہ پڑھے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہے اور قبرستان، پیاؤ (پانی پینے یا پلانے کے نظم کی کوئی شکل)، حوض، مسافر خانہ، و دیگر اوقاف کے اندر امام صاحب کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف ''حبس العين على ملک الواقف و التصدق بالمنفعة على الفقراء'' ہے، لہذا مسجد کے علاوہ ان تمام صورتوں میں شئ موقوفہ واقف کی ملکیت سے نہیں نکلے گی، لہذا اس کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا اختیار ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوگی، ہاں دو صورتوں میں واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔

(۱) قضاء قاضی، یعنی قاضی صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے تو واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی اور وقف لازم ہو جائیگا:

(۲) تعلق بالموت، یعنی اپنے موت کے ساتھ متعلق کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ شئ وقف ہے تو یہ وقف لازم ہو جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک چونکہ وقف کی تعریف'' حبس العين على حكم ملک الله''یعنی عین کا خاص کرنا اللہ تعالی کی ملکیت میں ہے، اس لئے ان تمام صورتوں میں وقف لازم ہو جائے گا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو کر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مطلقاً وقف کر دینے سے شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک تسلیم (سپردگی) شرط ہے لہذا جب

مسافر خانہ میں کوئی رہنے لگے یا قبرستان میں ایک بھی مردہ دفن ہوجائے یا اس کے علاوہ تسلیم (کسی شکل میں سپردگی) ہوجائے تو وقف لازم ہوگیا اور شئ موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہوگئی۔

امام صاحبؒ کی دلیل:

حضور علیہ السلام کا قول ہے: "لا حبس عن فرائض الله" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرائض کے معاملہ میں جو حکم دیا ہے اس کے اندر وقف جاری نہیں ہوگا۔ یعنی اس کو خاص نہیں کیا جائیگا، اور جب کوئی شخص انتقال کرتا ہے تو اس کی متروک اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اسکے وارثین میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے، اور جب وارثین کا حق اس سے متعلق ہوگیا تو اس کو اس کے مرنے کے بعد کیونکر روک کر رکھا جاسکتا ہے، اور وہ دونوں صورتیں جن میں وقف لازم ہوجاتا ہے اس میں بیان کرتے ہیں کہ حاکم چونکہ مجتہد ہے اس وجہ سے اس کے حکم سے وقف لازم ہوجائے گا، اسی طرح سے تعلق بعد الموت میں چونکہ وصیت ثلث مال میں صحیح ہے اس لئے مرنے کے بعد معلق کرتا ہے تو وقف لازم ہوجائے گا۔

اس کے بعد دوسری دلیل دیتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص قبرستان کی زمین وقف کرتا ہے، اسی طرح سے پیاؤ یا مسافر خانہ وقف کرتا ہے تو قبرستان میں خود مدفون بھی ہوسکتا ہے اور مسافر خانہ میں بھی خود بھی ٹھہر سکتا ہے، اگر موقوف چیز اس کی ملکیت سے زائل ہوجاتی تو قبرستان میں اس کو دفن نہیں کیا جاسکتا تھا اور مسافر خانہ میں ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا، اس لئے کہ وہ مال غیر ہوگیا، لہذا وقف نہ لازم ہوگا اور نہ ہی واقف کی ملکیت سے خارج ہوگا لیکن وقف بہر حال صحیح ہوجائے گا، جیسا کہ عاریت میں رہتا ہے کہ شئ مستعار اس کی ملکیت میں رہتی ہے اور اس کے منافع کا حق دوسروں کو دیدیتا ہے، یعنی ملکیت تو مالک کی رہتی ہے، لیکن اس کو شئ سے نفع حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔

صاحبین کی دلیل: ان کی دلیل یہ ہے کہ جب واقف نے کہا "وقفت داری" تو اس

میں دو احتمال ہے، ایک تو یہ کہ وہ شے اس کی ملکیت میں ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ شی موقوف اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی، اور جب دونوں کا احتمال ہے تو ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح شمار کر کے کسی ایک پر عمل کیا جائے گا، لہذا جب ہم نے غور وخوض کیا تو ایک حدیث شریف سامنے آئی، جس کی بناپر ہم نے دوسرے کو راجح قرار دیکر مسئلہ کو صاف کر دیا، حدیث شریف یہ ہے جب حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین کا وقف کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا اس کے عین کو صدقہ کرو، یہی محل استدلال ہے کہ جب تک شی موقوف واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی تب تک صدقہ کا تحقق کس طرح ہوگا یعنی عین کا صدقہ کس طرح سامنے آیگا، لہذا جب عین کا صدقہ ہو جائے گا تو وقف بھی لازم ہو جائے گا اور شی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، اب جب شی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہوگئی تو نہ اس کو بیچنے اور نہ ہی اس کو ہبہ کرنے کا اختیار رہے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی، یہی وجہ ہے اس کو ترجیح دینے کی۔

صاحبین کی دوسری دلیل یہ کہ ضرورت بھی یہی ہے کہ وقف لازم ہو جائے، اس لئے کہ جب تک وقف لازم نہیں ہوگا ہمیشہ کے لئے واقف کو وقف کا ثواب حاصل نہیں ہوگا بلکہ جب وہ شی موقوف کو بیچ دیگا یا ہبہ کر دے گا یا اس میں وراثت جاری ہوگی تو اس کا ثواب منقطع ہو جائے گا، لہذا جب تک وقف لازم نہیں ہوگا موقوف شے اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی اور اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وقف کے شرائط کو بیان کرتے ہیں کہ کن کن شرطوں کی بناپر وقف صحیح ہوجا تا ہے اور کون سی شرط ایسی ہے جس کی وجہ سے وقف فاسد ہو جائے گا اور کون سی شرط سے شرط فاسد اور وقف صحیح ہو جائے گا۔

شرائط واقف:

(۱) پہلی شرط تو یہ ہے کہ واقف آزاد ہو، اسی لئے اگر کوئی غلام وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا بلکہ وقف باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہے، جو کچھ اس

کے پاس ہے اس کے آقا کی ملکیت ہے۔

(۲) واقف بالغ ہو، اس لئے کہ اگر نابالغ وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، ہاں اس کا وقف موقوف رہیگا قاضی کی اجازت پر، اگر قاضی صاحب اجازت دیتے ہیں تو اس کا وقف بھی نافذ ہوجائے گا۔

(۳) واقف عاقل ہو، اسی لئے اگر کوئی مجنون، دیوانہ، پاگل کسی شی کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، وجہ یہ ہے کہ وقف کہتے ہیں بغیر کسی عوض کے اپنے ملک کو زائل کرنا بنیت ثواب، اور نابالغ اور مجنون کا مال نقصان والے تصرفات کامحل نہیں ہے۔

(۴) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت شی موقوف واقف کی ملکیت میں ہو، لہذا اگر کوئی شخص ارض مغصوبہ کا وقف کرتا ہے تو اس کا وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ جس چیز کا وقف کررہا ہے اس کا وہ مالک نہیں ہے، اسی طرح سے اگر وہ بعد میں ارض مغصوبہ کا مالک بن جاتا ہے کسی وجہ سے بھی تو وقف درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ بوقت وقف شی موقوف کا اس کی ملکیت میں موجود ہونا شرط ہے اور وہ شخص وقف کرتے وقت اس کا مالک نہیں تھا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ وقف منجز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس شرط کے ساتھ وقف کرتا ہے کہ اگر میرا لڑکا آ گیا یا فلاں شخص کا انتقال ہوگیا تو میری زمین وقف ہے تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے وقف بلاشرط ہو اور صاف وضاحت کے ساتھ وقف کرے۔

(۶) یہ ہے کہ شی موقوف معلوم ہو مجہول نہ ہو، یعنی جو چیز وقف کرتا ہے اس کا متعین کرنا ضروری ہے، لہذا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میری زمین وقف ہے تو وقف درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ وقف کے اندر متعین کرنا ضروری ہے کہ کتنی اور کون سی زمین وقف کررہا ہے ورنہ وقف باطل ہوجائے گا۔

(۷) یہ ہے کہ مجور علیہ نہ ہو، یعنی قاضی کی طرف سے اس کو تصرف سے منع نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ کوئی دیوانہ ہے یا مقروض ہے اس کی وجہ سے قاضی نے اس کو مجور علیہ قرار دیا ہے تو اس کا

وقف صحیح نہ ہوگا۔

(۸) ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف شئی موقوف کی آخری جہت ایسی بیان کرے جو کبھی ختم ہونے والی نہ ہو، یہ شرط طرفین کے نزدیک ہے ان کے برخلاف امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آخری جہت بیان فرمانے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ اس کے بعد فقراء اور مساکین پر خود بخود وقف ہوجائے گی، مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ میری فلاں زمین زید پر وقف ہے، اس کے بعد اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا تو طرفین کے نزدیک وقف درست نہیں ہوگا، لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ زید کی اولاد کے بعد وہ شئی خود بخود فقراء پر وقف ہوجائے گی، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۹) یہ ہے کہ وقف مؤبد ہو مؤقت نہ ہو، اس لئے کہ وقف کہتے ہیں غیر محدود طریقے پر اپنی ملکیت کو زائل کرنا اور موقت میں ایسا نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد ایک سال کے لئے زمین فقراء پر وقف ہے تو یہ وقف باطل ہوجائے گا۔

(۱۰) یہ ہے کہ وقف کو خیار شرط کے ساتھ معلق نہ کیا ہو، لہذا اگر کسی شخص نے خیار شرط کے ساتھ معلق کیا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین دن تک خیار شرط ہے اس کے بعد خیار باطل ہوجائے گا، اور امام محمد مطلقاً خیار کو باطل قرار دیتے ہیں، یہ اختلاف مسجد کے علاوہ میں ہے ورنہ مسجد کے بارے میں بالاتفاق خیار باطل ہوجائے گا۔

(۱۱) یہ ہے کہ وقف کرتے وقت بیع کی شرط نہ لگایا ہو اس لئے کہ وقف کرنے سے شئی موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہوکر اللہ تعالی کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، اور جب بیع کی شرط لگائے گا تو پھر اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ بیع کی شرط وقف میں جائز نہیں ہے۔

(۱۲) یہ ہے کہ وقف غیر منقول اشیاء میں ہو، جیسے زمین اور مکان وغیرہ، ہاں وہ اشیاء جو غیر منقولی کے تابع ہیں جیسے زمین کی کاشتکاری کے لئے ہل بیل کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اس

کے تابع ہے، لہذا اس طرح کی اشیاء غیر منقول کے تابع ہوکر وقف صحیح ہو جائے گا اس قاعدے کے تحت جس کو ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

"**کم من شئ یثبت تبعا لم یثبت مقصوداً الخ**" (بہت سی چیزیں تبعاً تو ثابت ہوتی ہیں اور اصالۃً ثابت نہیں ہوتیں)۔

اوقاف کے اندر شرطوں کی بحث:

اب بیان کیا جاتا ہے کہ اوقاف کے اندر شرائط کی حیثیت کیا ہے، وقف کے اندر جتنی شرطیں ذکر کی گئیں ہیں تمام شرطیں پائی جاتی ہیں تو وقف صحیح اور درست ہو جائے گا، اور اگر تمام شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو وقف باطل ہو جائے گا، لیکن بعض شرطیں ایسی ہیں جو کہ شروط فاسدہ کہلاتی ہیں، جنکی وجہ سے وقف صحیح اور شرط باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ واقف آزاد اور عاقل وبالغ ہو، لہذا اگر غلام یا مجنون اور بچہ وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہے، اسی طرح سے وقف کے لئے شئی کا معلوم ہونا شرط ہے لہذا اگر کوئی شخص مجہول شئی کا وقف کرتا ہے تو وقف باطل ہو جائے گا۔

شرائط کی دوسری قسم میں اختلاف ہے، مثلاً کوئی شخص وقف کرتا ہے خیار شرط کے ساتھ تو اس کے بارے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف درست ہو جائیگا اور خیار کی شرط فاسد ہے، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے تین دن تک کے لئے خیار رہوگا اور تین دن گذر جانے کے بعد خیار باطل ہوکر وقف صحیح ہو جائے گا، یہی مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ موقوفہ اشیاء کے بدلنے کی شرط لگائے۔

شرائط کی تیسری قسم:

اگر کوئی شخص مسجد کے لئے زمین وقف کرتا ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی شرط لگاتا ہے تو بالاتفاق وقف صحیح اور درست ہو جائے گا اور شرط فاسد قرار پائے گی۔

وقف کے الفاظ:

علامہ شامی نے ''رد المحتار'' میں ذکر کیا ہے کہ وقف کے الفاظ تقریباً (۲۰) ہیں جن میں کچھ کا شمار انہوں نے کیا ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میری فلاں زمین کا غلہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، یا یہ کہتا ہے کہ میری فلاں جائداد زید پر موقوف ہے، اس کے بعد اس کی اولاد پر، اس کے بعد فقراء پر، اسی طرح سے یہ کہے کہ میری فلاں زمین فقراء پر صدقہ ہے، یا اپنے مرنے کے ساتھ معلق کردیا کہ میری فلاں زمین فقراء پر وقف ہے تو اس کے ثلث مال میں سے وقف جاری کیا جائے گا۔ لیکن اصل لفظ جو ہے موقوفہ، یعنی موقوفہ کا لفظ استعمال کرنے سے بلا تامل وقف ہوجائے گا، یعنی یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میری فلاں زمین موقوف ہے "أرضي هذه موقوفة" اس طرح کے الفاظ کہہ دینے سے وقف صحیح ہوجائے گا، یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کہ کسی معین شخص کے لئے وقف نہ کیا ہو، اگر معین شخص کے لئے وقف کیا ہے تو اس معین شخص کے مرنے کے بعد شئی مذکورہ خود بخود فقراء پر وقف ہوجائے گی۔ اس سلسلہ میں علامہ شامیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ صدر الشہید کا قول یہ ہے کہ مشائخ بلخ کا اسی پر فتوی ہے، انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہے، عرف یہ ہے کہ جب انسان کسی معین شخص پر وقف کرتا ہے اور اسکے بعد کچھ نہیں ذکر کرتا ہے تو خود بخود شئی مذکور فقراء پر وقف ہوجائے گی، وجہ یہ ہے کہ عموماً وقف جو کیا جاتا ہے فقراء پر ہی کیا جاتا ہے۔

منقولی اشیاء کا وقف:

منقولی اشیاء کے اندر امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ کراع، یعنی سواری کا جانور اور ہتھیار کے علاوہ کسی منقولی اشیاء میں وقف صحیح نہیں ہے، اور کراع اور اسلحہ کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ آمیں بھی وقف درست نہیں ہو، لیکن چونکہ ان دونوں کے بارے میں نص وارد ہے اس وجہ سے اس کو جائز قرار دیا، اس لئے کہ وقف کے اندر تابید شرط ہے

اور کراع و اسلحہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے، لہذا قیاس تو یہ کہتا ہے کہ وقف درست نہ ہو لیکن اس کے بارے میں حدیث ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

''**أما خالد فقد حبس أدرعا و أفراسا له في سبيل الله، و أما طلحة حبس درعه في سبيله الخ**'' (خالد نے اپنی زرہیں اور گھوڑے اللہ کے راستے میں دیدئے ہیں اور طلحہ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں دیدیا ہے)

اس حدیث کی بناپر ان دونوں میں وقف درست ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ شئی جس کو عرف عام میں وقف کیا جاتا ہے جیسے قرآن کریم، کلہاڑی وغیرہ، تو چونکہ شریعت میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے اس وجہ سے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ان اشیاء میں بھی وقف درست ہو جائے گا۔ انکی دلیل "**مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن**" اس لئے کہ مسلمان کسی برائی کو حسن نہیں کہہ سکتا ہے، اور امام محمد کا قول **أقرب إلى الفقه** معلوم ہوتا ہے یہی قول ہمارے یہاں مفتی بہ قرار پاکر فتوی اسی پر دیا جاتا ہے۔

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف:

غیر مسلم کا کیا ہوا وقف صحیح اور درست ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جس چیز کے لئے وقف کر رہا ہے وہ شئی ہمارے یہاں بھی قربت اور ان کے یہاں بھی قربت ہو، یعنی باعث ثواب ہو، لیکن اگر کسی ایک کے یہاں قربت ہو اور دوسرے کے یہاں باعث قربت نہیں ہے تو صحیح نہیں ہے، دونوں کے نزدیک قربت ہونے کی مثال، جیسے کوئی غیر مسلم فقراء کے لئے وقف کرتا ہے تو ان کے یہاں بھی قربت ہے اور ہمارے یہاں بھی باعث ثواب ہے، اسی طرح بیت المقدس کے لئے وقف کو وہ بھی قربت مانتے ہیں، لہذا اس صورت میں وقف درست قرار پائے گا۔

مشترک اشیاء کا وقف:

مشترک اشیاء کا وقف صحیح بھی ہے اور نہیں بھی ہے، اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل

تقسیم نہ ہوتو ایسی صورت میں بالاتفاق اشیاء کا وقف صحیح ہے، مثلاً چھوٹا کمرہ یا غسل خانہ ہے، اب اس میں دو آدمی شریک ہیں ان میں سے ایک اپنے حصہ کو وقف کرنا چاہتا ہے تو اس کا وقف بالاتفاق درست ہے اس لئے کہ یہ ایسی زمین ہے جو نا قابل تقسیم ہے۔

اور اگر مشترک اشیاء ایسی ہیں جو قابل تقسیم ہیں تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ مشترک اشیاء کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ تقسیم قبضہ کو مکمل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور ان کے نزدیک قبضہ شرط نہیں ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف درست ہو جائے گا، اور امام محمد کے نزدیک چونکہ تسلیم (سپردگی) شرط ہے اور مشترک اشیاء میں تسلیم نہیں پایا جاتا ہے، لہذا مشترک اشیاء کا وقف صحیح نہیں ہے۔

شئی موقوف کا تبادلہ:

اگر واقف شئی موقوف کے تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر تبادلے کی شرط لگاتا ہے تو وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، اسی طرح سے اگر شرط لگاتا ہے کہ شئی موقوف کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری شئی خریدی جائے گی، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ شرط بھی درست ہے، لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف صحیح ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی، لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس کو ایک ہی مرتبہ کا اختیار رہوگا، دوسری مرتبہ پھر اس کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی مرتبہ تبادلہ سے شرط ختم ہوگئی، اب شرط مفقود ہے اس لئے اختیار نہیں ہوگا۔

دلیل: "فإن شرائط الواقف معتبرة ما لم تخالف الشرع" (واقف کی شرطیں اگر مخالف شرع نہ ہوں تو معتبر ہیں)۔

واقف کے کن کن شرطوں کی رعایت ضروری ہے:

واقف ایسی شرطیں لگاتا ہے جو کہ شرع کے مخالف نہ ہو تو قاضی کے لئے ایسی شرطوں کی

رعایت ضروری ہے، مثلاً واقف اپنی جائداد کو وقف کرتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ اس زمین کا غلہ اس پر خرچ ہوگا تو یہ صحیح ہے، اسی طرح سے اگر یہ شرط لگاتا ہے کہ اس کی ولایت اسکے لئے ہے تو یہ شرط لگانا بھی صحیح اور درست ہے، اور ایسی شرطوں کی رعایت قاضی پر ضروری ہے، لہذا موقوفہ اشیاء کی ولایت اس کے لئے ثابت ہوگی۔

شئی موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے تو کیا حکم ہے:

امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً شئی موقوف کا مقصد اگر فوت ہو جائے، یا وقف کوئی ایسی پرانی چیز میں ہے جو بیکار پڑی ہوئی ہے تو یہ تمام اشیاء واقف کی طرف لوٹ آئیں گی بشرطیکہ واقف باحیات ہو، ورنہ اگر واقف کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء میں تقسیم ہوں گی، اور مسجد کے بارے میں امام صاحب اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر مسجد ٹوٹ جائے اور ویران ہو جائے اور وہاں پر کوئی مسلمان آباد نہیں ہے جو مسجد کی دوبارہ تعمیر نو کر کے آباد کرے تب بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، جب وہاں مسلمان پہنچنے لگیں تو ان کو اس جگہ پر مسجد بنانا ضروری ہوگا، لیکن امام ابو یوسف کی ایک ہدایت یہ ہے کہ اگر ان اشیاء کا مقصد فوت جائے تو چاہے وہ مسجد ہو، یا اوقاف کی دیگر اشیاء ہوں ان سب کو قاضی کے حکم سے بیچ کر قریب والی مسجد میں اس کے ثمن کو صرف کیا جائے گا، اسی طرح سے جو بھی اوقاف کی چیزیں بیکار پڑی ہوئی ہیں یا اس کا مقصد فوت ہو گیا ہے تو قاضی کے حکم سے اس کو بیچ کر اس ثمن کو قریب والے اوقاف میں صرف کیا جائے گا بشرطیکہ وقف کسی معین شخص کے لئے نہ ہو بلکہ عام فقراء کے لئے ہو۔

الف، ب۔ ایسے اوقاف کے استبدال کے سلسلے میں فرق ہے کہ اگر مساجد ہیں تو بالاتفاق وہ مسجدیں قیامت تک مسجد ہی رہیں گی اس سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس جگہ جب بھی مسلمان آکر آباد ہوں گے ان کے لئے اس جگہ مسجد تعمیر کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں مسجد کے وہ سامان جو مصرف کے لائق نہیں اس کو قریب والی مسجد کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے، اور اس کے

اندر بھی ارباب حل وعقد کے مشورہ سے اگر کیا جاسکتا ہے تو اس وقف کو منتقل کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور دوسرے اوقاف کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کو باقی رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کیا جاتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ فقہاء کا قاعدہ ہے "شرط الواقف کنص الشارع"۔

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے، مفتی بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، ہاں اس مسجد کا سامان دوسری مسجد میں یعنی کارآمد نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی رائے سے اس سامان کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کردی جائے، لیکن مسجد کا سامان بلا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي، وروى الملك عن محمد وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي وكذا الرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أوبئر أو حوض۔

قوله وخرب ما حوله اى ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله وعند الثاني جزم به في الإسعاف حيث قال لو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف القاضي إلى بعض المساجد قوله إلى أقرب مسجد أو رباط، لف ونشر مرتب وظاهره انه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه"۔

اس پوری عبارت سے پورا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مسجد اور دیگر اوقاف کے اندر فرق ہے، لہذا مسجد کے علاوہ ان اوقاف کے سامان کو جن کا مقصد بالکل فوت ہو چکا ہے دوسرے

اوقاف کے اندر صرف کیا جاسکتا ہے، چاہے وہ اوقاف قبرستان ہو یا حوض یا مسافر خانہ کسی بھی قسم میں ہو، اور اگر بالکلیہ طور پر انتفاع منقطع ہوجائے تو قاضی شرعی جہاں قائم ہے ورنہ ارباب حل وعقد کو چند شرائط کے ساتھ اس کا متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہے۔

''والمعتمد انه یجوز القاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة وأن لا یکون هناک ریع لوقف یعمر به وأن لا یکون البیع بغبن فاحش کذا فی البحر الرائق۔ وشرط فی الاسعاف أن یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم''۔

یعنی بالکلیہ طور پر ناقابل انتفاع ہے یا اس کی آمدنی اتنی نہیں ہورہی ہے جس سے اس کی تعمیر ہو سکے اور بیع بڑے خسارے سے بھی نہیں ہورہی ہے تو اس صورت میں قاضی جنت جو کہ ذی علم ہو اس کے حکم سے استبدال جائز ہے۔ ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ اگر واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''شرط الواقف کنص الشارع''، یعنی واقف کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے تا کہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیوں کہ آبادی کو ترقی دینا بڑی مصلحت ہے۔

''الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل: لا یصرف وأنه صحیح ولکن یشتری به مستغل للمسجد'' (مسجد کے وقف کی فاضل آمدنی فقراء پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، صحیح قول یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اس سے مسجد کی آمدنی کے ذرائع کا نظم کیا جائے)۔

اور عالمگیری میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

''الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أم لا ثم إلی ما هو أقرب إلی العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة''
(وقف کی آمدنی سب سے پہلے وقف کی عمارت وتعمیر پر لگے گی، خواہ واقف نے شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو، اس کے بعد پھر عمارت سے متعلق امور میں مثلاً مسجد کا امام اور مدرسے کا مدرس)۔

اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو مسجد کی فاضل آمدنی دوسری مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے لیکن مسجد کے علاوہ دیگر کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ب۔ چونکہ واقف نے مسجد کے ان مکانات کو جو مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا اس لئے واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے، لہذا دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع'' یعنی واقف کی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اگر شریعت کے مخالف نہ ہو۔ دوسرا قاعدہ ہے: ''شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به وفی المفهوم والدلالة الخ'' (واقف کی شرط شارع کی نص کے درجہ میں ہے یعنی اس سے عمل کے واجب ہونے کے حق میں اور مفہوم ودلالت کے سلسلہ میں) لہذا اس صورت میں جب کہ واقف نے مذکورہ اوقاف کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا، اس لئے وقف کی آمدنی سے دوسری تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

الف۔ اس سوال کے اندر چونکہ ایسی چیزوں کی صراحت موجود ہے جن میں اوقاف کی آمدنی اس کی متعینہ مصارف سے بہت زائد ہے اور سال بسال جمع ہو کر بہت بڑا سرمایہ بن گئی ہے جس کی بنا پر حکومت اور منتظمین کی طرف سے خطرہ بھی ہے، لہذا اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جاسکتا ہے، ''عالمگیری'' میں ہے:

''الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل لا یصرف وأنه صحیح ولکن یشتری به مستغل للمسجد۔

ب ۔دیگر علمی، دینی اور ملی کاموں یا مساجد وغیرہ میں صرف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اوقاف کی زمینوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: **بیع الوقف باطل لا فاسد** اور چونکہ یہ مقاصد واقف کے خلاف بھی ہے اس بنا پر فروخت نہ کیا جائے، اور شرح وقایہ میں ہے کہ اگر واقف شئی موقوفہ کے استبدال کی شرط لگاتا ہے تو اس کے اندر اختلاف امام ابو یوسفؒ کرتے ہیں، وہ مطلق جواز کے قائل ہیں ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کی آمدنی کم ہو جائے اور اس کے اندر بڑھوتری بھی نہ ہو سکے تو بغیر شرط کے استبدال جائز ہے، ان کے علاوہ تمام فقہا فرماتے ہیں کہ ہم جواز استبدال کا فتوی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ استبدال میں جو فساد آتا ہے وہ ہمارے مشاہدہ میں ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ظالم قضاۃ نے مسلمانوں کے اکثر اوقاف کو باطل کرنے کے لئے استبدال کو حیلہ بنا کر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔

لیکن ان تمام صورتوں کے باوجود اصل مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ فتح کی عبارت سے سمجھ میں آجائے گا۔

''وقال في الفتح: الاستبدال أما عن شرطه أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن الانتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا كذلك بل اتفق إنه إمكن أن يوخذ بثمن ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة''۔

یعنی اگر بالکلیہ انتفاع ختم ہو جائے تو اس میں استبدال کے جواز کی اجازت دی جا سکتی ہے لیکن اگر بالکلیہ انتفاع ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ انتفاع تو حاصل ہو، لیکن اس صورت سے بہتر کی طرف استبدال کیا جاتا ہے تو اس میں استبدال کی اجازت نہیں ہوگی۔

وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے خاص جاگیر وقف کی گئی تھی یا مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کی گئی تھی، اور وہ خاندان یا مسجد یا مدرسہ

بالکل ختم ہو چکے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جائے گی یعنی اگر خاص مسجد ہے تو اس کی طرف سے مستغنی ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد میں اس کی آمدنی صرف ہوگی، اسی طرح سے مدرسہ ہے تو دوسرے مدارس میں۔

"وقال أبویوسفؒ: إذا سمی فیه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم یسمهم"۔

یعنی امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وقف کرتے وقت ایسی جہت متعین کیا جو منقطع ہونے والا ہے تو اس کا وقف کرنا درست ہے، اور اس جہت کے منقطع ہوجانے کے بعد فقراء کے لئے وقف ہوجائے گا۔

"وذلک مثل أن یقول جعلته صدقة موقوفة لله تعالی أبدا علی ولد فلان وولد ولده ولم یذکر الفقراء ولا المسکین وذلک؛ لأنه إذا جعلها لله فقد وقفه أبدا لأن ما یکون لله فیصرف إلی المساکین فصار کما لو ذکره"۔

لہٰذا وہ اوقاف جو کسی خاص فقراء کے خاندان کے لئے یا کسی بھی متعین شخص کے لئے وقف کئے گئے تھے جن کے مصارف اب ختم ہو چکے ہیں، ان تمام کو اسی نوع میں صرف کیا جاسکتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے۔

الف۔ ایسے اوقاف جو مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے جس سے اس کی تعمیر کی جاسکے کوئی بلڈر اس کے لئے تیار ہے کہ چند منزلہ عمارت بنائے اس شرط پر کہ ایک یا دو منزل میں اس کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا، اوقاف کے اندر ان شرطوں کے ساتھ ان اوقاف کو تعمیر کے لئے دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وقف کے اندر تملیک نہیں ہے اور یہاں تملیک لازم آتا ہے جو کہ واقف کے مقاصد اور وقف کی شرط کے خلاف ہے، ہاں قاضی یا جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو ارباب حل وعقد کی رائے سے ان اراضی موقوفہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے جس کی آمدنی سے بعد میں ان اراضی پر عمارت بھی تعمیر ہوسکتی ہے۔

ب۔ وہ زمینیں جومخدوش حالت میں ہیں اور اس کے پاس تعمیر کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہے اس کی تعمیر کے لئے اس زمین کا کوئی حصہ فروخت نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وقف شدہ اشیاء کا بیچنا باطل ہے جس سے بیع درست نہ ہوگی، فاسد نہیں ہے، اور جب وقف تام ہوجاتا ہے تو اس میں بیع وو راثت سب ممتنع ہوجاتی ہے، لہذا اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو بیچنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی حاصل ہو اس کو جمع کر کے عمارت کی تعمیر کردی جائے۔

مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں ان پر اگر مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس کے جواز کی شکل نکل سکتی ہے اس لئے کہ مسجد یا قبرستان کی وہ موقوفہ زمینیں جو ضرورت سے زائد ہیں اگر وہاں دینی مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو اس سے آبادی میں ترقی ہوگی، اور ایک کار خیر میں استعمال ہورہی ہے جو کہ واقف کے مقاصد میں بھی داخل ہے۔

جس قبرستان کی آبادی ختم ہوگئی ہے یا قبرستان آبادی میں آگیا ہے اور حکومت اس پر پابندی عائد کردیتی ہے تو چونکہ وقف پر حکومت یا آبادی والوں کے قبضہ کا خطرہ ہے، لہذا ایسی صورت میں اس قبرستان کو اجارہ پر دے دیا جائے تا کہ واقف کے مقاصد کی رعایت بھی ہوجائے اور ایک عظیم خطرہ سے محفوظ بھی رہے۔

ایسی قدیم مساجد جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمۂ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ان میں سے جن مساجد میں حکومت نے نماز ادا کرنے سے منع کردیا ہے شرعاً حکومت کو اس کی اجازت نہیں ہے، قرآن صاف طور پر اعلان کرتا ہے: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (البقرہ: ۱۱۴)۔

(اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدائے تعالے کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت

ہوکر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا، ان لوگوں کو دینا میں بھی رسوائی ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں۔

قبرستان کی باؤنڈری کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری صورت نہ ہو تو اطراف میں مکان کی تعمیر کے لئے اجارہ پر دے دیا جائے، لیکن جب باؤنڈری مکمل ہوجائے تو اجارہ کو ختم کر کے دوبارہ قبرستان میں شامل کر دیا جائے، دوسرے مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

"لأن شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل به و فی المفهوم والدلالة" لہذا واقف کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے۔

"لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة" (واجب یہ ہے کہ وقف کو کسی زیادتی کے بغیر اپنے حال پر باقی رکھا جائے)۔

صورت مسئولہ میں قبرستان کے حکم کے بارے میں فرق ہے، اگر قبرستان بالکل ویران ہوچکا ہے اور جس جگہ مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں، قبریں بہت پرانی ہیں کہ قبر کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا ہے تو اس جگہ مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے، اور اگر قبرستان زیر استعمال ہے اور اس جگہ قبریں نئی ہیں تو وہاں قبر کی جگہ مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔

"ولو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی غیرها مسجدا لم أر بذلک بأسا و ذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لأحد أن یملکها، فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد؛ لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه

لأحد فمعناهما على هذا واحد ولو بلى الميت و صارترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه۔

وہ تمام اوقاف جو غیر مسلموں کی تولیت میں ہیں تو شریعت اس سے مانع نہیں ہے، چونکہ ''فتاوی ہندیہ'' میں شرائط وقف میں صرف عاقل وبالغ کی قید ہے:

''**وشرطه لصحته بلوغه و عقله لا حريته وإسلامه**''۔

لہذا غیر مسلموں کی تولیت میں رہنا درست ہے، بیت اللہ اور بیت المقدس اس کی نظیر ہے جب کہ حضور پاک ﷺ نے اس پر کسی طرح کی نکیر نہیں کی تھی۔

قبرستان کے کنارے دوکانوں کی تعمیر کا مسئلہ

مولانا اسعد اللہ قاسمی

اوقاف کا شرعی حکم کیا ہے:

اوقاف کے بارے میں شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے کہ واقف نے جس غرض کے لئے کوئی چیز وقف کی ہے وہ موقوفہ چیز اس دائرہ تک محدود رہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا یا اس کو فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فقہاء کرام اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ موقوفہ چیزوں میں واقفین کی غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے، لہذا جس شخص نے مسجد کے لئے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مسجد ہی کی رہے گی اس کو مدرسہ میں تبدیل کرنا اور اس جگہ پر مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، یہی دوسرے اوقاف کا حکم ہے، فقہاء فرماتے ہیں:

''شرط الواقف کنص الشارع'' (شامی ۳/۴۵۶)۔

واقف کا شرط لگانا شارع کے حکم کے مانند ہے ۔ واقفین کے غرض کی رعایت کرنا ضروری ہے ۔ ''مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ'' (شامی ۳/ ۴۶۴)۔

غیر اسلامی ملک ہندوستان میں بہت سے اوقاف ،مثلاً مساجد ومدارس قبرستان وغیرہ ایسے ویران اور معطل ہو چکے ہیں کہ اب وہاں کوئی ایسی صورت حال نہیں پائی جاتی کہ ان کو آباد کیا جائے، یا تو اس لئے کہ وہ اوقاف ایسے علاقوں میں ہیں جہاں موجودہ دور میں مسلمان آباد نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم لوگ آباد ہیں اوریا اس لئے کہ وہ غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں، تو ایسی صورت

حال میں ان اوقاف کو شرعی اعتبار سے بروئے کار لانا ناممکن سا ہے، ایسی صورت میں واقفین کی رعایت کرتے ہوئے ان اوقاف کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل احکامات سامنے آتے ہیں، جن کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے:

مسجد کے بارے میں حکم:

جس جگہ مسجد قائم کردی گئی ہو وہ شرعی اعتبار سے مسجد بن جاتی ہے، اب اس کے بعد کسی وجہ سے وہ مسجد بالکل ویران اور برباد ہوجائے اور اس میں کبھی کوئی نماز نہ پڑھی جاتی ہو، بلکہ مقفل ہو یا اور دوسرے کام اس مسجد میں کئے جانے لگے ہوں، یا ان میں دفاتر، اسکول وغیرہ قائم کردیئے گئے ہوں، یا جانور وغیرہ باندھے جانے لگے ہوں تو ایسی صورت میں معروف وراجح مسلک یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی ویران وبرباد ہوجائے پھر بھی شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ وہ مسجد ہی رہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے، صاحب فتح القدیر نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"ولو خرب ماحول المسجد واستغنی عنه ای استغنی عن الصلوٰة فيه أهل تلک المحلة أو القرية بأن كان في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجداً على حاله عند أبي يوسف وهو قول أبي حنيفة ومالک والشافعی" (فتح القدیر ۵/۴۴۶)۔

(اور اگر مسجد کے اردگرد ویران ہوجائے اور لوگ محلہ والے یا گاؤں والے اس میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہوجائیں، اس طرح سے کہ گاؤں پوری طرح ویران ہوجائے اور ان جگہوں کو کھیت بنالیا جائے تو ایسی حالت میں بھی وہ مسجد ہی رہے گی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، یہی قول امام ابوحنیفہؒ وشافعیؒ ومالکؒ کا ہے)۔

دیگر اوقاف کا شرعی حکم:

تمام اوقاف کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ جس مقصد کے لئے واقف نے کوئی شئ وقف کی ہے وہ واقف کی غرض کے مطابق اس دائرے تک محدود رہے اس سے تجاوز نہ کرے، اور اس کو کسی دوسری جگہ سے تبدیل کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

''ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها، وإن كانت الأرض سبخة لاينتفع بها؛ لأن سبيل الوقف أن يكون مؤبداً لا يباع'' (البحر الرائق ۲۰۶/۵)۔

اور اگر وقف مطلق ہے واقف نے بدلنے کی شرط ذکر نہیں کی تو اس کو فروخت کرنا اور دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے، زمین اگرچہ دلدلی ہو جس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ہو، اس لئے کہ وقف کی راہ تو یہی ہے کہ موقوفہ زمین ابدی ہوتی ہے اس کو فروخت نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ موقوفہ جگہ کو تبدیل کرنا یا فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ واقف نے وقف کرتے وقت یہ شرط لگادی ہو کہ اگر موقوفہ جگہ سے فائدہ نہ ہو تو اس کو تبدیل کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ فروخت کرنا یا دوسری جگہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن جب ہم دوسری طرف نظر کرتے ہیں تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس موقوفہ جگہ کا دوسری جگہ سے تبادلہ یا اس کو فروخت نہیں کیا جاتا تو اس جگہ پر غیر مسلموں اور شر پسندوں کا قبضہ ہو جائے گا اور اس جگہ سے غلط کام لئے جانے لگیں گے، تو ایسی صورت کے بارے میں فقہاء کرام سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے، البتہ ویران شدہ مساجد وحوض ورباط وغیرہ کے انقاض کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کو قریبی مساجد وحوض ورباط وغیرہ میں خرچ کیا جائے تو یہ درست ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد أو حوض کما افتیٰ به الإمام أبو شجاع والإمام الحلوانی وکفیٰ بهما قدوة ولاسیما فی زماننا، فإن المسجد أو غیره من رباط أو حوض إذا لم ینقل یأخذه أنقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد وکذلک أوقافه یاکلها النظار أو غیرهم" (ردالمحتار ۳/۴۰۷، بمعناہ فی البحر ۵/۲۵۲، الفتح ۵/۴۴۶)۔

اور مشائخ کی پیروی مناسب ہے نقل انقاض (بیکار ہوجانے والی اشیاء) کے بارے میں، مسجد اور حوض کے درمیان بلا فرق کئے، جیسا کہ نقل انقاض کا امام ابوشجاع اور امام حلوانیؒ نے فتویٰ دیا اور ہم کو ان دونوں کی اقتداء کافی ہے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں، کیونکہ مسجد، رباط، حوض وغیرہ کے انقاض کو اگر منتقل نہیں کیا جائے گا تو اس پر شرپسند اور چور وغیرہ قبضہ کرلیں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور ایسے ہی ان اوقاف کا حکم ہے جس کو متولی وغیرہ ہتھیالیں۔

اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب اوقاف بالکل ایسی حالت میں پہونچ جائیں کہ اب ان سے کچھ نفع کی امید نہ ہو اور واقفین کی غرض بھی اس سے پوری نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں ان اوقاف کو فروخت کرکے یا دوسری جگہ سے تبدیل کرکے مسلمانوں کی آبادی میں (خاص طور سے جہاں پسماندہ لوگ ہوں) اس مصرف میں خرچ کیا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا تھا تو یہ جائز ہے بلکہ ایسی جگہ میں خرچ کرنا واجب اور ضروری ہے (امداد الفتاویٰ ۲/۶۷۱)۔

الف۔ مساجد کی ضرورت سے زائد زمین وآمدنی کو کہاں خرچ کیا جائے:

جب مساجد کی زمین وآمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہوجائیں کہ فی الحال اس مسجد میں اس زمین وآمدنی کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ بھی بالفرض بوقتِ ضرورت اس جیسی دوسری مسجد تعمیر کی جائے تو وہ مسجد بھی تعمیر ہوجائے اور اس کے بعد بھی فاضل رقم وزمین بچی رہنے کی امید ہے تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس جیسی دوسری مسجد کا اندازہ کرکے

باقی رقم مسلمان فقراء پر تقسیم کرنا جائز اور درست ہوگا، چنانچہ قاضی خاں فرماتے ہیں:

"فما فضل من ذلک یصرف إلی عمارة المسجد ودهنه وحصیره وما فیه مصلحة المسجد علی أن القیم أن یتصرف فی ذلک علی ما یری، وإذا استغنی هذا المسجد یصرف إلی فقراء المسلمین، فیجوز ذلک لأن جنس هذه القربة مما لا ینقطع ویبقی ما بقی الإسلام" (خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۲۸۸ وہکذا خانیہ ۳/ ۳۳۰)۔

جو زائد آمدنی ہو وہ مسجد کی تعمیر، تیل، فرش وغیرہ میں صرف کی جائے اور مسجد کی جو دیگر ضرورتیں ہوں، متولی حسب مصلحت اس میں خرچ کرسکتا ہے اور جب وہ مسجد اس آمدنی سے مستغنی ہوجائے تو پھر مسلمان فقراء کو تقسیم کردی جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے اس لئے کہ یہ بھی قربت میں داخل ہے، اور جب تک اسلام باقی رہے گا یہ قربت بھی ختم نہیں ہوگی۔

صاحب معارف السنن اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ بالا صورت میں رقم فاضل بچ جائے تو اس کے ذریعہ سے مدرسہ قائم کرنا اور اشاعتِ علم میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ واقف نے اس کی صراحت نہ کی ہو۔

قال الراقم ومما تبین لی بعد فحص وبحث کثیر أنه إذا اجتمعت أموال کثیرة تزید علی بناء المسجد فیجوز صرف الزائد إلی إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم یکن من شرط الواقف" (معارف السنن ۳/ ۳۰۱)۔

(مرتب نے کہا کہ جو بات بہت زیادہ بحث وتمحیص کے بعد حاصل ہوئی ہے کہ جب اموال کثیرہ جمع ہوجائیں جو نئی مسجد کی تعمیر سے بھی زائد ہو تو پھر زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں خرچ کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر بوقت ضرورت اعادہ مسجد سے زائد آمدنی بچ جائے تو اس زائد آمدنی کے ذریعہ مدرسہ قائم کرنا اور علم دین کی اشاعت میں صرف کرنا

خواہ کسی طریقہ سے علم دین کی اشاعت کی جائے جائز اور درست معلوم ہوتا ہے۔

حکومت و منتظمین سے خطرہ کے وقت زائد آمدنی کا مصرف:

الف، ب۔ جو اوقاف ایسے ہیں کہ ان کی آمدنی اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جائے کہ ان اوقاف کے بارے میں لوگوں کا یقین ہو کہ ان اوقاف کو زائد آمدنی کی ضرورت نہیں پڑے گی، نیز حکومت و منتظمین کا بھی خطرہ ہے کہ حکومت ان اوقاف کو اپنے قبضہ میں لے کر اس سے دوسرے کام لے گی جو واقف کی منشاء کے خلاف ہوگا، اسی طرح منتظمین اس اوقاف کو قبضہ میں لے لیں گے تو اس سے بچنے کے لئے ان اوقاف کی زائد آمدنی کو دینی کاموں میں خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"قال الراقم (إلى قوله) فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم وإن لم يكن من شرط الواقف و عبارة الخانية فيه صريحة وإن كان قيدها صاحب المهدية "بغير وقف المسجد" ويكاد يجب لوكان هناك مظنة لضياع مال المسجد المجتمع بغصب المتولي أو غيره" (معارف السنن ۳؍۳۰۱)۔

(راقم نے کہا (الی قولہ) زائد آمدنی کو مدرسہ قائم کرنے اور علم کی اشاعت میں خرچ کرنا درست ہے اگر چہ یہ واقف کی شرط میں نہ ہو، اور خانیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے اگر چہ صاحب مہدیہ نے "بغیر وقف المسجد" کی قید لگائی ہے، اور جب کہ مسجد کا مال ضائع ہونے کا اندیشہ اور گمان ہو تو پھر اس آمدنی کو مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنا واجب ہے، کیونکہ متولی وغیرہ ایسی صورتوں میں ہتھیا لیتے ہیں)۔

اس عبارت کے اندر صاحب مہدیہ کی قید "بغیر وقف المسجد" سے یہ بات عیاں ہے کہ غیر مسجد کے بارے میں زائد آمدنی کو فقراء پر تقسیم کرنے کے صاحب مہدیہ بھی قائل ہیں، مسجد کے بارے میں نہیں، لیکن صاحب "معارف السنن" نے اس عبارت سے تمام اوقاف کا یہی حکم مراد لیا ہے، لہذا اس عبارت کو سامنے رکھ کر اس دور میں اگر مذکورہ عبارت کے مطابق عمل کی

اجازت دی جائے تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

کم منفعت والی موقوفہ جگہوں کو فروخت کرکے نفع بخش جگہ خریدنا:

جو مکانات یا دوکانیں وغیرہ دیگر اوقاف، مثلاً مساجد و مدارس وغیرہ پر وقف ہیں اور ان دوکان و مکانات سے کوئی خاطر خواہ منافع نہیں ہورہے ہیں حتی کہ جن اوقاف پر وہ دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کے مصارف بھی ان کی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے، بلکہ مزید آمدنی کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حالت میں ان اوقاف پر جو دوکانیں وغیرہ وقف ہیں ان کو فروخت کرکے نفع بخش دوکانیں ومکانات وغیرہ اگر خریدے جائیں جن کی وجہ سے مساجد کی آمدنی میں اضافہ ہو اور مساجد وغیرہ کے مصارف پورے ہوجائیں تو ایسا کرنا جائز اور درست ہے، علامہ ابن نجیم امام محمدؒ سے نقل کرتے ہیں:

''وقد روی عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أخری أکثر ریعاً کان له أن یبیعها و یشتری بثمنها ما هو أکثر ریعاً'' (البحر الرائق ۲۰۶/۵)۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب موقوفہ زمین پیداوار سے کمزور ہوجائے اور متولی اس کی قیمت کے بدلے کوئی دوسری زیادہ پیداوار والی جگہ پاتا ہے تو متولی کے لئے اس جگہ کو بیچ کر اس کی قیمت سے کثرت پیداوار کی جگہ خریدنا جائز اور درست ہے۔

امام محمدؒ کی یہ روایت اگرچہ مفتی بہ نہیں ہے، لیکن اس دور میں اگر امام محمدؒ کی اس روایت پر عمل کی گنجائش دی جائے تو مناسب ہے، اس لئے کہ ایسا کرنے کی وجہ سے آمدنی میں اضافہ ہوگا اور پھر اس کو کار خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

مخصوص افراد پر وقف شدہ جائداد کا حکم:

جو جائدادیں یا اور دوسری چیزیں خاص خاندان یا خاص لوگوں پر وقف کی گئی ہیں تو اگر

ان لوگوں میں سے جن پر وہ وقف ہیں کوئی ایک بھی زندہ ہوگا تو اس کے بقدر اس کا حصہ الگ کر کے اس کو دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا اس کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا، اور اگر وہ لوگ جن پر وہ وقف تھا ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے، بلکہ سب فوت ہو چکے ہیں یا ان کا حال معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں تو پھر تمام آمدنی فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہوگا۔

''ولو جعل أرضه صدقة موقوفة على عبد الله و زيد فالغلة لهما ولو ماتا كانت الغلة كلها للفقراء وإن مات أحدهما كان النصف للفقراء'' (ہندیہ ۲/۴۲۷)۔

اور اگر زمین کو عبداللہ اور زید پر وقف کیا تو اس کی آمدنی دونوں کے لئے ہوگی اور اگر دونوں فوت ہو گئے ہوں تو کل آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے گی اور اگر ان میں کا ایک فوت ہوا ہے تو نصف حصہ فقراء کو دیا جائے گا۔

لیکن یہاں صاحب ''معارف السنن'' کی عبارت ذہن میں رہے کہ فقراء کے بجائے اگر مدرسہ قائم کیا جائے یا اشاعت علم میں صرف کیا جائے تو بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ بھی قربت میں داخل ہے۔

مسجد پر وقف شدہ زمین کا حکم:

جو مسجد ویران اور برباد ہو چکی ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ اس مسجد میں اب نمازیں بھی نہیں پڑھتے ہیں اور اس مسجد پر کچھ زمین وقف ہے جس سے آمدنی ہو رہی ہے تو اس آمدنی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس آمدنی سے اسی مسجد جس پر وہ وقف ہے اس کی تعمیر میں صرف کی جائے، تا کہ واقف کی غرض اس سے پوری ہوتی رہے، اس مسجد کے علاوہ اس آمدنی کو دوسرے کار خیر میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس بارے میں فقہاء فرماتے ہیں:

''مسجد انهدم وقد اجتمع من غلته ما يحصل به البناء قال الخصاف: لا تنفق الغلة في البناء؛ لأن الواقف وقف على مرمتها ولم يأمر بأن يبنى هذا

المسجد و الفتویٰ علی أنه یجوز البناء بتلک الغلة" (خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۲۹۲)۔

جو مسجد منہدم ہو جائے اور اتنا غلہ (آمدنی) موجود ہو کہ جس کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر ہو سکے تو خصافؒ یہ کہتے ہیں کہ وہ آمدنی تعمیر میں صرف نہیں کی جائے گی کیونکہ واقف نے مسجد کی مرمت وغیرہ کے لئے وقف کیا ہے اور اس نے اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر کا حکم نہیں دیا، اور فتویٰ یہ ہے کہ اس آمدنی سے مسجد کی تعمیر جائز ہے۔

اس عبارت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر مسجد پر کوئی جگہ وقف ہے اور واقف نے اس لئے وقف کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس مسجد کی مرمت وغیرہ ہوتی رہے تو اس کے ذریعہ تعمیر کی جائے گی، لیکن اگر تعمیر کسی وجہ سے متعذر ہو، مثلاً اب وہاں مسلمان نہیں رہتے ہیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی آبادی میں وہ آمدنی اسی مصرف میں صرف کی جائے گی دوسرے کاموں میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ قاضی یا حاکم کی اجازت سے ہو، مگر اس ملک میں علماء اور مفتیان کی اجازت سے بھی منتقل کی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ دار الاسلام نہیں ہے۔

''وعن الثانی ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی" (درمختار ۳/ ۴۰۷)۔

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دوسری مسجد میں منتقل کی جائے قاضی کی اجازت سے۔

الف۔ خستہ حال اوقاف جن کی آمدنی نہیں ہے ان کا حکم:

ایسے اوقاف جو اپنی خستہ حالی کی بنا پر اس درجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ ان کی ذرائع آمدنی کچھ نہیں ہے اور ان کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لانے کی سعی کی جائے تو ان اوقاف کے پاس آمدنی نہ ہونے کے سبب کوئی ایسی صورت سامنے نہیں آتی کہ جس کی وجہ سے ان اوقاف کی آمدنی ہو اور اس کے ذریعہ ان اوقاف کو واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کارلایا جائے، اس زمانہ میں بہت سی بلڈر پارٹیاں اس شرط پر تیار ہوتی ہیں کہ ہم ان اوقاف کی

تعمیر کرائیں گے لیکن ایک یا دو منزل ہماری ہوگی، اب ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں:

۱-یا تو بلڈر پارٹی کے ذریعہ اوقاف کی تعمیر کرا کے ایک یا دو منزل اس کو دیدی جائے۔

۲-اور یا ان اوقاف کو اسی حال میں رہنے دیا جائے۔

اب پہلی صورت تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں موقوفہ زمین کو بلڈر پارٹی کے حوالہ کیا جارہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک یا دو منزل اس پارٹی کی ہوجائے گی، یہ اوقاف کے اندر تصرف کرنے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان اوقاف کو ایسے ہی رہنے دیا جائے اس میں دوسری خرابی لازم آتی ہے کہ وہ واقف کی غرض کے اعتبار سے استعمال نہیں ہورہی ہیں یا پھر ان پر حکومت وغیرہ کے قبضہ کا بھی اندیشہ ہے، تو اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے علماء کرام نے ایک حل نکالا ہے کہ وہ موقوفہ خستہ حال جگہ یا تو کرایہ پر دیدی جائے یا پھر اس کو مکمل فروخت کردیا جائے اور اس کے بدلہ دوسری جگہ خرید لی جائے، پھر دونوں سے جو آمدنی ہو اس کو اسی مصرف میں لایا جائے جس کے لئے واقف نے وقف کیا ہے، اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں (نہ کرایہ پر دینا اور نہ فروخت کرنا) تو پھر موقوفہ زمین، واقف کے وارثین کو لوٹائی جائے جب کہ وہ زندہ ہوں اور اگر نہ ہوں تو پھر وہ آمدنی فقراء پر تقسیم کی جائے۔

''فلو انهدم الوقف كله فقد سئل عنه قارى الهداية بقوله سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شئ يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إن كان الأمر كذلك صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه، فإذا لم يمكن رده إلى ورثة الواقف إن وجدوا وإلا صرف إلى الفقراء'' (البحر الرائق ۵/۲۲۰)۔

اگر وقف مکمل منہدم ہوجائے تو ایسے وقف کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے ذریعہ اس وقف منہدم کی تعمیر کی جائے اور نہ ہی اس کو کرایہ پر دینا

ممکن ہوتو کیا اس کے انقاض یعنی پتھر، اینٹ اور لکڑی وغیرہ کوفروخت کیا جاسکتا ہے؟ تو جواب دیا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو حاکم کی اجازت سے فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس وقف کی قیمت کے بدلہ دوسری جگہ خریدی جائے گی، اگر یہ صورت ممکن نہ ہوتو پھر وہ آمدنی واقف کے ورثہ کولوٹائی جائے گی اگر وہ موجود ہوں، ورنہ پھر فقراء ومساکین پر تقسیم کی جائے گی۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ بلڈر پارٹی کو ان کی شرط کے مطابق دینا جائز نہیں ہوگا، صرف کرایہ پر یا فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ب۔خستہ حال موقوفہ جگہ میں سے قدرے فروخت کرکے باقی کی مرمت کرنا:

جب وقف ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس سے واقف کا مقصد فوت ہوجائے اور مرورزمانہ کی بناپر صرف خالی جگہ پڑی ہو اور ذرائع آمدنی ایسے نہیں ہیں کہ جن کے ذریعہ اس وقف کی تعمیر کرکے واقف کی غرض کے اعتبار سے بروئے کار لایا جاسکے، ایسی صورت میں اگر اس زمین میں سے قدرے فروخت کی جائے تو اس کی وجہ سے تعمیر کا کام چل سکتا ہے، لہذا اگر ایسا کیا جائے اور اس میں سے قدرے فروخت کردی جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں:

"**وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع وصرف ثمنه إلى المرمة**" (ہدایہ مع الفتح ۵/۴۳۶)۔

(اور اگر عین جگہ پر دوبارہ تعمیر متعذر ہوجائے تو اس کوفروخت کردیا جائے اور اس کی آمدنی مرمت میں صرف کی جائے)۔

"**وإن تعذرت إعادته، بأن خرج عن الصلاحية لذلک ضعفه ونحوه باعه وصرف ثمنه في ذلک**" (فتح القدیر ۵/۴۲۳)۔

(اور اگر دوبارہ تعمیر متعذر ہوجائے اس طور پر کہ اس کے کمزور ہونے یا اور کسی وجہ سے اس کے اندر تعمیر کی صلاحیت نہ ہوتو اس کوفروخت کرکے اس کی قیمت اسی میں صرف کی جائے)۔

یہ عبارت اگرچہ اس بارے میں صریح نہیں ہے، لیکن اس عبارت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس کے قدرے حصہ کو فروخت کرکے اس کی مرمت میں صرف کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

مسجد کی زائد جگہ میں مدرسہ قائم کرنے کا حکم:

مسجد پر جو زمین وقف ہے اس کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ وہ زمین ہمیشہ مسجد ہی کی رہے، نہ ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس جگہ سے مسجد کے آداب کے خلاف کوئی کام لینا جائز، اور نہ ہی اس جگہ پر مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کی اجازت ہے، البتہ ارباب فتاویٰ نے ایسی زائد زمین کے بارے میں یہ حل نکالا ہے کہ اگر وہاں مدرسہ وغیرہ قائم کرنے کا ارادہ ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور دونوں جائز ہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ مسجد ہی کی طرف سے اس جگہ پر تعمیر کردی جائے اور اس کا کرایہ متعین کردیا جائے اور مدرسہ کو متعینہ کرایہ دے کر ماہوار مدرسہ سے کرایہ وصول کیا جاتا رہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تعمیر مسجد کی طرف سے نہ کی جائے بلکہ تعمیر کا مدرسہ خود کفیل ہو، لیکن مدرسہ اس جگہ کا متعینہ کرایہ ادا کرتا رہے (مستفاد فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۸۳، ۱۵/ ۱۹۷)۔

علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے ''معارف السنن'' کے اندر مسجد کی زائد آمدنی کو مدرسہ اور علم کی اشاعت میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا اگر زمین کو بھی آمدنی کے حکم میں رکھا جائے تو پھر اس جگہ پر بغیر کرایہ کے مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہوگا، عبارت درج ذیل ہے:

"قال الراقم: ومما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا اجتمعت أموال كثيرة تزيد على إعادة بناء المسجد أن احتيج إليه، فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة ونشر علم، وإن لم يكن من شرط الواقف'' (معارف السنن ۳/ ۳۰۱)۔

راقم نے کہا اور بہت غور وفکر کے بعد مجھے یہ بات واضح ہوئی کہ جب مسجد کے پاس اعادہ مسجد سے بھی زائد مال جمع ہو جائے جس وقت کہ مسجد کو اعادہ کی ضرورت پڑے تو اس زائد

اموال کو مدرسہ قائم کرنے اور علم پھیلانے میں صرف کرنا جائز اور درست ہے اگرچہ وقف کے وقت واقف نے شرط نہ لگائی ہو۔

جو مسجد کا حکم ہے وہی قبرستان کی زائد زمین کا بھی حکم ہے ان دونوں کے درمیان میں کوئی فرق نہیں ہے، لہذا قبرستان کی زائد زمین پر بھی مدرسہ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔

ویران قبرستان پر مساجد ومدارس قائم کرنے کا حکم:

جب قبرستان ویران ہوجائے کہ وہاں کے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ہوں یا وہ قبرستان آبادی کے اندر آجائے اور آبادی کے اندر آجانے کی بنا پر حکومت کی طرف سے تدفین پر پابندی عائد کردی جائے، تو ایسی صورت میں جو پرانی قبریں ہیں اگر وہ مٹی ہوگئی ہوں اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں تو ان قبرستان میں مساجد یا مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے (امداد الفتاوی ۲/۵۷۹)

"قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجداً لم أر بذلک بأساً وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنىٰ عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد" (عمدة القاری ۴/۱۷۹)۔

ابن القاسم نے کہا کہ اگر قبرستان جو مسلمانوں کا ہے مردوں سے پاک وصاف ہوجائے پھر وہاں مسجد تعمیر کی جائے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس لئے کہ مسلمانوں کے قبرستان تو مردوں کی تدفین کے لئے ہیں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس قبرستان کو اپنی ملکیت میں لے لے، لہذا جب تدفین سے مستغنی ہوجائے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا (لگانا) جائز ہے، اس لئے کہ مسجد بھی مسلمانوں کی موقوفہ ہوتی ہے، کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، لہذا اس معاملہ میں دونوں کا حکم یکساں ہے۔

حکومت کو قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنے کا حکم:

شریعت اسلامی میں تاریخ کو باقی رکھنے کے لئے مساجد کو مقفل کرنے اور نمازوں سے روکنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی ان کو روکنا جائز ہے بلکہ مساجد تمام کی تمام خواہ قدیم ہوں یا جدید، اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوتی ہیں، مساجد میں کسی کا کوئی حق نہیں رہتا اور نہ ہی کوئی نماز سے روک سکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

''والمسجد خالص لله تعالى سبحانه ليس لأحد فيه حق قال الله تعالى "وأن المساجد لله" مع العلم بأن كل شئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصة به وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه" (فتح القدیر ۵/ ۴۴۴)۔

اور مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور بیشک ساری مساجد اللہ کی ہیں'' اس بات کو جانتے ہوئے کہ تمام چیزیں اسی کی ہیں، پس اس اضافت کا فائدہ مساجد کی خصوصیت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے انقطاع کے حق کو ثابت کرتا ہے۔ نیز جو لوگ نماز سے روک کر مساجد میں آثار قدیمہ کو باقی رکھنے کے لئے پابندی لگاتے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت کے تحت داخل ہوں گے ایسے ہی لوگوں کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔

''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعىٰ في خرابها أولئک ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزى ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

لہذا ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ وہ حکومت سے مطالبات کریں کہ مسلمانوں کے جتنے شعائر اسلام ہیں ان پر سے پابندی ہٹائی جائے اور مسلمانوں کو کھلے طور سے چھوٹ دی جائے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق مساجد میں عبادت کریں۔

قبرستان کے کنارے دوکانوں کی تعمیر کرانے کا کیا حکم ہے؟

اگر موقوفہ قبرستان کے کنارے خالی جگہ میں جہاں پر قبریں نہیں ہیں، وہاں دوکانوں کی تعمیر کی جائے جس کی آمدنی سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ان دوکانوں کی وجہ سے قبرستان کی تدفین میں تنگی اور دشواری نہ ہوتو یہ جائز ہے، اب اگر قبرستان کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس کی وجہ سے تعمیر ہوسکے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ لوگوں سے پیشگی رقم لے کر وہاں دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے اور ان دوکانوں کا مناسب کرایہ متعین کردیا جائے جس سے قبرستان کے مصارف پورے ہوتے رہیں اور جو رقم پیشگی کے طور پر لی جائے اس کو آئندہ کرایہ میں محسوب کیا جاتا رہے (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۴)۔

"الاستدانة علی الوقف لا یجوز إلا إذا احتیج إلیها لمصلحة الوقف لتعمیر و شراء بذر" (الاشباہ والنظائر ۲/ ۲۲۳)۔

(وقف کے لئے قرض لینا جائز نہیں ہے، البتہ جب وقف کی مصلحت مقتضی ہوتو ضرورۃً قرض لینا جائز ہے جیسے کہ تعمیر یا (درختوں کے لئے) بیج خریدنا)۔

اور اگر قبرستان کو آمدنی کی قطعاً ضرورت نہ ہوتو پھر ارباب حل وعقد اس آمدنی کو دیگر کارخیر میں صرف کریں تو یہ جائز ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)۔

"إن الناظر صرف فائض الوقف إلی جهات بربحسب ما یراه" (الاشباہ والنظائر ۲/ ۳۷۷)۔

(ناظر کے لئے وقف کی زائد آمدنی کو دیگر کارخیر میں صرف کرنا جائز ہے جہاں مناسب سمجھے)۔

اور اگر موقوفہ قبرستان کو کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑے جہاں دوکانیں تعمیر ہوچکی ہیں تو پھر ان دوکانوں کو توڑنا ضروری ہوگا اور ان جگہوں کی ضرورت پڑنے پر قبریں بنائی جائیں گی، چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

''أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحداً من أهل القرية بنىٰ فيها بناءً (الى قوله) إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان، فلا بأس به وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه'' (ہندیہ ۲/ ۴۶۸)۔

(اہل قریہ نے کسی زمین کو قبرستان بنادیا اور اس میں قبریں بھی بن گئیں، پھر اسی گاؤں کے کسی شخص نے تعمیر کرلی (الی قولہ) تو اگر قبرستان میں گنجائش ہے اس طور سے کہ اس قبرستان کو اس جگہ کی ضرورت نہیں تو جائز ہے، اور اگر تعمیر کرلینے کے بعد کسی وقت اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو پھر وہ عمارت اکھیڑ دی جائیگی اور اس جگہ بھی قبریں بنائی جائیں گی)۔

قبرستان کی مسجد کو وسیع کرنے کا حکم:

جو مسجد کسی وقت قبرستان میں تعمیر کی گئی ہوتا کہ جولوگ زیارت کے لئے قبرستان آئیں وہ نماز پڑھ لیا کریں، لیکن اب آبادی کے بڑھ جانے اور لوگوں میں زیادتی کے سبب وہ مسجد تنگ ہوجائے اور ایک عام مسجد کی طرح ہوجائے کہ جولوگ زیارت کرنے والے نہیں ہیں وہ بھی اس میں آکر نماز پڑھنے لگیں تو ان وجوہات کی بناپر اس مسجد کو وسیع کیا جائے، تو اس شرط کے ساتھ مسجد کی توسیع کی گنجائش ہے کہ قبرستان کے اندر اس مسجد کے آس پاس قبریں نہ ہوں اور اگر کسی زمانہ میں رہی ہوں تو وہ مرورزمانہ کی وجہ سے مٹی ہوچکی ہوں اور اب ان قبروں کے نشانات بھی مٹ چکے ہوں تو اس صورت میں ارباب فتاویٰ کے کلام سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۰)۔

''وأما المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلي فيه فلم أر فيه بأساً، لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد'' (عمدۃ القاری للعینی ۴/ ۱۷۴)۔

(اور پرانا قبرستان جب اس میں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ قبرستان بھی وقف ہوتا ہے اور مسجد بھی، پس دونوں کا ایک ہی

مطلب ہے)۔

مساجد کا ہندو اوقاف کی تولیت میں رہنے کا حکم:

جو زمین و جائیداد غیر مسلموں نے مساجد کے لئے وقف کی ہیں وہ زمین مساجد کی ہوں گی اور ان کا وقف کرنا صحیح ہے اور درست ہے، لیکن ان مساجد کا غیر مسلم اوقاف کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اوقاف کی ولایت کا اختیار واقف کو رہتا ہے یا اگر واقف کسی کو وصی بنادیتا ہے تو پھر ولایت کا حق وصی کو ہوتا ہے اور اگر وصی نہ ہو تو پھر ولایت قاضی کے لئے ہوتی ہے کہ وہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے (امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۴)۔

''ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي'' (التنویر علی الدر ۳/ ۴۲۸)۔

متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہوتی ہے پھر وصی کو پھر قاضی کو کہ جس کو چاہے متولی مقرر کرے۔

نیز قاضی کے شرائط میں یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، لہذا غیر مسلم اوقاف مساجد کی تولیت کے مستحق نہیں ہیں، اس بناپر مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے مطالبہ کریں اور ان سے مدد لیں کہ ہماری مساجد غیر مسلم اوقاف کی تولیت سے نکال کر مسلمانوں کو دی جائیں اور مسلمان پھر باہمی رضامندی سے جس کو چاہیں متولی مقرر کردیں یا مسلم اوقاف کے تحت داخل کردیں۔

''حاصله أن أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متولياً لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي ثم اتفق المتأخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف'' (شامی ۴/ ۴۳۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اہل مسجد کسی کے متولی بنانے پر مصالح مسجد کی خاطر اتفاق کرلیں تو متقدمین کے نزدیک صحیح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے ہونا چاہئے، پھر

متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اب افضل یہ ہے کہ قاضی کو نہ بتلائیں اس لئے کہ ہمارے دور میں قاضیوں کے اندر لالچ ہوگیا ہے، جیسا کہ معروف ہے اور خاص طور سے اوقاف کے اموال میں زیادہ لالچ ہے۔

(الحاصل) اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مساجد ومقابر وغیرہ اوقاف کا غیر مسلم کی تولیت میں رہنا صحیح نہیں ہے۔

چوتھا باب

مختصر تحریریں

وقف کی حقیقت اور شرعی حکم

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ ☆

وقف کے معنی ہیں:

''حبس العين وصرف المنفعة في جهة الخير المؤبدة''۔

اگر جہت خیر موبدہ نہ ہو بلکہ منقطعہ ہو تو وقف ہی جائز وصحیح نہ ہوگی۔

اس تعریف وقف سے بطور اشارۃ النص یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وقف کار خیر ہی کے لئے اور ثواب ہی کے کام کے لئے ہونا ضروری ہے، یہیں سے حسب حکم شرع "لا تبطلوا أعمالکم" بھی معلوم ہوگیا کہ وقف صحیح ومنعقد ہوجائے تو خود واقف کو اس کے ختم کرنے وغیرہ کا حق نہیں رہے گا، اور فقہاء کرام نے اسی حکم کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

إن الوقف إذا تمّ لزم فلا يُملَک ولا يُملَّک ولا يُوهَب ولا يُرهَن الخ''۔

اور اسی کی جانب اشارہ اس فقہی قاعدہ میں ہے:

"إن شرط الواقف كالنص في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به''۔

نیز اسی قبیل سے یہ قاعدہ بھی ہے:

''إن مراعاة غرض الواقف واجبة''۔

یعنی کوئی موقوف چیز معطل ہوجائے تو واقف کو جو ثواب اس موقوفہ سے ملتا تھا وہ فوت

☆ سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند۔

نہ ہو بلکہ وہ ثواب حاصل ہونے لگے یا بڑھ جائے اور وہ موقوف زندہ ہوجائے تو ایسا کرلینا ان فقہی اصول کے اشارہ سے جائز ہوجائے گا، مثلاً کسی نے تدفین موتی کے لئے کوئی اراضی وقف کی اور کسی قانونی معذوری سے یا کسی اور وجہ سے ان اراضی میں تدفین بند ہوجائے تو بجائے تدفین موتی کے اس قبرستان میں مسجد یا علم دین کی تعلیم کے لئے کوئی دینی درسگاہ قائم کردی جائے تو اس عمل سے بلاشبہ واقف کو جو ثواب ملتا تھا وہ ثواب بلکہ اس سے زائد ثواب ملنے لگے گا، اس لئے اس قبرستان میں مسجد کا بنالینا بلاشبہ جائز ہوگا۔

اس کی تائیدی مثالیں مسجد اقصیٰ کے اطراف میں زمین کے اندر انبیاء علیہم السلام کے مدفون ہونے سے ملتی ہیں، نیز خود حرم مکہ میں بھی اس کے جواز پر تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اور یہی حکم وحال کسی دینی درسگاہ کی تعمیر کا بھی ہوگا، جس میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جائے تو یہ بھی جائز ہوگا، اور اس کی دلیل آیت کریمہ ''یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم و أهلیکم نارا'' (سورہ تحریم:۶) سے بھی ملتی ہے، کیونکہ یہی چیز اسلام اور بعثت انبیاء کی اولین غایت ہے، اور ان کا یہی فریضۂ اولیہ ہے، کیونکہ یہی چیز اپنے کو اور لوگوں کو جہنم سے اور جہنم کے عذاب سے بچانے کا طریقہ لازمی ہے، کیونکہ یہ مقصد علم دین کی تحصیل کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور علم دین کی تحصیل بغیر علماء کے وجود کے نہیں ہوسکتی، اور علماء کا وجود بغیر علم دین پڑھے پڑھائے نہیں ہوسکتا، لہذا بطریق اقتضاء النص دینی مدرسہ کا قیام ضروری نکل آیا اور اس کی اجازت بھی نکل آئی، اس کام میں جو ثواب ہوگا وہ تدفین موتی کے ثواب سے بڑھا ہوا ہوگا، لہذا جو ثواب واقف کو تدفین میت سے ملتا جب وہ ثواب اس سے بھی زیادہ واقف کو ملے گا تو یہ عمل منشاء واقف کے خلاف بھی نہ ہوگا، اور بلاشبہ جائز رہے گا۔

پس اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دینی تعلیم کی درسگاہ میں وقتی حساب کتاب بقدر ضرورت کرلینا حتمی طور پر جائز رہے گا، البتہ اس قبرستان کو کسی ایسے کام ومصرف میں استعمال کرنا کہ اس سے واقف کا ثواب مطلوب اس کو نہ ملے یا کم ملے تو درست وجائز نہ رہے گا۔ جیسے وہاں

تجارتی کاموں کی منڈی بنالینا، یا وہاں لوگوں کا ذاتی مکان بنالینا، یا دنیوی تعلیم کا اسکول یا کالج وغیرہ بنانا جائز نہ رہے گا، کیونکہ اس عمل سے واقف کا ثواب مطلوب حاصل نہ ہوگا، اور ''شرط الواقف کنص الشارع فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل'' کے خلاف ہوگا، لہذا اس قسم کے امور کی اجازت شرعاً کسی طرح نہ ہوگی۔

متبادل اوقاف کا قیام اور مساجد کی فاضل آمدنی کا مصرف

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

الف ۔ متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب ۔ ایسے ویران اوقاف کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، لیکن استبدال وقف کی بنیادی شرط مسلمان قاضی عدل کی اجازت ہے جو ہندوستان کے اکثر علاقوں میں مفقود ہے، وقف بورڈ کو قاضی عدل کے قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ اس کی تشکیل خالص سیاسی بنیادوں پر ہوتی ہے، متدین اور امین افراد وقف بورڈ میں کم ہی پہنچ پاتے ہیں۔

اس کی گنجائش نہیں ہے، اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف ہی میں صرف کیا جانا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کو نظر انداز کر کے دوسرے تعلیمی یا رفاہی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں۔

الف ۔ مسجد پر موقوفہ اراضی میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ مسجد کو آباد رکھنے کے لئے ایسے اداروں کے قیام کی شدید تر ضرورت ہو۔

ب ۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں استعمال نہیں کی جاسکتی۔

الف، ب ۔ اوقاف کی فاضل آمدنی کو محفوظ رکھا جائے اور اسے اوقاف کی آئندہ پیش آنے والی ضرورت ہی میں صرف کیا جائے، ہاں اگر فاضل آمدنی کے ضائع ہونے یا غلط ہاتھوں

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و سکریٹری برائے علمی امور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہوتو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں یا اسی نوع کا دوسرا وقف قائم کرنے میں فاضل آمدنی کو صرف کیا جاسکتا ہے۔

اوقاف کو کم منفعت بخش ہونے کی وجہ سے فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے انہیں اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر صرف کیا جائے، اس نوع کے اوقاف نہ ہوں تو فقراء ومساکین پر صرف کیا جائے۔

الف ۔ سوال میں مذکور صورت معاملہ درست ہے، لیکن ایسا انتہائی مجبوری میں کیا جا سکتا ہے پہلے کوشش کی جائے کہ بلڈر کوایک دومنزلیں بطور ملک نہیں، بلکہ بطور اجارہ دی جائیں ۔

ب: یہ صورت معاملہ بھی درست ہے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین میں مدرسہ کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، ہاں اسے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، ہاں اگر مسجد کی آبادی یا قبرستان کی حفاظت کے لئے وہاں مدرسہ کی تعمیر ضروری ہوتو گنجائش ہے۔

انہیں فروخت کر کے دوسرا قبرستان قائم کرلیا جائے ۔

آثار قدیمہ کے زیر انتظام مساجد میں حکومت کی طرف سے نماز کی ادائیگی پر پابندی عائد کرنا ایک ظالمانہ عمل ہے، شریعت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی ۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے۔

قبرستان کے حصہ میں مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے۔

درست ہے ۔

محکمہ آثار قدیمہ کے تحت داخل شدہ مسجد کا حکم شرعی

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ☆

منتقلی وقف کا حکم:

الف، ب۔ آبادی کے منتقل ہونے کی وجہ سے مقصد وقف فوت ہوچکا ہے، ایسی صورت میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی کی یہ تحریر مشعلِ راہ کا درجہ رکھتی ہے:

"لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة، بأن لایحصل منه شئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه" (ردالمحتار ۶/ ۵۸۴)۔

استبدال وقف اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ مکمل طور پر اس وقف سے انتفاع کی صورت ختم ہوچکی ہو، اس طور کہ اس وقف سے کوئی شئی حاصل ہی نہ ہو، یا اس کے اخراجات بھی پورے نہ ہوتے ہوں تو صحیح تر قول کے مطابق جب قاضی کی اجازت ہو اور اس میں مصلحت بھی ہو تو استبدال جائز ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جب مقصد وقف فوت ہوگیا تو استبدال وقف کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر واقف نے استبدال کی شرط لگادی ہو تو بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ حصکفی کی عبارت سے ظاہر ہے:

☆　سابق ناظم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

''أو شرط بیعه ویشتری بثمنه أرضا أخری''(الدرعلی الرد ۶/ ۵۸۳)۔

یا واقف نے بیع کی شرط لگا دی ہو تو اس کے ثمن سے دوسری زمین خریدنا بھی جائز ہے (درعلی الرد ۶/ ۵۸۳)۔

البتہ تیسری صورت یعنی جب کہ فی الجملہ وقف سے نفع ہو رہا ہو تو ایسی حالت میں استبدال کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے، پس خلاصہ یہ ہے کہ جب واقف نے استبدال کی اجازت دی ہو یا وقف کا مقصد ہی فوت ہو چکا ہو تو دونوں صورتوں میں متبادل وقف قائم کرنے کی اجازت ہوگی، ہاں صرف زیادتی منفعت کے لئے استبدال وقف کی اجازت نہ ہوگی۔

منشاء واقف کی عدم رعایت:

عام حالات میں واقف کے منشا کی خلاف ورزی درست نہیں، لیکن بعض مواقع ایسے ضرور ہیں جہاں فقہاء نے منشاء واقف سے اختلاف کو بھی روا رکھا ہے، اور یہ اس وقت ہے جب کہ وقف کا مفاد اسی میں ہو، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''أو کان فی الزیادة نفع للفقراء فللقاضی المخالفة دون الناظر'' (شامی: ۶/ ۵۸۷)۔

واقف کی شرائط کے خلاف کرنے میں فقراء کے لئے نفع ہو تو قاضی کو اس کی اجازت ہے نہ کہ نگران (متولی) کو۔

سوال سے ظاہر ہے کہ اگر واقف کے منشا کے خلاف عمل نہ کیا جائے تو فقراء ومساکین کا اس سے نفع اٹھانا تو درکنار، بلکہ اوقاف کے ضائع ہونے کا یقین ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں شرط واقف کی خلاف ورزی کی بھی گنجائش ہے۔

الف۔ مسجد کی زائد آمدنی کا حکم:

اس سلسلہ میں علماء احناف تو یہی کہتے ہیں کہ عین وقف کو باقی رکھتے ہوئے اس کی زائد از ضرورت آمدنی دوسرے دینی وملی اداروں میں لگائی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت

کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم مصری نے مسلمان قیدی کی رہائی، غازیوں کی اعانت اور دیگر فقراء ومساکین کی حاجت روائی کا ذکر کیا ہے (البحر الرائق ۵/۲۰۹)۔

گو مذکورہ مثال میں دینی درسگاہ کی صراحت نہیں، لیکن اس سے اتنا ضرور واضح ہورہا ہے کہ آمدنی کو دوسری جگہوں میں جہاں دینی وملی کام ہورہا ہو صرف کیا جاسکتا ہے، لہذا مدارس وغیرہ پر بھی صرف کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ بھی مسلمانوں کی اعانت ہی ہورہی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ حصکفیؒ نے مسجد کی زائد آمدنی کو امام مسجد، مدرس اور مؤذن کی تنخواہ پر صرف کرنے کی اجازت دی ہے اور بہت خوب فرمایا ہے:

''وفضل من الغلة شئ يبدأ بما هو أقرب للعمارة، وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره'' (درعلی الرد ۶/۶۵۰)۔

بچی ہوئی آمدنی کو سب سے پہلے ان چیزوں پر صرف کیا جائے گا جو اس مقصد سے زیادہ قریب ہو یعنی جس سے دین کے شعائر کا قیام عمل میں آتا ہو۔

علامہ حصکفی کی عبارت: ''كإمام مسجد ومدرس يعطون بقدر كفايتهم'' (درعلی الرد ۶/۵۵۹) کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ الرحمہ نے امام ومدرس کو بھی شعائر دینیہ میں شمار کیا ہے، لہذا مقصد حقیقی ومعنوی دونوں پر مسجد کی آمدنی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، تو جب مدرس کی تنخواہ کی اجازت ہے تو تعمیر مدرسہ ومکاتب کی بدرجۂ اولی اجازت ہوگی، کیونکہ یہ صورت وقف کو باقی رکھنے کی ہے۔

ب۔ اگر آمدنی مسجد کے لئے خاص کردی گئی ہو:

جیسا کہ پہلے سوال کے تحت مذکور ہوا کہ بعض صورتوں میں وقف کے مفاد کے تحفظ کے لئے واقف کی خلاف ورزی بھی درست ہے، اور یہاں جو آمدنی جمع ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ ہمہ وقت دامن گیر رہتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی زائد آمدنی کو دینی وملی مصالح پر صرف کیا جائے تو جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔

جب کثیر مقدار آمدنی کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو:

الف، ب۔ ماقبل کے دونوں سوال بھی تقریباً یکساں ہیں اور ہر ایک کا تعلق آمدنی ہی کے تصرف سے ہے، اس سلسلہ میں قاضی خاں کی عبارت چشم کشا ہے:

"إذا استغنی هذا المسجد يصرف إلی فقراء المسلمين فيجوز ذلک؛ لأن جنس هذه القربة مما لا ينقطع" (خانیہ علی الہندیہ ۳/ ۲۸۸)۔

جب اس مسجد کو آمدنی کی ضرورت نہ رہے تو اسے فقراء مسلمین پر خرچ کیا جائے گا، اور اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی قربت ہے جو منقطع نہیں ہوتی۔

تقریباً فقہاء احناف نے مذکورہ صورت میں آمدنی کے تصرف کی اجازت دی ہے، چونکہ یہاں مصلحت بھی ایسی جگہوں پر تصرف کی متقاضی ہے، اور مصلحت کی تمام فقہاء نے اوقاف جیسے مسائل میں بہت حد تک رعایت کی ہے، جیسا کہ ابن نجیم وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (البحر الرائق ۵/ ۲۲۷)۔

نفع کی زیادتی کے لئے استبدال وقف کا حکم:

اوپر استبدالِ وقف کی تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے تیسری صورت یہی ہے کہ استبدال کی وجہ سے وقف کی آمدنی میں اضافہ ہوسکتا ہو، اس سلسلہ میں اکثر علماء احناف یہی فرماتے ہیں کہ محض نفع کی زیادتی کی غرض سے متبادل وقف قائم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

"ولکن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله علی الأصح المختار" (شامی ۶/ ۵۸۷)۔

(لیکن اس وقف میں فی الجملہ نفع ہو اور اس کا بدل نفع وآمدنی کے اعتبار سے بہتر ہو، ایسی صورت میں صحیح تر اور مختار قول کے مطابق استبدالِ وقف جائز نہیں ہوگا)۔

علامہ ابن نجیمؒ نے امام محمدؒ سے جواز نقل کیا ہے (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بابت علماء کی آراء میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، بلکہ بعض فقہاء کے تو دونوں طرح کے اقوال ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جواز وعدم جواز کا تعلق اپنے اپنے زمانہ اور احوال کے اعتبار سے تھا تو بے جا نہ ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"أن أبا یوسفؒ یجوز الاستبدال فی الوقف من غیر شرط إذا ضعفت الأرض من الریع ونحن لا نفتی به وقد شاهدنا فی الاستبدال من الفساد ما لا یعد ولا یحصی الخ" (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)۔

امام ابو یوسفؒ کا قول استبدالِ وقف کے متعلق بغیر کسی شرط کے جواز کا ہے، اگر موقوفہ زمین کی آمدنی کم ہوجائے، لیکن ہم استبدال کا فتویٰ نہیں دیتے، کیونکہ ہم نے استبدالِ وقف کی شکل میں فساد وبگاڑ کے بے شمار واقعات دیکھے ہیں۔

استبدال کے ناجائز ہونے کی علت پر ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں استبدال کو اوقاف کی بربادی وضیاع کا باعث بنالیا جاتا تھا، جب کہ یہاں مقصد اس کے برعکس ہے اور منشاء وقف کی افادیت کو بڑھانا ہے، نہ کہ ضائع کرنا، لہذا اس صورت میں بھی استبدال کو جائز ہونا چاہئے، خود علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں: "وعلیه الفتوی" (رد المحتار ۶/ ۵۸۸)۔

اس مسئلہ میں تقریباً تمام ائمہ مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے اوقاف جن کے مصارف باقی نہ رہیں، دوسرے دینی ادارے یا کارِ خیر میں ان کو خرچ کیا جاسکتا ہے (بزازیہ علی الہندیہ ۶/ ۲۵۶)۔

الف، ب۔ فقہاء نے بعض حصہ کی درستگی کے لئے بعض کی فروختگی کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"وإن باع بعضه لا صلاح باقیه لخراب کله جاز" (بزازیہ علی الہندیہ

۲۷۱/۶)۔

اگر وقف کا کچھ حصہ باقی کی مرمت کے لئے فروخت کرے اور پوری جائداد موقوفہ ویران ہوگئی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

لہذا اس صراحت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صورت کو جائز ہونا چاہئے۔

مسجد او رقبرستان کی موقوفہ اراضی پر مدرسہ کی تعمیر:

مسجد ہو یا قبرستان ہر ایک وقف کا مقصد دین کو تقویت پہنچانا اور امت کے لئے سہولت بہم کرنا ہے، اس لحاظ سے مساجد اور قبرستان کے اوقاف کے مقاصد فی الجملہ وہی ہیں جو مدارس اور درسگاہوں کے ہیں، اس لئے ان اراضی میں مدارس کا قیام درست ہے، جیسا کہ فقہاء نے قبرستان میں مساجد کی تعمیر کی اجازت دی ہے، مفتی عبد الرحیم لاجپوری مدظلہ نے اس سلسلہ میں عینی کی عبارت اس طرح نقل کی ہے:

''فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين'' (عینی بحوالہ فتاوی رحیمیہ)۔

(جب قبرستان ویران ہو جائے اور اس میں تدفین بھی نہ ہو رہی ہو تو اس قبرستان کو مسجد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، کیونکہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ہی ہے)۔

جو علت یہاں مسجد تعمیر کرنے کی بیان کی گئی ہے، بعینہ وہی علت مدرسہ کی تعمیر میں بھی موجود ہے، اس لئے علتِ مشترک کی بنا پر اگر مذکورہ صورت میں قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر عمل میں آئے تو اس کی اجازت ہوگی۔

اگر تدفین پر پابندی عائد کردی جائے:

چونکہ وقف کا اصل مقصد فوت ہو چکا ہے اور ناجائز قبضہ کا بھی امکان ہے، اس لئے ایسے قبرستان سے انتفاع کی ہر وہ صورت درست ہے، جو فی الجملہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں

کے فلاح کا باعث ہو، جیسے مسجد و مدرسہ کی تعمیر، کوئی دینی و ملی ادارہ، جس سے مسلمانوں کے مصالح وابستہ ہوں، اسی طرح اسے بیچ کر حاصل شدہ رقم فقراء پر بھی صرف کی جاسکتی ہے اور استبدال کی بھی اجازت ہوگی، جیسا کہ ابن نجیم وابن عابدین کی مذکورہ تحریر سے ظاہر ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۵/۲۰۷، ردالمحتار ۶/۵۸۶)۔

محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت داخل شدہ مسجد کا حکم شرعی:

مسجد کے بارے میں حکم شرعی یہی ہے کہ مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوجانے کے بعد تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، خواہ اس میں نماز ہورہی ہو یا نہ ہورہی ہو، علامہ حصکفی کا بیان ہے:

''لو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتي'' (درعلی الرد ۶/۵۴۸)۔

(اگر مسجد کے اطراف (کی آبادی) ویران ہوجائے اور اس مسجد کی ضرورت نہ رہے تو بھی وہ امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی کے حکم میں ہوگی، اسی پر فتوی ہے)۔

قبرستان کا احاطہ اور اس کے ساتھ دکانوں کی تعمیر:

اس صورت میں جہاں قبرستان کی حفاظت ہوگی، وہیں یہ آمدنی کا بہترین ذریعہ بھی ہوگا، ایسی صورت میں تو فقہاء نے اجارہ تک کو جائز قرار دیا ہے، لہذا قرض کی صورت تو بدرجۂ اولی جائز ہوگی، جیسا کہ علامہ شامی نے مسافر خانہ وغیرہ کی مرمت کے لئے اس کے بعض حصہ کو کرایہ پر لگانے کی اجازت دی ہے (ردالمحتار ۶/۵۷۳)، اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیم کی یہ عبارت بڑی واضح ہے:

''لو بنى رجل بيتا في المقبرة لحفظ اللبن ونحوه إن كان في الأرض سعة جاز وإن لم يرض بذلك أهل المقبرة'' (البحر الرائق ۵/۲۵۴)۔

اگر کسی شخص نے قبرستان میں اس کی اینٹ وغیرہ کی حفاظت کے لئے مکان بنایا اور قبرستان میں گنجائش بھی ہے تو اگر چہ اہل قبرستان راضی نہ ہوں پھر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

قبرستان میں مسجد کی توسیع کا حکم:

ضرورۃً ایسا کرنا جائز ہے، فتاوی بزازیہ میں ہے:

''وإن ضاق المسجد من أهله جائز للمتولي أن يدخل بعض منازل الوقف فيه ولو أدخله فيه بلا حاجة لايصير مسجدا'' (بزازیہ علی الہندیہ ۶/۲۸۵)۔

(اگر اہل مسجد پر مسجد تنگ ہو جائے تو متولی کے لئے دوسرے اوقاف کو مسجد میں داخل کرنے کی اجازت ہے، ہاں اگر بغیر ضرورت کے داخل کیا تو اس کو مسجد میں شمار نہیں کیا جائے گا)۔

اگر مسلم اوقاف کا متولی غیر مسلم ہو:

اس سلسلہ میں فقہاء کے دونوں طرح کے اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہی ہے کہ مسلم اوقاف کو مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہونا چاہئے، علامہ رافعی رقمطراز ہیں: ''فإن تولية الذمي على المسلمين حرام'' (تقریر رافعی علی الرد ۶/۸۴) مسلمانوں پر ذمی کی تولیت حرام ہے۔

مساجد کی فاضل آمدنی بطور قرض دوسرے مصرف کے لئے لینا

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

''فتاوی خیریہ'' (از شیخ خیر الدین بن احمد علی رملی ۹۹۳-۱۰۸۱ھ) میں ایسی مسجد کے متعلق جو کسی وجہ سے ویران اور غیر آباد ہوجائے مفصل بحث کی گئی ہے، عبارت یہ ہے:

''إن المسئلة فيها خلاف بين الائمة الأسلاف، فقال أبويوسفؒ: يبقىٰ مسجداً إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا''۔

الف۔ مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف ایسے اوقاف کو فروخت کرکے باجازت قاضی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

ب۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان مقاصد وقف کو جاری رکھنے کے لئے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حتی الامکان واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تاہم کیونکہ وقف کا مقصد امور مذہبی سے متعلق ہوتا ہے، اس لئے قاضی کی یا مجوزہ شرعی کمیٹی کی اجازت سے مسلمانوں کے رفاہی اور ایسے تعلیمی اداروں پر جن میں تربیت دینی ہو خواہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہو خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

الف۔ مسجد کی ضروریات سے زائد جو اراضی ہے اس کو کرایہ پر لے کر اس میں دینی

☆ مالیر کوٹلہ، پنجاب۔

تعلیم یا عصری تعلیم کا ادارہ جس میں دینی تربیت ہو قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب ۔ مسجد کی زائد آمدنی سے بطور قرض رقم لی جاسکتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے مذہبی تعلیمی ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، یا عصری تعلیم، ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے جس میں تربیت دینی ہو قائم کئے جاسکتے ہیں۔

''أما المال الموقوف علی المسجد الجامع لم تکن للمسجد حاجة للمال، فللقاضی أن یصرف فی ذلک، لکن علی وجه القرض، فیکون دیناً فی مال الفیئ'' (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۴۶۳)۔

اگر آمدنی زائد نہیں ہے تو مسجد کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر ہی خرچ کی جائے گی۔

''وإن اختلف أحدهما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف علیهما أوقافا لا یجوز ذلک (أی الصرف المذکور)'' (درمختار مع الشامی ۳/ ۵۱۵)۔

اصلاً وقف قابل بیع نہیں ہے، اور اگر اصولی طور پر اس کی اجازت دے دی جائے تو اندیشہ ہے کہ لوگ وقف کی بیع کرنے لگیں گے، قاضی یا قابل اعتماد شرعی کمیٹی کی اجازت سے ایسا کرنا ممکن ہے۔

اسی سے ملتے جلتے دوسرے مصارف میں اس وقف کی آمدنی خرچ کرسکتے ہیں، مثلاً کوئی وقف کسی خاص مدرسے کے لئے تھا وہ مدرسہ باقی نہیں رہا تو وہ آمدنی دوسرے مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

الف ۔ یہ وقف کے تحفظ کی صورت ہوگی اور اس کی گنجائش ہے۔

ب ۔ تحفظ وقف کے لئے اس کی بھی گنجائش ہے مگر باجازت قاضی۔ ''لا یملک الواقف بالبیع ونحوه ولو لإحیاء الباقی'' (جامع الرموز)۔

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس جگہ کو کرایہ پر لے لیا جائے اور اس کو مدرسہ کی تعمیر کے

لئے استعمال کیا جائے۔

مذکورہ صورت میں قبرستان کی زمین کو کھیت بنا کر یا باغ بنا کر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں خرچ کیا جائے اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہ ہوتو مالک اپنے استعمال میں لاسکتا ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۷/ ۱۳۳)۔

یہ حکومت کی زیادتی ہے، شرعاً وہ مسجد ہے اور اس کو مسجد کے طور پر استعمال ہونا چاہئے۔

قبرستان میں دوکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

مسجد کی توسیع کے لئے قدیم یا جدید قبریں مسجد میں شامل کی جاسکتی ہیں، مفتی کفایت اللہؒ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مفتی دارالعلوم دیوبند نے یہی فتوی دیا ہے۔

ہندوستان کی وزرات اوقاف کا وزیر غیر مسلم ہے، جبکہ اس میں اسلامی اوقاف بھی شامل ہیں۔

اوقاف کے سلسلہ میں ایک ضروری گذارش:

وقف بورڈ دینی رقم بینک میں رکھتے ہیں، بلکہ فکس ڈیپازٹ کراتے ہیں، اس پر سود ملتا ہے یہ سود کی رقم مذہبی اداروں، مسجدوں اور ملازمیں کی تنخواہوں پر خرچ کی جاتی ہے، سود اور اصل سب خلط ملط رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ سود کی رقم الگ رکھی جائے۔ بورڈ کی جمع شدہ رقم پر بلاسودی منافع کی کوئی شکل اختیار نہیں کی جاتی۔ اس طرح ایک مذہبی ادارے میں کھلم کھلا سود کا سلسلہ ہے اس پر غور کیا جائے اور اوقاف کے لئے جائز راہ سامنے رکھی جائے۔

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی اسی نوع کے اوقاف میں صرف کی جاسکتی ہے، دیگر ملی و دینی وعلمی کاموں میں نہیں، اس لئے کہ مقاصد واقف، نیز شرائط واقف کا لحاظ ضروری ہے۔

اگر اوقاف سے معمولی آمدنی ہے تو آمدنی بڑھانے کے لئے اوقاف کو فروخت کرنا درست نہیں ہے۔

"لكن تكون المنفعة مصروفة إلى المصلحة التي كانت الأولى تصرف فيها، لأنه لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به" (المغنی ۵/ ۶۳۳)۔

(اوقاف کی آمدنی کا انہی مصالح میں صرف کرنا ضروری ہے جن میں وہ صرف کی جاتی تھی، کیونکہ حتی الامکان مصرف کو بدلنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ وقف کی بیع جائز نہیں ہے جب کہ اس سے انتفاع ممکن ہو)۔

اگر موقوف علیہا پیدا ہو جائے تو تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اوقاف کی آمدنی واقف کے اقارب خصوصاً اس کے عصبات پر صرف کی جائے، اور اگر واقف کے اقارب موجود نہ ہوں تو اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں۔

"واتفق الشافعية والحنابلة مع الرأي السابق للمالكية على أن الموقوف يصرف عند انقراض الموقوف عليهم إلى أقرب الناس إلى الواقف، فإن لم يكن للواقف أقارب أوكان له أقارب فانقرضوا صرف إلى الفقراء والمساكين وقفاً عليهم، لأن القصد به الثواب الجاري على الدوام" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/ ۲۰۰)۔

الف۔ وقف کی مخدوش عمارت کی تجدید کے لئے اگر اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ کسی بلڈر کو اس کی ایک آدھ منزل دے دی جائے جس پر اس کو مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو تو بظاہر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ب۔ وقف کے بعض حصہ کو آباد کرنے کے لئے اس کے بعض حصہ کو فروخت کرنا درست ہے، ان دونوں جوابوں کے حوالہ میں وہی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو سوال اول کے جواب میں پیش کی جاچکی ہے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف کی گئی ہے اس کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا

مقاصد واقف کے خلاف ہے اس لئے درست نہیں ہے۔

ایسے قبرستان جہاں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، وہاں اگر کوشش بسیار کے باوجود پابندی ختم نہیں ہوتی تو ان کو مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرکے قبرستان کے لئے متبادل جگہ خرید لی جائے۔

آثار قدیمہ کے تحت آنے والی مسجدوں میں غیر آباد ہونے کی وجہ سے بت رکھ دیئے گئے ہیں جو افسوسناک صورت حال ہے، اس کے لئے حکومت سے قانونی جنگ لڑی جائے اور کسی طرح ان کو آزاد کرایا جائے یا کم ازکم ان میں نماز پڑھنے کی اجازت حاصل کی جائے، نماز پر پابندی لگانے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے، آثار قدیمہ میں تو بہت سے مندر بھی آتے ہیں، لیکن وہاں پوجا پاٹ پر کوئی پابندی نہیں ہے، جو حکومت مساجد میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کرتی ہے وہ ظالم وجابر حکومت ہے، جمہوری حکومت نہیں ہے، مساجد سے روکنا قرآن کی نظر میں فتنہ کبری اور ظلم اکبر ہے، بندہ اور خدا کے درمیان حکومت کو حائل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

''**ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى فی خرابها**''(سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "**وصدّ عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل**" (سورہ بقرہ: ۲۱۷)۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے قبرستان کا کچھ حصہ دوکانوں میں چلا جائے تو یہ قبرستان ہی کا ایک مصرف ہوا، راقم کے علم میں ایسے قبرستان ہیں جو لب سڑک واقع ہیں اور ٹاؤن ایریا، یا میونسپلٹی نے وہاں جبراً دوکانیں بنوادیں اور مسلمان دیکھتے رہ گئے، لہذا اس طرح کے خطرات سے بچنے کے لئے باؤنڈری بھی تعمیر کی جاسکتی ہے اور دوکانیں بھی بنوائی جاسکتی ہیں، لیکن اس آمدنی سے دوسری جگہ مزید قبرستان کے لئے زمین خریدی جاسکتی ہے، دیگر مصارف خیر میں نہیں لگایا جاسکتا۔

مسجد کی توسیع یا قبرستان کے لئے کسی عمارت کی تعمیر کے لئے ویران قبروں کی جگہ استعمال کی جاسکتی ہے،لیکن جدید قبریں جب کے نشانات ظاہر ہیں ان پر تعمیر درست نہیں ہے۔

ہندو راجاؤں نے مساجد کے لئے جو اراضی وقف کی ہیں، وہ ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ فرمانرواہونے کی حیثیت سے وقف کی ہیں، لہذا اس کو ہندو وقف بورڈ کے تحت نہیں رکھنا چاہئے، جس طرح مسلم حکمرانوں نے مندروں کو اراضی دی تھیں جن کی دستاویزات موجود ہیں ،لیکن واقف کے مسلم ہونے کی وجہ سے اس کو مسلم وقف بورڈ میں نہیں رکھا گیا۔

ہماری کوشش تو یہی ہونی چاہئے کہ وہ اوقاف غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے نکل کر مسلم ادارہ کی تولیت میں آ جائیں۔ارشاد ربانی ہے:

''لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا'' (سورہ نساء:۱۴۱)۔

وضاحت: اوقاف کی بیع کے عدم جواز پر بخاری شریف کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں جو جائداد ملی اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

''إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر على أن لا تباع ولا توهب ولا تورث''۔

تو اس کی توجیہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حبست اصلہا فرمانا یا حضرت عمر کا عدم بیع ،عدم ہبہ اور عدم توریث کی شرط کے ساتھ وقف کرنا اس لئے تھا کہ اوقاف لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہے اور اس کا صدقہ جاریہ ہونا متاثر نہ ہو، آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ کی تصریحات کا منشا اوقاف کو ناکارہ اور بے سود بنانا نہیں تھا، اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اگر اس کی بیع نہ کی جائے اور متبادل وقف کا انتظام نہ کیا جائے تو اوقاف بے سود اور ناکارہ ہو جائیں گے، یہاں خدانخواستہ کسی کی دخل اندازی اور تصرف کے لئے جواز فراہم کرنا پیش نظر ہے، بلکہ پیش نظر یہ ہے کہ کسی طرح اوقاف صدقہ جاریہ بنے رہیں اور ان کا فیض جاری رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ راقم نے بیشتر جوابات میں حنابلہ کے مسلک پر بنیاد رکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کا حال زار اور مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ ایسے اضطراری حالات میں کیوں نہ امام احمدؒ کے مسلک پر عمل کر لیا جائے، یہاں اس مسلک کو اختیار کرنا اتباع ھوی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ شدید ضرورت کے تحت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان میں اوقاف کے سرکاری ادارے اور متولیان اوقاف خیانت کے خوگر ہو چکے ہیں، اوقاف کی بیع کر کے اس رقم کو ہضم کرنے میں انتہائی بے باک ہیں، لہذا اگر سیمنار میں اوقاف کی بیع کے جواز کا فیصلہ کیا جائے تو کچھ ایسی قیدیں لگا دی جائیں جن کی بنا پر یہ طالع آزما اوقاف کو استحصال نہ کر سکیں۔

مساجد پر وقف اراضی پر تعلیمی ادارے کا قیام

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

اشیاء موقوفہ میں اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ وہ اشیاء باقی رہیں اور ان سے حاصل شدہ نفع واقف کے منشاء کے مطابق کار خیر میں خرچ ہوتا رہے۔

اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے جن کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے، اورعلماء سلف نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے وقف کرتے وقت اس کی صراحت کردی ہو کہ اسے یا اس کے قائم مقام متولیان کو اراضی وقف کے تبادلہ کا اختیار رہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی، وقف نامہ اس بارے میں ساکت ہے، یا واقف نے صراحت کردی ہو کہ خود وہ یا کوئی اور ان اراضی موقوفہ کا تبادلہ نہیں کرسکتا۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ ان اراضی وقف سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا ہو، یا نفع تو ہوتا ہو مگر اس نفع کو حاصل کرنے میں اخراجات نفع کے برابر یا اس سے بھی زائد ہوں۔

دوم یہ کہ اس جائداد سے کچھ نہ کچھ نفع تو ہوتا ہے، لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کردیا جائے تو نفع کے زائد ہونے کی توقع ہے۔

پہلی صورت میں، جبکہ واقف نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے تبادلہ کا اختیار رکھا ہو،

☆ قاضی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

اگر اراضی وقف سے آمدنی ختم ہوگئی ہو تو اس اراضی کا دوسری ایسی اراضی سے تبادلہ کرنا جس سے نفع زیادہ حاصل ہو جائز ہوگا۔

''واعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا'' (ردالمحتار ۳/۳۸۷)۔

''فلو شرطه لايلزم خروجه عن الانتفاع و لا مباشرة القاضي و لاعدم ريع يعمر به كما لايخفى'' (ردالمحتار ۳/۳۸۸)۔

دوسری صورت کی پہلی شق میں اگر اراضی وقف سے کوئی نفع نہیں ہے یا خرچ نفع سے زائد ہے تو اگرچہ واقف نے اس کے تبادلہ کی اجازت نہ دی ہو یا تبادلہ پر روک لگائی ہو، لیکن قاضی مصلحت وقف کو دیکھتے ہوئے تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔

''والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية، بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لايفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي'' (ردالمحتار ۳/۳۸۷)۔

دوسری صورت کی دوسری شق میں جبکہ اراضی وقف کی آمدنی بالکل ختم نہ ہوئی ہو تو عام طور پر فقہاء تبادلہ کی اجازت نہیں دیتے ہیں، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی قاضی کی اجازت سے تبادلہ صحیح ہے، اور ایک روایت امام محمدؒ سے بھی یہی ہے۔

''الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى كما في فتاوى قارى الهداية'' (ردالمحتار ۳/۳۸۹)۔

''وقد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها و يشترى بثمنها ما هو

أكثر ريعا" (منحۃ الخالق علی البحر ۵/ ۲۳۷)۔

الف، ب۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں، دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے ایسے اوقاف کو حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے بدلہ میں دوسری اراضی حاصل کرنا یا اس کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید کر اسکی جگہ پر وقف کرنا جائز ہوگا۔

تبادلہ کی اجازت مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف یا خود مسجد کے لئے وقف شدہ اراضی کے بارے میں ہے وہ زمین جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، اور جس میں نماز پڑھی گئی ہو اس کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسجد مفتی بہ قول کے مطابق تا قیامت مسجد رہتی ہے۔

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا.... أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوي القدسي" (درمختار ۳/ ۳۷۱)۔

اس طرح کے اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے منشاء کے خلاف مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ واقف کے منشاء کی رعایت بہر حال ضروری ہے، مشہور جزئیہ ہے:

"شرط الواقف كنص الشارع أى في المفهوم و الدلالة ووجوب العمل به" (درمختار ۳/ ۴۱۶)۔

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (ردالمحتار ۳/ ۴۱۶)۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا تو جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ ان اراضی سے مسجد کو جو آمدنی ہوتی ہے اتنا کرایہ مسجد کو دیا جائے۔ اور اجارہ پر ان اراضی کو حاصل کر کے ان پر مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جائے، تو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے، اگر چہ وقف کی اراضی کو طویل

اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کے اس میں وقف کے ضائع ہوجانے کا ڈر ہے، مگر یہ اندیشہ کسی فرد کو دینے میں تو ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کے لئے رفاہی ادارہ قائم کرنے میں نہیں ہے۔

ب۔ مسجد کی آمدنی تعلیمی ورفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔منشاء واقف کی رعایت بہر حال ضروری ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔

الف، ب۔ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کے مصارف سے زائد ہے، اورطویل عرصہ تک اسکی حفاظت دشوار ہے اورآئندہ بھی مصرف میں خرچ ہونے کی امید نہیں ہے تو فاضل آمدنی اسی نوع کے دیگر اوقاف کی ضروریات میں صرف کی جائے گی، دوسرے دینی وعلمی کاموں پر صرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

"ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي الشرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۳/۳۷۱)۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اوراس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا ہے، تو اسکی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کودوسرے مساجد کے مصالح پرصرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو، اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہوتو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتی کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۱۴)۔

مدرسہ جنس مسجد میں سے نہیں، اس لئے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اگر اس شہر میں حاجت نہ ہوتو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں، جوزیادہ قریب ہواس کا حق مقدم ہے، اسی طرح بہ ترتیب (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۱۸)۔

اراضی کا تبادلہ دوسری اراضی سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں، یہ تو مختلف فیہ ہے اکثر فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ جواز کے قائل ہیں، لیکن اگر وقف کا مکان بالکل نا قابل انتفاع نہ ہو صرف آمدنی کم

ہوجائے تو زیادہ آمدنی کے لئے اس کا تبادلہ صحیح نہیں ہے۔

''إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا، فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال'' (ردالمحتار ۳/ ۳۸۷)۔

البتہ اگر مکان نا قابل انتفاع ہوتو اس کا تبادلہ کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ دوسرا مکان اسی محلّہ میں ہو یا اس سے اچھے محلّہ میں ہو، صرف آمدنی کا زائد ہونا جواز تبادلہ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

''وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز، وإن كانت المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة لاحتمال خرابها في ادون المحلتين لدنائتها، وقلة الرغبة فيها'' (ردالمحتار ۳/ ۳۸۸)۔

اگر اراضی کسی خاندان کے فقراء کے لئے وقف تھی اور وہ خاندان ختم ہوگیا تو اب اس کی آمدنی دوسرے فقراء ومساکین پر خرچ کی جائے گی۔

''وقال أبويوسف سمي فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم... وهذا هو الصحيح'' (ہدایہ ۲/ ۶۳۹)۔

اور اگر کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے اور وہ مسجد اور مدرسہ نہیں رہا تو اس سے قریب مسجد یا مدرسہ میں صرف کیا جائے گا۔ یعنی مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مسجد میں اور مدرسہ پر وقف اراضی کی آمدنی قریب تر مدرسہ میں صرف کی جائے گی۔

الف۔ اگر وقف کی عمارت مخدوش ہو اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو اور کوئی شخص مخدوش عمارت کی جگہ نئی عمارت کی تعمیر کے لئے تیار ہے اس شرط کے ساتھ کہ ایک یا دو منزل اس کی ملکیت ہوگی یا کوئی خالی زمین ہے اس سے انتفاع ممکن نہیں ہے اور مذکورہ شرط پر کوئی

شخص عمارت بنانے کے لئے آمادہ ہے تو میرے خیال میں اس شرط کے ساتھ اسکی اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ شخص وقف کے مکان پر جتنا سرمایہ خرچ کر رہا ہے اس سے بہت زیادہ قیمت اس منزل کی نہ ہو جو اسکی ملکیت قرار دی جارہی ہے۔

ب۔ وقف شدہ اراضی کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جس سے اس کی آمدنی ختم ہوجائے جائز نہیں۔

"بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي وإن كان خرابا" (البحر الرائق ۵/ ۲۲۳)۔

البتہ اگر وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہیں ہے اور اس سے آمدنی حاصل کرنے اور اسکی حفاظت کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ اس کے ایک حصہ کو فروخت کر کے باقی حصہ کو محفوظ و قابل انتفاع بنایا جائے تو میرے خیال میں اسکی اجازت دی جانی چاہئے تا کہ وقف محفوظ بھی رہے اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہو جو منشاء واقف کے مطابق خرچ ہو۔

"وإن باع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز" (منحۃ الخالق علی البحر ۵/ ۲۲۷)۔

اگر کسی قبرستان کی اراضی اسکی ضرورت سے زائد ہے اور آئندہ بہت دنوں تک اس کو مصرف میں لانے کی توقع نہیں ہے اور قبرستان کی مثلاً چہار دیواری کے لئے آمدنی کی ضرورت ہے تو میرے خیال سے زائد اراضی کو مدرسہ کے لئے اجارہ پر دیدینا اور اس میں مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کے کرایہ کی آمدنی کو قبرستان کی حفاظت کے لئے خرچ کرنا مناسب اور جائز ہوگا۔

اسی طرح اگر مسجد کی اراضی ہے تو اس کو بھی مدرسہ کی تعمیر کے لئے اجارہ پر دینا جائز ہوگا، جیسا کہ اوپر گزرا۔

جن قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوگئی ہوں اور اب اس کا

استعمال بطور قبرستان کے نہیں ہو رہا ہو اور قبریں پرانی ہوگئی ہوں کہ ان کے سڑ گل جانے کا ظن غالب ہو اور قبرستان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے مسلمانوں کی آبادی سے قریب اراضی خرید کر بطور قبرستان استعمال کی جائے۔اسی طرح اگر قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اور حکومت نے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی ہے، اور اب اس میں مردے دفن نہیں کئے جاتے، اور اسی طرح اس کو باقی رکھنے میں ضیاع کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بھی اس کو فروخت کر کے آبادی سے باہر اراضی خرید لی جائے اور اس کو بطور قبرستان استعمال کیا جائے۔

اگر وقف قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کی باؤنڈری بنانا ضروری ہو جائے اور اس کے لئے رقم کا کوئی نظم نہ ہو تو قبرستان کے اطراف میں سے کچھ حصہ پر ذریعہ آمدنی کے طور پر دکان بنانے کا پروگرام بنایا جائے اور اس کے لئے پیشگی کرایہ کے نام پر کچھ لوگوں سے رقم حاصل کر کے قبرستان کی چند فٹ زمین اطراف سے لیتے ہوئے اس پر دکان بنائی جائے تو یہ جائز اور درست ہوگا، لیکن یہ ساری دکانیں وقف ہی ہوں گی اور دکانوں سے بعد میں حاصل ہونے والی آمدنیاں جب قبرستان کی ضروریات سے زائد ہو جائیں گی تو اسے ایسے مصارف خیر پر صرف کرنا بھی جائز ہوگا جس کا نفع عام مسلمانوں کو پہنچے، مثلاً قریب کے دوسرے قبرستان کی باؤنڈری بنانے اور دیگر ضروریات میں خرچ کیا جائے، یا کسی مسجد و مدرسہ کی تعمیر و مرمت یا دوسری بنیادی ضرورتوں میں لگا دیا جائے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانا ضروری ہو اور اس کے لئے وقف کے پاس سرمایہ نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے اور اس کے لئے پیشگی رقم بطور کرایہ لے لی جائے اور اس آمدنی سے قبرستان کی باؤنڈری کرادی جائے۔

اگر اراضی قبرستان اور مسجد دونوں کے لئے وقف ہے تو دیکھا جائے گا کہ دونوں کے لئے اراضی کی تحدید ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا، لیکن اگر دونوں کے لئے زمین کی حد متعین نہیں ہے تو حسب ضرورت اراضی کا استعمال قبرستان و مسجد دونوں کے لئے ہوگا۔ اور مسجد کے پاس

قبریں نہ ہوں یا اتنی پرانی ہوں کہ ان کے سڑگل جانے کا ظن غالب ہو تو توسیع کی جاسکتی ہے، اور دومنزلہ اور سہ منزلہ بنائی جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ نماز کی ضرورت بھی پوری ہوگی اور قبرستان کی وسعت میں بھی فرق نہیں آئے گا۔

اگر کسی جگہ ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر اراضی وقف کیا ہے، اب ان کی اولاد ہی میں کوئی ہندو اس کا متولی ہے تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ متولی کے لئے مسلمان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

''ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه کذا فی الإسعاف'' (ردالمحتار ۳؍۳۸۵)۔

''ولا تشترط الحریة والإسلام للصحة کما فی الإسعاف'' (ہندیہ ۲؍۴۰۸)۔

ویران اوقاف کی جگہ نئے اوقاف کا قیام

مفتی محمد حبیب اللہ قاسمی ☆

الف ۔ اوقاف کی بیع تو شرعاً جائز نہیں ہے، علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ بیع باطل ہے لیکن جن اوقاف کی بابت دریافت کیا گیا ہے ان کی بیع مجبوری کی وجہ سے جائز ہے، اور مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی ایسے دوسرے مقام پر جو ان اوقاف سے زیادہ قریب ہو متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

"مطلب بيع الوقف باطل لا فاسد" (شامی ۳/ ۳۹۴) "وكذا الرباط والبئر والحوض إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر" (درمختار ۳/ ۳۷۱)۔

ب ۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرکے مقاصد واقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

اس سلسلے میں تمام اوقاف کا حکم یکساں ہے، خواہ وہاں مدارس کے اوقاف ہوں یا مساجد اور مقابر و خانقاہوں کے، واقف کے شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ایسے تمام ویران غیر منتفع اوقاف کے معاوضہ یا تبادلہ کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے (شامی ۳/ ۳۸۷)۔

واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان ویران اوقاف کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنا درست نہیں۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع" (درمختار، الاشباہ والنظائر)۔

☆ ناظم جامعہ اسلامیہ مہذب پور، اعظم گڑھ یوپی۔

الف ۔ مسجد کے اوقاف کو موقوفہ مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہو تب ان اوقاف مسجد سے دینی وتعلیمی ادارہ کھولنا جائز ہے۔

ب ۔ مسجد کی فاضل آمدنی جس کی فی الحال یا فی المآل ضرورت نہ ہو تو تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے (دیکھئے: کفایت المفتی ۷/ ۲۷۵، ۳۰۱، ۳۰۲)۔

الف ۔ عام حالات میں تو ایک نوع کے سامان اوقاف کو دوسرے نوع کے اوقاف میں یا اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا جائز نہیں، لیکن سوال میں جن اوقاف کا تذکرہ ہے انکی فاضل آمدنی کو اسی نوع کے قریب ترین اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔

''وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لأقرب مجانس لها'' (شامی ۳/ ۳۷۱)۔

ب ۔ دیگر ملی و دینی وعلمی کاموں میں یا مساجد میں لگانا بھی جائز ہے (کفایت المفتی ۷/ ۲۷۵)۔

جو زمین وقف کی جاتی ہے یا جو مکان وقف کیا جاتا ہے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ زمین یا مکان باقی رہے اور اس سے منافع حاصل کئے جائیں وہ زمین یا مکان تجارت کے لئے نہیں دی جاتی، لہذا اس کا فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کے لئے مکان کا دوسری جگہ خریدنا جائز نہیں الا یہ کہ موقوفہ مکان سے انتفاع ہی ختم ہوجائے (دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۱۷۵)۔

اگر کسی وقف کے مصارف ختم ہوجائیں، مثلاً کوئی چیز کسی مسجد یا مدرسہ پر یا فلاں خاندان کے فقراء پر وقف تھی، اور اب نہ وہ مسجد ہے اور نہ وہ مدرسہ ہے اور نہ وہ فقراء ہیں، تو ایسی حالت میں کسی دوسری حاجت مند مسجد یا مدرسہ یا فقراء کو ان اوقاف کی آمدنی کا مصرف قرار دیا جائے گا (دیکھئے: کفایت المفتی ۷/ ۲۷۹)۔

الف ۔ موقوفہ عمارتیں جب کہ مخدوش ہوں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے پیسہ بھی

نہیں ہے، اسی طرح موقوفہ زمین ناقابل انتفاع ہوتو ان حالات میں کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کرنا جس میں وہ اپنی ملکیت کی کچھ شرط لگائے شرعاً جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں مجبوری ہے۔ واللہ تعالی اعلم، ویسے عام حالات میں ایسا معاملہ درست نہیں کیونکہ موقوفہ شئی کی بیع وملکیت درست نہیں تاہم بہتر شکل تو یہی ہے کہ برائے وقف چندہ لے کر عمارت کو بنوائے۔

ب۔ تجدید تعمیر کے لئے موقوفہ عمارت یا زمین کے کسی حصہ کوفروخت کرکے اس کی آمدنی کو شئی موقوفہ میں لگانا جائز نہیں۔ کفایت المفتی (۷/ ۲۹۴) میں مذکور ہے کہ اگر تجدید تعمیر ضروری ہوجائے تو اس وقت بھی کرایہ پر دینا جائز ہے۔ بیع جائز نہیں۔

مسجد یا قبرستان کی موقوفہ زمین میں خواہ وہ زمین ان کی ضروریات سے فاضل ہوں اس میں مدرسہ کی تعمیر شرعاً درست نہیں۔

''لأن شرط الواقف کنص الشارع'' (دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۵)۔

اس جگہ کوفروخت کرکے دوسری جگہ لی جاسکتی ہے، مگر باجازت قاضی۔

''و أما الاستبدال و لو للمساکین بدون الشرط فلا یملکه إلا القاضی'' (درمختار)۔

حکومت یا کسی بھی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ مساجد میں نماز کی ادائیگی کو روک دے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''أن المساجد لله'' (سورہ جن: ۱۸) اور دوسری جگہ فرمایا: ''و من أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها اسمه'' إلی آخرہ (سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

قبرستان کی حفاظت کی اگر کوئی دوسری شکل نہ ہوتو مذکورہ شکل اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن پہلے کوشش یہ کی جائے کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرکے قبرستان کی باؤنڈری مکمل ہوجائے۔

جو زمین کہ قبرستان کے لئے واقف نے وقف کی ہے اس کو دفن کے کام میں ہی لانا

چاہئے اس میں مسجد بنانا جائز نہیں، جو مسجد بنائی گئی ہے اس میں نماز تو ہوجاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ بقاعدہ شرعیہ مسجد نہیں ہوئی، لہذا قبرستان میں بنی ہوئی مسجد کی توسیع کیسے جائز ہوگی (کفایت المفتی ۷/۱۳۹)۔

مساجد و مقابر و دیگر اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کی تولیت غیر مسلم ادارہ کے ہاتھ میں ہونا شرعاً جائز ہے، تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

''ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه لمافی الاسعاف''

(شامی ۳/۳۸۵)۔

بہتر مقاصد کے لئے وقف کی تبدیلی کا حکم

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

الف ۔ اس زمانہ میں ایماندار اور دیانتدار آدمی کا ملنا بہت دشوار ہے، اس لئے وقف کی بیع اور تبدیلی میں احتیاط بہت ضروری ہے، پس صورت مذکورہ میں مساجد کو چھوڑ کر مجبوری اوقاف کو فروخت کرکے اس کی جگہ دوسرا وقف شرائط واقف کے مطابق کیا جاسکتا ہے، تا کہ واقف کی منشاء پوری ہوسکے اور اس کو اجر ملتا رہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس تبدیلی کے لئے کسی جج یا ایسی اتھارٹی سے جو اس کی مجاز ہو، اجازت لے لی جائے، پس ایسے اوقاف جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ظن غالب کے درجہ میں ہے یا ان کی آمدنی ختم ہوچکی ہے یا کسی غاصب کے قبضہ میں ہے جس سے اس کو چھڑانا ممکن نہیں ہے، ان کو فروخت کرکے اس رقم سے دوسری جگہ خرید کر شرائط وقف کے مطابق وقف کردیا جائے، "قانون العدل والإنصاف" مؤلفہ محمد قدری پاشا مطبوعہ مصر میں ہے:

''إنما يجوز بيع الوقف يشتري بثمنه ما يكون وقفاً بدلا عنه إذا شرط الواقف استبداله سواء شرط له أو لغيره أو سوغت الضرورة والمصلحة للقاضي بيعه و الاستبدال به"۔

ب ۔ اگر اس وقف سے مقاصد وقف حاصل نہ ہورہے ہوں تو حکومت یا کسی فرد کو دے کر اس سے بہتر منفعت کی چیز جس سے مقاصد وقف پورے ہوتے ہوں جج یا کسی مجاز اتھارٹی کی اجازت سے تبدیلی جائز اور درست ہے۔ ''كما بينته من قانون العدل

☆ جامع العلوم فرقانیہ رامپور، یوپی۔

و الإنصاف" (ص۱۶۔ مادہ ۳۵، اورص ۶۳۔ مادہ ۱۳۳)۔

مساجد اور دیگر اوقاف میں فرق ہے، اوقاف کی تبدیلی و منتقلی باجازت جج وقف کی بقاء، احیاء اور ترقی کے لئے جائز ہے، لیکن مساجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے، کیونکہ مسجد بننے کے بعد وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے چاہے شکل وصورت کچھ بھی ہو جائے، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"وعند أبي يوسف يبقى المسجد بعد خراب ماحوله مسجداً"۔

اورشامی میں ہے: "تحت قوله مثله حشيش المسجد و به علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد، وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد"۔

اس لئے مسجد کی بیع یا تبدیلی ممکن نہیں ہے، کبھی بھی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو موقع عطا فرمایا تو جن مسجدوں پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ ہو گیا ہے ان سے واگذاشت کر کے ان کو مسجد ہی بنایا جائے گا، اس لئے محکمہ اوقاف وغیرہ کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری کاغذات وغیرہ میں ان کو مسجد ہی لکھوایا جائے، البتہ ایسی مسجدیں جو ویران ہو گئیں تو ان کا سامان نکال کر دوسری حاجتمند مسجدوں میں لگایا جا سکتا ہے یا اس سامان کی قیمت دوسری مسجدوں میں خرچ کی جا سکتی ہے، شامی میں ہے:

"جزم به الإسعاف حيث قال: ولو خرب المسجد وماحوله وتفرق الناس عنه لايعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف ويباع نقضه بإذن القاضي و يصرف ثمنه إلى بعض المسجد"۔

واقف کی شرائط نص شارع کے حکم میں ہیں، لہذا ان کی مکمل پابندی کی جائے، البتہ جہاں مصارف وقف موجود نہ ہوں یا ان کی تکمیل کے بعد کچھ رقم فاضل رہتی ہے تو وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں، اور ایسے پرانے اوقاف جن کے شرائط معلوم نہ ہوں ان کی آمدنی پہلے غرباء ومساکین اور پھر دینی وملی ضروریات پر خرچ کی جا سکتی ہے۔

الف۔ دینی ادارہ یا عصری تعلیم کا مرکز جس میں دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں

ان پر مساجد کی فاضل آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی وقت مسجد کو اس فاضل رقم کی ضرورت پڑے تو پھر مسجد میں ہی خرچ کی جائے گی کسی دوسرے ادارہ کو نہیں دی جاسکتی، کیونکہ واقف نے مسجد کے لئے وقف کی ہے، چنانچہ "درمختار" وغیرہ میں ہے: "**شرط الواقف کنص الشارع**"۔

ب۔ واقف کی شرط کے خلاف بلاضرورت عمل جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کے لئے جو وقف ہے اس کو مسجد ہی پر خرچ کیا جائے، اماموں اور مسجد کے کارندوں کی تنخواہ میں ضرورت زمانہ کے اعتبار سے اضافہ کیا جائے، جس سے وہ مطمئن زندگی گذار سکیں، مسجد کی صفائی اور دیکھ ریکھ پر خرچ کیا جائے، اس کے بعد بھی اگر رقم بچے تو اہل محلّہ کے مشورہ واجازت سے یا وہ اتھارٹی جو اس کے نظم ونسق کے لئے مقرر ہو، اس کی اجازت سے یہ رقم تعلیمی اور رفاہی کاموں پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

ایسی فاضل آمدنی کا دیندار اور متقی لوگوں کی کمیٹی کے ذریعہ قاضی کی اجازت سے خرچ کرنا جائز ہے، چنانچہ فقہاء نے دیندار کو قاضی الجماعۃ سے تعبیر کیا ہے۔

الف۔ اولاً اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں صرف کرنا ضروری ہے۔

ب۔ اس کے بعد اگر رقم بچے تو دینی، علمی، ملی اور کمزور مساجد وغیرہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

جب تک وقف سے نفع حاصل ہورہا ہے اس وقت تک اس کی تبدیلی جائز نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

"والثالث أن لا یشترطه أیضا و لکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعا ونفعا وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار، کذا حرره العلامة قنالی زاده فی رسالته الموضوعة فی الاستبدال، ولکن (أقول فی هذا الزمان إن التبدیل من الأنفع یجوز ولو کان هذا غیر الأصح عند الفقهاء)" (محبوب علی عفی عنہ)۔

ایسی آمدنی کو مسلمان غرباء تعلیم، علاج، مساجد، مدارس اور نوازلات میں خرچ کیا جائے، اگر ان اوقاف کے شرائط مصارف معلوم ہوں تو ان مصارف کے انواع میں پہلے خرچ

کیا جائے۔

الف۔ بہتر صورت یہ ہے کہ بلڈر کو اس میں ملکیت کا حق نہیں دیا جائے، بلکہ اس کے نفع کے ساتھ ایک رقم طے کرلی جائے، اور تعمیر کے بعد اس کی آمدنی میں سے بلڈر کی طے شدہ رقم واپس کردی جائے، ایسا بھی معاملہ ہوسکتا ہے کہ بلڈر تعمیر کے بعد کرائے داروں سے ایک بڑی رقم علاوہ کرائے کے طے کر کے لے لیتا ہے، کرایہ مالک یا متولی وصول کرتا ہے اور بڑی رقم بلڈر لے لیتا ہے، یہ بھی اگر ممکن نہ ہو تو پھر جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے اس وقف کا کچھ حصہ بلڈر کو دے دیا جائے اور بقیہ حصہ کو وقف قرار دے کر اس کی آمدنی شرائط وقف کے مطابق خرچ کی جائے، مگر اس میں پہلے قاضی کی اجازت ضروری ہے، چنانچہ ''قانون العدل والانصاف'' میں صفحہ/ ۱۷۔ مادہ/ ۳۶ میں ہے: ''ولا تباع إلا تعذر الانتفاع بها'' اور خالی زمین کا بھی یہی حکم ہے۔

ب۔ اس سوال کا جواب اوپر مذکورہ جز میں آ گیا، نیز ''الضرورات تبیح المحظورات'' کا قاعدہ بھی جواز کو چاہتا ہے۔

جی ہاں جو زمین مسجد یا قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اس میں مدرسہ تعمیر کیا جا سکتا ہے، لیکن مدرسہ والوں سے ایک قانونی تحریر لینا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت مسجد یا قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہوگی تو یہ زمین واپس لے لی جائے گی۔

اگر وہ قبرستان وقف ہیں تو یہ قبضہ ناجائز ہے، بذریعہ عدالت اس قبضہ کو ختم کرایا جائے، اگر وہاں قبرستان کی ضرورت باقی نہیں ہے تو پھر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو اس رقم سے قبرستان بنوادیا جائے، اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو اس کے مالک کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے، جب کہ وہ میت جو اس میں دفن ہوئی ہے گل سڑ گئی ہو، ''عالمگیری'' میں ہے:

''إذا كان الميت بليا وترابا جاز عليه الزرع والبناء''۔

مسلمانوں پر خصوصاً مسلم ایم۔ایل۔اے اور ایم۔پی وغیرہ اور جو بااثر مسلمان ہیں

ان پر لازم ہے کہ وہ حکومت سے پر زور مطالبہ کریں، اور ان مساجد کو نماز کے لئے کھلوائیں، کیونکہ مساجد نماز اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور یہ وقف ہوتی ہیں، گورنمنٹ کا مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکنا ظلم ہے قرآن شریف میں ہے:

''**ومن أظلم ممن منع مساجد الله**''.......... **إلى آخره**'' (سورہ بقرہ:۱۱۴)۔

اگر چند فٹ زمین لینے سے مقاصد وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس جگہ پر قبروں کا نشان ہے تو حفاظت قبرستان اور مصارف قبرستان کے لئے دوکانیں بنانا جائز ہے اور کرائے داران سے پیشگی کرایہ لینا بھی جائز ہے۔

اور ان دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پہلے قبرستان کی دیکھ ریکھ اور تدفین کی سہولیات بڑھانے میں خرچ کی جائے، اس کے بعد جو رقم بچے وہ کار خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے، لیکن اس میں غیر محفوظ قبرستانوں کی حد بندی اور حفاظت کو اولیت دی جائے۔

اس صورت میں مسجد کی عمارت کو دو منزلہ سہ منزلہ کردیا جائے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور ضرورت ومجبوری دامن گیر ہو تو پھر پرانی قبروں کی جگہ پلر بنا کر تعمیر کردی جائے، تاکہ قبرستان کی کم سے کم جگہ تصرف میں آئے، ویران قبرستان اور زیر استعمال قبرستان میں فرق ہے، جو کھلا ہوا ہے، جدید اور قدیم قبروں کے اندر رونقی قبرستان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اوقاف مسلمین کا متولی غیر مسلم بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ عاقل بالغ اور امانت دار ہو، چنانچہ قانون العدل والانصاف صفحہ ۶۸، مادہ ۱۴۵ پر ہے:

''**يشترط لصحة التولية أن يكون القيم عاقلا بالغاً ولا يشترط الحرية ولا الإسلام، فالعبد أهل للنظر في ذاته، وكذا الذمي فتصح توليته للنظر على الوقف**''۔

اوقافی جائداد کی خرید وفروخت، احکام ومسائل

مولانا ڈاکٹر مسعود عالم قاسمی ☆

وقف کے لغوی معنی:

''الوقف في اللغة الحبس عن التصرف''۔

یعنی تصرف سے روکنے کا نام وقف ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۱۵۳)

وقف کی اصطلاحی تعریف:

وقف کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا واقف کی ملکیت میں اور نفع کا صدقہ کرنا جس کو چاہے، ''حبس العين على تلك الواقف وتصدق بالمنفعة إلى من أحب إليه''۔

صاحبین کے نزدیک وقف کہتے ہیں عین کا روکنا اللہ تعالی کی ملکیت میں اور اس کے نفع کا صدقہ کرنا جس پر واقف چاہے ''حبس العين إلى حكم ملك الله تعالى والمنفعة على وجه تعود منفعته إلى العباد'' (فتاوی ہندیہ ۲/ ۳۵۱)۔

اور ''البحر الرائق'' میں ہے: ''حبس العين إلى حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب'' (البحر الرائق ۵/ ۲۵۲)۔

وقف کے تام اور لازم ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ

☆ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی۔

فرماتے ہیں وقف دوطریقے سے تام اور لازم ہوتا ہے: (۱) قضاء قاضی کے ذریعہ، یعنی قاضی متولی مقرر کردے اور واقف اسے شئی موقوفہ دیدے۔ (۲) وصیت کے ذریعہ یعنی واقف یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میرے مرنے کے بعد مسجد کے لئے یا مدرسہ کے لئے وقف ہے۔

''ولا يلزم إلا بأحد الأمرين إما أن يحكم به القاضي أو يخرجه مخرج الوصية'' (شامی ۳/ ۳۵۸)۔

''إن الإمام لم يقل بكون الوقف جائز غيرلازم مطلقا بل هو عنده لازم إذا علقه الواقف بالموت أوقضى به القاضي'' (شامی ۳/ ۳۶۱)۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وقف اس وقت تام اور لازم ہوگا، جبکہ واقف شئی موقوفہ کو متولی کے سپرد کردے تو اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور وقف تام ہوجائے گا (ہدایہ ۲/ ۶۳۷)۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شئی موقوفہ واقف کی ملکیت سے محض قول سے نکل جاتی ہے، اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، مثلاً واقف یہ کہے کہ میں فلاں چیز مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کرتا ہوں، تو محض اس کے قول کی بنیاد پر واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، جس طرح اعتاق سے، محض غلام کو یہ کہہ دینے سے کہ میں نے تجھ کو آزاد کیا تو آزاد ہوجاتا ہے (بنایہ شرح ہدایہ ۶/ ۱۹۴)۔

امام مالکؒ وشافعیؒ اور اکثر اہل علم علماء کا قول بھی امام ابو یوسف کے مطابق ہے اور ان کے یہاں بھی قول سے وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے، اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہے۔

ارکان وقف: وقف ایسے الفاظ خاصہ کے ذریعہ ہو جو وقف پر دلالت کرے، صاحب بحر الرائق نے اس طرح کے الفاظ تقریباً ستائیس ذکر کئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۵/ ۲۰۵)۔

سبب وقف: تقرب إلى الله۔

وقف کے شرائط:

(۱) عقل اور بلوغ کا ہونا، یعنی وقف کرتے وقت واقف کا عاقل و بالغ ہونا۔ (۲) حریت، یعنی واقف کا آزاد ہونا۔ (۳) قربت فی ذاتہ کا ہونا، یعنی شی موقوفہ کو جس چیز پر وقف کیا جارہا ہو اس کا فی نفسہ باعث قربت ہونا ضروری ہے۔ (۴) وقف کرتے وقت شی موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہو۔ (۵) واقف بے عقلی اور قرض کی وجہ سے مجور نہ ہو۔ (۶) شی موقوفہ متعین ہو مجہول نہ ہو۔ (۷) منجز ہو معلق نہ ہو، یعنی اس طرح نہ کہا ہو کہ اگر میرا لڑکا آئے گا تو میرا گھر وقف ہے وغیرہ۔ (۸) واقف شی موقوفہ کو فروخت کر کے اپنے مصرف میں ثمن خرچ کرنے کی شرط نہ لگایا ہو۔ (۹) واقف نے وقف کرتے وقت خیار شرط نہ لگایا ہو۔ (۱۰) تابید یعنی شی موقوفہ کو ہمیشہ ہمیش کے لئے وقف کیا ہو۔ یہ شرط تمام ائمہ کے نزدیک ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا وقف کرتے وقت ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، فتوی بھی امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے:

"الصحیح أن التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند أبی یوسفؒ وعند محمدؒ لابد أن ینص علیہ" (شامی ۳؍۳۶۵)۔

(۱۱) واقف ایسی جہت ذکر کرے جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہ ہو۔ (۱۲) غیر منقولی اشیاء ہو جیسے زمین، گھر وغیرہ، منقولی اشیاء نہ ہو، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی اشیاء کا بھی وقف جائز ہے (فتاوی ہندیہ ۲؍۳۵۷)۔

وقف کے متعلق جوابات دینے سے قبل بطور تمہید تبادلہ فروخت کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں جن کو حضرت علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے تاکہ سوالات کے جوابات سمجھنے میں آسانی ہو۔

تبادلہ اور خرید وفروخت کی قسمیں:

شی موقوف کے تبادلہ اور خرید فروخت کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی قسم: واقف نے بوقت وقف شرط لگادی ہو کہ متولی یا میں خود اگر تبادلہ یا فروخت کی ضرورت محسوس کروں تو تبادلہ یا فروخت کرسکتا ہوں تو ایسی صورت میں شئ موقوف کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے (شامی ۳؍۳۸۷)۔

دوسری قسم: واقف نے تبادلہ کی کوئی شرط نہ لگائی ہو، نہ ہی اپنے لئے اور نہ ہی کسی غیر کے لئے، لیکن شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ پر دوسرا وقف قائم کرنا یا اس کا تبادلہ کسی دوسری شئ سے درست ہوگا، لیکن تبادلہ یا فروخت کرنے کا اختیار ہر کس وناکس کو نہیں ہوگا، بلکہ قاضی شریعت جوذی علم باعمل ہو، اور قاضی شریعت کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور ذی علم ہوں ان کی اجازت سے تبادلہ یا فروخت جائز ہوگا (شامی ۳؍۳۸۷)۔

تبادلہ وفروخت کی تیسری صورت:

واقف نے شرط نہیں لگائی اور شئ موقوف بالکل ناقابل انتفاع بھی نہیں ہے، لیکن جس شئ سے موقوف شئ کا تبادلہ کیا جارہا ہے وہ زیادہ نفع بخش ہے تو اس صورت میں امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ استبدال جائز ہے، بعض حضرات نے اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے، لیکن علامہ شامی نے صحیح اور معتمد قول یہ نقل کیا ہے کہ اس طرح کا تبادلہ جائز نہیں ہے اور خود ان کا رجحان بھی عدم جواز کی طرف ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں قاضی حضرات میں پوری دیانت داری نہیں تھی جس کی وجہ سے حیلہ بہانہ کے ذریعہ اوقاف میں خرد برد کردیا کرتے تھے، اس طرح اوقاف ضائع ہوجایا کرتے تھے، اور ہر متولی کے اندر اتنی صلاحیت بھی نہیں تھی کہ وقف کے مسئلہ کو صحیح ڈھنگ سے پیش کرسکے، اب اس وقت کے حالات کے پیش نظر امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کرنا، جیسا کہ بعض حضرات نے فتویٰ بھی نقل کیا ہے، زیادہ بہتر اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی قاضی شریعت جو ذی علم اور باعمل ہو اور قاضی کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین جو دین دار اور احوال وقف سے واقف ہو ان کی اجازت ضروری ہوگی۔

استبدال کی چوتھی صورت:

شیٔ موقوفہ کو غاصب نے غصب کرلیا اور اس پر پانی بہایا، یہاں تک کہ وہ دریا ہوگیا اور قابل زراعت نہیں رہا تو غاصب اس کے قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس سے دوسری زمین خرید کر وقف کرے (فتح القدیر ۵/ ۵۸، شامی ۳/ ۳۸۹)۔

استبدال کی پانچویں صورت:

غاصب نے زمین غصب کیا اور وہ انکار کرتا ہے اور اس پر کوئی بینہ نہیں ہے اور غاصب کچھ رقم متولی کو دیتا ہے تو متولی اس رقم سے دوسری زمین خرید لے تو اس طرح کا تبادلہ اور فروخت جائز ہے (شامی ۳/ ۳۸۹)۔

علامہ شامیؒ کے تبادلہ کی ان صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد اب فقہ اکیڈمی کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

الف۔ ایسے اوقاف جہاں سے مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکا ہو اور دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق اسے بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہو تو ایسے اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرکے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے دوسرا متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے اس کی گنجائش ہے، یہ صورت علامہ شامیؒ کے ذکر کردہ تبادلہ کی بالکل دوسری صورت ہے۔

''الثانی أن لا یشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه'' (شامی ۳/ ۳۸۷)۔

ب۔ اسی طرح ویران اوقاف کو کسی فرد یا حکومت کے حوالہ کرکے اس کے عوض دوسری

جگہ یا زمین حاصل کر کے متبادل وقف مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے ان دونوں صورتوں میں قاضی شریعت یا جماعت مسلمین کی اجازت شرط ہوگی۔

مسجد اور دوسرے اوقاف میں فرق ہے، تبادلہ یا فروخت مسجد کے علاوہ اوقاف میں کیا جا سکتا ہے، مسجد اگر چہ آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوگئی ہو، منہدم ہوگئی ہو پھر بھی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، عمارت کے منہدم ہوجانے سے مسجدیت ختم نہیں ہوگی۔

''ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتى'' (حاوی القدسی درمختار ۳۷۱/۳)۔

''عند الإمام والثانى فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوى حاوى القدسى'' (شامی ۳۷۱/۳)۔

ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت یا تبادلہ کرنے میں واقف کے مقاصد کی پابندی کرنا ضروری ہے، واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر مسلمانوں کے رفاہی یا تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، شامی میں ہے:

متى ذكره للوقف مصرفاً لابدّ أن يكون فيه تنصيص على حاجة وإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع'' (شامی ۳۷۶/۳)۔

''شرائط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم ودلالة وجوب العمل به'' (حوالہ مذکورہ)۔

اوقاف کی آمدنی دوسرے نوع کے مصارف میں صرف کرنا

مولانا اخلاق حسین قاسمی

موقوف شئ خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں دوام وثبات ہوتا ہے، وقف کی اصل حضرت ابراہیمؑ کی ذات اقدس ہے، انہوں نے بیت اللہ شریف اور خانہ کعبہ کی زمین وقف کر کے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا تھا (حاشیہ شرح وقایہ در بیان وقف) علامہ ابن ہمام نے صیغہ تمریض استعمال کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی ہے کہ ارض کعبہ اس سے قبل ہی سے موقوف تھی۔

وقف صدقات ہی کی طرح خالص اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، پھر اللہ کی جانب سے بندے اس کے مستحق ہوتے ہیں، وقف کے اندر اصل یہی ہے کہ وقف ایسی چیزوں کی ہونی چاہئے جس میں دوام ہوتا ہے اور زوال کو قبول نہیں کرتا ہے، بایں وجہ منقولی اشیاء کا وقف درست نہیں ہے، گرچہ شروط وقیود کے ساتھ منقولی اشیاء کا وقف بھی درست ہے، اب وقف کا جو بھی پہلو اختیار کیا جائے خواہ وہ غیر منقولی ہو یا منقولی ہو، ہر پہلو میں منافع للناس ہی مضمر اور پوشیدہ ہے، پھر وقف میں تملیک شرط ہے یعنی مالک بنانا، جس طرح صدقات وزکوۃ میں تملیک شرط ہے، یہ بات دیگر ہے کہ صورتوں میں قدرے اختلاف اور تفاوت ہے۔

اوقاف کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بہت سے وہ اوقاف جو مسلمانوں کی آبادی منتقل ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکے ہیں، یا وہ اوقاف جہاں بھی ہیں وہاں دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا، اس میں مساجد ومقابر خانقاہیں ہر طرح کے اوقاف ہیں، ایسے اوقاف پر

حکومت اور غیر مسلمانوں کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے۔

الف ۔ ایسی صورتوں میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد وقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے اور منشاء حدیث کے خلاف بھی نہیں ہے۔

ب ۔ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کر کے اس کے عوض کسی دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کے جاری کرنے کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے۔

ویران، ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنے کی گنجائش ہے اس شرط کے ساتھ کہ واقف کے مقاصد کی پابندی دشوار ہو کیونکہ اوقاف کا مقصد منافع للناس ہے جو ہر دو صورت میں حاصل ہے۔

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں، اور مسلمانوں کی آبادی وہاں معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت سی زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے، اس بارے میں دو باتیں پیش نظر رہے:

الف ۔ مصارف سے زیادہ آمدنی ہم جنس ہی پر صرف کیا جائے، غیر ہم جنس میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے مگر انہیں شرطوں کے ساتھ جو مذکور ہوئے، مثلاً مسجد پر جو اراضی وقف ہیں فی الحال مسجد کی ضروریات سے بہت زیادہ ہیں تو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا، دوسری قسم میں مثلاً مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم گاہ قائم کرنا اس کی اجازت حضرات فقہاء کے یہاں نہیں ملتی ہے۔

”لا یجوز تغییر المصرف مع إمکان المحافظة علیه کما لایجوز تغییر الوقف بالبیع مع إمکان الانتفاع به“ (المغنی ۵/ ۶۳۳)۔

ب ۔ واقف کے مقاصد کا لحاظ ممکن حد تک ضروری اور لازم ہے۔

''وينظر في الوقف من شرطه للواقف'' (المغنی ۵/ ۶۳۶)۔

بہت سے اوقاف کی آمدنی متعین مصارف سے بہت زیادہ ہے جو سال بسال جمع ہوکر ایک بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے جس کی طویل عرصہ تک حفاظت ایک دشوار مسئلہ، بلکہ خالی ازخطرہ نہیں یہ خطرہ حکومت کی دست درازی کا بھی ہے اور منتظمین وغیرہ کے طرف سے بھی، اور نہ ہی روزمرہ کی ضروریات کے اندر اس کے صرف کو سوچا جاسکتا ہے اور نہ ہی آئندہ اصلاح ومرمت وغیرہ کے کاموں کے لئے، ایسی صورتوں میں:

الف۔ اسی نوع کی ضروریات میں صرف کیا جائے۔

ب۔ دوسری نوع کی ضروریات میں صرف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

''لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة عليه كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به'' (المغنی ۵/ ۶۳۳)۔

بہت سے اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسے پر کوئی مکان وقف ہے جو محلّہ کے اندر واقع ہے اس سے معمولی کرایہ ملتا ہے جس سے مسجد یا مدرسہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں مگر ایک صورت میں، اور وہ یہ کہ کسی تجارتی مقام پر کوئی دوکان خرید لی جائے تو اس سے حاصل ہونیوالی آمدنی مکان موقوفہ کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہوگی۔

اس بارے میں شرعی حل یہ ہے کہ اگر دوسرے مقام پر دوکان ومکان خریدنے کے نتیجے میں آمدنی کئی گنا زیادہ ہے تو فروخت کیا جاسکتا ہے اور اگر معمولی زیادتی ہے تو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

''وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت: وكان غيره أنفع منه وأكثر ردا على أهل الوقف لم يجز بيعه؛ لأن الاصل تحريم البيع، وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع'' (المغنی ۵/ ۶۳۴)۔

باقی وہ اوقاف جن کے مصارف ختم ہوچکے ہیں مثلاً کوئی جاگیر کسی خاندان کے فقراء

کے لئے وقف کی گئی تھی، وہ ختم ہوگیا یا اس کے افراد دوسری جگہ منتقل ہو گئے، یا کسی مسجد و مدرسہ کے لئے وقف تھا اب نہ وہ مسجد ہے نہ ہی مدرسہ۔ ایسی صورتوں میں اسی جیسے مصرف میں متذکرہ اوقاف کے مصارف کو صرف کئے جائیں گے۔

''لا يجوز تغيير المصرف مع إمكان المحافظة كما لا يجوز تغيير الوقف بالبيع مع إمكان الانتفاع به'' (المغنی ۵/ ۶۳۳)۔

الف۔ صورت مسئولہ کا حل یہ ہے کہ اوقاف خالص اللہ کی ملکیت ہے کسی کو تصرف کا حق نہیں، ہاں صرف اس قدر گنجائش ہے کہ مخدوش اوقاف یا غیر تعمیر اراضی اوقاف زر کے نہ ہونے کے سبب اس کی تھوڑی مقدار فروخت کرنے کی اجازت ہے جس سے مکان یا مسجد تعمیر ہو جائے اور وقف کا مقصد انتفاع للناس پر عمل جاری ہو سکے، بلڈر کا معاملہ گویا مشتری جیسا ہوا، لہذا وقف مخدوش وغیرہ کو قابل انتفاع بنانے کے لئے بلڈر کا یہ عمل درست ہے اور ایسی موقوفہ اشیاء میں اجازت ہے۔

''أو أرض خربت وعادت مواتا ولم تمكن عمارتها أو مسجد انتقل أهل القرية عنه وصار في موضع لايصلى فيه أو ضاق بأهله ولم يمكن توسيعه إلا ببيع بعضه جاز بيع بعضه لتعمربه بقيته، وإن لم يمكن الانتفاع بشئ منه بيع جميعه'' (المغنی ۵/ ۶۳۲)۔

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے محتاج تعمیر مسجد کے لئے وقف شدہ زمین و جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے مسجد یا مخدوش دوسری عمارت کی تعمیر کی جاسکتی ہے، جبکہ دوسرے ذرائع حاصل نہ ہوں۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین ضرورت سے زائد ہے تو اسی طرح کے مصرف میں اسکول لایا جاسکتا ہے غیر جنس میں نہیں، تفصیل پانچویں سوال کے تحت گزر چکی ہے۔

وہ قبرستان جس کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان ہو رہا ہے اس بارے میں تو کچھ گفتگو ہی نہیں کیونکہ اپنے مصرف میں استعمال

ہور ہا ہے۔گفتگو اس بارے میں ہے کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی لگادی گئی ہے اور اس کی وجہ سے قبضہ اور تسلط بڑھتا جارہا ہے۔ یہاں پر دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ایک تو یہی کہ اوقاف جب خراب اور ناقابل استعمال اپنی موجودہ شکل میں نہ رہے تو اس کو فروخت کر کے کلا یا بعضاً قابل استعمال بنایا جائے، یہاں پر اگر ایسا کیا جائے کہ فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کے لئے جگہ خرید لی جائے تو یہاں دوصورت پیدا ہو تی ہے۔ایک یہ کہ لوگوں کا قبضہ، تو اس قبضہ کے بعد اس کا فروخت کرنا مشکل مسئلہ ہے، اگر آباد ہو نے والے اور قبضہ جمانے والے فروختگی پر تیار بھی ہو جائیں تو انسانی جسم حیات وممات ہر دو صورتوں میں قابل تکریم ہیں، اب سابق میں مدفون اشخاص جو زیر زمین ہیں ان کی بے حرمتی لازم آتی ہے جو درست نہیں ہے۔ایسی صورتوں میں صرف ایک صورت رہ جاتی ہے کہ ممکن کوشش کے ذریعہ عائد ہونے والی پابندی کو ختم کیا جائے، اس کے بعد بھی بات نہ بنے تو اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کی زمین خرید کر انتفاع کی صورت بنائی جائے۔

''لا يكلف الله نفسا إلا وسعها'' (سورہ بقرہ ۲۸۶)۔

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر مثلاً لال قلعہ کے اندر موتی مسجد، اورنگ آباد میں اورنگ زیبؒ کی اہلیہ محترمہ کے مزار کے اردگرد مسجد عالیشان محکمہ آثار قدیمہ کی زیرنگرانی ہیں، ایسی بعض مساجد میں حکومت نے باقاعدہ نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے۔مذہبی چیزوں میں اس طرح کا کوئی حق حکومت کو نہیں ہے، مگر اس کو حاصل کرنا بھی دشوار ہے اور خود سے فروخت کرنا بھی دشوار تر ہے، صرف ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ یا تو اس میں نماز پڑھنے کی اذن عام دی جائے، ورنہ تو اسی طرح کی مسجد دوسری جگہ بنادی جائے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے، جبکہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرادی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چندفٹ دوکانوں میں چلا جائے گا تو اس میں

کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ سب قبرستان کی حفاظت کے لئے کئے جارہے ہیں، اور یہ تو ایسی صورت ہے کہ قبرستان کے تنگ ہونے کی صورت میں توڑ بھی دیا جا سکتا ہے، اور وقف کی درستگی کے لئے دوسرے ذرائع نہ ہونے کے سبب بعض حصہ کو فروخت کیا جا سکتا ہے تو متذکرہ صورت تو بدرجہ اولی جائز اور درست ہوگی۔ باقی باؤنڈری بن جانے کے بعد دوکان کی جو فاضل آمدنی ہے وہ قبرستان ہی کے مصارف میں خرچ کئے جاویں گے اور اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان پر صرف کیا جائے گا، تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

آج کل بعض بڑے شہروں میں مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہیں کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جو ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ تدفین کے لئے آنے والوں کے لئے بنائی گئی ہو کہ وہ وہاں نماز ادا کرسکیں۔ اب اس علاقہ میں آبادی بڑھ گئی ہے اور قبرستان میں بھی تدفین کا سلسلہ جاری ہے باقی آبادی کے بڑھ جانے کے نتیجے میں مسجد قبرستان کے توسیع کا جو مسئلہ ہے وہ اس لئے درست نہیں کہ ظاہر حال بتا رہا ہے کہ قبرستان کی زمین میں مسجد ہے۔ ہاں اگر صورتحال سے معلوم ہوجائے کہ اتنی سی زمین مسجد ہی کے لئے وقف ہے تو تنگی کے پیش آنے کی بنا پر مسجد کی زمین کو فروخت کردیا جائے یا اسکو علی حالہ باقی رہنے دیا جائے اور دوسری جگہ دوسری مسجد بنانے کی سبیل نکالی جائے اور عام طور پر جہاں کہیں قبرستان کے اندر نماز پڑھنے کی جگہ متعین کردی جاتی ہے وہ مسجد ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا حکم دار الصلوۃ کا ہوتا ہے۔

اوقاف کی تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری نہیں، اس لئے ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں، ہندو واقف ہونے کے باعث ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے، چنانچہ ''فتاوی ہندیہ'' (۳۱۵/۲) میں اس بارے میں صراحت ہے کہ واقف کے لئے اسلام کے ساتھ متصف ہونا ضروری نہیں تو متولی ہونے کے لئے بدرجہ اولی ضروری نہیں۔

اوقاف میں واقف کے مقاصد کی پابندی

مولانا شمس پیرزادہؒ ☆

الف ۔ کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے؟

یہ اوقاف جب مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ویران ہو چکے ہیں تو ان کو قائم رکھنے کی کوئی وجہ نہیں، ان اوقاف کی زمینوں کی فروخت سے جو آمدنی ہو اس سے دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کر دینا چاہئے ،اس سلسلہ میں واقف کے مقاصد کا خیال رکھنا ضروری ہے الا یہ کہ کوئی مقصد غیر شرعی ہو۔

ب ۔ کیا ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟

مساجد کا تقدس اور حرمت سب سے بڑھ کر ہے،قبرستان اور مقبروں کو مساجد کے مقام پر نہیں رکھا جا سکتا۔ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوتی ہے،لیکن قبرستان اور مقبرے ایک مدت گزرنے کے بعد ضرورتاً ختم کئے جا سکتے ہیں۔ ایسا کرنے میں شریعت کا کوئی حکم مانع نہیں ہے۔

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی مقصد خلاف شرع ہو، ایسی صورت میں کوئی جائز صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔

الف ۔ ایسی صورت میں زائد اراضی پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے کیونکہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ کا ہونا ایک معروف بات ہے اسکے لئے واقف

☆ ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی۔

کی طرف سے صراحت کی ضرورت نہیں۔

مغنی میں ہے: "وما فضل من حصر المسجد وزيته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد آخر أو يتصدق من ذلك على فقراء جيرانه وغيرهم" (مغنی ۶۳۵/۵)۔

مسجد کی چٹائیوں اور تیل میں جو بچ گیا اور اس کی ضرورت نہیں رہی اس کو دوسری مسجد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، یا قریب کے فقراء وغیرہ پر صدقہ کیا جا سکتا ہے۔

اور فقہ السنہ میں علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"وما فضل من ريع الوقف واستغنى عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف في مسجد آخر؛ لأن الوقف غرضه في الجنس والجنس واحد" (فقہ السنۃ السید سابق ۵۲۹/۳)۔

(وقف کی آمدنی سے جو بچ گیا اور اس کو خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہی اسے اس جیسی دوسری چیز پر صرف کیا جا سکتا ہے، مثلاً مسجد کہ اگر اسکے وقف کی آمدنی اسکے مصالح پر خرچ کرنے کے بعد بچ جاتی ہے تو اسے دوسری مسجد پر صرف کیا جا سکتا ہے، کیونکہ واقف کا مقصد جنس پر صرف کرنے سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے)۔

ب۔ جو چیز مسجد کے لئے وقف کی گئی اس کی آمدنی مسجد ہی پر صرف ہونی چاہئے الا یہ کہ مسجد کے احاطہ میں مدرسہ ہو جیسا کہ معروف ہے۔ فاضل آمدنی کو کسی دوسری مسجد پر صرف کرنا چاہئے، اور اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو البتہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے)۔

الف۔ جی ہاں بالکل جائز ہوگا۔ کیونکہ واقف کا اصل منشاء جنس سے ہے اور اس صورت میں جنس ایک ہی رہتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو فاضل آمدنی کا کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔

ب۔ واقف نے جس مقصد کے لئے وقف کیا ہے اس سے ملتا جلتا مقصد اگر پورا کیا جاسکتا ہوتو اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہوتو پھر اسے دیگر ملی، دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

ایسی صورت میں مکان فروخت کر کے دوکان خرید لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ موجودہ آمدنی وقف کے لئے ناکافی ہورہی ہے۔لیکن یہ صورت اختیار کرنے سے پہلے اس بات کی طرف سے اچھی طرح اطمینان کرلینا ضروری ہے کہ دوکان مستقل طور سے وقف رہے گی۔

ایسے اوقاف کی آمدنی کو ان سے ملتے جلتے مقاصد پر صرف کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک مسجد کی آمدنی کو دوسری مسجد پر اور ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ پر تا کہ وقف کا اصل مقصد پورا ہو۔

الف۔ اوقاف کے مقاصد کو ممکن حد تک پورا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ مخدوش عمارتوں کو اگر ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ڈھیر ہوجائیں گی اور اوقاف کا زبردست نقصان ہوگا۔ اس نقصان سے بچانے کے لئے بلڈر کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کہ وہ اپنے خرچہ پر عمارت تعمیر کردے اور اس کے ایک دو منزل اپنے لئے رکھ لے جائز ہوسکتا ہے۔

ب۔ جی ہاں اس صورت میں جائز ہوگا۔

جی ہاں کی جاسکتی ہے۔ اور مسجد کے احاطہ میں بالعموم مدرسہ ہوتا ہی ہے اس لئے اس معروف شکل کا جواز واضح ہے۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال قبرستان کے طور پر نہ ہورہا ہو اور اس پر ناجائز قبضہ کا خطرہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

اس صورت میں قبروں کو ڈھا دینا ہوگا اور زمین کو فروخت کر کے اسکے بدل کے طور پر مسلمانوں کی آبادی میں جہاں ضرورت ہو نیا قبرستان بنانا ہوگا یا اس رقم کو دوسرے قبرستانوں کی مرمت وغیرہ پر صرف کرنا ہوگا۔

اگر مسجد مخدوش ہے اور اس کی وجہ سے حکومت نے اس کا استعمال روک دیا ہے تو اور بات ہے، ورنہ حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قدیم مساجد میں نماز کی ادائیگی سے مسلمانوں کو روک دے۔

قبرستان میں جن کے مردے دفن ہوتے ہیں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ فنڈ جمع کر کے قبرستان کے لئے باونڈری بنادیں اور یہ کام کسی وقف کی فاضل آمدنی سے بشرطیکہ وہ واقف کے مقصد کے خلاف نہ ہو کیا جاسکتا ہے۔

قبرستان تو آخرت کو یاد دلانے والی جگہ ہے اور دوکانیں دنیا کو یاد دلانے والی، اس لئے قبرستان کے احاطہ میں دوکانوں کی تعمیر کسی طرح صحیح نہیں۔

قبرستان کی مسجد کی توسیع کا حکم:

زمین اصلاً قبرستان کے لئے وقف ہے اس لئے اس میں کمی کرنا کسی طرح مناسب نہیں، البتہ مسجد پر منزلیں چڑھائی جاسکتی ہیں۔

نہیں، غیر مسلموں کی تولیت میں مساجد وغیرہ اوقاف کا رہنا ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

''ماكان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر'' (توبہ ؍ ۱۷)۔

(مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجد کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں)۔

وقف جائداد کے تبادلہ کا حکم اور آمدنی کا مصرف

مفتی شیر علی گجراتی ☆

الف۔ ایسی صورت میں ایسے اوقاف کو باستثناء مسجد فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے، جو اسی جنس کا ہو۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''قوله وجاز شرط الاستبدال به اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا، والثاني: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية، بأن لايحصل منه شئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، والثالث: أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته الموضوعة في الاستبدال الخ'' (شامی ۶/ ۵۸۳)۔

صاحب ''البحر الرائق'' فرماتے ہیں:

''نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولايحتاج إليه لتفرق الناس عنه انه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر'' (۵/ ۲۵۴)۔

☆ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

''شروط الاستبدال: إذا كان الوقف عقارا غير مسجد فالمعتمد أنه يجوز للقاضي الاستبدال به للضرورة بلا شرط الواقف بشروط ستة:

١۔ أن يخرج الموقوف على الانتفاع به بالكلية اى يصبح عديم المنفعة

٢۔ ألا يكون هناک ريع للوقف يعمر به۔

٣۔ ألا يكون البيع بغبن فاحش۔

٤۔ أن يكون المستبدل قاضی الجنة،وهو ذو العلم والعمل لئلا يؤدى الاستبدال إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب فى الزمن الاخير۔

٥۔ أن يستبدل به عقار لا دراهم و دنانير لئلا يأكلها النظار ولأنه قل أن يشترى بها الناظر بدلا وجاز بعضهم الاستبدال به نقودا مادام المستبدل قاضی الجنة۔

٦۔ أن لا يبيعه القاضی لمن لا تقبل شهادته له ولا لمن له عليه دين خشية التهمة و المحاباة فإذا لم تتوافر هذه الشروط كان بيع الوقف باطلا لا فاسدا وإذا صح بيع الحاكم بطل وقفيته ما باعه ويبقى الباقی على ما كان (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ٨/ ٢٢١، ٢٢٢)۔

مذکورہ بالا شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے فروخت کرنے کی اجازت ہے اور متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ جواب نمبر اول میں ذکر کردہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کیا جاسکتا ہے۔

''وفی القنية مبادلة دارالوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا فی

محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا، إن أرض الوقف لوقل ريعها فللقيم أن يبيعها و يشتري بثمنها أرضا أخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء، فجوز استبدال الأرض بالأرض" (بزازیہ ہامش علی ہندیہ ٦/ ٢٥٤)۔

اور مسجد میں کسی طرح تبدیلی جائز نہیں ہے۔

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة، وبه يفتي حاوي القدسي" (شامی ٦/ ٥٤٨)۔

وقف کے بعد مصرف بدلنا خود واقف کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اس لئے ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہئے، وقف کے احکام بہت نازک ہیں، واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہے۔ "شرط الواقف كنص الشارع"۔

"(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحد هما وجاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيئ واحد وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا (لا) يجوز ذلک أی الصرف المذکور" (شامی ٤/ ٣٦٠ مطبوعہ کراچی)۔

اس لئے ان اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

الف۔ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لیکن فقہاء کرام یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر ایک مسجد کا سامان بیکار پڑا ہوا اور ضیاع کا اندیشہ ہو تو اقرب المساجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔

"(حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما) وكذا (الرباط

والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه)" (شامی ۴؍۳۵۹)۔

اور ساتھ ساتھ حضرت علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کا سامان اگر استعمال سے زائد ہو تو اسی مسجد میں جو مدرسہ یا مکتب ہو تو اس مسجد کا سامان اس مکتب ومدرسہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے موجودہ دور میں اسی مسجد ومدرسہ کے متولی اور کمیٹی والے دوسری جگہ جہاں ضرورت ہو مسجد ومدرسہ کی آمدنی سے وہی مسجد ومدرسہ اپنے زیر نگرانی قائم کرسکتے ہیں اور وہ مدرسہ ومکتب اسی مسجد کے لوازمات میں ہوں گے، یہ بندہ کی رائے ہے۔

ب۔ جب ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو پھر رفاہی کاموں میں کیسے استعمال کی جاسکتی ہے۔

الف، ب۔ ایک وقف میں استغناء کے وقت اسکے مماثل دوسرے ضرورت مند اوقاف میں خرچ کرسکتے ہیں "الأقرب فالأقرب" کی رعایت کرتے ہوئے۔

"حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أوحوض إليه، لف ونشر مرتب وظاهره أنه لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی مطبوعہ کراچی ۴؍۳۵۹)۔

متولی وقف بسبب وجوہ مذکور فی السوال ایسا کرسکتا ہے بشرطیکہ یہ تبدیلی انفع ہو اور کسی خطرہ کا اندیشہ نہ ہو۔

"وفي الأشباه أيضا: يتعين الافتاء في الوقف بالأنفع له كما له في شرح المجمع و حاوي القدسي"۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''وفی القنیة مبادلة دار الوقف بدار أخری إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخری خیرا وبالعکس لا یجوز'' (۳۸۶/۴ مطبوعہ کراچی)، ''إن أرض الوقف لو قل ریعها فللقیم أن یبیعها ویشتری بثمنها أرضا أخری ریعها أکثر نفعا للفقراء، فجوز الاستبدال الأرض بالأرض'' (بزازیہ الہامش علی الہندیہ ۲۵۴/۶)۔

جو جائیداد وغیرہ کسی خاص خاندان پر وقف ہو اور وہ خاندان ختم ہو چکا ہو تو اس جائیداد کی آمدنی دوسرے فقراء پر جو ختم ہونے والے خاندان سے رشتہ میں قریب ہوں ان پر خرچ کیا جائے، اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں آمدنی منتقل ہونے والے خاندان ہی کو پہونچایا جائے گا، اور مسجد و مدرسہ کے ختم ہونے کی صورت میں موقوفہ جائیداد کی آمدنی اقرب المساجد والمدارس جو محتاج ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

الف۔ وقف جائیداد کا کل یا بعض حصہ ختم کرنا جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور کے جواز کی صورت یہ ہے کہ بلڈر سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ یہ مخدوش مکان کو ازسر نو تعمیر کرنے میں آپ کا کتنا خرچ ہوگا، جتنا خرچ ہوگا اسکو ہم جتنی نقد رقم موجود ہے وہ ادا کردیں گے اور بقیہ رقم اس مکان کے کرایہ سے آپ وصول کرتے رہیں گے جب آپ اپنی خرچ کردہ رقم وصول کرلیں تو آپ اس مکان سے دست بردار ہو جائیں گے، یا کوئی صاحب خیر قرض حسن کے طور پر اس بلڈر کی طے شدہ کل رقم ادا کردے اور بعد میں وہ اس بلڈنگ کے کرایہ سے رقم وصول کرلیں۔ یا اس بلڈنگ کو قرض دینے والے کو اتنی مدت تک کے لئے کرایہ پر دیدے جس میں اپنا قرض وصول کرلیں بشرط اعتماد ''لأن استبقاء الوقف واجب ولا یبقی إلا بالعمارة'' (بدائع الصنائع ۲۲۱/۶)۔

ب۔ وقف شدہ زمین و جائیداد کو فروخت کر کے اسی وقف کے لئے نئے مکانات تعمیر کرنا اور مخدوش حال مکانات کی تعمیر کرنا، نیز اسی طرح مسجد پر وقف شدہ زمین و جائیداد فروخت

کرنا مسجد کی مرمت کے لئے جائز نہیں ہے، فقہاء کرام کی عبارتوں سے جیسے صاحب بزازیہ (۲۷۱/۶) کی عبارت: "بیع عقار المسجد لمصلحته لا یجوز وإن باع بأمر القاضي وإن باع بعضه لإصلاح باقیه لخراب کله جاز" اس سے اگر چہ صورت مذکورہ میں فروخت کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلامی حکومت تھی اور قضاۃ و منتظمین میں دیانتداری غالب تھی اور قاضی کے پاس وسیع اختیارات تھے، جب کہ موجودہ دور میں ان چیزوں کا فقدان ہونے کی وجہ سے فروخت کی اجازت دینا ضرر سے خالی نہیں، اور پھر تو اوقاف کے فروخت ہونے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا میرے خیال میں اس کی اجازت نہ ہونی چاہئے اور مسائل کا یہ جملہ کہ تعمیر اوقاف کے بعض حصے کو فروخت کئے بغیر تعمیر ممکن نہیں یہ بات میرے نزدیک غیر مسلم ہے، اس لئے کہ اصحاب خیر بہت ہیں جو مساجد وغیرہ کی تعمیر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔

آئندہ کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے ضرورت سے زائد زمین پر مدرسہ قائم کرنا جائز ہے کیونکہ اسمیں نمازیوں کی کثرت ذکر اللہ، تعلیم کے ساتھ ساتھ مسجد قبرستان کی حفاظت بھی ہے اور تعامل بھی اسی پر چلا آ رہا ہے، جیسے مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ منبع العلوم گلاوٹی بلندشہر، وغیرہ یہ سارے مدارس قدیم قبرستانوں کی اراضی میں قائم ہیں۔

ایسے قبرستان کی زمین میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ بہت سی مساجد اور مدارس پرانے قبرستانوں میں تعمیر کئے جا چکے ہیں نیز قدیم مقبروں میں مساجد و مدارس بنانے کا تعامل امت میں چلا آ رہا ہے اور کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا خود حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں ہیں، جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے انکی اراضی خالی پڑی ہیں، لیکن ان مسلمانوں کی ملکیت باقی ہو تو ان زمینوں کو بطور قبرستان استعمال کرنے کے لئے انکی اجازت ضروری ہے۔ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

اگر قبرستان میں عمل تدفین جاری ہو تو قبرستان کی حفاظت کے لئے کنارے پر دوکانیں اسی صورت میں بنائی جاسکتی ہیں، جبکہ قبرستان اتنا وسیع ہو کہ جس جگہ پر دوکانیں بنائی جارہی ہوں نہ تو اس جگہ کی فی الحال عمل تدفین کے لئے ضرورت ہو نہ آئندہ اس کی ضرورت کی توقع ہو۔

اولاً باؤنڈری بنانے کی کوشش کی جائے، خود مسلمان آپس میں چندہ کر کے یا اصحاب خیر کی طرف رجوع کر کے ان کو اس کار خیر کی طرف متوجہ کیا جائے، اور اگر اس طرح بھی ممکن نہ ہو سکے تو پھر دفن اموات کے جاری ہونے کی صورت میں وہ زمین جس میں نہ فی الحال تدفین ہورہی ہو اور نہ آئندہ متوقع ہو دوکانوں کو تعمیر کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ قبرستان ہی کی ملک ہے، اور فاضل آمدنی کو محتاج اقرب المقابر پر صرف کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: "(ومثله) حشيش المسجد و حصيره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ، قال الشامي: لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض و عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی ۴/۳۵۹)۔

حتی الامکان قبرستان کے باہر کہیں قریب میں مسجد کے لئے زمین حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو قدیم قبرستان کی زمین مسجد میں اس شرط کے ساتھ شامل کی جاسکتی ہے کہ آئندہ تدفین کے لئے زمین تنگ نہ ہونے پائے اور جدید قبروں کا احترام بہر حال ضروری ہے۔

"فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين" (عمدۃ القاری ۴/۱۷۹)۔

(مساجد و مقابر اور ایسے ہی اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے اوقاف کا غیر مسلم ادارہ کی تولیت میں ہونا مالی حیثیت تک تو جائز ہے)۔

''ویشترط للصحة بلوغه وعقله... ولا تشترط الحریة والإسلام'' (البحر الرائق ۲۲۶/۵)۔

''ویشترط للصحة بلوغه وعقله لا حریته وإسلامه... ولو كان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا لأهلیته فی ذاته بدلیل أن تصرفه الموقوف لحق المولی ینفذ علیه بعد العتق لزوال المانع بخلاف الصبی، ثم الذمی فی الحكم كالعبد'' (شامی ۴/۵۷۹)۔

فقہ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ تولیت کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے تو جب ابتداً مسلمان ہونا شرط نہیں تو بقاء بقاعدہ ''البقاء أسهل من الابتداء'' بدرجہ اولیٰ شرط نہ ہوگا، لیکن جہاں تک مسجد اور مدرسہ کے داخلی اور مذہبی امور میں نظم ونسق کا تعلق ہے مثلاً امام ومؤذن، مدرس اور اسی طرح نصاب تعلیم مقرر کرنا اس کی تولیت غیر مسلم ادارہ کے تحت رکھنا جائز نہیں ہے یہ تو صرف مسلمان ہی کرسکتا ہے۔

''إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر...'' (سورہ التوبۃ: ۱۸)۔

مسجد کی اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

الف، ب۔ وقف کے سلسلے میں مسئلہ معروف ہے کہ:

"الوقف لا یباع ولا یوھب ولا یورث" (ہدایہ ۸/ ۶۱۷)۔

پنجاب وہریانہ ودہلی ومغربی (یوپی) کے بھی مسجد وغیر مسجد جملہ اوقاف کی نسبت اس پر ہی عمل مناسب ہے، اس وقت جبکہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان متولیوں اور ٹرسٹیوں کی طرف سے ان کا دیانتدارنہ انتظام بھی نہیں ہو پا رہا ہے۔ ان میں خرد برد عام اور مالی بدعنوانیاں اس کے نظام کا حصہ بن چکی ہیں، ان حالات میں ان کی فروخت اور منتقلی دوسرے لفظوں میں ان اوقاف کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مخصوص حالات میں یہ اوقاف مسائل سے گھرے ہوئے ہیں، لیکن ان کی فروخت ان کے مسائل کا کسی طرح حل نہیں ہے۔ بحمد اللہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی ہونا شروع ہوگئی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پوری امت کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ میں ان کے لئے الگ متحرک (Cell) بنایا جائے اور مسلمانوں کی تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور قوموں کے پروگراموں کا یہ لازمی حصہ بنیں۔ خلاصہ یہ کہ فروخت اور منتقلی کے بجائے ملت اسلامیہ ہند یہ ان کی حفاظت پر کمربستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہوجانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید فروخت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں

☆ ادارہ علم وادب علی گڑھ۔

کیا جا سکتا، الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

ب۔ مسجد کے لئے وقف اراضی کی آمدنی کو تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا، متعلقہ مسجد سے زائد ہونے پر اسے قریب کی مستحق مساجد پر صرف کیا جائے۔

الف، ب۔ ہاں ایسے اوقاف کی زائد آمدنی کو الف و ب میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

وقف مکان کو فروخت کر کے دوکان خرید نے کے بجائے اسی مکان کو دو منزلہ سہ منزلہ کر دیا جائے اور کرایہ بڑھا کر آمدنی بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

جاگیر اگر فقراء کے لئے وقف تھی تو دیگر مسلمان فقراء و مساکین پر، اور اگر مسجد و مدرسہ پر وقف تھی تو دیگر مدارس اور مساجد پر اس کی آمدنی کو صرف کیا جائے۔میکانزم باہمی مشورہ سے طے کیا جائے۔

الف۔ اوقاف کی کسی عمارت یا اس کی کسی زمین کا کوئی حصہ کسی طور پر دینا درست نہیں۔پھیلے ہوئے اوقاف کی زائد آمدنی سے مخدوش عمارت کی مرمت اور خالی زمین سے انتفاع کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

ب۔وقف جائداد کا کوئی حصہ فروخت کر کے ایسا کوئی کام نہیں کیا جائے۔یہ سارے کام اوقاف کی زائد آمدنی سے ہوں۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، ہاں ان کے لئے تعمیر شدہ عمارت مدرسہ کو کرائے پر دی جاسکتی ہے۔

غیر آباد قبرستان کی حفاظت کو قریب اور وہ کفایت نہ کرے، تو اس سے قریب کی مسلمان آبادی یقینی بنائے۔قبرستان کا ہر حال میں آبادی کے اندر آ جانا مسئلہ نہیں ہے۔یہاں علی گڈھ میں سول لائن علاقہ میں ایسے کئی قبرستان ہیں ان کی حفاظت کو مستحکم کیا جائے۔قلب شہر یا کسی نازک مسئلہ پیش آ جانے کی صورت میں جب کہ اس کی حفاظت بالکل ناممکن ہو وہاں

دوکانیں بنواکر کے اس کی آمدنی کو عامۃ المسلمین کے لئے وقف کردیا جائے۔

ایسی مساجد میں حکومت کی لگی پابندی کو مسلمانوں کو ختم کرانے کی کوشش کرنی چاہئے، البتہ حکمت، تدبر اور صبر وتحمل کے رشتے کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے۔

ہاں یہ درست ہے، اس طرح قبرستان کے اطراف دوکانیں بنوائی جاسکتی ہیں۔

قبرستان کی مسجد میں توسیع نہ کی جائے اور قبروں سے تعرض نہ کیا جائے۔ آبادی کی مسجد کی ضرورت کو دوسرے ذریعہ سے حل کیا جائے۔

ہاں۔ ایسے اوقاف غیر مسلم کی تولیت میں رہ سکتے ہیں۔ مساجد میں غیر مسلموں کی اس درجہ شرکت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اوقاف کی آمدنی کے مصارف اور استعمال

مفتی شکیل احمد سیتاپوری ☆

الف، ب۔ جو اوقاف ویران ہو چکے ہیں اور وہاں سے مسلمان منتقل ہو گئے ہیں یا جن پر حکومت یا غیر مسلموں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے یا جہاں واقف کے مقاصد کی تحصیل تقریباً ناممکن ہوگئی ہے، ان اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد کا خیال رکھتے ہوئے مسلمانوں کی آبادی میں متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے، نیز تفصیل مذکور کے مطابق اراضی کا اراضی سے تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

واقف کے مقاصد کی پابندی ضروری ہے، تعلیمی یا رفاہی ادارے نہیں قائم کئے جا سکتے۔

”شرط الواقف کنص الشارع اتفق الفقهاء علی هذه العبارة“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/۱۷۸)، (فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وقف کرنے والے کے شرائط نص شارع کی طرح قابل رعایت ہیں)۔

الف، ب۔ ”وما فضل من حصر المسجد و زیته ولم یحتج إلیه جاز أن یجعل فی مسجد آخر أو یتصدق من ذلک علی فقراء جیرانه وغیرهم، و أری أنه قد احتج بکسوة البیت إذا انخرقت تصدق بها“ (المغنی ۵/۶۳۵)۔

(مسجد کی چٹائیاں اور اس کا تیل اگر ضرورت سے زائد ہو تو دوسری مسجد میں صرف کیا

☆ لکھنؤ۔

جا سکتا ہے، یا فقراء پر صدقہ کردیا جائے، جیسا کہ خانہ کعبہ کا پردہ جب بوسیدہ ہوجاتا ہے تو اس کو صدقہ کردیا جاتا ہے۔

مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں نہیں صرف کی جاسکتی۔

الف۔ ایسی جمع شدہ زائد آمدنی اسی نوع کے دوسرے اوقاف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

ب۔ دیگر ملی ودینی، علمی کاموں اور مساجد میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے، یہ سب امور قاضی یا شرعی کمیٹی کی اجازت سے انجام دیئے جائیں۔

مساجد ومدارس اور اوقاف کی آمدنی عصری تعلیم پر خرچ کرنا

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

الف ۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی شی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہوجائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنادی گئی اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف اور مسجد بن چکی، جائداد منقولہ جو کہ مسجد کی ملک ہے وہ اس بارے میں مسجد کے حکم میں نہیں، جب مسجد غیر آباد ہوجائے اور کوئی توقع اس کی آبادی کی نہ رہے اور اس جائداد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی بیع درست ہے، اور ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ بعینہ اس جائداد کو کسی قریبی مسجد میں صرف کیا جائے، اگر یہ دشوار ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے، اور غیر آباد مسجد کا احترام باقی رکھنے کے لئے اگر اس کی چہار دیواری نہ ہو تو اس کا احاطہ بنایا جائے، جو جائداد غیر منقولہ زمین وغیرہ مسجد کے لئے خریدی گئی، مسجد کے غیر آباد ہونے یا ضرورت شدیدہ پیش آنے کے وقت اس کی بیع اہل محلہ کی رائے سے درست ہے، اور جو جائداد غیر منقولہ خود واقف نے وقف کی ہے اس کی بیع درست نہیں، بلکہ مسجد کے غیر آباد ہونے کی صورت میں اس جائداد کی آمدنی کو دوسری قریبی مسجد پر اہل محلہ کی رائے سے صرف کرنا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۹/۶)۔

اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے، لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں، سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں، اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے،

☆　ناظم جامعہ خیر العلوم، بھوپال۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہوجائے تو اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۷۴۳)۔

ب۔ جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس زمین کے رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہوجائے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ کی بستی آباد رہے یا ویران ہوجائے، ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچادی جائے گی، لہذا صورت مسئولہ میں حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کردیا جائے کہ بے ادبی سے مصئون ومحفوظ رہے۔ اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اسے دوسری مسجد کے لئے ہٹا لیا جائے، اگر عمارت توڑ دیئے جانے کا یقین ہوتو اسے بھی توڑ کر دوسری مسجد کے لئے رکھ لیا جائے، اور اصل جگہ محصور کرلی جائے تا کہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے (رحیمیہ ۲/ ۱۸۳)، بحالت مجبوری اس کو منظور کیا جاسکتا ہے کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوادے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۹)۔

جس کام کے لئے واقف نے وہ قطعہ زمین وقف کیا ہے اسکے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں، اور کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کرے یا منتقل کرے۔

"نص الواقف کنص الشارع" (فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۱۰)۔

الف، ب۔ جس وقف کی وہ آمدنی ہے اس کا وقف نامہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ واقف نے کس کس کام میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ایک مسجد کے لئے مخصوص طور پر جو وقف ہو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں، لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے، "ھکذا یفھم مما فی البحر الرائق" (۵/ ۲۱۵)۔ دنیوی تعلیم مصالح مسجد میں سے نہیں اس میں خرچ کرنا درست نہیں دینی تعلیم خواہ قرآن کریم کی تعلیم ہو، خواہ مسائل شرعیہ کی تعلیم ہو اور پھر چاہے عربی

زبان میں ہو چاہے اردو میں چاہے گجراتی میں سب کا حکم ایک ہے (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۸۶)۔

الف۔ اگر مسجد کی آمدنی کا روپیہ زیادہ صرف کم، اور اتنا روپیہ ہر وقت موجود رہتا ہے کہ ضرورت شکست وریخت وغیرہ بسہولت پوری ہو سکے اور روپیہ جمع رہنے میں خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس روپے سے مسجد کے لئے جائداد، دوکانیں، زمین وغیرہ خرید لی جائیں، اگر اس میں دشواری ہو یا روپیہ جائداد خریدنے کے بعد بھی زائد بچ رہے تو پھر اسی مسجد میں دینی مدرسہ قائم کرلیا جائے، تاکہ مسجد کی آبادی میں ترقی ہو کیونکہ آبادی کو ترقی دینا مسجد کی بڑی مصلحت ہے، اگر یہ بھی دشوار ہو تو قرب مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے (محمودیہ ۱/۵۰۹)۔

ب۔ مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے، ایک وقف کے روپے دوسرے وقف میں استعمال کرنا جائز نہیں، ممنوع ہیں، درمختار میں ہے:

''وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلک أی الصرف المذکور''۔

(دو شخص علیحدہ علیحدہ مسجد بنائے یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے جدا جدا وقف کئے تو قاضی کو حق نہیں کہ ایک کے وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے) (درمختار مع الشامی)۔

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجتمند وقفوں میں امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں واقف کی شرط کے مطابق، یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اسکے مطابق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو، وقف کو اچھی طرح سے جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر رہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت فی الحال نہیں اور دوسرا وقف ضرورتمند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔

''أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة

للمال فللقاضی أن یصرف فی ذلک لکن علی وجه القرض، فیکون دیناً فی مال الفئ''(فتاوی عالمگیری)۔

اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپئے اس طرح زائد ہوں کہ نہ انکی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یونہی جمع رہیں تو ضائع ہوجائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہوجائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے ضرورتمند اوقاف کو زائد روپئے امداد کے طور پر (بلاقرض) دینا جائز ہوجائے گا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورتمند مدرسہ کو دی جائے۔

یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد اور فاضل رقم سے مسجد سے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کرسکتے ہیں (رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔

مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا ناجائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۸۵/۲)۔

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے۔ایسی حالت میں اس کو فروخت کردیا جائے تو درست بلکہ قابل تحسین ہے، خاص کر جب کہ نو خرید کردہ مکان سے آمدنی نسبتۃً زیادہ ہوگی (فتاوی محمودیہ ۱۶۲/۱۴)۔

''و أما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکه إلا القاضی وشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۳/ ۳۸۸)۔

موقوف علیہ اگر خاص خاندان ہو اور وہ ختم ہوجائے تو اس وقف کو دیگر فقراء کو دیا

جائے گا، اسی طرح جس مسجد ومدرسہ کے لئے جائداد وقف ہو اس کے ختم ہونے کی صورت میں اس کے ہم جنس قریبی مماثل پر صرف کیا جائے گا۔

"قال الشامي علم من هذا أن منقطع الأول ومنقطع الأوسط يصرف إلى الفقراء" (شامی ۴/ ۴۱۴) أن الموقوف عليه إذا خرب يصرف وقفه إلى مجانسه فتصرف أوقاف المسجد إلى مسجد آخر وأوقاف الحوض إلى حوض آخر" (شامی ۴/ ۴۱۵)۔

الف ۔ وقفیہ مخدوش عمارت کو اپنے مصارف سے تعمیر کرنے کے لئے بلڈر سے طے کرنا کہ چند منزلہ عمارت بنا کر دینے پر ایک یا دو منزل اس کے تصرف میں دی جائے گی بقیہ وقفیہ مصارف کے لئے رہے گی تو شرعاً اس معاملہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

"كما هو مستفاد من عبارة الشامي أن مستأجر أرض الوقف إذا بنى فيها ثم زادت أجرة المثل زيادة فاحشة، فأما أن تكون الزيادة بسبب العمارة والبناء أو بسبب زيادة أجرة الأرض في نفسها ففي الأول لا تلزمه الزيادة؛ لأنها أجرة عمارته و بنائه وهذا لو كانت العمارة ملكة، أما لو كانت للوقف كما لو بنى بأمر الناظر ليرجع على الوقف تلزمه الزيادة ولهذا قيد بالمحتكرة، وفي الثاني تلزمه الزيادة أيضا" (شامی ۴/ ۳۹۱)۔

ب ۔ وقف شدہ مخدوش عمارت یا وقفیہ زمین اور محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے قرض مل سکتا ہو تو قرض لیکر تعمیر کی جائے۔

"والعمارة لابد منها فيستدين بأمر القاضي" (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۲۴)۔

اور قرض کا انتظام نہ ہو سکے تو اس وقفیہ جائداد کا کچھ حصہ کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی سے تعمیر کی جاسکتی ہے۔

"إن الخان لو احتاج إلى المرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق عليه وفي

روایة یؤذن للناس بالنزول سنة ویؤجر سنة أخری ویرمّ من أجرته وقال الناطفی القیاس فی المسجد أن یجوز إجارة سطحه لمرمته والظاهر أن حکم عمارة أوقاف المسجد والحوض والبئر وأمثالها حکم الوقف علی الفقراء" (شامی ۳/۳۸۳)۔

کرایہ یاقرض وغیرہ کسی طرح سے تعمیر ممکن نہ ہوتو قاضی یا حاکم کی اجازت سے ایسے ناقابل استعمال اوقاف کو مفید اور کارآمد بنانے کے لئے ان کے بعض حصے کو فروخت کرکے تعمیر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، لہذا اس کی اجازت دی جائے گی۔

''سئل عن وقف انهدم ولم یکن له شئ یعمر منه ولا أمکن إجارته ولا تعمیره هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا کان الأمر کذلک صح بیعه بأمر الحاکم ویشتری بثمنه وقف مکانه، فإذا لم یمکن رده إلی ورثة الواقف إن وجدوا وإلا یصرف للفقراء" (شامی ۳/ ۳۸۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر بنی ہوئی بوسیدہ عمارت کے نکلے ہوئے ٹوٹے سامان کو فروخت کیا جائے گا اور مسجد کی اصل جگہ کو محصور کرکے محفوظ کردیا جائے گا اور دیگر زمین اور اوقاف کی جائداد کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔

''لأنهم صرحوا باستبدال الوقف إذا خرب وصار لاینتفع به وهو شامل للأرض والدار قال هشام: سمعت محمدا یقول: الوقف إذا صار بحیث لاینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه ویشتری بثمنه غیره ولیس ذلک إلا للقاضی" (شامی ۳/۳۸۳)۔

مسجد کی آبادی کے لئے مدرسہ قائم کرنا مصالح مسجد میں ہے لہذا شرعا مسجد میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہے۔قبرستان کی جگہ اگرضرورت سے زائد ہے اور بیکار رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی اس پر غلط تصرف کرے جس سے وقف ہی ضائع ہوجائے گا تو اس میں دینی مدرسہ کی تعمیر کرنا

درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۱۴۸)۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادیاں ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہ ہورہا ہو، یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا اس کی وجہ سے اب اسکے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کردی گئی تو ان قبرستان کو چہار دیواری سے محصور ومحفوظ کردیا جائے۔ ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

اگر جانوروں سے حفاظت مقصود ہو یا یہ کہ اندیشہ ہو کہ بغیر احاطہ کے اس کی زمین دوسروں کے قبضہ میں چلی جاوے گی تو اس کی چہار دیواری بنالینا درست، بلکہ بہتر ہے یہ اسراف اور تبذیر نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۱۴)۔

تاریخی مساجد میں نماز ادا کرنے سے محکمہ آثار قدیمہ کا مسلمانوں کو روکنا بہت بڑا ظلم ہے، حکومت کو شرعاً وقانوناً مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں۔

''وكما كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه به يفتى قال في البحر وإنما كره؛ لأنه يشبه المنع من الصلاة، قال تعالى: "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه'' (شامی ۱/ ۶۶۱)۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے صرف باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اسکے اطراف میں جہاں قبریں نئی نہ ہوں دوکانوں کی تعمیر کرنا جائز ہے۔

''قال الزيلعي: إن الميت إذا بلى وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۷۱)۔

پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر اس سے قبرستان کے اطراف میں اندرونی قبروں کی حفاظت کے لئے دکانیں بنانا جائز ہے۔

قبرستان قدیم اور ضرورت سے زائد ہو کہ اب اسمیں مردے دفن نہ کئے جاتے ہوں اور پہلے دفن شدہ مردے مٹی بن گئے ہوں تو اسمیں مسجد بنانا جائز ہے۔ فتاوی محمودیہ میں ہے: وہاں

مسجد بنانا شرعاً درست ہے بشرطیکہ دفن موتی کے لئے اس جگہ کی حاجت نہ ہو، اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں بلکہ درمیان میں دیوار حائل کردی جائے۔

''لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد'' (فتاوی محمودیہ ۱/۴۸۷)۔

ہندو راجاؤں کی طرف سے کئے ہوئے اوقاف سے فائدہ حاصل کرنے اور ہندو وقف بورڈ کے ماتحت ان اوقاف کے رہنے سے کوئی مضائقہ نہیں، ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے: کتنی ہی ہندو ریاستیں ہیں جہاں ان راجاؤں نے مسلمان رعایا کے لئے مسجدیں بنوا رکھی ہیں جن میں بغیر نکیر صدیوں سے نماز ہوتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خانہ کعبہ خود کفار کا تعمیر کیا ہوا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ نے نماز ادا فرمائی، اور زمانہ فتوحات میں آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس کی تعمیر کو تعمیر کفار ہونے کی وجہ سے بدلوانے کی ضرورت نہیں سمجھی (فتاوی محمودیہ ۱۰/۱۸۹)۔

دور حاضر میں جب مسلم وقف بورڈ ایکٹ کے تحت ہر ریاست میں قائم ہے تو اس کو ایسے اوقاف اپنے زیر تصرف لے لینا چاہئے یا ہندو وقف بورڈ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مسلم اوقاف مسلم وقف بورڈ کے سپرد کردے۔ غیر مسلم ادارہ مقاصد وقف اور احکام شریعت کو پوری طرح انجام نہیں دے سکتا، لہٰذا اس کے ماتحت مسلم اوقاف کا رہنا مناسب نہیں۔

مساجد کی فاضل آمدنی دوسرے مصرف میں صرف کرنا

مولانا ایوب ندوی ☆

الف، ب۔ یہ بندے کے نزدیک جائز ہے۔

جس مقصد کے لئے واقف نے وقف کیا ہو اس کی پابندی ضروری ہے۔

الف۔ ان اراضی کو دینی تعلیم کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی جائے، بصورت دیگر عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ اگر موقوف علیہ مسجد کے ماتحت کوئی تعلیمی ادارہ ہو تو اس مسجد کی آمدنی کو اس تعلیمی ادارہ پر خرچ کر سکتے ہیں، اگر موقوف علیہ مسجد کو آمدنی کی بالکل ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد پر اس آمدنی کو خرچ کرنا چاہئے۔

الف۔ جائز ہے۔

ب۔ اس نوع کے اوقاف نہ ہوں یا انہیں ضرورت نہ ہو تو اس نوع سے قریبی نوع میں اس کی آمدنی خرچ کر سکتے ہیں۔

جائز نہیں۔

اس آمدنی کے حقدار واقف کے غریب رشتہ دار ہوں گے چاہے عصبہ ہوں یا ذوی الارحام، اگر وہ بھی مفقود ہوں تو اس آمدنی کو مصالح مسلمین پر خرچ کیا جائے گا۔

جائز ہے۔

☆ جامعہ اسلامیہ بھٹکل۔

صورت مسئولہ میرے نزدیک جائز ہے۔

ان قبرستانوں پر باغبانی کی جائے اور اس کی آمدنی دیگر قبرستانوں پر خرچ کی جائے۔

حکومت کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اگر قبرستان ضرورت سے زائد ہو تو جائز ہے۔

مسجد سے متصل جگہ پر سلیب ڈال کر تہ خانے میں قبرستان جوں کا توں رہنے دیا جائے اور اوپر مسجد بنالی جائے تو جائز ہے۔

اگر غیر مسلم میں امانت داری اور صلاحیت نظم ونسق پائی جائے تو غیر مسلم کی تولیت درست ہے۔

واقف کے منشاء کی رعایت کا دائرہ

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی ☆

الف، ب۔ وہ اوقاف جن سے واقف کے مقاصد بروئے کار لانا ناقابل عمل امر ہو ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کیا جا سکتا ہے۔

اگر مسجد غیر آباد مقام پر ہے اس کا حکم بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے ورنہ غیر مسلم حاوی ہوجائیں گے، اور ایسے ویران ناقابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کر دیئے جائیں۔

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ مسجد سے تعلیمی یا رفاہی کام لئے جا سکتے ہیں۔

الف، ب۔ اوقاف کی فاضل آمدنی دیگر ملی، دینی، علمی اور مساجد وغیرہ کے سلسلہ میں صرف کرنا درست ہے۔

کم منفعت بخش اوقاف فروخت کر کے موقوفہ کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ منفعت کے لئے جو دینی کاموں میں صرف کرنے کے بعد ضروری ہیں اس سلسلہ میں دوسری شکل زیادہ آمدنی کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے۔

☆ میسور، کرناٹک۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی قومی ورفاہی کاموں کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

الف، ب۔مخدوش عمارت موقوفہ کو ڈھاکر آمدنی میں اضافہ کے لئے مقررہ وقت تک حوالہ کیا جاسکتا ہے، طویل مدت کے لئے ہرگز دی نہیں جاسکتی۔

ضرورت سے زائد مسجد وقبرستان کی آمدنی ہوتو کارخیر کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔

آبادی میں داخل شدہ قبرستان سے انتفاع باقی رکھنے کے لئے ملی کارخیر کے لئے استعمال کرنے کی جائز صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

تاریخی مساجد میں نماز سے روکنا حکومت کو ہرگز حق نہیں ہے جب کہ مندروں میں پوجاپاٹ کی اجازت دی جارہی ہے، یہ عدل کے خلاف ہے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے احاطہ بندی کے طور پر چندفٹ جگہ پر دوکانیں بنا کر اس کی حفاظت کرنا آج کل بہت ضروری ہے اس کی آمدنی مصارف خیر میں لگائی جاسکتی ہے۔

ضرورت پر مسجد کی توسیع کے لئے ویران وزیر استعمال قبرستان کی جگہ استعمال کی جا سکتی ہے۔

غیر مسلموں کی موقوفہ کی ادارت میں مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد اسلامی آزادی کے ساتھ تولیت درست ہے۔

مخدوش اوقاف اور واقف کے مقاصد

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی ☆

الف ۔ مذکورہ حالات میں ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے متبادل وقف قائم کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے ۔

ب ۔ بالکل اختیار کی جاسکتی ہے ۔

ایک مقولہ یا اصول ہے " عبارۃ الواقف کنص الشارع"وقف کرنے والے کی عبارت شارع کے نص کی طرح ہے، اس کے مفہوم میں وجوب اور قدامت شامل کر کے بعد کے لوگوں نے اوقاف سے متعلق بڑا جامد رویہ اپنایا ہے، حالانکہ اس کا مفہوم جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے تحریر کیا ہے یہ ہے کہ وقف کرنے والے کی عبارت اپنے مفہوم کی دلالت میں ویسے ہی ہے جیسے شارع کی نص اپنے مفہوم کے سلسلہ میں قطعی ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقف کی عبارت اپنے وجوب میں شارع کے نص کی طرح ہوتی ہے، اگر ایسا مفہوم لیا جائے تو ایک عام شخص کو شارع قرار دینے کے ہم معنی ہوگا، اس لئے ویران اور نا قابل استعمال اوقاف کو فروخت کر کے اگر مصلحت متقاضی ہو تو اس کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے تعلیمی و رفاہی ادارے قائم کرنے میں حرج نہیں معلوم ہوتا، اس سے واقف کے ثواب میں اضافہ ہی ہوگا، اس لئے کہ پہلی شکل میں اس سے منفعت موقوف ہوگئی تھی جس سے اس کا ثواب بھی موقوف ہوسکتا ہے ۔

الف ۔ عہد نبوی میں مسجد تعلیم گاہ بھی رہی ہے، اس لئے مسجد پر وقف اراضی جو مسجد کی

☆ شاہ عبد العزیز یونیورسٹی جدہ ۔

ضروریات سے زائد ہے مسلمانوں کے لئے دینی وعصری (نہ کہ دینی یا عصری) تعلیم کا ادارہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

ب۔ اگر مسجد کی آمدنی اس کے اپنے اخراجات سے بہت فاضل ہے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوسری مساجد پر خرچ کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو کسی مکاتب کے لئے رقم جمع کرنے پر ابھارا جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جمع ہوگئی تو اس کو آپؓ نے دوسرے مکاتبین پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ البتہ اگر اسی طرح کا مصرف موجود نہ ہو تو خیر وثواب کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جاسکتا ہے، اور اگر تعلیمی ورفاہی مقاصد زیادہ توجہ کے طالب ہوں تو ان کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

الف۔ مذکورہ صورتحال میں فاضل آمدنی کو بلاشبہ اسی نوع کے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ب۔ اور اگر ان سے زیادہ فوری توجہ کے مستحق ملی، دینی وعلمی کام یا مساجد ہوں تو ان پر بھی خرچ کرنے میں حرج نہیں محسوس ہوتا، کسوۂ کعبہ بھی وقف ہوتا ہے مگر حضرت عمرؓ اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے اور بعد کے ادوار میں بھی اس پر عمل رہا، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی موقوف شئی کے ضائع یا بیکار جانے کا اندیشہ ہو تو اسے دوسری حاجات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

اگر موقوفہ جائداد بصورت موجودہ نفع بخش نہ رہی ہو یا جس کی منفعت بہت گھٹ گئی ہو تو اس کو اس سے بہتر جائداد میں بدلنا جائز ہوگا کیونکہ قدیم شکل میں باقی رکھنے کی صورت میں واقف کا مقصد اچھی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں ان کی آمدنی اسی نوعیت کے دوسرے مصارف پر خرچ کی جاسکتی ہے، مثلاً کوئی جائداد کسی مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف تھی اور اب نہ وہ مسجد ہے نہ مدرسہ تو دوسری مساجد یا مدارس پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

الف۔ موقوفہ عمارتیں جو بوسیدہ اور مخدوش حالات میں پڑی ہوئی ہیں انہیں گرا کر،

اور اسی طرح وہ موقوفہ خالی زمینیں جن سے انتفاع کی کوئی صورت نہ ہو ان پر ایسی نئی عمارتوں کی تعمیر جس سے ان اوقاف کی آمدنی اور استعمال بڑھ جائے اور وہ اپنے مقاصد کو بطریق احسن پورا کرسکیں نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہوگا، بہتر ہوگا کہ اس کے لئے فنڈ کی کوئی صورت پیدا کی جائے ،مثلاً چندے اور عطیات یا قرض کے ذریعہ، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایسے بلڈرز سے معاہدہ کیا جا سکتا ہے جو اپنے سرمایہ سے اسے تعمیر کرے، مگر اس عمارت کے کچھ حصوں کو اس کی مستقل ملکیت میں دینے کے بجائے اس کے دھیرے دھیرے انخلاء کا معاہدہ ہو، اسلامی معاشیات کے کچھ ماہرین نے اسی طرح کے مشورے دیئے ہیں اور بعض اسلامی ملکوں میں اس کا تجربہ بھی ہو رہا ہے۔

ب۔ جب وقف کی حفاظت ممکن نہ ہو تو پورے کو فروخت کر کے اس کا متبادل قائم کیا جاسکتا ہے، تو اگر اس کے کسی چھوٹے سے حصے کو نکالنے سے بقیہ بڑا حصہ محفوظ و کارآمد ہو جائے تو اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

کسی واقف کے پیش نظر تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

ا۔ جائداد کو وہ جوں کا توں رکھنا چاہتا ہے، اپنے بعد اس کے حصے کے ذریعہ اس کا ٹنا اسے پسند نہیں ہے، اس مقصد کے پیچھے جائداد کی محبت ہے جو کوئی محمود و مستحسن مقصد نہیں ہے بلکہ قانون وراثت کی خلاف ورزی ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد جس غرض کے لئے وقف کر رہا ہے اس کی حفاظت ہے۔

۳۔ اور تیسرا مقصد جو بنیادی اور اصل محرک ہونا چاہئے وہ ثواب اور صدقہ جاریہ ہے۔

موخر الذکر دونوں مقاصد ہی کے لئے وقف مشروع ہوا ہے، اب اگر جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ پوری ہو رہی ہے تو زائد از ضرورت زمین پر مدرسہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، واقف کا دوسرا مقصد تو پورا ہی ہو رہا ہے تیسرے مقصد یعنی ثواب میں اس سے کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ ہی ہوگا، انشاء اللہ، ہاں مسجد وقبرستان کی آئندہ توسیع کی ضرورت نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

جو قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے اور اس میں تدفین پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور جس پر آس پاس کے لوگوں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے اس کی حفاظت کے لئے پہلی فرصت میں باؤنڈری بنانے کی سعی وتدبیر ہونی چاہئے کہ فی الحال قبضہ رک جائے اور جب قبریں مٹ مٹا جائیں تو اس سے انتفاع کے لئے کوئی ملی، دینی وعلمی ادارہ قائم کر دیا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس زمین کو دوسروں کے قبضہ کے لئے چھوڑ دیا جائے یا اسے ناپسندیدہ عناصر اپنا اڈا بنائیں۔

''**ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه**'' (سورہ بقرہ: ۱۱۴)۔

محکمہ آثار قدیمہ اس طرح کی مساجد کی مرمت ونگہداشت اپنے ذمہ لے سکتا ہے، مگر نماز سے روکنے کا اسے ہرگز حق نہیں ہے۔

بہتر ہوگا کہ جن کے مردے وہاں دفن ہوتے ہیں ان سے خصوصاً اور عام مسلمانوں سے عموماً چندے اور عطیات حاصل کر کے اس کی باؤنڈری کرادی جائے، لیکن یہ نہ ہو سکے اور حفاظت کا مسئلہ سنگین ہو جائے تو مذکورہ صورت اپنائی جاسکتی ہے۔

کوئی حرج نہیں محسوس ہوتا، مسجد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی تعمیر وتوسیع میں نہ جانے کتنی قبریں آ گئی ہیں، قبریں اگر ویران ہوں یا ویران ہو جانے دیں تو زیادہ اچھا ہے کہ کوئی جھجھک باقی نہ رہے۔

''**ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر**'' (سورہ توبہ: ۱۷)۔

غیر مسلم ادارہ کی تولیت سے اس طرح کے اوقاف کو نکالنے کی جد وجہد ہونی چاہئے، مگر جب تک یہ نہیں ہو پاتا اس سے استفادہ کو روا نہیں کرسکتے۔

ویران اوقاف کی جگہ متبادل اوقاف کا قیام

مفتی عبداللطیف پالنپوری ☆

الف ۔ اوقاف کے سلسلے میں اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے یا وقف کے تحفظ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر نفس وقف ہی کے باطل ہوجانے کا مظنہ ہو تو مجبوراً دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کرلیا جائے یا اسے فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو متبادل وقف قائم کیا جائے۔

''اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه: الأول أن یشرطه الواقف لنفسه أو لغیره أو لنفسه وغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل: اتفاقا، والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلا أولا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه، والثالث أن لا یشرطه أیضا، ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار کذا حرره العلامة قنالی زاده'' (شامی ۳/ ۳۸۷، فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۸۸، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۴۷)۔

ب ۔ وقف کے احکام بہت نازک ہیں واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے، لہذا جن صورتوں میں شریعت نے ویران اور ناقابل استعمال

☆ استاذ جامعہ نذیریہ کاکوسی۔

اوقاف کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے ان صورتوں میں مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں ضرورت ہو متبادل وقف قائم کرنا چاہئے۔ واقف کے مقاصد کی پابندی کئے بغیر ان اوقاف کی قیمت سے مسلمانوں کے تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

''فإذا تم ولزم لایملک ولایملّک ولایعار ولا یرھن (درمختار) (قوله لایملک) أی لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیکه الخارج عن ملکه ولا یعار ولا یرھن لاقتضاء ھما الملک درر و یستثنی من عدم تملیکه مالواشترط الواقف استبداله'' (شامی ۳/۳۶۷)۔

''وإن اختلف أحدھما بأن بنی رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف علیھما أوقافا لا یجوز له ذلک (درمختار) (قوله لا یجوز له ذلک) أی الصرف المذکور'' (شامی ۳/۳۷۲، احسن الفتاوی ۶/۴۲۲، فتاوی محمودیہ ۱۸/۱۸۶)۔

الف۔ مسجد کی وقف اراضی میں چاہے وہ مسجد کی ضروریات سے زائد ہوں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے کہ مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اسکو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں، یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کیا جائے کہ زمین مسجد کی ہو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کر دیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۹۵، فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۲۰، احسن الفتاوی ۶/ ۴۲۲)۔

ب۔ جب ایک مسجد کی آمدنی بلا مجبوری دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے کیسے استعمال کی جا سکتی ہے (فتاوی رحیمیہ

۲/ ۱۸۵، فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۱۶۶) فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء، قيل: لا يصرف، وأنه صحيح ولكن يشترى به مستغلا للمسجد" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)۔

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں بوقت ضرورت زائد آمدنی کو دوسرے نیک کام میں استعمال کرنے کے لئے لکھا ہو تو شرط کے مطابق دوسرے وقف وغیرہ نیک کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے ورنہ نا جائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۴)

الف، ب۔ اگر وقف اس قدر مالدار ہو کہ اس مال کی اسکو نہ فی الحال ضرورت ہو نہ آئندہ، اور اگر دوسرے نیک کام میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ مال ضائع ہو جائے گا یعنی نا جائز استعمال ہوگا اور واقف کا مقصد پورا نہ ہوگا تو ایسے وقف میں سے قریبی ضرورت مند وقف کو بطور امداد مفت دینا جائز ہے، صورت مذکورہ میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجت مند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورت مند مدرسہ میں استعمال کی جائے۔

"ومثله ...حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه (درمختار) (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی ۳/ ۳۷۱، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۷، امداد الفتاوی ۲/ ۶۱۳ تا ۶۱۵)۔

جو زمین یا مکان کسی مسجد یا مدرسہ پر وقف ہے، آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کو فروخت کر کے کسی تجارتی مقام پر دوسرا مکان یا زمین خریدنا تاکہ وقف کی آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے۔

"والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه

وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به، فينبغي أن لا يجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه، لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان۔ أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق والصواب" (شامی ۳/۳۸۹، فتاوی محمودیہ ۱۵/۳۱۹)۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہوں تو ان اوقاف کی آمدنی ان کے ہم جنس قریبی مصارف میں خرچ کرنی چاہئے۔

"(قوله إلى أقرب مسجد أو رباط) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (شامی ۳/۳۷۱)۔

الف۔ اوقاف کی وہ عمارتیں جو مخدوش حالت میں ہیں ان کی تعمیر اوقاف کی آمدنی، یعنی کرایہ سے ہونی چاہئے، ان عمارتوں کے بعض حصہ کو فروخت کر کے تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

"وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمَّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلك" (فتاوی ہندیہ ۲/۴۱۷)۔

الا یہ کہ وقف کی عمارت ایسی ہو کہ اس سے انتفاع بالکلیہ ختم ہو گیا ہو اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے، نیز کرایہ پر دے کر بھی اس کی تعمیر نہ ہو سکتی ہو تو فقہاء نے ایسے وقف کو بیچ کر اس کے بدلے میں دوسرے وقف کو خریدنے کی اجازت دی ہے۔

"وفي المنتقى قال هشام : سمعت محمدا يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره وليس ذلك إلا للقاضي، وأما عود الوقف بعد خرابه إلى ملك الواقف أو ورثته فقد قدمنا ضعفه فالحاصل أن الموقوف عليه السكنى إذا امتنع من العمارة ولم

يؤجد مستأجر باعها القاضي واشترى بثمنها مايكون وقفا الخ" (شامی ۳/ ۳۸۲)۔

ب۔ "وفي الفتاوى النسفية سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال: لا يجوز بأمر القاضي وغيره كذا في الذخيرة" (فتاوی ہندیہ ۲/ ۴۶۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکور صورت بھی جائز نہیں ہے، وقف کی آمدنی ہی سے تعمیر ہونی چاہئے۔ اگر وقف سے انتفاع بالکلیہ ختم ہوگیا ہو تو اس کا استبدال جائز ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے جو زمین وقف ہے اور وہ ضرورت سے زائد ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں ہے۔ بوقت ضرورت کرایہ والی صورت اختیار کی جاسکتی ہے جس کی تفصیل دوسرے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۳۳، فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۲۰)۔

اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکی ہو اور اب وہاں تدفین بند ہوگئی ہے اور قبرستان بند ہونے کی وجہ سے، نیز خالی پڑا رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کر لیگا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرنا جائز ہے۔

"ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه" (شامی ۱/ ۵۹۹) "فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم رحمه الله تعالى: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك؛ لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد" (عمدۃ القاری ۴/ ۱۷۹ نقلا عن احسن الفتاوی ۶/ ۴۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۱۲)۔

حکومت کو اس طرح کا کوئی حق نہیں ہے کہ مساجد کو آثار قدیمہ میں داخل کر کے نماز کی ادائیگی پر پابندی لگائے، ایسی مساجد کو حکومت کے قبضہ سے واگذار کرانا ازالہ منکر کا ایک جز ہے، اور اس کا مدار قدرت پر ہے، اگر کسی کو اس پر قدرت ہے تو اس پر واجب ہے، اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے (امداد الفتاویٰ ۶۳۱/۲)۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے، جبکہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کر کے پیشگی کرایہ لینا اور اس کے ذریعہ باؤنڈری کا انتظام کرنا جائز ہے، اس کا خیال رہے کہ قبرستان کی چند فٹ جگہ جو دوکانوں کی تعمیر میں لی جائے اس میں کوئی تازہ قبر نہ ہو، نیز بعد میں فاضل آمدنی کو ایسی قبرستان کی ضرورت کے لئے محفوظ رکھا جائے اور اگر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو کسی دوسرے قریبی قبرستان کی حفاظت میں صرف کیا جائے۔

''ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ'' (شامی ۵۹۹/۱)۔

قبرستان میں تدفین کا سلسلہ موقوف ہوجانے کی وجہ سے قبرستان ویران ہو چکا ہو، نیز قبریں اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو تو ایسے قبرستان میں مسجد کی توسیع جائز ہے (احسن الفتاویٰ ۴۱۳/۶، فتاویٰ رحیمیہ ۸۴/۶)۔

اور اگر قبرستان میں تدفین جاری ہو اور تدفین کے لئے اس قبرستان کی ضرورت ہو تو اس میں مسجد کی توسیع جائز نہیں ہے۔ **"لأن نص الواقف کنص الشارع"**۔

اصل یہ ہے کہ مساجد، مقابر اور اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آنے والے تمام اوقاف مسلمانوں ہی کی تولیت میں ہوں اور مسلمان ہی اس کے تمام نظم ونسق کو انجام دیں، لیکن اگر یہ اوقاف زمانہ قدیم سے ہندوؤں کی تولیت میں چلے آرہے ہوں، اور اب ان اوقاف کو ان کی تولیت سے نکالنا ممکن نہ ہو، بلکہ ان اوقاف کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو بدرجہ مجبوری اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاویٰ محمودیہ ۳۰۲/۱۵)۔

اوقاف کی آمدنی مدارس ومساجد میں صرف کرنا

مولانا عبدالقیوم پالنپوری ☆

الف، ب۔ جس جگہ مساجد قائم ہیں پھر ان کی عمارت رہے یا نہ رہے، اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو، اس کے پاس سے مسلمانوں کی آبادی بالکل ختم ہوجائے یا باقی رہے وہ جگہ جمہور کے راجح مذہب کے موافق قیامت تک مسجد کے حکم میں رہے گی، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو دینا جائز نہیں، لہٰذا جن علاقوں میں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہیں اور وہاں کی مساجد پر غیر مسلموں یا حکومت کا قبضہ بڑھتا جارہا ہو، ایسی مساجد کو حتی الامکان (قبضہ چھڑواکر) اپنی حالت پر برقرار رکھنے اور محفوظ کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے، اور ان کے سامان کے چوری ہوجانے کا خطرہ ہو تو یا عمارت توڑ دئے جانے کا یقین ہو تو اسے توڑ کر دوسری ضرورت مند قریب کی مساجد میں صرف کرنا چاہئے، اور ان کی اصل جگہوں کو محفوظ کرلی جائے کہ بے حرمتی نہ ہو۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جس جگہ مسجد قائم ہے اور جس رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اس کی عمارت قائم رہے یا نہ رہے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، اس جگہ بستی آباد رہے یا ویران ہوجائے ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی، دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی، بلکہ جنت میں پہنچادی جائے گی، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "**قد ذهب الأرضون كلها يوم القيامة إلا المساجد، فإنها ينضم بعضها إلى بعض**" یعنی قیامت کے روز ساری زمینیں فنا ہوجائیں گی، سوائے مساجد

☆ استاذ جامعہ نذیریہ کاکوسی۔

کے کہ وہ آپس میں مل جائیں گی (جامع صغیر سیوطی ۱؍۱۰۹)۔

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة (وبه يفتى)" (درمختار)۔

یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہوجائے اور مسجد کی کوئی حاجت باقی نہ رہے تب بھی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوی ہے۔

شامی میں ہے:

"فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى (ايضاً فيه) ولو خرب المسجد و ما حوله و تفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف، فيباع نقضه بإذن القاضي و يصرف ثمنه إلى بعض المساجد الخ (ايضاً فيه) قال في البحر: وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد و على قول أبي يوسف في تأبيد المسجد....الخ. والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير بخلاف أنقاضه لما قدمناه عنه قريباً من أن الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثا و لا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر" (۵۱۳/۳)۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جن مقامات کو مسلمان مساجد کی طرح وقف کر کے شرعی مسجد بنالیتے ہیں، جمہور فقہاء (امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف وغیرہ) کے نزدیک اس قسم کی جگہوں کا حکم یہ ہے کہ وہ مکان اب قیامت تک کے لئے مسجد بن گیا، اس کو کسی صورت میں بھی بیچنا جائز نہیں... چنانچہ مسلک شافعی کے امام خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں: "ولو انهدم مسجد و تعذرت إعادته أو تعطل بخراب

البلد مثلا لم یعد ملکا و لم یبع بحال...." (مغنی المحتاج ۲/ ۳۹۲)، اور فقہاء مالکیہ میں سے علامہ مواق تحریر فرماتے ہیں: "وفی الطرر عن ابن عبدالغفور لایجوز بیع مواضع المساجد الخربة؛ لأنها وقف ولا بأس ببیع نقضها" طرر میں ابن عبدالغفور سے یہ عبارت منقول ہے کہ ویران مساجد کی جگہوں کو بیچنا وقف ہونے کی بنا پر جائز نہیں، البتہ ان کا ملبہ بیچنا جائز ہے (التاج الاکلیل للمواق حاشیہ حطاب ۶/ ۴۲، فقہی مقالات ۱/ ۲۴۰-۲۴۵)۔

مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف (مدارس، خانقاہیں، قبرستان یا ان پر اور مسجد پر وقف اراضی و مکانات) کو بھی جہاں تک ممکن ہو قانونی طور سے ان کی حفاظت کی کوشش کی جائے، اور اگر ان کی حفاظت کی کوئی صورت نہ ہو اور دوسروں کے غلط قبضہ کا یقین ہو تو ان اوقاف کا زمین یا قیمت لے کر یا دونوں لے کر تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے۔

الف، ب۔ مسجد پر وقف اراضی کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ، تو مسجد کی آبادی کی غرض سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ جاری کیا جائے اس آمدنی سے تو جائز ہے، اور اس سے بھی آمدنی بچ جائے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قریب کی پھر بعید کی علی الترتیب دیگر مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اس آمدنی کو مسجد سے غیر متعلق دینی مدرسہ میں خرچ کرنا یا اس رقم سے عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا یا رفاہی کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، "فتاوی محمودیہ" میں ہے: لیکن مسجد کی آبادی کے لئے مسجد سے متعلق مدرسہ دینی قائم کرنا شرعاً درست ہے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہے (محمودیہ، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۵)۔ مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج اور اسکول میں پڑھنے والے) طلبہ کو بطور امداد دینا جائز ہے (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۵)۔

الف، ب۔ اسی نوع کے قریب کے پھر بعید کے علی الترتیب اوقاف پر خرچ کرنا جائز ہے، ان اوقاف کی آمدنی کو خلاف جنس پر علمی، ملی کاموں یا مساجد میں خرچ کرنا درست نہیں ہے، اگر اسی جنس کے اوقاف میں صرف کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر مساجد، مدارس دینیہ وغیرہ

کے مواقع میں صرف کرنا درست ہوگا (کذا فی فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۲۵۱)۔

کسی مسجد ومدرسہ پر موقوفہ مکان یا زمین جس کی آمدنی کم ہو، اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خریدنا جس سے آمدنی زیادہ ہو جائز نہیں ہے، البتہ موقوف مکان بالکل قابل انتفاع نہ ہو تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسرا مکان یا دوکان خرید کر وقف کر دینا جائز ہے، جیسا کہ ''رد المحتار'' میں ہے:

''والمعتمد انه (الاستبدال) بلا شرط الواقف يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية الخ (۴/ ۵۳۷) وفيه أيضاً: وفي الفتح والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف عليهم، فينبغي أن لا يختلف فيه وإن كان لا لذلک، بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به، فينبغي أن لايجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه، لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل تبقيه كما كان (أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب) الخ كلام البيري'' (رد المحتار ۳/ ۵۳۹)۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں، مثلاً کوئی جاگیر کسی خاص خاندان کے فقراء پر وقف تھی اور اب وہ خاندان دوسری جگہ منتقل ہو گیا ہو تو بھی اس کی آمدنی اسی خاندان کے فقراء پر صرف کی جائے، اور اگر وہ خاندان ختم ہو گیا ہے تو اس کی جنس یعنی دوسرے فقراء مسلمین اور مدارس کے طلبہ پر اس کی آمدنی صرف کی جائے، اور اگر وہ اوقاف کسی مسجد پر وقف تھے اور اب وہ مسجد باقی نہیں رہی اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہو تو ان اوقاف کی آمدنی سے اسی مسجد کی جگہ پر مسجد تعمیر کر کے آباد کیا جائے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان کی آمدنی سے اولاً اس مسجد کی جگہ کو چہار دیواری وغیرہ بنا کر محفوظ کر لی جائے، تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور غلط قبضہ کسی کا نہ ہو،

اور بقیہ آمدنی قریب پھر بعید کی مساجد کی ضروریات میں صرف کی جائے، اسی طرح جو اوقاف کسی مدرسہ پر وقف تھے اور اب وہ مدرسہ نہیں رہا اور وہاں مسلمانوں کی آبادی ہے تو اس جگہ از سرِ نو مدرسہ قائم کیا جائے اس آمدنی سے، اور اگر وہاں مسلم آبادی نہیں ہے تو ان اوقاف کی آمدنی قریب کے مدارس ومکاتیب دینیہ کی ضرورتوں میں صرف کی جاوے۔

''کما مر عن شرح الملتقی یصرف وقفها إلی أقرب مجانس لها'' (شامی ۵۱۳/۳) ''حاصله أن ما خرب تصرف أوقافه إلی مجانسه'' (رد المحتار ۵۷۴/۳)۔

الف۔ اوقاف کی مخدوش عمارتیں یا خالی زمین کی کچھ بھی آمدنی ہوتی ہو تو مذکور فی السوال معاملہ بلڈر سے کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ علامہ بیری کے نقل کردہ نمبر (۴) عبارت سے معلوم ہوا:

''لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة.... إذ لا تجب الزیادة بل تبقیه کما کان'' (شامی ۵۳۹/۳)۔

اگر اوقاف کی مخدوش عمارتیں یا خالی زمین بالکل قابل انتفاع نہیں رہی ہے اور وقف کی آمدنی سے اس کو قابل انتفاع بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے تو کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرنا کہ عمارت ڈھا کر یا خالی زمین پر اپنے صرفہ سے چند منزلہ عمارت بنائے گا اور اس کی ایک یا دو منزل اس کی ہوگی اور بقیہ منازل وقف کی ہوگی درست ہے، البتہ معاملہ کے وقت وقف کے زیادہ فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ منازل سے ایک دو زائد کی تعمیر کی شرط کی جائے اور بلڈر کے لئے اوپر والی منزل طے کی جائے، عالمگیری میں ہے:

''علو وقف انهدم ولیس له من الغلة ما یمکن عمارة العلو بطل الوقف وعاد حق البناء إلی الواقف إن کان حیا وإلی ورثته إن کان میتا کذا فی المحیط'' (۳۶۰/۲) وکذلک وقف صحیح .... خرب ولا ینتفع به وهو

بعيد عن القرية لا يرغب أحد في عمارته ولا يستأجر أصله يبطل الوقف ويجوز بيعه وإن كان أصله يستأجر بشئ قليل يبقى أصله وقفاً كذا في فتاوى قاضي خان، وهذا الجواب صحيح على قول محمدؒ، فأما عند أبي يوسف ففيه نظر الخ'' (عالمگیری ۲/ ۴۶۵)، ''وكذا يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه، حاوي القدسي'' (الدر المختار ۳/ ۵۵۵ مع رد المحتار)۔

ب۔ وقف زمین یا جائداد کی آمدنی اگر چہ قلیل ہو اس کے کسی حصہ کو محتاج تعمیر مسجد کے لئے یا خالی زمین پر عمارت یا مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے بیچنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ واقف نے وقف کے وقت ان ضرورتوں کے لئے بیچنے کی اجازت دی ہو۔

''وفي الفتاوى النسفية: سئل عن أهل المحلة باعوا وقف المسجد لأجل عمارة المسجد قال لا يجوز بأمر القاضي وغيره'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۶۰)۔

ان کی تعمیر اسی جنس کے اوقاف کی فاضل آمدنی سے یا مسلمانوں کے عام چندے سے یا غیر جنس اوقاف کی فاضل آمدنی سے قرض لے کر کی جائے، اس لئے کہ قابل انتفاع اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

مسجد کے لئے وقف زمین پر یا قبرستان کے لئے وقف زمین پر جو ضرورت سے زائد ہے مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں ہے، ''ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو على العكس، هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى ما هو محتاج إلى العمارة، قال: لا، كذا في المحيط'' (عالمگیری ۲/ ۳۶۴-۳۶۵)۔

بلکہ اس زمین کی آمدنی اسی مسجد یا قبرستان کے لئے محفوظ رکھی جائے اور رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو دوسری قریب کی مسجد یا قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلم آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور

قبرستان نہیں ہورہا ہے اور اس میں قبریں پرانی ہوگئی ہیں، اگر وہ مملوکہ ہے تو مالک یا ورثاء، یا مالک معلوم نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے اس کو بیچنا، کرایہ پر دینا، اس پر دوکانیں بنانا، یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے تو بونے کے لئے کرایہ پر دینا یا اس پر دوکانیں وغیرہ بناکر کرایہ پر اٹھادینا یا اس کو بیچ دینا جائز ہے، لیکن اس کی آمدنی یا قیمت سے ضرورت کی جگہ قبرستان کے لئے زمین خریدنا یا اسی جنس میں صرف کردینا ضروری ہے۔ ''لأن مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ''۔ اگر دور اور نزدیک اس جنس میں صرف کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو مسجد یا مدرسہ میں ان رقوم کو صرف کرنا درست ہے۔

اسی طرح جو قبرستان آبادی میں آجانے کی وجہ سے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اولاً اس پابندی کو ہٹانے کی کوشش کی جائے، کامیابی نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ قبرستان مملوکہ ہے تو مالک یا اس کے ورثاء کی ملک ہونے کی بناپر ان کو اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے، اور اگر وہ وقف ہے اور مسلمانوں کو قبرستان کی ضرورت ہے تو باہمی مشورہ سے اس کو بیچ کر حاصل شدہ قیمت سے یا اس کو بونے کے لئے یا اس پر دوکانیں وغیرہ بناکر کرایہ پر دینا اور اس کی آمدنی سے مسلمانوں کے لئے دوسرے قبرستان کے لئے زمین خریدنا جائز ہے، اور اگر قبرستان کی ضرورت نہیں ہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ کا خطرہ ہے تو اس جگہ پر حسب ضرورت مسجد، مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

''قال الزیلعي: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ في قبرہ وزرعہ والبناء علیہ'' (ردالمحتار ۲/ ۲۳۳)۔

حکومت کو کوئی حق نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ان میں نماز سے روکے، حکومت کو چاہئے کہ ان مساجد کو نمازیوں کے لئے کھول دے، اور مسلمانوں کو حسب المقدور ان کو کھلوانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

قبرستان کی چہار دیواری اور بائونڈری بنانے کے لئے کوئی آمدنی نہیں ہے، تو قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اطراف میں پیشگی کرایہ لے کر حسب ضرورت دوکانوں کی تعمیر کی گنجائش ہے کہ جس کے کرایہ سے چہار دیواری بنائی جاسکے، اور بقیہ آمدنی قبرستان کی ضروریات میں صرف کی جائے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر قبرستان کے چہار طرف دوکانیں تعمیر کر کے ان کو کرایہ پر اٹھا دیا جائے اور کرایہ سے قبرستان کے مصارف پورے کئے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، جبکہ ان تعمیرات سے قبرستان میں تنگی واقع نہ ہو... سب کام باہمی مشورہ اور اتفاق سے کیا جائے (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۴)۔

قبرستان اس لئے وقف ہوتا ہے کہ اس میں مردے دفن کئے جائیں، لہذا اس کے علاوہ کسی اور کام میں اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر قبرستان پرانا ہو جائے کہ میت مٹی بن چکے ہوں اور اب وہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا ہو، نیز خالی پڑا رہنے سے اندیشہ ہے کہ اس پر کوئی غاصبانہ قبضہ کر لے گا تو پرانی قبروں کو ہموار کر کے حسب ضرورت مسجد، مدرسہ یا کوئی عمارت بنانے کی اجازت ہے (کذا فی محمودیہ ۱۸/ ۲۱۴-۲۷۱)۔

اور سوال میں مذکور صورت کہ وسیع قبرستان میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے سے ضرورت کے لئے کافی نہیں اور اردگرد بھی دوسری مساجد نہیں کہ ضرورت پوری ہو اور قبرستان اتنا وسیع ہے کہ اس کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے سے اس میں تنگی نہیں پیش آسکتی ہے تو قبرستان کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کر کے مسجد کی توسیع کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

''في الفتح: ولو ضاق المسجد وبجنبه أرض وقف عليه أو حانوت جاز أن يؤخذ ويدخل فيه... زاد في البحر عن الخانية بأمر القاضي وتقييده بقوله ''وقف عليه'' أي على المسجد يفيد أنها لو كانت وقفا على غيره لم يجز، لكن جواز أخذ المملوكة كرها يفيد الجواز بالأولى، لأن المسجد لله

تعالی والوقف کذلک، ولذا ترک المصنفؒ فی شرحه هذا القید وکذا فی جامع الفصولین" (ردالمحتار ۴؍۵۳۱)۔

اور جس حصہ کو مسجد میں شامل کیا جائے اس میں قبریں نہ ہوں، یا اگر ہوں تو اتنی پرانی ہوں کہ میت مٹی بن گئی ہو، اگر قبریں نئی اور تازہ ہوں تو اس حصہ کو میت کے مٹی ہونے سے پہلے شامل کرنا درست نہیں ہے۔

جو مسلم اوقاف ہندو وقف بورڈ کی زیر نگرانی اور تولیت میں ہیں ان کو قانونی چارہ جوئی سے مسلم سنی وقف بورڈ کی تولیت میں لانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اگر کامیابی نہ ہو تو غیر مسلم کے متولی ہونے کو مجبوراً گوارہ کیا جاسکتا ہے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: "جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کے محفوظ رہنے اور انتظام برقرار رہنے کی صرف یہی صورت (یعنی غیر مسلم کو متولی بنانا) ہے تو مجبوراً برداشت کیا جاسکتا ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۵؍ ۳۰۳)۔

اور علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ متولی ہونے کی صحت کے لئے آزاد اور مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "**ویشترط للصحة (أی لصحة التولیة) بلوغه وعقله لاحریته وإسلامه، ولوکان عبداً یجوز قیاسا واستحساناً لأهلیته فی ذاته .... ثم الذمی فی الحکم کالعبد الخ**" (ردالمحتار ۴؍۵۳۲)۔

حکومت یا فرد کو خستہ حال اوقاف حوالہ کرکے دوسرا حاصل کرنا

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی ☆

الف۔ بہت سے اوقاف ویران ہو چکے ہیں اور جن مقامات پر اوقاف ہیں وہاں دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے تو کیا ایسے اوقاف کو فروخت کر کے مقاصد واقف کا خیال رکھتے ہوئے کسی دوسرے مقام پر جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو وہاں متبادل وقف قائم کیا جاسکتا ہے؟

اس کا حکم یہ ہے کہ وقف تام اور مکمل ہوجانے کے بعد اس کا بیچنا، خریدنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا وغیرہ کچھ بھی جائز نہیں، شامی میں ہے:

''فإذا تم ای الوقف ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن''

(شامی ۳؍۵۰۷)۔

ہاں اگر ضائع ہونے کا ظن غالب ہوجائے یا بالکل ہی ناقابل انتفاع ہوجائے تو اسکو فروخت کر کے اس کے بدلہ میں اسی موقوفہ کے متوازی ومماثل دوسری چیزیں خرید کر وقف کردی جائے (نظام الفتاوی ۱۶۰)۔

ب۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالہ کر کے اسکے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کر کے مقاصد وقف کو جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

شامی میں ہے: ''وجاز شرط الاستبدال الخ'' میں استبدال کی دوسری شرط یہ

☆ جامعہ دار الاحسان بارڈولی سورت، گجرات۔

ذکر فرمائی ہے: "أن لا یشرطه الاستبدال سواء شرط عدمه أو سکت ولکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة، بأن لا یحصل منه شئ أصلاً أو لا یفی بمؤنته، فهو أیضا جائز إذا کان بإذن القاضی ورأیه المصلحة فیه" (شامی ۳/۴۲۴)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر وقف سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہورہا ہو، لیکن ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہوتو اسکو دوسری زمین یا مکان سے بدلنا جائز ہے، لیکن اس میں مسلم ذمہ داروں سے مشورہ اور رائے لینا بھی ضروری ہے۔

اور یہ سوال کہ واقف کے مقاصد کی رعایت کے بغیر ایسے اوقاف کو فروخت کر کے اس سے مسلمانوں کے تعلیمی، رفاہی ادارے قائم کرنا یہ جائز نہیں۔ کیونکہ واقف کی شرط کو نص شارع کے حکم میں مانا گیا ہے۔ شامی میں ہے:

"نص الواقف کنص الشارع فیجب اتباعه کما صرح به فی شرح المجمع" (شامی ۳/۴۹۷)۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے اس میں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس میں مسجد کی آمدنی کے لئے مکان، دوکان وغیرہ تعمیر کی جائے تا کہ اس کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے، عالمگیری میں ہے:

"الفاضل من وقف المسجد هل یصرف إلی الفقراء قیل لا یصرف وإنه صحیح، ولکن یشتری به مستغل للمسجد کذا فی المحیط" (عالمگیری ۲/۴۶۳)۔

ب۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی کاموں میں استعمال کی جاسکتی ہے، جبکہ واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجد کی آمدنی مسجد ہی کے کام میں استعمال ہوگی۔ اسے تعلیمی اور رفاہی کام میں استعمال کرنا

جائز نہیں ہے، جب کہ واقف نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہو، اور اوپر شامی کی عبارت (۳/ ۴۹۷) "شرط الواقف كنص الشارع" سے بھی معلوم ہوا کہ اس کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

الف، ب۔صورت مسئولہ میں دوسرے ضرورت مند اسی نوع کے وقف کو زائد آمدنی بطور قرض دی جائے۔عالمگیری میں ہے:

''أما المال الموقوف على المسجد الجامع لم تكن للمسجد حاجة للمال فللقاضي أن يصرف في ذلک لكن على وجه القرض، فيكون دينا في مال الفئ'' (عالمگیری ۲/ ۴۶۴)۔

اور اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپیہ اس قدر زائد جمع ہو کہ نہ فی الحال ان کی ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی، اور یہ روپے یوں ہی جمع رہیں تو ضائع ہوجائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہوگا تو ایسے حالات میں قریب کے ضرورت مند وقف کو زائد رقم امداد کے طور پر (بلاقرض) دینا جائز ہوگا، مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی ضرورتمند مسجد کو، اور مدرسہ کی زائد رقم قریب کے ضرورت مند مدرسہ کو دی جائے، اور یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو اس زائد و فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۸۰)۔

اس خلاصہ سے دونوں سوالوں کے جواب حل ہوئے ہیں کہ اولاً اسی نوع کے اوقاف میں فاضل رقم خرچ کی جاوے، اور ضرورۃً دوسرے رفاہی کام مثلاً مسجد کی آبادی کی خاطر مدرسہ کے لئے بھی زائد رقم استعمال کرسکتے ہیں۔

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی

گنجائش ہے۔ اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں۔

شامی میں ہے: "وجاز شرط الاستبدال الخ، اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه، الأول أن يشترط الواقف لنفسه فالاستبدال فيه جائز في الصحيح وقيل اتفاقا، الثاني أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورآيه المصلحة فيه، الثالث أن لا يشترطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الاصح المختار" (شامی ۳/ ۴۲۴)۔

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ ان اوقاف کی آمدنی جب کہ اسکے مصارف اب باقی نہیں رہے تو قریب کے اسی نوع کے دوسرے اوقاف پر اسکو صرف کیا جائے۔

الف۔ بعض اوقاف کی عمارت مخدوش حالت میں ہے اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ نہیں ہے۔ اور کوئی بلڈر اسکے لئے تیار ہے کہ اس مخدوش عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے چند منزلہ عمارت اپنے مصارف پر اس شرط پر تعمیر کر دے کہ اس کی ایک یا دو منزلیں اس کی ہونگی، جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا حق ہوگا اور بقیہ وقف کے مصارف کے لئے، تو اس معاملہ کا شرعی حکم، نیز اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے۔ زمین سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی بلڈر سے اس طرح معاملہ کرلیا جائے تو ان دونوں معاملوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وقف کی عمارت اس طرح مخدوش ہے، جو سوال میں ذکر کی گئی اور نہ ہی وقف کے پاس تعمیر کے لئے صرفہ ہے تو اس وقف کی عمارت میں سے ایک دو مکانات کرایہ پر دے جائیں اور اس کی آمدنی سے وقف کی عمارت کی مرمت کی جائے۔

شامی میں ہے: "إن الخان لو احتاج إلی مرمة آجر بيتا أو بيتين وأنفق

علیہ. وفی روایۃ یؤذن الناس بالنزول سنۃ ویؤجر سنۃ أخری ویرمّ من أجرتہ"
(شامی ۳؍۴۱۹)۔

معلوم ہوا کہ اس وقف عمارت سے جب تک اس طرح کا معاملہ ممکن ہو اس پر عمل کیا جائے اور اگر اس طرح کوئی مستاجر نہ ملے اور نہ ہی موجودہ مستاجر اس کی مرمت کے لئے تیار ہے تو شامی میں صراحت موجود ہے کہ اس وقف عمارت کو فروخت کرکے اس کی جگہ دوسرا وقف خرید لیا جائے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"فالحاصل أن الموقوف علیہ السکنی إذا امتنع من العمارۃ ولم یوجد مستأجر باعھا القاضی واشتری بثمنھا ما یکون وقفا" (شامی ۳؍۴۱۸)۔

جب اس وقف عمارت اور زمین کو اس حالت میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے تو صورت مسئولہ تو اس سے اہون ہے اس میں وقف باقی رہتا ہے فروخت نہیں ہوتا۔ ہاں اسکے کچھ حصہ پر بلڈر کا تصرف ہوگا، لہذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہوگی۔ اور عالمگیری میں اس سے زیادہ صراحت موجود ہے۔ "عالمگیری" کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"ومن ھذا الجنس منزل موقوف وقفا صحیحا علی مقبرۃ معلومۃ فخرب ھذا المنزل و صار بحال لا ینتفع بہ. فجاء رجل وعمر و بنی فیہ بناء من مالہ بغیر إذن أحد فالأصل لورثۃ الواقف والبناء لورثۃ البانی کذا فی المضمرات" (عالمگیری ۲؍۴۸۰)۔

ب۔ اسی طرح کسی وقف شدہ مخدوش عمارت کی نئی تعمیر کے لئے یا خالی زمین پر عمارت قائم کرنے کے لئے یا محتاج تعمیر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف شدہ زمین وجائداد کا کوئی حصہ فروخت کرکے اس سے نئی تعمیر کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کہ وقف کی حفاظت کا مقصد ہو اور اس کے بغیر یہ ممکن نہ ہو تو اس کا حکم بھی اوپر مذکورہ جواب کے مانند ہے کہ اولاً اس تعمیر کو کسی کام کے لئے اجارہ پر دی جائے اور اس کی آمدنی سے اس کی مرمت کی جائے ورنہ اس کے لئے دوسری وقف شدہ

زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

''عالمگیری'' میں ہے: "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضاً منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع ليس له ذلک" (عالمگیری ۲/۳۱۷)۔

اور شریعت میں تو اس صورت حال کی یہ بھی گنجائش ہے کہ اگر مسجد اس طرح محتاج تعمیر ہو تو مسجد کی چھت کو کرایہ پر دے کر اس کے کرایہ سے اس مسجد کی تعمیر کرلی جائے۔ جیسے شامی کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

''وقال الناطفي القياس في المسجد أن يجوز إجارة سطحه لمرمة'' (شامی ۳/۴۱۹)۔

لہذا جب تک اس وقف شدہ تعمیر کو ان طرق مذکورہ سے تعمیر کرنا ممکن ہو، وہاں تک کسی جائداد کو فروخت نہ کیا جائے۔

مسجد یا قبرستان کے لئے وقف زمین جو کہ ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کا مسئلہ:

نظام الفتاوی میں لکھا ہے کہ جو قبرستان موقوفہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس میں مردے دفن کرنا ہی متعین ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں لانا جس سے منشاء واقف فوت ہو تو درست و جائز نہیں (نظام الفتاوی ۱/۱۷۴)۔

یہی حکم مسجد کا بھی ہے کہ واقف نے اسکو مسجد ہی کے لئے وقف کیا تھا دوسرے کام کے لئے نہیں تو اس کو دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو پارہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی میں آگیا ہے اس کی وجہ سے اب اس کے استعمال اور تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر قبضہ کا خطرہ ہے لیکن

قبضہ ہو رہا ہے تو ان قبرستانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر قبرستان وقف ہو اور اس میں تدفین جاری ہو تو اس میں صرف تدفین کرنا چاہئے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں۔ اور اگر اس میں تدفین ہو چکی ہو اور یوں ہی پڑے رہنے کی وجہ سے اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس کی حفاظت کی خاطر کہ وہ ضائع نہ ہو جائے دینی تعلیم کا مدرسہ بنانا اور مسجد بنانا سب جائز ہوگا، البتہ کوشش یہ کی جائے کہ خالی جگہ میں تعمیر کی جائے ورنہ قبروں کا جب کہ وہ پرانی ہو چکی ہوں کہ میت کا جسم مٹی بن چکا ہوگا تو ان قبروں کا تاج ہٹا کر یا مٹی پاٹ کر اس کی کرسی اتنی اونچی کر دی جائے کہ وہ قبریں زمین میں چھپ جائیں یہ درست ہے (فتاوی نظامیہ ۱/ ۳۲۷)۔

بہت سی قدیم مساجد اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہیں ایسی بعض مساجد میں حکومت نے نماز کی ادائیگی کو منع کر دیا ہے، شرعاً حکومت کو اس کا کسی طرح کوئی حق نہیں، ایسی صورت میں حکومت سے احتجاج کیا جائے اور نماز کی پابندی اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور یہ شکل اختیار کی جائے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے جس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے لی جائے اور اس رقم سے یہ کام کرایا جائے جس میں قبرستان کے اطراف کا چند فٹ حصہ دوکانوں میں چلا جائے گا تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور بعد میں فاضل آمدنی مصارف خیر میں لگا دی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبرستان کے اطراف کا جو حصہ دوکان بنانے میں جا رہا ہے اس کی نہ تو فی الحال ضرورت ہے اور نہ تو آئندہ ضرورت متوقع ہے تو اس میں دوکانیں بنا کر قبرستان کو محفوظ کر سکتے ہیں۔ اور جو آمدنی قبرستان کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو مصارف خیر میں استعمال کر سکتے ہیں۔

اس مسئلہ کا حکم بھی اوپر کی طرح ہے کہ مسجد کی توسیع میں اگر قبرستان کی اتنی زمین مستعمل ہو جس کی نہ فی الحال قبرستان کے لئے ضرورت ہے اور نہ آئندہ اس کی ضرورت متوقع

ہوتو اس طرح اس کی توسیع کی جائے کہ قبریں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں، بلکہ درمیان میں دیوار مسجد حائل ہو (فتاوی محمودیہ بحوالہ عینی ۱رص ۴۸۷) البتہ نئی قبریں جہاں میت کا جسم مٹی نہ بنا ہو یہ تعمیر درست نہ ہوگی۔

صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ اس کو حرام کہا گیا ہے۔ "تقريرات الرافعي على رد المحتار" میں ہے:

"ويشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته وإسلامه في منهوات الأنقروية هذا يدل على أن تولية الذمي صحيحة وينبغي أن يخص بوقف الذمي، فإن تولية الذمي على المسلمين حرام لا ينبغي اتباع شرط الواقف فيها من خط ابن نجيم" (تقریرات الرافعی ۲ر ۸۴)۔

لہذا ایسے اوقاف کے متعلق مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ غیر مسلم کی تولیت سے نکل کر مسلمانوں کی تولیت میں داخل ہو جائے۔

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی مساجد کے احکام

مولانا محمد صدر عالم قاسمی

اشیاء موقوفہ کا حکم:

الف، ب۔ جب کسی شی کو وقف کر دیا گیا تو وہ شی واقف کی ملکیت سے نکل جانے کی وجہ سے نہ تو فروخت کی جاسکتی ہے نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس میں اجراء وراثت ہی ممکن ہے، نہ اس کا استبدال ہی جائز ہے۔

"فإذا تم الوقف ولزم لا يملک ولا يرهن قوله لا يملک أی لا يقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليکه الخارج عن ملکه" (رد المحتار ۳/ ۴۲۴)، (ولو خرب ما حوله واستغنی عنه يبقی مسجدا عند الإمام والثانی) أبداً إلی قيام الساعة" (رد المحتار ۳/ ۵۱۳)۔

اشیاء موقوفہ میں تبادلہ کی گنجائش:

اگر کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے کہ مقاصد اوقاف باقی نہ رہ سکیں، مثلاً وہ جگہیں جہاں یہ اوقاف ہیں مسلمانوں کے بالکلیہ ختم ہوجانے کی وجہ سے ویران ہوچکی ہوں، دور دور تک مسلمانوں کا نام ونشان نہیں ہے، اور ان اوقاف کا بروئے کار لانا مشکل ہوگیا ہو، اور ایسے اوقاف پر حکومت کا ناجائز قبضہ ہوتا جارہا ہو، تو ان مذکورہ صورتوں میں تین علتوں کی بناپر اوقاف کو فروخت کرنے یا کسی دیگر افراد کو حوالہ کر کے اس کے عوض متبادل اوقاف قائم کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ایک علت تو مقاصد اوقاف کا معطل اور برباد ہونا ہے، کیونکہ فقہاء کا اصول ہے "إن مراعاة غرض الواقف واجبة" (رد المحتار ۳/ ۴۶۴) (واقف کی غرض کی رعایت واجب ہے)۔

دوسری علت عدم حفظ اوقاف ہے جو کہ حکومت کے ناجائز قبضہ کی وجہ سے رونما ہورہی ہے۔

''وفی فتح القدير فمن أرض الوقف إذا غصبها الغاصب و أجرى عليها الماء حتى صارت بحراً لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها ويشترى بها أرضا أخرى، فتكون أرضا مكانها الخ" (فتح ۵/ ۴۳۹)۔

(وقف کی زمین کو اگر کوئی غصب کرلے اور اس میں اتنا پانی ڈالے کہ وہ پانی کی زیادتی کی وجہ سے قابل کاشت نہ رہ جائے تو وہ قیمت کا ضامن ہوگا اور اس سے دوسری زمین خرید کر اس کو اس کی جگہ وقف قرار دیا جائے گا)۔

تیسری علت فقدان منافع اوقاف ہے، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب اوقاف کے منافع بالکلیہ مفقود ہوجائیں تو ان اوقاف کو فروخت کرکے بدل قائم کئے جاسکتے ہیں۔

''والثانی لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا أولا يفی بمؤنته، فهو أيضا جائز'' (رد المحتار ۳/ ۴۲۴)۔

"الفقه الاسلامی وأدلته" کے اندر ہے: "(شروط الاستبدال) أن يخرج الموقوف عن الانتفاع به بالكلية أی يصبح عديم المنفعة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۲۲۲)۔

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے حکم میں مساوات:

استبدال کے سلسلے میں اوقاف مساجد اور دیگر اوقاف کے احکام مساوی ہیں، یعنی جس طرح دیگر اوقاف کے مجبوری کی وجہ سے بدل قائم کئے جاسکتے ہیں اسی طرح مساجد کے اوقاف

کے بھی بدل قائم کئے جاسکتے ہیں۔

استبدال اوقاف کے اندر مقاصد واقف کی پابندی:

فقہاء نے صراحت کی ہے: ''صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة'' (رد المحتار ۳؍ ۴۶۴) کہ واقف کے مقاصد کی پابندی بہرصورت ضروری ہے، اس لئے علی الاطلاق کسی وقف پر مسلمانوں کے تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہاں جہاں مقاصد اوقاف کا حصول ہو رہا ہو احقر کے نزدیک ان جگہوں میں اس کی گنجائش رہے گی۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں، اس زائد اراضی پر اگر کوئی دینی ادارہ قائم کرلیا جائے تو اس کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان انتہا درجہ تقرب اور مقاصد واقف جو کہ "التقرب الی الله و حصول الثواب" ہے موجود ہے۔

ب۔ مسجد کی زائد آمدنی کو علی الاطلاق تعلیمی یا رفاہی مقاصد میں صرف نہیں کیا جاسکتا، بلکہ الاقرب فالاقرب کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر محتاج مساجد میں صرف کیا جائے گا، البتہ اگر اس نوع کے اندر ضرورت محسوس نہ ہو تو پھر جس نوع کے اندر مقاصد واقف کا حصول ہو رہا ہو وہاں صرف کیا جائے گا۔

الف، ب۔ وہ اوقاف جن کی آمدنی فاضل از ضرورت ہو، کثیر تعداد میں ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت دشوار ہوجائے تو ان آمدنیوں کے اصل مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔ لیکن اگر کسی دوسرے نوع کے اندر غایت درجہ کا قرب اور غرض واقف کا ایفاء موجود ہے تو پھر ان دیگر انواع واجناس کی جانب منتقلی کی گنجائش ہے۔

کم منفعت بخش اوقاف کا استبدال:

اوقاف کے سلسلے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ فی الجملہ کچھ بھی منافع حاصل ہو رہا ہو تو اس کے استبدال کی بالکل اجازت نہیں تاوقتیکہ بالکلیہ اس کے منافع معدوم ومفقود نہ ہوجائیں۔

''والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار'' (ردالمحتار ۳/ ۴۲۴)۔

لیکن فقہاء امت کے بعض اقوال سے اس بات کی گنجائش مل رہی ہے کہ وہ اوقاف جن کی ضرورتیں کم منافع بخش جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے نہیں پوری ہورہی ہوں تو زیادتی منفعت کی خاطر اس کو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل قائم کیا جاسکتا ہے۔ کتاب ''البحر الرائق'' کے اندر ہے:

''وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله أن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا في صقع أحسن من صقع الوقف جاز'' (البحر ۵/ ۲۲۳)۔

اور ''فتح القدیر'' کے اندر ہے:

''وكذا أرض الوقف إذا قل نزلها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ويكون الصلاح في الاستبدال بأرض أخرى (فيشترى بها أرضا أخرى)'' (فتح القدیر ۵)۔

کنز الدقائق کے اندر امام محمدؒ کا قول مذکور ہے جو کہ اسی گنجائش کی جانب مشیر ہے:

''قد روى عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ماهو أكثر ريعا وقيل هذا إذا باعه الموقوف عليه لضرورة'' (الکنز مع البحر ۵/ ۲۱۹)۔

لیکن اگر اس مسئلے کی یوں تفصیل بیان کی جائے کہ اوقاف کی آمدنی اتنی کم ہے کہ اپنی ضرورت کے ایفاء کے لئے دوسرے سے قرض لینا پڑتا ہے اور ہر سال قرضے پر قرضہ ہوتا جارہا ہے، ادائیگی قرض کی کوئی صورت موجود نہ ہونے کی وجہ سے غالب گمان ہے کہ ایک نہ ایک دن ان اوقاف کو فروخت کرنے کی نوبت آپڑے گی جو کہ تعطل اوقاف پر مبنی ہے تو ان مذکورہ مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر ان اوقاف کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش مقام پر اس کا بدل قائم

کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

وہ اوقاف جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے:

بہت سے اوقاف ایسے ہیں جن کے معینہ مصارف ختم ہو چکے، مثلاً کوئی جاگیر کسی معین خاندان کے فقراء کے لئے وقف کی گئی تھی وہ خاندان ختم ہوگیا۔ تو اب اس کی آمدنی اور منافع دیگر فقراء کی جانب منتقل ہو جائیں گے۔ اور ان سے ان کے حوائج وضروریات پورے کئے جائیں گے، جیسا کہ ''فتح القدیر'' کی عبارت سے یہ چیزیں مستنبط ہورہی ہیں:

''**وفی الفتح وقف علی زید ثم المساکین فرد زید فهو للمساکین وکذا علی زید و عمر فرد أحدهما أو ظهر أنه کان میتا فنصیبه للمساکین**'' (فتح ۵/۴۵۱)۔

اسی طرح اگر معین مدارس ومساجد پر وقف تھے، اور اب وہ مدارس ومساجد ختم ہو چکے تو اب ان کے منافع وآمدنی علی حسب الانواع والاجناس قریب تر مدارس ومساجد جومحتاج ہیں، پر صرف کئے جائیں گے۔

''**وفی البحر ولو وقف علی إنسان بعینه أو علیه و أولاده أو علی قرابته وهم یحصون أو علی أمهات أولاده فمات الموقوف علیه فعلی الأول یعود إلی ورثة الواقف قال الناطقی إلی الأجناس وعلیه الفتوی**'' (البحر الرائق ۵/۲۰۳)۔

جیسا کہ ماسبق میں تحریر کیا جا چکا ہے اگر دیگر انواع سے اس نوع کو قریبی تعلق ہو اور غرض واقف کی پابندی ہورہی ہو تو پھر دیگر اوقاف کی جانب منافع کے انتقال کی گنجائش ہوسکتی ہے، علماء کرام اس علت پر غورفرمالیں۔

الف۔ مخدوش شدہ عمارت کی نئی تعمیر کے لئے کسی بلڈر سے ایک یا دو منزل کی ملکیت کی شرط پر معاملہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ بطریق اجارہ معاملہ کیا جاسکتا ہے بایں طور کہ انہیں رقوم سے ان کے کرائے وضع ہوں۔

ب۔ اسی طرح مخدوش شدہ عمارت کی تعمیر کے لئے وقف کے بعض قطعہ کو فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں، بلکہ یہاں بھی حصول رقوم کی خاطر زمین کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔

مسجد پر وقف زمین جو مسجد کی ضرورت سے زائد ہے اس پر مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش اس وجہ سے معلوم ہو رہی ہے کہ دونوں صورتوں میں غرض واقف جو کہ "التقرب إلى الله وحصول الثواب" ہے بطریق اکمل حاصل ہو رہا ہے۔

پابندی عائد شدہ قبرستان سے انتفاع کی صورت:

جس قبرستان کے اطراف سے آبادی ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہو رہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اور اس پر قبضہ کا خطرہ ہے، بلکہ قبضہ ہو رہا ہے تو چونکہ فقہاء کا اصول ہے۔"ان مراعاة غرض الواقفين واجبة" (درمختار علی ہامش ردمختار ۳؍ ۴۶۴)، اس لئے اس کو علی حالہ اغیار کے قبضہ کے لئے چھوڑنا درحقیقت اس کو معطل اور منافع کو مفقود کرنا ہے جو کہ غرض واقف کے خلاف ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایسے تدابیر کئے جائیں جن سے بقاء غرض واقف اور بجائے اس کے تعطل کے اس کے منافع لوٹ سکیں، مثلاً اس کے اطراف میں باؤنڈری ڈال دی جائے، یا اطراف میں تعمیر کرادی جائے، اور اگر کسی طرح تحفظ ممکن نہ ہو تو پھر شریعت کے اندر بحالت مجبوری اس کے استبدال کی گنجائش تو موجود ہی ہے۔ اسکو فروخت کر کے دوسری جگہ اس کا بدل وقف قائم کرلیا جائے۔

محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی مساجد کے احکام:

وہ مساجد جن کے محکمہ آثار قدیمہ میں ہونے کی وجہ سے ان میں ادائیگی نماز سے روک دیا گیا ہے۔ حکومت کا یہ فعل مذموم اور مقاصد مساجد کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ آیت کریمہ "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها..." الخ (سورہ بقرہ؍ ۱۱۴)

کے مرادف ہے، اس لئے حکومت کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ حکومت سے مطالبہ کر کے مقاصد مساجد کا اجراء کروائے، اور اپنی طاقت ووسعت کے مطابق حکومت کے ان منکرات کو دفع کرے اور اگر دفع کرنے کی بالکل طاقت وقدرت نہیں ہے تو پھر دل سے ناگواری کافی ہے۔ ''وھذا ظاھر من القواعد الشرعیة''۔

قبرستان کی تعمیر کے لئے پیشگی کرایہ لینا:

قبرستان کی حفاظت کے لئے جب کہ باؤنڈری بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کے لئے کسی سے پیشگی کرایہ لے کر اس طرح تعمیر کرائی جائے کہ قبرستان کے اطراف کے کچھ حصے تعمیر میں چلے جائیں۔ تو احقر کے نزدیک اگر اس حصے میں نئی قبریں ہیں تو پھر اس حصے میں تعمیر کی اجازت نہیں۔

''وفی العالمگیریة: ولو بلی المیت صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه'' (عالمگیری ۱/۱۵۶) **وھکذا فی التبیین۔**

رہی بات فاضل آمدنی کے مصارف کی تو اس میں قدرے تفصیل کرنی پڑے گی۔ وہ یہ کہ اگر خود قبرستان کی ضرورت موجود ہو تو پھر اس آمدنی کو اس میں صرف کرنا چاہئے۔ شرح وقایہ کے اندر ہے:

''ونقضه إلی عمارته أو یدخر إلی وقت الحاجة إلیھا إن تعذر صرفه بیع وصرف ثمنه إلیھا''۔

اور اگر قبرستان کی خود اپنی ضرورت موجود نہ ہو تو فاضل آمدنی کے بہتر مصارف ان کے انواع واجناس ہیں۔

''وفی الدر المختار: ومثله حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنھا وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بھما، فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إلیه الخ، وفی رد المحتار

لف و نشر مرتب و ظاهره أنه لا يجوز صرف وقف المسجد خرب إلى حوض أو عكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأ قرب مجانس لها" (ردالمحتار ۳/ ۵۲۴)۔

علاوہ ازیں جب کہ واقف کے غرض کی پابندی اور اس کے مقاصد کی حصول یابی اگر دوسرے انواع واجناس کے مصارف خیر میں ہورہی ہوتو ان دیگر مصارف خیر میں بھی ان کو صرف کرنے کی احقر کے نزدیک گنجائش ہے۔ کیونکہ اوقاف کے کلی مسائل کے اندر غرض واقف کو سامنے رکھنا ضروری ہے، اس سے عدول جائز نہیں۔

قبرستان میں موجود مسجد کی توسیع:

کسی قبرستان میں چھوٹی سی مسجد ہے، اب جب کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے اس کی توسیع کی ضرورت پڑگئی تو قبر کے مزید کچھ حصے شامل کرکے اس کی توسیع کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں آباد اور ویران دونوں اعتبار سے کچھ فرق نہیں، البتہ اس حصے میں جدید اور قدیم ہونے کے اعتبار سے فرق ہے۔

چنانچہ اگر قبر بالکل نئی ہے تو پھر اس حصے میں توسیع کی اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے قبر کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اور اگر قبریں پرانی اور بوسیدہ ہیں اور مردے مٹی ہوگئے ہیں تو اس حصے کو توسیع کے اندر شامل کرلینے کی جازت ہے حتی کہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو صاحب قبر کی خوش قسمتی کی بات ہے کیوں کہ حرم کے مطاف میں بھی انبیاء کی قبریں ہیں (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۸۶)۔

عالمگیری کے اندر ہے: **"ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه"** (عالمگیری ۱/ ۵۶، وہکذا فی التبیین ۱/ ۲۴۶)۔

اوقاف کا ہندوؤں کی تولیت میں رہنا:

وہ اوقاف جو اسلامی مقاصد کے تحت وجود میں آئے ہوں اور واقف کے ہندو ہونے

کی وجہ سے ہندو ادارے کے ماتحت ہوکر انہیں کے نظم ونسق کے اندر رہوں تو ایسے اوقاف کا ہندو ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں کیونکہ من جملہ شرائط تولیت میں سے امانت، دیانت اور فسق وفجور سے پاکیزگی بھی ہے۔اور یہ تمام صفات کافروں میں اعلیٰ طریقے پر موجود نہیں۔

''البحر الرائق'' کے اندر ہے: **"وفي الاسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر و ليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل إلا به"** (البحر الرائق ۳۲۶/۵)۔

اوقاف

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

الف۔ ایسے اوقاف جو مسلمانوں کی اجتماعی نقل آبادی کے سبب ویران ہو چکے ہیں، یا اوقاف ایسے مقامات پر ہیں کہ دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناممکن ہو چکا ہے، پھر بھی ایسے اوقاف کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه و لا تمليكه" (ہدایہ ۶۴۰/۲)۔

نیز "فتاوی عالمگیری" میں ہے:

"الوقف مرسلا لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له أن يبيعها ويستبدل بها وإن كان أرض الوقف سبخة لا ينتفع بها كذا في فتاوى قاضي خان" (الفتاوی الہندیہ ۳۳۰/۲)۔

ب۔ہاں ایسے اوقاف کا استبدال جائز ہے، یعنی ایسے ویران اوقاف حکومت یا کسی فرد کے حوالے کرکے اس کے عوض دوسری زمین یا مکان حاصل کرلیا جائے، یہ عوض معوض کی نوع کا ہی وقف قرار پائے گا، اور معوض کے ہی مقاصد اس پر جاری ہوں گے۔

"والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش كذا في البحر الرائق" (فتاوی عالمگیری ۳۳۰/۲)۔

☆ استاذ مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف، مئو۔

استبدال وقف کے سلسلے میں مساجد اور دوسرے اوقاف کا حکم قطعاً یکساں نہیں ہے، بلکہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، اور وہ یہ کہ مساجد کے علاوہ دوسرے تمام اوقاف حتی کہ مساجد پر وقف جائداد کا استبدال بشرائط جائز ہے، لیکن مساجد کا استبدال جائز نہیں ہے، کیونکہ جو جگہ ایک بار مسجد ہوگئی وہ ابداً آباد تک مسجد ہی رہے گی، اور وہ جگہ شخصی تصرفات وملکیت سے خارج ہو کر حق تعالی کی ملک ہو جاتی ہے۔

''قال الله تعالی: ''أن المساجد لله'' (سورہ جن)۔

''وفي رد المحتار: إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً''۔

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: جب مسجد کی جگہ ویران ہو جائے اور مسجد میں نمازی نہ رہیں اور اس کو آباد رکھنے کی کوئی صورت متصور نہ ہو تو اس کو مقفل کر کے محفوظ کر دیا جائے اور اس کا روپیہ کسی دوسری حاجتمند مسجد میں صرف کر دیا جائے (کفایت المفتی ۷/۶۲)۔

مسلمہ فقہی قاعدہ ''شرط الواقف کنص الشارع'' کے پیش نظر واقف کے مقاصد کی پابندی بہت ضروری ہے، اس لئے ویران اور ناقابل استعمال اوقاف کو اگر فروخت کر دیا گیا تو اس روپے سے واقف کے خلاف مقصد تعلیمی یا رفاہی ادارے قائم نہیں کئے جاسکتے، بلکہ اس سے دوسری زمین خرید کر واقف کے مقاصد جاری کئے جائیں گے، اور اگر واقف کے شرائط ومقاصد معلوم نہ ہوسکیں تو فقراء ومساکین اس کے حقدار ہیں۔

الف۔ مسجد پر وقف اراضی جو فی الحال مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں ان پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیمی ادارہ نہیں قائم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہے ،جسکا اختیار لزوم وقف کے بعد خود واقف کو بھی نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو۔

''ماکان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم'' (ردالمحتار ۶۸۵)۔

ب۔مسجد اور مسجد کے اوقاف کی آمدنی صرف ان ہی مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے اگر واقف نے ان زمینوں اور مکانات کو مسجد ہی کے لئے وقف کیا ہے تو کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

الف، ب۔جن اوقاف کی آمدنی اسکے مصارف سے زیادہ ہے اس فاضل رقم کو اسی نوع کے دوسرے اوقاف کی ضروریات میں خرچ کیا جا سکتا ہے، موقوف علیہ کی جنس کا دوسرا موقوف علیہ جو اس سے قریب ہے وہ زیادہ مستحق ہے، پھر اس کے بعد کسی بھی خطہ میں اس نوع کا وقف ہو تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔لیکن موقوف علیہ کے علاوہ دیگر ملی دینی وعلمی کاموں اور مساجد وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا جہت وقف کی تبدیلی ہوگی جس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ خود واقف کو اور نہ امام المسلمین کو۔

''ما كان من شروط معتبرة فى الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم'' (ردالمحتار)۔

جو اوقاف منفعت بخش ہیں اگر چہ کم ہی سہی انکو فروخت کرنا یا اس کا استبدال کرنا جائز نہیں، ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے:

''والمعتمد أنه يجوز للقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية'' (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۳۰)۔

جن اوقاف کے مصارف ختم ہو چکے ہیں تو ان اوقاف کی آمدنی فقراء پر خرچ ہوگی۔

''وشرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد، وقال أبويوسف: يصح بدونه، وإذا انقطع صرف على الفقراء'' (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)۔

الف، ب۔وہ اوقاف جن کی عمارتیں مخدوش ہوں اور وقف کے پاس اس کی تعمیر کے لئے سرمایہ نہ ہو، اسی طرح وقف کی ایک زمین ہے جس پر کسی طرح کی کوئی عمارت نہیں اور نہ ہی اس سے انتفاع کی کوئی صورت ہے تو ایسے اوقاف کی تعمیر کے لئے کسی بلڈر یا کسی شخص سے اس

شرط کے ساتھ معاملہ کرنا کہ تعمیر شدہ عمارت کی ایک دومنزل یا وقف زمین کا کچھ حصہ اس بلڈر کی ملکیت میں ہوگا اور اسکو ہرقسم کا تصرف کرنے کا حق ہوگا اور بقیہ عمارت مصارف وقف کے لئے ہوگی شرعاً اس شرط کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وقف کی بیع ہوگی۔

"اعلم أن بعض المتأخرين جوزوا بيع بعض الوقف إذا خرب لعمارة الباقي والأصح أنه لا يجوز، فإن الوقف بعد الصحة لا يقبل الملک کالحر لا يقبل الرقبة" (شرح وقایہ ۲/ ۳۵۴)۔

اس کی تعمیر کی بہترین صورت یہ ہے، فقہاء نے جس کی اجازت اس طرح دی ہے:

"آجره الحاکم وعمره بأجرته ثم رده إلی مصرفه" (شرح وقایہ)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی بلڈر اس طرح معاملہ کرے کہ عمارت کا کرایہ وہ لیگا یہاں تک کہ اس کا خرچ کردہ سرمایہ حاصل ہوجائے گا اسکے بعد عمارت وقف کی ہوجائے گی تو جائز ہے۔

"لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقی إلا بالعمارة، فإذا امتنع عن ذلک أو عجز عنه ناب القاضي منابه في استبقائه بالإجارة کالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة کذا هذا" (بدائع الصنائع ۶/ ۲۲۱)۔

اس لئے کہ وقف کا باقی رکھنا واجب ہے جو تعمیر کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے، تو جب متولی اس سے انکار کرے یا عاجز ہوتو قاضی اس کا نائب ہوگا اس میں، کہ اس کو اجارہ کے ذریعہ باقی رکھنے کی کوشش کرے مثلاً غلام یا جانور جب ان کا مالک ان پر خرچ نہ کرے تو قاضی کرایہ پر دیدے، اور کرایہ ان پر خرچ کیا جائے گا، اسی طرح یہ صورت بھی ہوگی۔

اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ مسجد یا قبرستان پر وقف زمین جو ضرورت سے زائد ہو اس پر دینی یا عصری علوم کی درسگاہ قائم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ کا استفتاء عصر حاضر کے نامور فقیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم سے کیا گیا کہ عیدگاہ کی فاضل اراضی کو مدرسہ کی

تعمیر کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کا خلاصہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب مختلف نصوص فقہیہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو چکا ہو تو بھی وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔

"قال في التنوير: ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض) إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر (أو حوض) إليه، وقال في الشامية: (قوله إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف ونشر مرتب وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه وفي شرح الملتقى يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار ۴/۳۱۳،۵)۔

مذکورہ جزئیہ اگر چہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے، مگر مصرف اول سے اوقاف کی آمدنی اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔ آگے لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ اصل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں، اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے۔ عالمگیریہ میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے:

"سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أوحوض آخر قال: نعم ولو لم يتفرق الناس، ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج إلى العمارة أو على العكس هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة

إلی ما هو محتاج إلی العمارة قال: لا کذا في المحیط" (عالمگیری ۲/۳۵۲)۔

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں، ''شرح التنویر'' اور ''شامیہ'' کے مذکورہ جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغناء مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے (احسن الفتاوی ۶/۴۳۴، ۴۳۶)۔

جس قبرستان کے اطراف سے مسلمانوں کی آبادی ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کا استعمال بطور قبرستان نہیں ہورہا ہے یا یہ کہ قبرستان آبادی کے اندر آگیا ہے اس میں تدفین پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ نتیجہ کے طور پر قبرستان کی زمین پر غیروں کا قبضہ وتسلط ہوتا جارہا ہے اس طرح یہ قبرستان اگر وقف ہے تو تعطل کا شکار ہونے کی وجہ سے اس کا استبدال بشرائط بھی جائز ہے۔

''والمعتمد أنه یجوز للقاضي بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة''

(عالمگیری)۔

اور اگر وقف نہیں ہے، بلکہ تدفین موتی کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے تو اس پر دوکان تعمیر کرا کے کرایہ پر چلایا جائے اور اس کی آمدنی فقراء ومساکین یا رفاہ عامہ کے کام پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

''لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشي فوقه'' (شامی)۔

قدیم مساجد کا تاریخی اہمیت کی بنا پر محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ ہی اس نگرانی سے جو مسجد کی شرعی حیثیت پر کوئی فرق پڑتا ہے، لیکن ان مساجد میں ادائیگی صلاۃ پر پابندی لگانے کا حق کسی کو یہاں تک کہ حکومت کو بھی نہیں ہے، شرعی طور پر بہت بڑا ظلم اور منکر ہے، واضح رہے کہ ازالہ منکر حسب استطاعت وقدرت فرض ہے، جس کو قدرت ہے اس کے لئے واجب ہے کہ اس پابندی کو منسوخ کرائے۔ "وهذا ظاهر من القواعد الشرعیة"۔

سوال میں مذکورہ صورت قبرستان کی حفاظت کے لئے اختیار کرنا درست ہے، البتہ اتنی احتیاط ضرور کرنی ہوگی کہ قبرستان کا جو حصہ دکان کے زیر استعمال آنے والا ہے اس میں مردہ دفن

کرنا چھوڑ دیا گیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں۔ اس قبرستان کی فاضل آمدنی قبرستان ہی کی حفاظت اور مرمت میں خرچ ہوسکتی ہے کسی دوسرے مصرف میں نہیں۔

"لأن استبقاء الوقف واجب ولا يبقى إلا بالعمارة، فإذا امتنع عن ذلك أو عجز عنه ناب القاضي منابه في استبقائه بالإجارة كالعبد والدابة إذا امتنع صاحبها عن الإنفاق عليها أنفق القاضي عليها بالإجارة" (بدائع الصنائع ۲۲۱/۶)۔

اگر اس قبرستان میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشانات مٹ گئے ہوں تو مسجد کی توسیع جائز ہے۔

"ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه" (ردالمحتار ۵۳۸/۱)۔

مساجد پر غیر مسلم کی تولیت:

ہندوستان کی بعض ریاستوں میں راجاؤں اور جاگیرداروں نے مساجد پر بھی اراضی وقف کی ہیں۔ اور واقف کے ہندو ہونے کے باعث یہ مساجد اب ہندو اوقاف کے تحت ہیں اور ہندو وقف بورڈ ہی مسجد سے متعلق تمام نظم ونسق انجام دیتا ہے۔ میری ناقص رائے میں مساجد کا غیر مسلم ادارے کی تولیت میں رہنا درست نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو مسئلے ہیں ایک کافر کا مسجد بنانا یا مسجد کے لئے چندہ دینا۔ دوسرے مسجد کا غیر مسلم کے تصرف وتولیت میں باقی رہنا۔

"أما سببه فطلب الزلفى... وأما الإسلام فليس بشرط" (فتاوی ہندیہ ۳۱۷/۲)۔

"وأن يكون قربة في ذاته أي بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة، الى قوله..فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط" (کتاب الوقف، ردالمحتار ۵۴۴/۶)۔

ان نصوص فقہیہ کی بنا پر کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔ لیکن جواز

کا یہ حکم اسی وقت تک ہے جب تک کہ مساجد پر تصرف وتسلط کا موجب نہ بنے، جیسے ہندو معماروں سے اجرت پر مسجد تعمیر کرانا، باوجودیکہ ہندو معمار حقیقی طور پر تعمیر کا مباشر ہے مگر یہ مباشرت ممنوع نہیں، جائز ہے۔ کیونکہ مزدوری پر کام کرنے سے کوئی شخص تصرف وتولیت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر مسجد کی تعمیر اور اس میں چندہ دینے سے کفار کا تصرف وتسلط ہو رہا ہو تو حرام ہوگا۔ اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تعمیر کفار کے مال سے ہو، بلکہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے چندہ جمع کرے اور مسجد کی تعمیر کرے، لیکن انتظام و اہتمام میں خود مستقل ہو کسی مسلمان کو دخل نہ دینے دے تو یہ تعمیر بھی تعمیر ممنوع ہے، باوجودیکہ تعمیر مسلمان کے مال سے ہوئی ہو، کیونکہ اسلام کے مخصوص معابد پر کفار کا تصرف وتسلط ممنوع ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ انکی تولیت وتسلط سے مسلمانوں کی کوتاہی اور قصور ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر بحیثیت کافر ہونے کے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تصرف وتسلط کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ان دونوں مسئلوں پر بحث کرتے ہوئے ایک لطیف استدلال کیا ہے:

آیت کریمہ: "ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله" (سورہ توبہ:۱۷) سے اس تقدیر کے تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو، ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالی نے کفار سے حق تعمیر کی نفی فرمائی ہے اور تعمیر سے بھی تعمیر کا ایک اکثری لازم مراد ہے اور وہ تصرف وتسلط ہے۔

پس آیت شریفہ میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو۔ اور یہی مطلب ہے کتب تفسیر کی ان عبارتوں کا جن میں کفار کے لئے مساجد کی تعمیر معروف کو ممنوع لکھا ہے (کفایت المفتی ۷/۷۹)۔

پانچواں باب

مناقشہ

مناقشہ اوقاف

خطبة افتتاحية

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی:

نبدأ البحث الآن حول موضوع الأوقاف وكما تعرفون أيها السادة! أن الوقف ثروة ثمينة للمسلمين فى جميع بلاد العالم، والأسف أننا قد ضيعناها بسبب قلة أمانتنا و بسبب قلة اهتمامنا بهذه الثروة العظيمة ـــ وأنتم تعرفون أن الوقف قد ثبت عن النبى، وأيضا ثبت عن الخلفاء الراشدين المهديين، والصحابة قد وقفوا أراضيهم للمصالح العامة ولخدمات الإنسانية، وتاريخ أوقافنا تاريخ رائع، والمعروف كذلك أن المسلمين قد خدموا الإسلام وخدموا المسلمين وخدموا الناس جميعا فى جميع مجالات الحياة من التعليم والتداوى للمرضى وغير ذلك من أعمال الخير عن طريق هذه الأوقاف۔

وإن الوقف هو الحبس، والنكتة الأساسية فيه أن الأملاک يجب أن تكون محبوسة، لا تباع ولا تعار ولا توهب، ويتسع نفعها لكل مصرف الذى وقف الواقف عليه۔

من الأسف أن الزمان قد تغير، والأمانة قد ضيعت، وصارت الأوقاف

مصيدة لهؤلاء الذين قد ضيعوا الأمانة فما كان موقوفا و محبوسا قد بيع وضيع في الهند، يعيش المسلمون فيها منذ حوالى ألف سنين و أنهم قد أقاموا خلالها أوقافاً كبيرة، وفيها خدمات جليلة للأوقاف، ولكن حينما انهارت قيمنا الخلقية أصبحنا مصداق القول: "أن لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لاديانة له" فضيعنا هذه الثروات الثمينة، بالإضافة إلى في هذا الزمان خاصة أن نظام الحكومة الهندية هونظام علماني، و لا حاجة لها ولا علاقة لها بالتعليم الديني۔

أيها الإخوة! إن أعدى الأعداء لنا هو الابتعاد عن الدين والجهل والفقر، نحن بحاجة الآن إلى مدارس كثيرة و إلى كتاتيب و مكاتيب في جميع أنحاء الهند في القرى و الأرياف البعيدة عن المدن، والمسلمون هم الفقراء لايستطيعون أن ينفقوا على هذا العمل العظيم، لوكانت الأوقاف حية ولو استعملنا هذه الأوقاف استعمالاً صحيحاً، والله لتتكفل هذه الأوقاف جميع مصارفنا في سبيل التعليم و الخدمات الأخرى التي يحتاج إليها المسلمون، وهذه معضلة اشتريناها واكتسبناها بأنفسنا وبأيدينا۔ "وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم" (سورہ.......)۔

فالآن الأوقاف في يد الحكومة، وللحكومة الهندية تدخل كبير فيها، بالرغم من أنها شكلت لجنات الأوقاف، ولكن كما تعرفون أن الحكومة لا حاجة لها أن تصون هذه الأوقاف، فلذلک إذا شكلوا هذه اللجنات في الولايات أو في الحكومة المركزية فإنهم يرون فيها من هو قريب منهم ومن هو أقرب من أغراضهم۔

لا ينبغي أن نتغاضى عند البحث على هذه القضية أن قانون الأوقاف

هذا داخل في الأحوال الشخصية، والحكومة ملزمة والمحاكم القضائية ملزمة بأن تتبع في هذه الأمور الأحكام الشرعية الإسلامية الدينية، والحال أن الحكومة قد وضعت لها قوانين، فهذه القوانين، فإن كانت لصيانة الأوقاف، ومع هذا قد خرجت من الشريعة الإسلامية، مثلا:

استبدال الوقف كما صرح به الفقهاء أنه لا يجوز إلا بإذن القاضي، وأيضا قد صرحوا أنه حينما نتكلم لفظ "القاضي" في بعض الوقف، فالمراد به قاضي القضاة، ولكن كل هذه الأمور قد فوضت إلى لجنة الأوقاف التى شكلتها الحكومة الهندية أو حكومة الولايات المختلفة، فما كان بأيدى القضاة قد خرج من أيدى القضاة الذين يعرفون الدين و الذين يعرفون قوانين الشرع، الذين يتقون الله، والذين نرجو منهم الأمانة والديانة، فلذلک بيع كثير من الأراضى الوقفية و خرجت من أيدينا، ولا تنسون أن هناک مدنا خاصة مثل بنجاب و هريانة قد خرج المسلمون منها عند تحرير الهند، فآلاف من المساجد وآلاف آلاف من الأوقاف قد خرجت من أيدينا فيها، فقد ضيعنا هذه الثروة الغالية.

الآن نحن نحتاج إلى نظر في هذه القضية، كيف نصون و كيف نحفظ هذه الأوقاف؟ الحمد الله هنا في هذه الندوة المباركة يتواجد الأخ الشيخ عبد المحسن محمد العثمان وهو الأمين العام للأمانة العامة للأوقاف، وقد رأيت في البلاد الإسلامية ووجدت أوقاف المسلمين في الكويت أحسن حالا، و الحمد لله مسلمو الكويت لهم يد بالغة في الأمور الخيرية فوقفوا أوقافا كثيرة، وهؤلاء الرجال الكبار أنهم استعملوا هذه الأوقاف و استثمروا فيها و بذلوا جهدهم لتنمية الأوقاف و الاستثمار بها، فصار كل وقف ذا ريع،

والوقف الذى كان يحصل منه مثلا مائة روبية، الآن بدأيعود بريعه إلى آلاف آلاف روبية، فهذه بركة من الله بسبب الأمانة وبسبب حسن التدبير، بارك الله في إخواننا بالكويت الذين عملوا عملا كبيرا في هذا السبيل، فجزاهم الله خير الجزاء۔

وهذه عبرة و هذا درس عظيم لنا أيها العلماء في الهند! يجب علينا أن ندرس هذه القضية في ضوء الفقه الإسلامي، ولا ننسى مقاصد الشريعة الإسلامية ولا ننسى قواعد الكلية ولا ننسى مقاصد الوقف ولا ننسى ماذا هو مقصود الواقف الحقيقي، وهل يجوز لنا أن نضيع هذه الأوقاف؟ وهل يجوز لنا أن نتركها خربانا؟ ما فيها أى عائد للمسلمين، وقد قرأنا ودرسنا في الفقه أن ما هو أكثر نفعا للمستحقين هو الأحسن وهو الذى يجب علينا أن نختاره، فبهذه الكلمات الوجيزة على هذه القضية قضية الوقف نرجو من الأخ الفاضل عبد المحسن محمد العثمان الذى هو الآن رئيس هذه الجلسة. نرجو منه إن شاء الله أن يسلط الضوء خاصة على طرق تنمية الأوقاف وطرق الاستثمار وطرق صيانة الأوقاف، وقبل هذا كله نبدأ هذه الجلسة بتلاوة القرآن الكريم فأدعو الأخ المقرى عبد الخالق أن يتفضل هنا مشكورا ويتلو بعض آيات القرآن الكريم، شكراً۔

☆☆☆☆

عبد المحسن عثمان صاحب نے عربی زبان میں اپنے قیمتی خیالات
پیش کئے،
ان کی گفتگو کا خلاصہ
مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب پیش کر رہے ہیں:

ہمارے فاضل مقالہ نگار ومقرر جناب عبد المحسن عثمان صاحب نے آپ کے سامنے، نظر تو یہ آرہا تھا کہ مقالہ وہ لکھ کر لائے ہیں اسے پڑھ دیں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جتنا انہوں نے اصل مقالہ سے نہیں پڑھا اس سے زیادہ اہم باتیں وہ تھیں جو بعد میں انہوں نے چند نکات کی شکل میں آپ کے سامنے رکھی ہیں، اتنی لمبی گفتگو کے بعد اس کا موقع تو نہیں ہے کہ لفظ بلفظ ان کے اس پورے لکچر کا یا ان کے اس مقالہ کا ترجمہ کیا جائے، زبان چونکہ انہوں نے جو استعمال کی ہے خالص ٹیکنکل اور آج کی ہے جو اس موضوع پر بولی جاتی ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سرسری طور پر دو باتیں آپ سے کہوں، ایک تو ان کا لکھا ہوا مقالہ ہے جس کا انگلش ترجمہ بھی وہ ساتھ لے کر آئے ہیں، اس میں انہوں نے تین چیزوں پر نظریاتی طور پر روشنی ڈالی ہے۔

پہلی چیز جو فی نفسہ اسلام کا مفہوم ہے، اور صحیح اسلام اگر لوگوں کے ذہنوں میں نہ ہو تو اس کے جو خطرناک نتائج ہوتے ہیں اس کو انہوں نے ظاہر کیا، اور اس پر خاص طور پر زور دیا کہ اس وقت کی جو دنیا ہے وہ معلومات کی دنیا ہے، اور انہوں نے کہا کہ انٹرنیٹ کے استعمال کرنے والے ایک شخص سے میں نے پوچھا کہ اس وقت جو معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہیں اس کی مقدار کتنی ہے، تو وہ کہنے لگا کہ ساری دنیا میں کیا استعمال ہو رہا ہے اس کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر میں ذاتی طور پر جو استعمال کرتا ہوں وہ اس کا ۴۴ ملین فل اسکیپ A4 سائز کاغذ پر جتنا میٹر لکھا جاتا ہے اتنا میں استعمال کرتا ہوں، یہ صرف ایک شخص کے استعمال کی بات ہے۔

پھر ایک ایسی دنیا جس میں ہم اس وقت زندگی گذار رہے ہیں اور جہاں ہمارے اردگرد انفارمیشن اور معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا ہے، وہاں اسلام کی نشر واشاعت یا اس کی تشریح کس نہج پر ہونی چاہئے، تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھاسکیں، یہ ایک سوال ہے۔

دوسری چیز وقف کا مفہوم ہے، وقف کا ایک مفہوم تو ہم سبھی سمجھتے ہیں، لیکن فی نفسہ وقف کا دائرہ کار کتنا بڑھ گیا ہے اس وقت اور خاص طور پر وقف کو انہوں نے جس انداز میں پیش کیا ہے کہ تہذیبوں کے بنانے میں وہ گویا سب سے زیادہ مؤثر ترین عامل کی حیثیت سے ہے۔

ایک مفہوم درمیان میں انہوں نے اور چھیڑا تھا، پسماندگی اور ترقی کا، کہ مختلف ملکوں یا مختلف قوموں کے درمیان پسماندگی اور ترقی کا جو معیار ہم نے اب تک سنا ہے یا معاشیات کے ماہرین جس کا ذکر کرتے ہیں اسلام کی تعلیمات اس سے کہیں زیادہ وقیع، دقیق اور شامل ہیں، ہم کو چاہئے کہ ان معیاروں پر بھی از سر نو غور کریں، اور اس ضمن میں انہوں نے کویت پر عراق کے حملہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ مال کا غلط مفہوم سمجھنے سے کیا نقصان ہوتا ہے یا یہ کہ اس طرح کی بعض دوسری جگہوں پر، جیسے اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام ان دونوں کا ٹکراؤ مال کے غلط مفہوم کو سمجھنے کی وجہ سے ہوا۔

ایسے ہی انہوں نے یہ پوائنٹ بھی واضح کیا کہ وہ ممالک جہاں اسلام نہیں ہے وہاں سامراجی طاقتوں نے بہت جلد وہاں کی قوموں کا مزاج بدلنے میں کامیابی حاصل کی، لیکن جہاں مسلمان ہیں وہاں ان کو وہ نہیں بدل سکے، تو اگر صحیح معنوں میں ہم ان کا استعمال کریں، اسلام کو اچھی طرح پیش کریں، ترقی کا صحیح مفہوم رکھیں اور پسماندگی کو حل کرنے کے لئے ان اصولوں کا استعمال کریں جو اصول اسلامی ہیں، تو اس صورت کے اندر ان سب چیزوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں انہوں نے ایک الگ مستقل مقالہ پڑھا وہ مقالہ لکھا ہوا نہیں تھا، لیکن سوال ایسے تھے جس کے لئے مستقل اس طرح کا سمینار منعقد ہونا چاہئے، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

آپ نے جو میٹر تیار کر کے دیا تھا وقف کے موضوع پر اس کو انہوں نے بڑی گہرائی سے پڑھا تھا اور چونکہ ان کا موضوع یہی ہے، اس لئے انہوں نے سوالات بڑے دقیق اور اہم قسم کے رکھے ہیں، پہلی چیز تو یہ کہ خود وقف کا مفہوم یہ ہے کہ عین کو باقی رکھ کر اس کی منفعت کو استعمال کیا جائے، موجودہ زمانہ میں اس مفہوم کے اندر کتنی وسعت ہے، کتنی معنویت ہے، مال فی نفسہ کیا حیثیت رکھتا ہے، حقوق مجردہ کی بحثیں آپ کے یہاں پہلے ہی آچکی ہیں، آج کل کی دنیا میں مؤلفین کے حقوق، کمپیوٹر بنانے والے، ہوائی جہاز کی کمپنیاں اور دوسرے اس طرح کے حقوق اور مسائل جتنے ہیں ان سب کی وجہ سے اس کے اندر جو عموم پیدا ہو گیا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک چیز اور انہوں نے کہی کہ ایک ہے وقف کا کرنے والا شخص، اور ایک ہے اس کا ارادہ، کیا ہم کو اس کا حق ہے کہ اس کے ارادہ کے اندر دخل انداز ہوں، جو آپ نے وقف کے مصارف متعین کئے ہیں یا جن پر بحث کی جاتی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں ان فقہی اصولوں کو بھی سامنے رکھا ہے، اور جو جدید پریشانیاں ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے سامنے سوالات رکھے ہیں۔ ان کا تجزیہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کی دنیا میں صنعتی ممالک نے چھ ارب ڈالر بطور چندہ کے دیئے ہیں، بطور مساعدات کے دیئے ہیں، اس میں تقریباً دو تہائی حصہ وہ ہے جو پبلک سکٹر سے یا عام طور سے جو خیرات زکوۃ مغرب والے کرتے ہیں، ہمارے یہاں وہ چیز اس وقت تقریباً بندسی ہو گئی ہے، حالانکہ پرانی تاریخوں میں دیکھیں تو ہاسپٹل سے لے کر جتنے بھی معاملات و مسائل تھے وہ ساری چیزیں وقف کے ذریعہ سے پوری ہوتی تھیں، مامون کے زمانے میں اور دوسرے خلفاء کے زمانے میں جو زریں زمانے گذرے ہیں ان میں جو وقف کی حیثیت تھی اس کو ہم کیسے اب دوبارہ بروئے کار لا سکتے ہیں، تو وقف کا مفہوم، مصارف وقف کی تعیین، اور واقف کے ارادے کے اندر تصرف کرنے کا حق، ایک شخص وقف کرتا ہے تو اس کا کچھ خاص مقصد ہوتا ہے، اس مقصد کو نظر انداز کر کے ہم اپنی طرف سے تحریر کریں کہ تم اس وقف کو فلاں مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے، ایسے ہی وقف کے لازم اور لازم نہ ہونے کے مسئلہ میں۔

ہمارے استاذ عبدالحسن عثمان نے جو پوائنٹ رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہئے، ان کے حل ہمارے سامنے آنے چاہئیں، ان پر آپ جیسے فقہاء زیادہ باریکی سے نظر ڈال سکتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ وقت میں نے کچھ زیادہ لے لیا، مگر ان کی باتیں ایسی تھیں جن کی وضاحت ضروری تھی۔

قاضی صاحب:

بہر حال آپ نے یہ خلاصہ سن لیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اردو خلاصہ بھی قطعاً اس کے مضمرات اور اس کی اہمیت پر کافی نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو غور سے پڑھیں گے، آج کے دور میں خاص طور پر الفاظ کے ساتھ جو کھلواڑ کیا جا رہا ہے اور الفاظ کی حقیقتیں جس طرح مسخ کی جارہی ہیں اور مصطلحات شرعیہ کے ساتھ جو ظلم کیا جا رہا ہے، مصنف نے ان مصطلحات کی اہمیت اور دور حاضر میں ان مصطلحات کی تعبیر اور آج کے علمی انقلاب کے زمانے میں ان اہم ترین مصطلحات کو از سر نو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی ہے، وقف کتنا بڑا کردار ادا کرسکتا ہے، چاہے وہ کلچرل، ثقافتی یا سوشل، اجتماعی، سماجی یا اقتصادی میدان میں وقف کے ذریعہ کتنا بڑا کام لیا جا سکتا ہے، پھر اس کے بعد ان جزوی مسائل کی طرف کہ لزوم وقف کے احکام اور عدم لزوم وقف کے احکام اور وقف کا ڈولپمنٹ اور جو ترقی پذیر ممالک ہیں ان کے مسائل، اور یہ سچی بات ہے کہ اگر زکوۃ کا نظام اور وقف کا نظام مسلمان ایمانداری سے پورے طور پر قبول کرلیں تو دنیا میں جو سود پر مبنی نظام اقتصادیات ہے اس کا سب سے بڑا حل آپ نکال سکتے ہیں، بہر حال یہ مقالہ آپ لوگوں تک پہنچے گا۔

جناب عبدالرحیم قریشی صاحب:

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام علی سيد المرسلين۔

محترم مہمانان گرامی اور معزز سامعین!

اوقاف سے متعلق ہم اس سیمینار میں بہت سے اہم مسائل پر گفتگو کریں گے اور اس گفتگو سے پہلے میں تمہیدی طور پر چند باتیں گوش گذار کرنا چاہتا ہوں اور جو باتیں میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں وہ اس لحاظ سے غور طلب ہیں کہ ایک ملی درد رکھنے والا آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ جب ہم ہندوستان کے اوقاف کے مسائل پر غور کریں تو ہمارے اپنے جو حالات ہیں، ہماری اپنی جو مصلحتیں ہیں، ہمارے اپنے جو ملی مصالح ہیں ان کو پیش نظر رکھیں، اور ظاہر ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو باتیں مسلم ممالک میں اوقاف کے تعلق سے ہوئی ہیں وہ ہماری ملی اور دینی مصلحت کے خلاف ہو، اس بات کو بھی ہمیں پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف اشاروں میں بات کرنا آپ جیسے علماء حضرات کے لئے کافی ہے، کہ وہاں اوقاف کے بارے میں جو رویہ رہتا ہے حکومتوں کا، یا کسی اور کا، ظاہر ہے کہ وہ رویہ ہم یہاں نہیں رکھ سکتے، کیونکہ وہاں کی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں کسی قسم کا کوئی تغیر ہوتا ہے اور بعد میں وہاں کے مسلمان محسوس کریں یا علماء کرام محسوس کریں کہ یہ تغیر اور تبدیلی غلط ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو بدلا جاسکتا ہے، لیکن یہاں اگر کوئی ایک تبدیلی ہوجائے گی تو پھر ہم بدلنے کے موقف میں نہیں ہوں گے، ہم اپنی باتیں پیش کر کے قانون بناسکتے ہیں تو پھر اس کے بعد ہماری کوئی آواز پارلیمنٹ میں نہ ہونے کی وجہ سے ہم کچھ کر نہیں سکتے، اس بات کو ہم کو پیش نظر رکھنی پڑے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اوقاف کے تعلق سے مختلف علاقوں کی مصلحتیں بھی الگ الگ ہیں جیسے پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش کا علاقہ ہے جس کے بارے میں سوال نامہ کا ایک حصہ بھی ہے، وہاں کی مصلحتیں کچھ اور ہیں، وہاں جو ہند کی تقسیم ہوئی، اس کے بعد جو حالات پیدا ہوئے اور اس کے بعد جو وہاں کی آبادی نے تخلیہ کیا، اور تخلیہ کے بعد ظاہر ہے کہ بہت سی مسجدیں اور اوقاف ویران ہوگئے، اوقاف ختم ہوگئے، تو سوال یہ ہے کہ اب وہاں کیا کیا جائے؟ مگر دوسرے علاقہ میں تو یہ ہے کہ اوقاف موجود ہیں، اور اوقاف کی موجودگی میں یہ ہوا کہ اوقاف کا اتلاف ہوا، اور تلف کرنے والا کون؟ جی ہاں خود مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں، چاہے سجادہ نشین

ہو، چاہے متولی ہو، چاہے کوئی ہو، غرض ہے تو مسلمان، دوسری طرف حکومت نے ہمیشہ ایسا مجہول وقف بورڈ تشکیل دیا کہ یہ وقف بورڈ تیمیوں کی پناہ گاہ بن گیا، اس وقف بورڈ کو کوئی سیاسی کام نہیں دیا گیا پارلیمنٹ یا آسمبلی کا ٹکٹ نہیں دیا گیا اور ایسے شخص کو لا کر بٹھا دیا گیا وقف بورڈ میں جس کو وقف بورڈ سے کوئی دلچسپی نہیں، اگر آپ غور کریں تو ہمارے ملک میں جتنے بھی وقف بورڈ ہیں ان میں سے تقریباً نوے فیصد وقف بورڈ کے صدور ایسے ملیں گے کہ جن کو وقف کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، یہ تو محض سیاسی سرپرستی کی بنیاد پر آ گئے، جس پارٹی کی حکومت ہے اس نے اپنے آدمی کو لا کر بٹھا دیا، اور ظاہر ہے کہ ان کو اپنے سیاسی آقاؤں کی تعمیل کرنی ہوگی، یا تو اس کے سامنے یہ ہے کہ اس کو خود آگے چل کر بڑا سیاسی مفاد حاصل کرنا ہے، آسمبلی کا ٹکٹ لینا ہے، پارلیمنٹ کا ٹکٹ لینا ہے، کونسل میں آنا ہے، تو یہ تمام مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر ہم پنجاب وہریانہ کو سامنے رکھ کر کوئی آسان شکل نکالتے ہیں جس کے ذریعہ استبدال وقف ہوسکتا ہے، وقف کی نوعیت بدل سکتی ہیں، وقف کی جائداد میں نکھار آ سکتا ہے تو اس کا اثر دوسرے حصوں پر کیا پڑے گا اس نوعیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا، ایک علاقے کو آپ سامنے رکھ کر کوئی قانون نہ بنائیں، بلکہ پورے ملک کو سامنے رکھ کر علماء کرام غور کریں، اب میں گفتگو کو آگے زیادہ بڑھانا نہیں چاہتا، چند باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، اور یہ چند باتیں وہ ہیں جو ہم نے مسلمانان ہند نے بتوسط آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بڑی کدوکاوش کے بعد حاصل کی ہیں، اور جو بڑی کدوکاوش کے بعد حاصل کی گئی چیزیں ہیں ان کو ہم پیش نظر رکھیں اور جو سوالات ہمارے سامنے رہے ہیں ان سوالات پر غور کیا جائے۔

ہندوستان میں جو وقف کی تعریف ہے، ایک ہے وقف کا یوزر، وقف تعامل، یا بعض لوگ وقف علی الاستعمال جس کا ترجمہ کرتے ہیں، یا دوسرے وقف بالتعامل جس کا ترجمہ کرتے ہیں، اور اب تک کا ۱۹۵۴ء سے جو قانون چلا آ رہا تھا اس قانون میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اگر کوئی وقف وقف تعامل ہے، وقف کا کوئی یوزر ہے تو یہ بھی وقف کی تعریف میں داخل ہے، اس سے

زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن اس کے بعد پنجاب میں ایک کیس ہوا اور اس کیس میں یہ ہوا کہ ایک قبرستان تھا اور قبرستان کے بارے میں دستاویز موجود تھی کہ وہ زمین قبرستان کی ہے، لیکن عدالت نے یہ کہا کہ استعمال ختم ہو چکا ہے، تعامل ختم ہو چکا ہے، اور جب تعامل ختم ہو چکا تو ظاہر ہے کہ اس کے وقف کی نوعیت ختم ہو جائے گی، یہ وقف بالتعامل تھا، تعامل کی بنیاد پر، پریکٹس کی بنیاد پر، یوزر کی بنیاد پر، اور جیسے ہی یوزر اور پریکٹس ختم ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اس کی نوعیت وقف ختم ہو جائے گی، یہ فیصلہ ہمارے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوا، یہ پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ تھا، چنانچہ جب وقف انکوائری کمیٹی بنی تو اس وقف انکوائری کمیٹی میں اس کی نمائندگی کی گئی، وقف انکوائری کمیٹی یہاں آنے کے بعد سنٹرل وقف کونسل میں جب بل زیر غور تھا، اس وقت نمائندگی کی گئی، ظاہر ہے کہ بہت سی مساجد ہیں مسجد کا کوئی وقف نامہ نہیں ہوتا، بہت سے قبرستان ایسے ہیں، بلکہ کبھی قبرستان ہیں جن کا کوئی ڈاکومنٹ نہیں ہوتا، چنانچہ ہم نے یہ چیز اس میں داخل کروائی اور کہا کہ یہ تعریف جو آپ نے کی ہے وہ جامع اور کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ اگر یوزر اور تعامل ختم ہو جائے، اگر وقف کے لحاظ سے بحیثیت وقف اس کا استعمال ختم ہو جائے تب بھی یہ وقف باقی رہے گا، یہ جو منظوری ہے آپ کے وقف تعامل کی اس منظوری کو ختم کر کے اس کا اضافہ کیا جائے۔ یہ ہمارا بہت بڑا Achievement ہے جس کو ہم سمجھیں اور خصوصاً پنجاب اور ہریانہ کے مسئلہ پر غور کرتے وقت، کہ پارٹیشن کے وقت ایک مسجد تھی اب اوقاف کی حیثیت سے اس مسجد کا استعمال ختم ہو چکا، لیکن آج ہم کو اس کا احساس ہے کہ وہاں پر مسجد تھی اور بحیثیت مسجد اس کا اندراج جائداد وقف میں ہونا چاہئے، تو وقف تعامل اور یوزر کے تعلق سے جو ترمیم بڑی کوشش کے بعد آج کے قانون میں ہم نے کروائی اور جو قانون میں آچکی ہے، اور اس وقت ۱۹۹۵ء کا جو قانون ہے اس میں یہ موجود ہے، تو ایسی صورت میں ہم دیکھیں اور اس چیز کو بھی ہم سامنے رکھیں کہ ہم اپنا اچیومنٹ جو ہم نے اپنی کوشش سے حاصل کی ہے، کیا ہم اس کو ضائع

کردیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور بات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، علماء کرام اس پر غور کریں کہ پنجاب اور ہریانہ کی بات میں نہیں کہتا، دلی شہر کتنا پھیل گیا اور دلی شہر پھیلنے کے بعد کتنی قدیم مسجدیں ہیں جو آباد ہیں، بہت سے شہر ایسے ہیں جو پھیلے اور پھیلنے کے بعد وہ مسجدیں جن کے بارے میں سان وگمان بھی نہیں تھا کہ وہ آباد ہوسکیں گی، مگر الحمدللہ وہ اب آباد ہوچکی ہیں، اس لئے آج اگر کوئی مسجد ویران ہے تو محض ویرانی کی بنیاد پر ان کو نہ بیچیں، پنجاب میں جو مسلمان آبادی پارٹیشن کے وقت یا پارٹیشن کے فوری بعد تھی، آج اس سے کہیں زیادہ ہے، امرتسر میں جو مسجدیں غیر آباد تھیں ان مسجدوں میں سے کئی مسجدیں آباد ہوچکی ہیں کیونکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی بڑھی ....تو یہ قانون جو ۱۹۹۵ء کا قانون ہے، اس میں بہت سے نقائص ہیں لیکن ان نقائص کے باوجود ان میں چند چیزیں اچھی ہیں جن کو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

ایک تو آپ کے سامنے ہے وقف کا یوزر، جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا، دوسرے کوئی ایسی چیز جس کی منفعت عوام کے لئے ہو، اور جس منفعت کے لئے وہ چیز وقف کی گئی تھی اور اس میں واقف کا جو منشا تھا اگر وہ منشا کھو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس سے قریب مقصد کے لئے اس جائداد کو، اس کی منفعت کو استعمال کیا جاسکتا ہے، اور یہ قانون وقف میں نہیں تھا، ہندوستان میں ظاہر ہے کہ راجا، مہاراجہ، نواب، جاگیردار انہوں نے بڑے اوقاف بنائے، بڑے اوقاف قائم کئے اور ان اوقاف کا منشا یہ تھا کہ قبیلہ کے غریبوں اور مسکینوں کی امداد کی جائے، مکہ کے غرباء کی امداد کی جائے، شہر حیدرآباد کے اندر ایک بہت بڑی بلڈنگ ہے جس کا نام ہے مکہ مدینہ علاء الدین وقف، اس طرح کے ایک نہیں ہزارہا وقف ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مکہ مدینہ کے مسافروں اور غرباء کی امداد کی جائے، اب اس کے بعد وہاں کی حکومت نے کہا کہ ہم اس کا پیسہ لینا نہیں چاہتے، اس طرح اس وقف کا جو مقصد اور واقف کا جو منشاء تھا وہ تو فوت ہوگیا تو اب کیا کیا جائے، تو علماء نے کچھ فتوی وغیرہ دیا اس کی بنیاد پر اس کو طے کیا گیا۔

اب اس وقت جو نیا قانون وقف ہے ۱۹۹۵ء کا، اس نئے قانون وقف کے اندر اس شق کو ہم نے بڑی کوشش سے داخل کروایا، یہ جو نیا قانون ہے اس کی دفعہ ۳ ذیلی دفعہ ۲، اور شق بی ۳ میں ہے، اس میں یہ کہا گیا کہ اگر کسی وقف کا مقصد فوت ہو جائے اس کا حصول مشکل ہو، اس کو حاصل نہ کیا جا سکتا ہو تو ایسی صورت میں ایسے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے جو اس مقصد کے مشابہ ہو یا اس مشابہ سے قربت رکھتا ہو، اس کے بعد کہا گیا کہ اگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے تو For the porpuse of promotion of the knowledge or learning of the Muslim community، یا پھر ایسی صورت میں یہ جائداد اس کی منفعت اور اس کی آمدنی استعمال کی جا سکتی ہے مسلمانوں میں یا تعلیم میں، اور تعلیم میں یہ قید نہیں کہ یہ تعلیم دینی تعلیم ہو یا عصری تعلیم ہو یا جس قسم کی بھی تعلیم ہو، اس اعتبار سے ہم موجودہ قانون میں جس نکتہ پر غور کر رہے ہیں کہ آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو آمدنی میں اضافہ کے تعلق سے بھی دفعہ موجود ہے کہ ایک وقف کی آمدنی بڑھے، ایک وقف کی فاضل آمدنی ہے، منشاء وقف کی تکمیل کے بعد بھی آمدنی بچتی ہے تو اس میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ جو زائد آمدنی ہے اسے واقف کے اصل منشاء کے مطابق استعمال کیا جائے، اور پھر جو اس سے مشابہت رکھنے والے ہوں ان میں، اور پھر اس سے مطابقت رکھنے والے کسی اور مقصد کے لئے، تو اس بات کو ہم پیش نظر رکھیں۔

اب جہاں تک جائداد کی تبدیلی اور خصوصاً جائداد کے انتخاب کا تعلق ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قانونی موقف اس میں کیا ہے؟ قانونی موقف یہ ہے کہ اگر اس کا استعمال ختم ہو گیا ہے تو اس کا پورا پروسیجر دیکھیں، لیکن اس پروسیجر میں ایک چیز ہم نے بڑی مشکل سے داخل کروائی ہے، اس لئے داخل کروائی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک جائداد مسجد کے لئے، مسجد کی خدمت کے لئے، امام کی خدمت کے لئے، مؤذن کی خدمت کے لئے وقف کی گئی، اس کو متولیوں نے بیچ دیا، وقف بورڈ نے بیچ دیا، یہاں میں نام نہیں لوں گا ایک صاحب تھے مہاراشٹر کے جو وزیر اوقاف تھے، انہوں نے ضلع بیڑ کے اندر ایک بہت بڑی پراپرٹی بیچ دی اور یہ کہہ کر بیچ

دی کہ یہ پراپرٹی ایسی آبادی میں ہے جہاں جاکر کرایہ وصول کرنا مشکل ہے، اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ آمدنی دھری کی دھری رہ گئی، وقف بورڈ کے دوسرے مصارف میں آگئی، جہاں ضرورت پڑی اور دیکھا پیسہ نہیں ہے اس میں سے لے لیا، اور وہ سارا کا سارا فنڈ ختم ہوگیا، تو جب یہ صورت حال سامنے آئی تو ہم نے کہا کہ کچھ پابندی تو لگائی جانی چاہئے، چنانچہ موجودہ جو قانون ہے اس میں ہم نے اس بات کو منظور کروایا ہے اور یہ Elemination کا جو سیکشن ہے، اس کے اندر کسی صورت میں مسجد، درگاہ اور خانقاہ کے اندر کوئی استبدال اور کوئی منتقلی نہیں ہوسکتی، نہ اس کو بیچا جاسکتا ہے نہ اس کو ہبہ کیا جاسکتا ہے نہ اس کو رہن رکھا جاسکتا ہے اور نہ کسی اور کو دیا جاسکتا ہے، یہ اس کا قانونی موقف ہے۔ اب اس قانونی موقف کے سلسلہ میں میں نے پہلا نکتہ جو آپ کے سامنے پیش کیا اس نکتہ کو سامنے رکھئے کہ ایک جائداد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ میں وقف کی، اس کے بعد اس کے وقف کی نوعیت کسی وجہ سے باقی نہیں رہی، لیکن قانون ہم کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ ہم اس کو پھر واگذار کرائیں، اب یہاں ایک سوال آتا ہے کہ پنجاب اور ہریانہ میں بہت سی ایسی اوقافی جائدادیں ہیں جن کو ایڈمنسٹریٹروں نے قبضہ میں لے لیا، پاکستان میں جو لوگ منتقل ہوگئے ان کی پراپرٹی تخلیہ کنندگان کی پراپرٹی قرار پائی ہے، اور تخلیہ کنندگان کی جائداد کی حیثیت میں ظاہر ہے کہ جو قانون وقف اس بابت ان کے یہاں تھا اس کے راستے پر وہ نکل چلے، ایک خاص دفعہ اس نئے قانون جو ۱۹۹۵ کا قانون ہے اس میں ہم نے رکھا ہے جس میں ہم نے کہا کہ اس طرح کی جتنی بھی وقف کی پراپرٹی ہے جو کسی ایڈمنسٹریٹر کے پاس ہے یا گورنمنٹ کے کسی عہدیدار کے پاس ہے اور وقف بورڈ اس تحقیق کے بعد کہ اس جائداد کا استعمال پارٹیشن سے پہلے بحیثیت وقف ہوتا رہا ہے تو ایڈمنسٹریشن کم سے کم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا پورا انتظام ہمارے حوالہ کیا جائے، اور اگر کہیں وقف بورڈ کمزور ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس قانون میں بہت سے نقائص ہیں مثلاً اگر قبضہ مخالفانہ ہوجاتا ہے......... اور وقف کی پراپرٹی چلی جاتی ہے تو اس قانون میں وقف بورڈ کو یا وقف بورڈ کے کسی عہدیدار کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔

ہم آندھرا پردیش میں اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں ایک نیا قانون وقف بنائیں، اور نئے قانون وقف میں اس کی کوشش کی جارہی ہے، چنانچہ کل ہی اس کی مشاورتی نشست تھی، لیکن ہم نے اس کوملتوی کرایا کہ ہم جنوری تک اس میں اور تجاویز دے کر اس کو بہتر بنائیں گے، لیکن آپ جب غور کر رہے ہیں تو میری مخلصانہ گذراش یہ ہوگی کہ جہاں تک مسلم مما لک ہیں ان کا موقف الگ ہے، وہاں مسلمان ایک چیز اگر کھودیتا ہے تو پھر حاصل کر سکتا ہے، مگر یہاں ایک چیز کھونے کے بعد آپ حاصل نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ جو مصلحتیں پنجاب اور ہریانہ کی ہیں وہ مصلحتیں وقف بورڈ کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اسی قانون وقف کے ذریعہ حاصل کرنا ہوگا، اور پھر پنجاب اور ہریانہ کی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کے آپ کوئی چیز طے کرتے ہیں تو یہ بھی دیکھئے کہ اس کے مضر اثرات ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر کیا ہوں گے، جہاں پر لوگ نظریں لگائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح کوئی آسان سی شکل نکل جائے اور ہم اس وقف کی جائداد کو اپنی جائداد بنالیں اور اس پر قبضہ کرلیں، کیونکہ بہت سی وقف کی جائدادیں شہری آبادی میں آچکی ہیں، اس کی قیمتیں بہت کچھ بڑھ چکی ہیں، اور آج کل اسٹیٹ بلڈر یا اسٹیٹ ڈیلر، پراپرٹی ڈیلر، یا پراپرٹی بلڈر یہ سب لوگ اپنی للچائی نظریں لگائے ہوئے ہیں، تو ایسے موقعہ پر آپ سے گذارش ہے کہ بڑے احتیاط کے ساتھ تمام چیزوں کو سامنے رکھیں اور ہمیں ہندوستانی مسلمانوں کی مصلحتوں کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا، اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے جو نیا قانون وقف ایکٹ ہے اس کی کاپیاں آپ کے پاس بھیج دی جائیں گی تو اس پر آپ حضرات بہتر طور سے غور کریں، میں اس بات کو ضروری سمجھتا ہوں، شکریہ۔

قاضی صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ دو اہم خطاب اس موضوع پر ہو گئے ہیں، اس کے بعد موقع ہے کہ پہلے عرض پیش کیا جائے آپ کے سامنے اور اس کے بعد صبح انشاء اللہ ہم لوگ پوری گفتگو کریں گے، حضرات شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ اپنے نکات ضرور نوٹ کرتے جائیں، اس

وقت جو بات مجھے عرض کرنی ہے وہ بہت اہم ہے، جس سوال کو اٹھایا ہے ہمارے جناب عبدالرحیم قریشی صاحب نے، اور ابھی ابھی فیکس کے ذریعہ پنجاب وقف بورڈ نے چند سوالات کئے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ایک بات میں آپ پر واضح کردوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو مسلمانوں کا عمومی نمائندہ تو ہے ہی، اصحاب علم، اصحاب فتوی اور اصحاب فقہ کا ایک مرکزی ادارہ ہے جس کے کسی فیصلہ کو ایک اجماعی حیثیت مسلم معاشرے میں حاصل ہے، اس لئے ساری بحثیں تو ہم مسائل پر کریں گے انشاء اللہ، لیکن یہ بات کہ جو کچھ فیصلہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۲ میں اپنے دلی کے اجلاس میں کردیا ہے، جو فیصلہ ساری عدالتوں میں دے چکے ہیں، سارے پریس کو دے چکے ہیں، ساری سرکار کو دے چکے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس پورے ہاؤس کو باتفاق آراء بلا کسی ردوقدح کے یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ مساجد کی مسجدیت کو کبھی بدلا نہیں جاسکتا، مسجد نہ بیچی جاسکتی ہے، نہ مسجد عاریت دی جاسکتی ہے، اور نہ مسجد کی حیثیت میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس فیصلہ کے بعد آج جو ہندوستان بھر کے اور ہندوستان کے باہر کے علماء بھی بیٹھے ہوئے ہیں ان سب کا یہ اجماع قرار پاتا ہے کہ مسجد بدلی نہیں جاسکتی، جگہ نہیں بدل سکتی، منتقل نہیں کی جاسکتی، مسجد بیچی نہیں جاسکتی، مسجد عاریت میں نہیں دی جاسکتی، اس فیصلہ پر آپ سب اتفاق کرتے ہیں تو یہ ایک اجماعی فیصلہ تسلیم کیا جانا چاہئے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سارے حضرات باتفاق رائے اس کی تائید کریں گے، اور اب اس مسئلہ پر کوئی بحث نہیں ہوگی، مسجد کے علاوہ جو دیگر مسائل ہیں ان پر ہم گفتگو کریں گے، اور آپ سب کی طرف سے یہ اجماعی فیصلہ پورے ملک کو پہنچ جائے گا کہ جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۱۹۹۲ء میں کیا تھا جہاں اکابر علماء جن میں بہت سے آج ہمارے بیچ نہیں رہے ہیں ان کا فیصلہ محقق ہے، محض وقتی مصالح پر مبنی نہیں ہے، آج پورے علماء ہند مجتمع ہوکر اس فیصلہ کی تائید کرتے ہیں اور اس فیصلہ کو دہراتے ہیں، یہ بات طے ہوگئی، میری بات ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور دوسرے بزرگوں سے بھی اس موضوع پر ہوئی ہے وہ لوگ بھی اس کے ساتھ پورا پورا اتفاق رکھتے ہیں، تو اس اتفاقی فیصلہ کے

بعد میں سمجھتا ہوں کہ آگے بحث جاری رہے گی، اب میں **مولانا عتیق احمد قاسمی** سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا پہلا عرض شروع کریں، اور ہم ہارون بھائی کی ہدایت کے مطابق وقت پر ختم کریں گے، اور ہوسکتا ہے تینوں عرض مکمل ہوجائے اور صبح مناقشہ اسی پر ہو، میں آپ حضرات کی تعریف کرتا ہوں کہ بڑے صبر آزما موضوع پر بہت ہی صبر کے ساتھ بیٹھ کر آپ نے دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، یہ آپ کی علمی دلچسپی کی دلیل ہے، اللہ تعالی ہم کو اور آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: (جناب مولانا عتیق احمد قاسمی، جناب مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور جناب مولانا ظفر عالم ندوی نے بالترتیب عرض پیش کئے جو اس کتاب میں اپنے مقام پر شامل ہیں)

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اگر کچھ قانونی سوالات آپ کے ذہن میں ہوں جن کی وضاحت آپ ضروری سمجھتے ہوں تو پہلے وہ سوالات کر لئے جائیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ جناب عبد الرحیم قریشی صاحب موجود ہیں جو قانون وقف کے ماہر بھی ہیں اور ہماری زبان میں ہم کو بات سمجھا سکتے ہیں، اس لئے جن حضرات کے ذہن میں کوئی قانونی سوال ہو جس کی وضاحت درکار ہو تو پہلے مرحلے میں وہ سوالات کر لئے جائیں، اس کے بعد میری درخواست یہ ہے کہ سوال نامہ آپ کے سامنے ہوگا جن حضرات کو بھی اپنی رائے دینی ہے کچھ وضاحتیں کرنی ہیں اگر وہ پہلے سے نوٹ کرلیں کہ کس سوال کے بارے میں کیا بات وہ کہنا چاہتے ہیں، تاکہ ان کی بات مربوط اور مرتب ہو کہ فلاں سوال کے بارے میں ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ہماری یہ رائے ہے ہمارے یہ دلائل ہیں، اور تیسری بات یہ ہے کہ اختصار سے کام لیں، اس لئے کہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب علم ہیں اور اصحاب فہم ہیں ان کے لئے اشارہ کافی ہوگا اور ہر ایک کو اس کا موقع مل پائے گا، تو پہلے مرحلہ میں میری درخواست ہے کہ جن کو قانونی وضاحت درکار ہو وقف کے قانون کے بارے میں وہ اپنا نام پیش فرمائیں اور ان کو دعوت دی جائے گی گفتگو کے لئے۔

قاضی صاحب:

حضرات علماء! اب ہم اوقاف سے متعلق مختلف مسائل پر بحث کا آغاز کرتے ہیں، اس موقعہ پر آپ کی توجہ چند نکات کی طرف منعکس کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ مسئلہ وقف پر نصوص کم سے کم تر ہیں، اوقاف کے احکام کی تفصیلات جو فقہاء کے یہاں ملتی ہیں وہ مجتہدات ہیں منصوصات نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتہ پر اختلاف آپ لوگوں کو نہیں ہوگا۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ وہ وقف کے جواز ہی کے قائل نہیں ہیں، لیکن محققین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ امام صاحب جواز وقف کے قائل ہیں، لزوم وقف کے قائل نہیں، اور جہاں تک مسئلہ مسجد کا ہے وہاں امام صاحب لزوم کے بھی قائل ہیں، دیگر ائمہ بھی وقف کے جواز اور لزوم کے قائل ہیں، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ لزوم وقف تقریباً تمام ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے، تو مسئلہ اگر منصوص نہیں مجتہد ہے لیکن اس میں اگر علماء امت کا اجماع ہو چکا ہو تو خود ایک بڑی سند اور حجت کا درجہ رکھتا ہے، چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے علماء کے درمیان اختلاف رائے بہت سی اشیاء میں ہوا ہے، دیکھنا یہ ہے ہم کو اور آپ کو بہت گہرائی کے ساتھ کہ پورے نظام وقف میں کن بنیادی باتوں کی رعایت جملہ ائمہ ومجتہدین فقہاء نے رکھی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اصول اگر ہم سب کے سامنے حاضر ہوگا تو مسائل کا حل کرنا ہمیشہ ہمارے لئے آسان ہوگا، پہلا مسئلہ تو مشروعیت وقف کے مقاصد، اسباب المشروعیہ، مقاصد المشروعیہ اور وقف کرنے کے اس عمل کی شرعی حیثیت کا ہے، ہمارے یہاں اسلامی نقطۂ نظر سے ہر عمل کے اندر رضائے خداوندی اور اجر آخرت مطلوب ہوتا ہے، وہ عمل جو شریعت نے واجب نہیں کیا ہے، اس کو بطور خود آپ کے اختیار پر چھوڑا ہے، اس عمل کو تبرع کہا جاتا ہے، پس وقف کی حیثیت شرع کی زبان میں ایک تبرع کی ہے، مجھے یقین ہے کہ سارے علماء اس سے اتفاق کریں گے، چونکہ یہ کوئی خاص اہم بات نہیں ہے۔

وقف کا مقصد شئی موقوف کو ہمیشہ باقی رکھنا، اور اس کے منافع مستحقین کے درمیان تقسیم ہونا، اصل شئی کو محفوظ رکھنا اور منافع کی تقسیم، یہ دو بنیادی جز ہیں اوقاف کے، بنیادی طور پر وقف میں یہ دو باتیں اہم ہیں، ایک ہے حبس عین، اب اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ "**علی ملک الواقف أو علی ملک الله**" میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن حبس عین، عین شئی کا محفوظ رکھنا اور اس کے نفع کو عام کرنا، میں سمجھتا ہوں کہ اوقاف کے جملہ احکام ومسائل کے بارے میں کچھ طے کرتے وقت دو چیزوں کو بنیادی طور پر سامنے رکھنا ہے، ایک یہ کہ وہ شئی محفوظ رہے، دوسرے یہ کہ اس کا نفع عام سے عام اور زیادہ سے زیادہ ہوتا رہے، اگر ان دو مقاصد کو ملحوظ رکھیں گے تو بہت ساری الجھنیں ہماری خود بخود طے ہو جائیں گی ان شاء اللہ، ایک تو اصل شئی موقوف کی حفاظت ہو وہ ضائع نہ ہونے پائے، اور دوسرے نفع اس کا جاری رہے بڑھتا رہے، تو گویا نافعیت اور انفعیت اور صیانت اصل وقف، یہ گویا ہمیں بنیادی طور پر تمام مسائل اوقاف میں غور کرتے وقت ذہن میں رکھنا چاہئے، اب اس روشنی میں اگر آپ تمام فقہاء کی پوری کتاب الاوقاف پڑھ جائیے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہر فقیہ ومجتہد کی رائے دراصل اسی بنیاد کے تحت گھومتی ہے اپنے عہد کے اعتبار سے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے، جس فقیہ نے حفاظت وقف کے لئے جو ضرورت محسوس کی اس کا حکم دیا اور وقف کی نافعیت کے لئے جو ضروری سمجھا حکم دیا، یہی دراصل پوری روح اور خلاصہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ اوقاف کے مسائل میں عام بات لکھی ہے لوگوں نے کہ آخری اختیار ناظر وقف اور متولی وقف کو نہیں بلکہ قاضی کو ہے، لیکن بعض نے یہ بھی لکھ دیا کہ نہیں نہیں قاضی سے بھی بچانا، زمانہ خراب ہے، قاضی سب بھی گڑبڑ ہو رہے ہیں، یعنی جب اس دور کے فقہاء نے حکومت کی طرف سے مقرر کئے ہوئے قاضیوں کی دیانت پر شبہ کیا تو انہوں نے قاضی سے بھی بچنے کی بات کہی، کیوں؟ تاکہ وقف محفوظ رہے، پس جملہ احکام ابواب وقف پر اگر آپ غور کریں گے تو یہی ملے گا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بنیادی نقطہ بھی آپ کے غور کرنے کا ہونا چاہئے، اور خوب اچھی طرح اللہ کے سامنے اپنے کو رکھ کر اس پر غور کریں کہ ہم

کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی حفاظت مجروح ہو اور کوئی فیصلہ ایسا نہ کریں جس سے وقف کی نافعیت یا انفعیت متاثر ہو، یہ چیز ہمارے خیال میں بنیادی طور پر ذہن میں رہنی چاہئے تو بہت سی آسانیاں ہوں گی۔

ابھی پہلا سوال جو استبدال وقف سے متعلق ہے، اور مولانا عتیق صاحب کے عرض میں اس کا تذکرہ ہے، تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ استبدال وقف کی کبھی ضرورت پڑ سکتی ہے ''صار الوقف خربانا'' وقف ایسا ویران ہوگیا کہ اب اس سے کوئی آمدنی نہیں تو اصل شی محفوظ ہے، مگر نافعیت ختم اس کی، اصل شی محفوظ ہے، لیکن نفع نہیں دے رہی ہے، آمدنی نہیں ہورہی ہے ، اس کے محاصل نہیں ہیں، تو یہاں پر فقہاء نے بڑی احتیاط کے ساتھ کہ کہیں اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے، استبدال کی اجازت دی، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف کی آمدنی تو ہے، لیکن قلیل ہے ، اگر اس وقف کو ہم Convert کریں، تبدیل کر کے ہم کسی دوسری جگہ وقف کی زمین حاصل کرلیں تو وہاں پر نفع بڑھ جائے گا، تو یہاں پر فقہاء کی دو رائے ہوئی، ایک رائے یہ ہے کہ اگر اصل نفع کچھ نہ کچھ جاری رہے تو زیادتی نفع کی خاطر وقف کی تبدیلی نہیں کرسکتے، کچھ فقہاء کی رائے ہوئی کہ اگر انفعیت حاصل ہوجاتی ہے اطمینان کے ساتھ تو استبدال کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور بہر صورت استبدال کے حکم کا اختیار قاضی کو دیا گیا، اور وہ بھی ہر قاضی کو نہیں، بلکہ جو قاضی القضاۃ ہیں ان کو دیا فقہاء نے، تو یہاں بھی دیکھئے مسئلہ استبدال میں بھی نافعیت اور انفعیت اور شیٔ اصل موقوف کی حفاظت کو فقہاء نے سامنے رکھا ہے۔

اب میں ایک بات اور عرض کردوں کہ ایک وقف کو بیچ کر نقد پیسہ حاصل کرنا ہے، مثلاً اتفاق سے ہمارے یہاں بہار میں اگر اوقاف میں کوئی تبدیلی کرنی ہو تو اس کی اجازت کی درخواستیں دارالقضاء میں آتی ہیں، ابھی چلتے وقت بھی میں نے دو تین معاملات کو دیکھا ہے، ہمیشہ آتی رہتی ہیں درخواستیں، تو مثلاً ایک وقف کا معاملہ یہ تھا کہ وہاں پر زمین درمیان آبادی میں آگئی اس کا کوئی منافع نہیں ہے، اس کو اگر ہم علاحدہ کردیں تو دوسری جگہ ہم زمین لے لیں، ٹھیک ہے؟

میں نے کہا کہ پہلے آپ یہ طے کر آئیے کہ دوسری زمین آپ کہاں حاصل کریں گے، اس کا زرثمن کیا ہوگا اور جو ہم بیچیں گے اس کا زرثمن کیا ہوگا، دونوں کا پہلے ہم مقابلہ کریں گے، اس کے بعد دیکھیں گے، اب تین چار ماہ بعد یہ درخواست آئی کہ جس زمین کو ہم لینا چاہ رہے تھے وہ زمین فروخت ہوگئی، میں نے وہیں پر مثل روک دی کہ جب تک پھر کوئی دوسری زمین سامنے نہیں آئے گی کہ اس کا معاملہ طے ہو اور دونوں رجسٹری ایک ساتھ ہوں، ایک طرف ہم بیع کریں اور دوسری طرف شراء کریں، تاکہ اصل وقف مجروح اور متاثر نہیں ہونے پائے، جب تک یہ نہیں ہوگا ہم نہیں کریں گے، تو جناب والا ایسا نہ ہو اس لئے کہ پیسہ حاصل ہونے کے بعد پیسہ رہ ہی نہیں سکتا، اس پر خطرات ہوتے ہیں، اس لئے صیانت وقف کو بنیادی حیثیت دینا ہوگا، اس مسئلہ میں رائے کر لیجئے۔

اب اس سلسلہ میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہمارے نزدیک صیانت وقف پر کوئی جھگڑا نہیں ہے، سبھی لوگوں کو یہ دیکھنا ہے کہ کوئی بھی ایسا حکم ہم نہیں دے سکتے جس میں اصل وقف کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ وقف کی آمدنی نہیں ہو اس کو کارآمد اور نفع بخش بنانے کے لئے استبدال ظاہر ہے کہ ہوسکتا ہے، تمام لوگوں نے صراحت بھی کی ہے اور ہم بھی سمجھتے ہیں.....۔

ہاں مسئلہ وہاں زیر بحث آئے گا جہاں پر صورت حال یہ ہو کہ آج ہزار روپے آمدنی ہوتی ہے اگر ہم تھوڑی سی تبدیلی کرلیں تو لاکھ روپے آمدنی ہوسکتی ہے تو زیادتی نفع کی خاطر ہم اس کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں کہ وقف کا استبدال کیا جائے، اصل نفع کے لئے نہیں، بلکہ زیادتی نفع کے لئے، اب یہاں پر یہ بحث ہوگی کہ اگر اصل وقف کے تحفظ کا پورا اطمینان نہ ہو، ایک شکل، اور اصل وقف کے تحفظ کا پورا اطمینان ہو پھر ایک عالم دونوں حالات میں کیا فتوی دے گا، اس کو آپ حضرات کو دیکھ کر طے کرنا ہے۔

جہاں تک مسئلہ مسجد کا ہے اس سے ہم لوگ فارغ ہو چکے ہیں، اب اس پر بحث کرنا

ہے کہ مسجد کی اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یہ ہے پہلا سوال، دوسرا اسی کا حصہ ہے کہ مسجد کی آمدنی یعنی مسجد کے لئے اوقاف سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ وقف جو کسی مسجد پر ہے اس کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہے تو کیا مسجد کے اخراجات سے زائد ہونے کی صورت میں اس زائد آمدنی کو تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

بہر حال دوستو! یہ ہے ساری بحث کا خلاصہ۔

سوال نمبر ایک میں جہاں تک مساجد کا تعلق ہے عین مسجد کا اس پر ہم اب کوئی بحث نہیں کریں گے، اس کے علاوہ جو مسائل ہیں ان پر اگر آپ بحث کرنا چاہیں گے تو اس کی گنجائش دی جائے گی۔

مولانا شیر علی صاحب:

وقف لازم نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، یہ بات درست نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

اگر ایسا نہیں ہے تو بہت اچھا ہے، ہم یہ جانتے ہیں "إلا إذا قضى به" میں نے یہ کہا کہ: إن الأئمة قد اختلفوا في لزوم الوقف أو عدم لزومه، الإمام أبو حنيفة لم يقل بعدم جواز الوقف، قد نسبوا إلى الإمام أبي حنيفة أنه قائل بعدم جواز الوقف، ولكن هذا ليس بصحيح، الصحيح أنه قائل بجواز الوقف، ولكنه يقول: إن الوقف لا يلزم بل يمكن أن يرجع الواقف من الوقف، فالاختلاف فيما بينهم في مسئلة لزوم الوقف وعدم لزومه لا في جواز الوقف أو عدم جوازه، هذا ما قلت، الآن ماذا تقول۔ میں نے حنفی مسلک میں نہیں کہا۔

أنت تعرف يا شيخ أن الإمام أبا حنيفةؒ إذا قال بقول، وقال أبو يوسف

ومحمد بقول آخر، وقولهما أيضا جزء من مسئلة الأحناف، لأن كل ما نسب إلى هذين الإمامين الصاحبين كأنه قول للإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى، فاختار أحدهما هذا وآخرهما هذا، كما نسب إلى الإمام الشافعيؒ أن هذا قول قديم، وهذا قول جديد، وهذا في مصر، وهذا في بغداد، كلها أقوال للإمام الشافعي، وكذلک اختاره أبويوسف أو محمد أو زفر أو فلان أو فلان، كلها أقوال للإمام أبي حنيفة رحمه الله، اختاره أحد من تلامذته۔

مولانا شیر علی صاحب:

اگر وقف لازم نہیں ہے تو وقف کا مقصد کیا رہا؟

قاضی صاحب:

میں نے کچھ نہیں کہا، میں نے تو کہا کہ خود حنفیہ کے یہاں مفتی بہ قول یہی ہے کہ وقف لازم ہوگا، یہ امام ابو یوسف کا قول ہے، امام محمد کا قول ہے، لزوم وقف کا قول مفتی بہ ہے احناف کے یہاں، اور پوری کتاب الوقف اسی پر مرتب ہے۔

کیا آپ کے علم میں یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا ایک معروف قول عدم لزوم وقف کا ہے۔

مولانا شیر علی صاحب:

نہیں، میرے علم میں نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

تو براہ کرام آپ کم سے کم شامی ضرور دیکھ لیں، آپ کے پاس سب کتابیں موجود ہیں، اسی لئے جب فقہاء احناف بحث کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ ''شرائط الوقف على قول الصاحبين، على قولهما''، یہ بحث کرتے ہیں۔

تو خیر مولانا سلطان صاحب ایسا ہے کہ آپ کی توجہ چاہتا ہوں، سوال نمبر ا ''الف'' اور

سوال نمبر ا ''ب'' کے بارے میں آپ گفتگو کریں، ''ج'' طے ہوچکا ہے کہ مساجد کا مسئلہ ختم ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جو تلخیص مقالات کی دی گئی ہے یہ تلخیص یکطرفہ ہے، اور ظاہر ہے کہ بعد میں ریکارڈ نہیں بنتا ہے، یہاں پر عارض جو ہے مسئلہ کا جو مزید معلومات فراہم کرتا ہے یا حوالہ دیتا ہے وہ اس کے پاس رہ جاتے ہیں، جو چیز آپ کے پاس ریکارڈ متی ہے اور اس کی تلخیص ہوتی ہے، اس بناپر اس کو نمائندہ ہونا چاہئے اور اس میں جملہ آراء کا تذکرہ ہونا چاہئے، یہاں پر ہریانہ، پنجاب، دہلی اور مغربی یوپی کے اوقاف کے حوالہ سے بات کہی جارہی ہے، مسئلہ بڑا نازک ہے، اور ہندوستان کے پس منظر میں فقہ کے اندر اوقاف کے سلسلے میں مشہور، معروف، مفتی بہ جو بھی قول ہے وہ یہ ہے کہ ''الوقف لا یباع ولا یوھب ولا یورث'' ہم سب جانتے ہیں اس کو، اس تلخیص میں اس کا حوالہ دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اگر اس کے مقابلہ میں امام محمدؒ کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ اس میں تذکرہ کیا گیا ہے......، تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ مشہور و معروف اور مفتی بہ جو قول ہے اس کے مقابلہ میں موجودہ حالات میں امام محمد کی رائے پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور ہندوستان کے حالات میں زیادہ قرین مصلحت ہے، اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اب میں نے اس پر جو جواب لکھا تھا اس میں سے صرف چند سطریں میں آپ کے سامنے پڑھ دیتا ہوں، جس کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے،........ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن رائے کا آنا اس میں ضروری ہے، آئندہ ریکارڈ اسی کی بنیاد پر بنتا ہے، میں نے یہ لکھا تھا اس پر کہ ''الف'' ''ج'' اور ''د'' جملہ شقوں کو شامل کرتے ہوئے وقف کے سلسلہ میں یہ مسئلہ معروف ہے کہ ''الوقف لایباع ولا یوھب ولا یورث''، پنجاب و ہریانہ اور دہلی و مغربی یوپی کے بیچ مسجد اور غیر مسجد جملہ اوقاف کی نسبت سے اسی پر ہی عمل مناسب ہے، اس وقت جب کہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان متولیوں اور ٹرسٹیوں کی طرف سے ان کا دیانت

دارانہ انتظام نہیں ہوپا رہا ہے، اس میں خرد برد عام اور مالی بدعنوانیاں اس کے نظام کا حصہ بن چکی ہیں، ان حالات میں ان کی منتقلی یا فروختگی دوسرے الفاظ میں ان اوقاف کو ختم کرنے کے مترادف ہے، یہ صحیح ہے کہ مخصوص حالات میں یہ اوقاف مسائل سے گھرے ہوئے ہیں، لیکن ان کی فروخت ان کے مسائل کا کسی طرح حل نہیں ہے، بحمد اللہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی ہونا شروع ہوگئی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ پوری امت کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو، مسلم پرسنل لا بورڈ میں ان کے لئے الگ سے وینگ (Wing) بنایا جائے اور مسلمانوں کے تمام مذہبی، اور سیاسی جماعتوں کو اس میں شامل کیا جائے اور دیگر پروگراموں کی طرح یہ بھی اس کا ملت اسلامیہ ہندیہ اس کی حفاظت پر کمربستہ ہو، اس عمل میں امکانی کچھ اوقاف کا ضائع ہوجانا اس کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عمومی خرید وفروخت کے ذریعہ بڑے پیمانے پر ان کے ضیاع کا خطرہ مول لیا جائے، میری اس رائے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، میں سمجھتا ہوں کہ اس رائے سے اختلاف ہوسکتا ہے، اس کو مرجوح قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن وقف کے سلسلہ میں یہ رائے ظاہر کی جانی ضروری تھی۔

اس تلخیص کے نمائندہ نہ ہونے کی ایک دوسری مثال آگے دیکھیں کہ سوال نمبر ۲ ہے کہ کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہے، مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، اس کے سلسلہ میں تمام رائے وہ نقل کی گئی ہیں جو اکثر کی رائے ہے اس کی تلخیص کے اندر، خاکسار کی رائے جو اس سلسلہ میں ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ مسجد پر وقف اراضی میں مسلمانوں کے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، الا یہ کہ واقف کی طرف سے وقف نامہ میں اس کی صراحت ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، یہ میں صرف مثال دے رہا ہوں کہ اس رائے کا کوئی تذکرہ اس کے اندر نہیں ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تمام آبادیوں میں مسجدوں میں جگہیں کم پڑ رہی ہیں، جو مسجدیں ہیں وہ چھوٹی ہورہی ہیں ان کو توسیع کرنے کا مسئلہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر دو ایکڑ زمین کہیں موجود ہے اور اس

وقت وہ مسجد چھوٹی بنی ہوئی ہے، اور اس مسجد کے بجائے اس پر مدرسہ یا عصری ادارہ کے جواز کی بات اس میں کہی گئی ہے، کوئی کالج کھول دیا جائے، کچھ کر دیا جائے، اور بیس سال کے بعد اس مسجد کی توسیع کا مسئلہ ہمارے سامنے آئے تو زمین ہمارے پاس نہ ہو یہ بڑی خطرناک بات ہے، تو اس میں علماء کی جو رائے ہو اس پر اتفاق ہوسکتا ہے، یا یہ کہ کثرت رائے پر فیصلہ ہوسکتا ہے، لیکن خاکسار کی رائے یہ تھی کہ مسجد کے لئے وقف کردہ زمین میں کوئی ادارہ نہ مدرسہ قائم کرنا جائز ہے، اور عصری ادارہ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، لیکن اس میں اس رائے کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، تو یہ عرض ہے کہ تلخیصات ذرا مکمل ہوں اور اس سے اس کو مربوط کیا جائے۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی صاحب:

تلخیص کے سلسلہ میں ایک عرض یہ ہے کہ سوال نامہ ہمارا جاری ہوتا ہے سمینار سے کم از کم چھ سات مہینے پہلے اور اس بیچ میں اس کی ایک تاریخ متعین کی جاتی ہے، سمینار کی تاریخ سے کم سے کم دو ڈھائی تین مہینے پہلے جب مقالے مانگے جاتے ہیں اور بار بار یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ اور آخری تاریخ کے بعد پھر آگے مہلت دی جاتی ہے اور پھر یاددہانی کرائی جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد سمینار سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے یا دو مہینہ پہلے ایک نشست ہوتی ہے، اس وقت تک جتنے مقالات موصول ہوئے ہوں ان کو سامنے رکھتے ہوئے عرض کی ذمہ داری دی جاتی ہے اور اسی کے مطابق تلخیص ہوجاتی ہے، اس سے پہلے بھی سمینار میں گذارش کی جاچکی ہے اور اکیڈمی کی طرف سے بار بار خطوط جاتے ہیں، لیکن بہت سے حضرات اب جب سمینار میں تشریف لاتے ہیں یا دو چار چھ دن پہلے اپنا مقالہ پہنچاتے ہیں تو ان کی آراء سے تلخیص میں یا عرض جو مرتب کیا جاتا ہے اس میں کسی طرح کا استفادہ نہیں ہوسکتا ہے اور پھر مجبوری ہوتی ہے، وہ رائے نہیں آسکتی ممکن ہے اشاعت میں وہ شامل ہوجائے، لیکن اس موقع پر اس کا ذکر مجبوری ہوتی ہے، اور ہم پہلے بھی گذارش کرتے رہے ہیں اور اب بھی گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے احباب مندوبین جو دلچسپی رکھتے ہیں، جواب بھی لکھتے ہیں، شرکت بھی فرماتے ہیں، ان سے گذارش کی جاتی ہے کہ

کم سے کم اپنا قلمی تعاون اکیڈمی کو جیسے اور تعاون حاصل ہے اس طور پر دیں کہ جو وقت مقرر کیا جاتا ہے اس میں اپنی رائے جو کچھ بھی ہو، اللہ جو دل میں ڈالے جو ان کا انشراح ہو کوئی پابندی تو ہوتی نہیں ہے وہ لکھ کر بھیج دیں، اچھا خاصا وقفہ ہوتا ہے، تاکہ استفادہ اس سے اچھی طرح کیا جاسکے، اور یہ بدمزگی نہ پیدا ہو اور یہ خیال نہ پیدا ہو کہ میری رائے نہیں ذکر کی گئی، یہ ایک سوال نہیں ہے، اور بھی لوگ کہتے اور پوچھتے ہیں، لیکن جب وقت پر مقالے نہیں آتے تو پھر وہ صحیح کام نہیں ہو پاتا، جن حضرات کے سپرد عرض کیا گیا ہے ان کے مقالے جو وقت پر آئے اور جو مقالات موجود تھے اکیڈمی نے اچھے خاصے اخراجات کے ساتھ سارے مقالے جس موضوع کا عرض جس کے پاس ہے ان سب کو پہونچائے، انہوں نے وقت لگائے اور مرتب کیا، اس لئے مولانا سلطان صاحب یا جو حضرات ہیں ان سے معذرت کے ساتھ ہم پھر گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے جو سوال نامے جاری ہوتے ہیں ان کے جوابات وقت پر پہنچانے کی کوشش کیجئے، تاکہ آپ بھی صحیح طور پر مستفید ہوسکیں اور ہم بھی مستفید ہوسکیں۔

اور جہاں تک سوال ہے اس کا ویسے تو ابھی گفتگو چل رہی ہے کہ فاضل زمین میں کیا اقدامات کئے جائیں، بات صحیح ہے، اس سوال نامہ میں بھی ایک سوال ہے کہ مسجدیں تنگ ہو رہی ہیں، قبرستان ادھر ادھر ہے تو کیا کریں، جہاں ایک طرف بڑی آبادی والے شہروں میں یا جہاں بہت تیزی سے آبادی بڑھ رہی ہے، ترقی ہو رہی ہے، یہ صورت حال ہے کہ پانچ سال کے بعد دس سال کے بعد جو موجودہ مسجد ہے وہ تنگ ہو جاتی ہے، دو منزل یا تین منزل بنائی جاتی ہے، یا بڑھائی جاتی ہے، وہاں تو یقیناً یہ بات نہیں سوچی جاسکتی، نہ وہاں کے لئے یہ سوال ہے، سوال بہت سی ایسی جگہوں کے لئے ہے کہ جہاں اس انداز کی بڑی آبادی ہے اور نہ حالات کے اعتبار سے یہ تصور ہے کہ دس بیس پچیس سال میں اس طرح کی کوئی صورت پیش آئے گی، اور زمین بہت کافی ہو تو اس کو وقف کی نسبت سے نفع بخش بنانے کے لئے جو ضرورت درپیش ہے کیا اس طرح کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ زمین زائد پڑی رہے کسی طرح ہمارے کارآمد نہ ہو اور واقف کو

بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہونچ سکے تو اس طرح کی صورت اختیار کرلیں تو کس حد تک درست ہوگا، تو عرض ہو چکا ہے، اور گفتگو بھی آگے ہوگی،

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

مقالات کی تلخیص جو ہمیں دی گئی ہے مطبوعہ اور جو عبارت پڑھی گئی ہے اس میں بہت اختلاف ہے......۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی صاحب:

یہ سن لیں کہ رات میں جو کچھ پڑھا گیا یا ابھی جو کچھ پڑھا گیا وہ تلخیص نہیں وہ عرض ہے، اس میں نوعیت بدل جاتی ہے، اگر یہ بات ہو کہ ہم نے رائے پیش کی تھی، فلاں تاریخ تک مقالہ پہنچا دیا تھا اور وہ رائے نہیں آئی، اور افراد کا نام لینا بھی ضروری نہیں ہے، وہ نہیں فراہم کیا جاتا، وہ محدود رہتا ہے۔

مفتی فضیل الرحمٰن صاحب:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بحث کے آغاز سے پہلے اوقاف کے تعلق سے ہمارے جتنے سوالات ہیں اور ان کے جوابات ہیں ان میں زیادہ تر ایسے سوال وجواب ہیں کہ ان کا تعلق بھی قاضی کی اجازت سے ہے، امارت شرعیہ بہار سے معاملہ کو الگ رکھ کے کہ وہاں کی صورت حال پورے ملک سے مختلف ہے، ملک کے جو دوسرے علاقے ہیں خاص طور پر پنجاب، ہریانہ، یا ہماچل پردیش وغیرہ کے علاقے اور وہاں ہمیں قاضی کی یا شرعی کمیٹی کی اس طرح کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں، تو وہاں کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے اور کوئی تجویز رکھی جائے کہ قاضی کا بدل کیا ہوگا؟ تاکہ ہم آگے جتنے بھی سوالات کے جوابات باذن القاضی ہیں...... بحث بھی ہو جائے گی جواب بھی آجائے گا کہ وہاں قاضی کی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے، اور قاضی ہے نہیں اور اجازت اس سے کیسے مل جائے تو وہ ہماری ساری بحثیں ایک نظری بحث ہو جائے گی عملی

بحث نہیں بنے گی۔

قاضی صاحب:

یہ بڑا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے جس کی طرف مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب نے توجہ دلائی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف ہمارے اکابر علماء نے اولین زمانہ سے توجہ دی، آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ وہ تمام احکام شرعیہ جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے، جب ہندوستان میں مغلوں کا زوال ہوا اور انگریزوں کا اقتدار آیا تو آہستہ آہستہ نظام قضاء ختم ہوگیا، اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی زندگی کے لئے نظام قضاء ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے کہ: "به يقوم العدل والمسلم يحتاج في حياته في كل الآن إلى نظام القضاء الإسلامي، عدة من القضايا والمسائل في حياة المسلم لا يمكن أن تطبق إلا أن يكون هناک قاضٍ، فلذلک قد أفتى العلماء أن في بلاد تغلب عليها الكفار يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يولّى قاضيا أو يكون هو الذي يقضي بينهم.

هناک قضايا لا نستطيع أن ننفذ أحكام الشريعة فيها بسبب فقدان الولاية الكاملة أوالقوة القاهرة كما في الحدود والقصاص لا يمكن لنا فيها تطبيق أحكام الشريعة، ولكن في قضايا يمكن تطبيق أحكام الشريعة فيها على المسلمين بتراضيهم في مثل هذه القضايا يجب على كل مسلم أن يفعل ما يستطيع ويرجو من الله تعالى أن يعطيه الاستطاعة فيما لايستطيع، هذا ما كتب الشيخ أبو المحاسن محمد سجادؒ ما نستطيع الآن يجب علينا أن نتعامل به وما لا نستطيع، نرجو ان الله سبحانه وتعالى سيوفقنا ويسهل لنا طريق تنفيذ الأحكام الشرعية، وتطبيق الشريعة الإسلامية، ولذلک قدكتب الفقهاء أن القاضي يصير قاضيا بتراضي المسلمين، وهذا ما أفتى به الشيخ عبد العزيز

المحدث الدهلوی بعد أن تسلط علینا الانجلیز، هذا هو الأمر الأول والأساسی فی الهند، ولذلک قررت جمعیة علماء الهند بل فی الحقیقة علماء الهند علی تأسیس الإمارة وتفویض منصب القضاء لأحد منهم.....

تعرفون أیها السادة!مع الأ سف أن بعضهم قد أفتوا فی زمان قدیم أن المسلمة إذا صارت مظلومة من جانب زوجها فلها۔ العیاذ بالله۔ أن ترتد، ولذلک أفتی الشیخ أشرف علی التهانویؒ أن بارتداد المرأة لاینفسخ نکاحها هذا أسف کبیر، ولکن علمائنا ولله الحمد من وجهة نظر الإمارة الشرعیة أو الجماعة العادلة من المسلمین قد خرجوا عن هذه القضیة و أسسوا الإمارة الشرعیة فی بیهار و أریسة، فالآن لو نحتاج إلی نظام القضاء الشرعی، فعلینا أولا أن نتفق فی کل ولایة علی أمیر منا وحدود عمله ما هو مستطاع فی هذا الزمان فی هذه الحکومة العلمانیة، فما هو خارج من الاستطاعة لسنا بمکلفین، نحتاج إلی القضاء فی قضیة فسخ النکاح بسبب أن الزوج مفقود أو أنه مریض مرضا یضر بالمرأة أو لا ینفق علیها أو هومعسر أو هو ظالم أو هو متعسف، مثل ذلک من الوجوه والأسباب لفسخ الزواج، کذلک نحتاج فی أمور الأوقاف إلی نظام القضاء الإسلامی، ونظراً إلی هذه الحاجة الماسة قررت هیئة الأحوال الشخصیة لعموم الهند (مسلم برسنل لاء بورد) فی دورتها المنعقدة فی جیفور تاسیس نظام القضاء الشرعی فی جمیع بلدان الهند، والحمد لله قد بدأ العمل علی هذا ولکن فیها مشاکل تربیة القضاة وتدریب القضاة، وکل من نجد أهلا للقضاء نفوض إلیه القضاء، قضیة الأوقاف نحتاج فیها أیضاً إلی القضاء فعلینا أولا أن نحاول ونجتهد فی جمیع بلدان الهند أن نؤسس الإمارة الشرعیة، ومن سوء حظنا إذا لم نتفق علی أحد

منا كأمير فعلينا نحن جماعة المسلمين أن نفوض القضاء إلى أحد من العلماء، فهذا هو الحل ...... لأن القضاء أصلا مصدره جماعة المسلمين، والأمير والخليفة نائب عن جماعة المسلمين، فإذا فقد الأمير فقد رجع الاختيار إلى جماعة المسلمين، فيجوز لجماعة المسلمين أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، إذا لم يكن الأمير فيمكن لنا أن نجعل قاضيا بتراضينا وهو الذى يقضى بيننا.

أيها السادة! إن القضاء هو الحكم، حقيقة القضاء هو الحكم بما أنزل الله فيما تنازع فيه المسلمون، فيما يتخاصم به المسلمون، هذا هو الحكم

....

أما الالزام الحسى فهو خارج عن حقيقة الحكم كما صرح به القرافى وغيره من العلماء الأحناف، والطرابلسى قاضى القدس الشريف فى معين الحكام قد صرح بهذا أن الإلزام المعنوى داخل فى حقيقة الحكم، والإلزام الحسى ليس بداخل فيها، وكذلك حكم الأوقاف، أعرف أن بعضا من المسلمين يخرجون من أحكام الشريعة ويذهبون إلى المحاكم الرسمية، ولكن مع هذا نعرف أن عامة المسلمين الآن فى الهند مع جميع هذه الضلالات، المسلم لا يرضى بحكم غير إسلامى الآن أيضا، نعتمد على إيمانهم، وأنهم يذهبون إلى القضاء الشرعى الإسلامى، لأنهم قد رضوا بالإسلام وقد رضوا بما قضى الله ورسوله كما ورد فى القرآن: "فردّوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا" فعلينا أولا إذا اتفقتم على هذا أن نقول فى قرارات هذه الندوة أنه فى كل بلد يجب على المسلمين أن يفوضوا القضاء إلى أحد من العلماء الذين هم عارفون

بأحكام الشريعة وفيهم ورع وفيهم تقوى، ولكن نقول هنا أنه مرة سأل سائل سيدنا على رضى الله عنه:ما كان فى زمن أبى بكر و زمن عمر۔ رضى الله عنهما۔ أى خصومة، الآن ماذا حدث فى زمنک وفى زمن عثمان أن قد تغيرت الأحوال، فقال سيدنا على۔ كرم الله وجهه۔ حينما كان أبوبكر وعمر خليفة للمسلمين كنا تحته أمة واحدة نطيعه، الآن نحن الأمراء وأنتم الأمة، وهذا التغير بسبب تغير أحوال الأمة لا بسبب تغيره، فعلينا أن نتنزل مثل هذا التنزل فى شرائط القضاء وأهلية القضاء، نتنزل حسب ما يمكن وحسب الزمان، لا يمكن أن نطلب مثل القاضى شريح ومثل فلان وفلان وقاضى أياس ابن معاوية، الآن يمكن أن يكون فينا قضاة مثلكم أيها العلماء، والله يبارک فينا ويجعل لنا مخرجا "لعل الله يحدث بعد ذلک أمرا" إن شاء الله، فعلينا يمكن أن يكون فى التوصية أن المسلمين يجب عليهم أن يفوضوا القضاء لأحد من العلماء، مثل ما يمكن ومثل مانجد فى هذه الأحوال۔

و بعد ذلک إن لم يمكن وإلى وقت لا يمكن تفويض القضاء فهذا أحسن أن نجعل فى كل بلد جماعة ولجنة للأوقاف مشتملة على العلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف، لأن كل عالم لا يعرف أحكام الأوقاف أيضا، لأن عندهم كل السؤال عن الصلاة والزكوة أو الطهارة، ولا يعرفون المعاملات، وإذا لم يطلع العلماء بهذه المسائل والقضايا فكيف يعرفون أحكامها، فعلينا أن نوصى فى توصياتنا أولاً ما هو مطلوب فى الشرع هو إقامة الإمارة أو تأسيس القضاء الشرعى الإسلامى، وبعد ذلک إن لم يمكن هذا وآخر الأحوال..... أن يكون هنا لجنة للعلماء الذين يعرفون أحكام الأوقاف فيكون هو أحسن۔۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے مولانا فضیل الرحمن صاحب کے اس اہم ترین سوال کے جواب میں ہمارا یہ مجمع الفقہ الاسلامی اس بات کو قبول کرے گا کہ اصل صورت تو یہ ہے کہ ہم شرعی امارت قائم کریں، جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے فتوی دیا تھا، وہ ممکن نہ ہو تو جماعت مسلمین اور علماء کے اتفاق سے ہم کسی کو قاضی مقرر کریں، اور اگر وہ بھی ناممکن ہے کہیں، ایسا نہیں کہ جو آسان ممکن ہو، اس کے لئے ہم اس مشکل کو اختیار نہ کریں، ایسا لجنہ بنائیں ایک ایسی کمیٹی بنائیں ایک کونسل بنائیں جس کونسل میں ایسے متبحر علماء موجود ہوں جو مسائل اوقاف سے واقف ہوں......

مولانا فضیل الرحمن صاحب:

قاضی صاحب نے بہت اچھی بات فرمائی ہے، عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں وقف بورڈ کا ایک مستقل قانون ہے، ہم اپنے طور سے کوئی لجنہ بنالیں، امارت شرعیہ بنالیں یا قاضی بنالیں تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ وقف بورڈ ہماری ان باتوں کا یا ان فیصلوں کا پابند ہو، اس لئے اس وقت چونکہ مسئلہ وقف کا ہے، تو ہم اس پہلو سے سوچ سکتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے جتنے اوقاف ہیں ان کے وقف بورڈ سے یہ کہیں کہ آپ اپنے یہاں ایک دفعہ قاضی کے تقرر کا بھی رکھیں اور اپنے یہاں قاضی مقرر کیجئے، جہاں جہاں وقف کے قانون کے لئے قاضی کی اجازت کی ضرورت پڑے اور مسائل وقف کے بارے میں سوالات کی ضرورت پڑے تو وہ قاضی آپ کی رہبری کرے گا اور وہ فیصلہ کرے گا، تو خود وقف بورڈ ہی اپنے امور کے لئے بھی اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی قاضی کا تقرر کرے، اور یہ میں آپ کی معلومات کے لئے عرض کردوں کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے سال مرکزی حکومت کی طرف سے وقف بورڈ کے پاس مراسلہ آتا ہے کہ آپ کے یہاں کوئی قاضی ہے یا نہیں اور وہ مراسلہ کئی بار میرے پاس بھی وقف بورڈ نے بھیجا تو ہم نے ان کو لکھ دیا کہ ہمارے یہاں تو باقاعدہ کوئی قاضی نہیں ہے، تو ایسا لگتا ہے کہ کسی مرحلہ میں کوئی ایسی بات آئی ہوگی وہ قانون بنا ہوگا یا کوئی تجویز آئی ہوگی اور وہی حکومت کے کاغذات

میں بار بار اس کے سلسلہ میں خط وکتابت ہوجاتی ہے، تو اگر ہماری یہ اکیڈمی اس بات کا مشورہ دے اور مطالبہ کرے کہ وقف بورڈ اپنی طرف سے وقف کے امور کے لئے اور مسلمانوں کے دیگر امور کے لئے بھی ساتھ میں، لیکن اصل تقرران کا وقف کے امور کے لئے ہوگا، خود قاضی کا تقرر کرے، تا کہ وہ اس کا پابند رہے۔

قاضی صاحب:

بہت اچھی بات ہے یہ، لیکن جو دشواریاں ہیں وہ آپ جانتے ہیں کہ سرکار کے مقرر کئے ہوئے قاضی پر مسلمان اعتبار نہیں کریں گے، یہ ایک سچائی ہے اور یہ بہت بڑی سچائی ہے، آپ جانتے ہیں کہ آج جتنے وقف بورڈ بن رہے ہیں وہ سرکار (Oblige) کرنا چاہتی ہے، اور مجھے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ جتنے قسم کے وہ بورڈ جس سے بڑے بڑے مالی منافع ہوسکتے ہیں وہاں پر مسلمانوں کو مقرر نہیں کیا جاتا ہے، اب مسلمان ورکر کو خوش کرنے کے لئے کیا چاہئے؟ تو حج کمیٹی ہے، وقف بورڈ ہے، مدرسہ بورڈ ہے، اور یہاں پر ان ہی لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے جو در اصل سیاسی لوگ ہیں اور جن کو پارٹیاں خوش کرنا چاہتی ہیں، ۱۹۶۷ء سے یہ مسئلہ چلا آرہا ہے، تو بسبب اہلیت وقف بورڈ کی رکنیت نہیں ملتی، بلکہ سرکار کی وفاداری کے حساب سے ملتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ نظام قضاء ان کے حوالہ کرنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔

ہاں اب جو رجحان چلا ہے، اس میں ہم لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ آہستہ آہستہ وقف بورڈ کو جمہوری کردار دیا جائے، اور اس میں کچھ سیٹیں انتخاب کے ذریعہ آئیں، تو جس طرح بارکونسل آف انڈیا ہے یا بارکونسل آف اسٹیٹ ہوا کرتی ہے وہ اپنے میں سے کسی مسلمان وکیل کو مقرر کرے گی، ارکان پارلیمنٹ کی نمائندگی اور ارکان اسمبلی کی نمائندگی وہاں اسپیکر کے ذریعہ طے ہوتی ہے، یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ کم از کم مسلم ارکان ہی مل کر اپنے میں سے کسی کو منتخب کرتے، تو یہ کام تو آل انڈیا ملی کونسل یا جمعیۃ علماء ہند یا اس طرح کے اداروں کے لئے چھوڑ دیئے، ہمارا کام علمی اور فقہی ہے، کہ وہ اس بات کے لئے کوشاں ہوں کہ علماء کو اس بات کا اختیار دیا جائے کہ وہ

ایسے علماء کو مقرر کرنے کے مجاز ہوں جن کو حکومت وقف بورڈ کا رکن مانے، اور اس میں اس کا اضافہ کیا جائے کہ چونکہ اس کا تعلق مسلم پرسنل لا سے ہے، اور ۷ ۱۹۳ء کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ کے مطابق وقف بھی مسلم پرسنل لا میں آتا ہے جس میں مسلمان Govern ہوں گے اسلامی شریعت سے، نہ کہ کسی کسٹم اور عرف یا اور کسی قانون سے، اس لئے اس میں یہ بات لکھی جائے کہ وہ تمام مسائل جن کا تعلق شرعی احکام سے ہوگا انہیں ارکان کے فیصلے اور ان کی رائے کے مطابق وقف بورڈ کو فیصلہ کرنا چاہئے، میں جانتا ہوں کہ اس میں مشکلات ہیں، لیکن یہ کوشش کی جانی چاہئے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ادارے جو ایسے موقعوں پر ہماری نمائندگی کرتے ہیں، ہندوستان کی حکومت کے سامنے، اور خوش قسمتی ہے کہ کے رحمٰن خاں صاحب یہاں تشریف فرما ہیں، ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں اور ملی درد رکھتے ہیں، اور خاص کر اوقاف کے مسائل سے ان کی خاص دلچسپی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کا بھی ایک لکچر مختصر کراؤں گا ان حضرات کی مدد سے ان محاذ پر آہستہ آہستہ ہم کو کامیابی ہوسکتی ہے، اور قبل اس کے کہ میں اور لوگوں کو تکلیف دوں میں چاہوں گا کہ پانچ منٹ میں جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔

جناب عبدالرحیم قریشی صاحب:

محترم حضرات! جہاں تک قاضی کے مسئلہ کا تعلق ہے اور جو تفصیل جناب مفتی فضیل الرحمٰن صاحب نے پیش فرمائی ہے اس تعلق سے یہ عرض کروں گا کہ......جس طرح قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم وقف بورڈ کو یہ اختیار دیتے ہیں تو اس میں بڑی خرابی ہے، کیونکہ وقف بورڈ میں جیسے لوگ آتے ہیں......اور ظاہر ہے کہ وہ ایسے شخص کو حاکم بنادے جس کے ذریعہ وہ جیسے چاہے کرلے، فیصلہ دیکھا کرکے، فتوی لکھا کرکے.....اب ہماری کوشش یہ ہے، جیسا کہ قاضی صاحب نے کہا کہ ہم نے وقف بورڈ میں جمہوری انداز میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے کوشش کی ہے۔(ٹیپ ریکارڈر میں آواز صاف نہیں ہے)

شیخ خالد مذکور عبداللہ المذکور:

بسم الله، والحمد لله، والصلاة والسلام على أشرف خلق الله، أما بعد!

فقد فهمت البارحة، و هذا اليوم فيما عرض من موضوع الوقف عدة قضايا تواجه المسلمين في الهند.

أما القضية الأولى فهي متعلقة بالأمور الفقهية و الاجتهادات التي اختلف فيها الفقهاء بالنسبة للزوم الوقف أو عدم لزومه، وبالنسبة لاستبدال الوقف أو عدم استبداله، وهذه الأمور بحمد الله فيها سعة، و مادام الأمر في نطاق الاجتهاد كل يستند إلى دليل وكل يستند إلى وجهة نظر، فلا بأس بأن يؤخذ من هذه الأقوال الأحسن والأنسب والأصلح عند إخوتنا المسلمين الهند.

أما بالنسبة للقضية الثانية وهي مايتعلق باستبدال الوقف بالنسبة، لأن يكون بحكم القاضي الذي أعرفه من البارحة حسب ما ترجم لي أن هناک قانونا ذكره الشيخ مجاهد الإسلام القاسمي يتعلق بالوقف للمسلمين و أن هذا القانون المطوق يهدم أوقاف المسلمين لا أدري ما هو الإشكال الذي كان في عدم تطبيق هذا القانون أو في عدم النصوص التي تثبت هذا الحق للمسلمين.

أما الاقتراح الذي تفضل به الشيخ مجاهد الإسلام القاسمي حول أن لكل ولاية من ولايات الهند ظروفها، وأنه يجب أن تشكل هناک لجنة أو يكون هناک قاضي يتفق، أومن القضاة المتفقهين في الدين من أصحاب الورع و التقوى، فهذا اقتراح جيد حتى ترجع الأمور إليهم في مسائل القضايا

للوقف الموجود.

أما بالنسبة للمقابر والمساجد، وما يتعلق بها فهي باقية يعني الراجح فيها أنها يعني لا تستبدل، وإنما تبقى وتكون للمسلمين سواء كانت على الحدود التي بين الهند وباكستان عندما انقسمت الهند إلى قسمين أو باقية الولايات الهندية الموجودة، فالمقبرة مادام هناک مكان للدفن فيها فهي تسوى و تستعمل سواء سويت من قبل الولاية أو من غير أهل الولاية وكذلک للمساجد.

و أما مسائل الأراضي الزراعيه...... كما قلت إنها مسائل اجتهادية والمسائل الاجتهادية فيها سعة إن شاء الله، لكن مسئلة هنا في القاضي الذي يحكم وفق شريعة الله سبحانه وتعالى و أن يُضمن هذا إما بنص قانوني إن كان القانون مستقرا إلى اجتهاد الموضوع أو بانتخاب أو بتعليم هذا القاضي الشرعي الذي يكون في هذه الشروط الشرعية من قبل لجنة أو من قبل فقهاء و علماء هذه الولاية، فجزا كم الله خيراً.

قاضی صاحب:

یہ بھی بحث ہی کا ایک حصہ ہے، اور جیسے مجھے اور آپ کو اختیار ہے بحث کرنے کا باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی بحث کا حق پہنچتا ہے اور ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ ہم نے ان کی رائے بھی جان لی۔

جو مسئلہ زیر بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ مرتب طریقہ پر جن امور پر ہمارا اتفاق ہے ان میں بحث کی ضرورت شاید باقی نہیں رہی۔

تو پہلا سوال یہ ہے کہ بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں بدقسمتی سے مسلمان باقی نہیں رہے اور وہاں پر جو مشکل ہے وہ آپ جانتے ہیں، لیکن یہ بھی بڑی خوش قسمتی اور سعادت کی بات

ہے کہ پنجاب جیسے علاقہ میں جہاں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہاں پھر کبھی مسلمان آسکیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ مزدوری کیوں نہ ہوں، لیکن بڑی اچھی خاصی تعداد میں وہاں پر مسلمان تیزی کے ساتھ آتے جارہے ہیں، ہمارے بہت ہی بزرگ دوست مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی صاحب روزانہ اس سے دوچار ہیں، اور یہ خوشی کی بات ہے کہ بہت سی مسجدیں جو غیروں کے قبضہ میں جاچکی تھیں وہ آہستہ آہستہ ہماری طرف لوٹ کر آرہی ہیں اور مسجدیں آباد بھی ہورہی ہیں، اور ہم اپنے ان بزرگوں کے فقہی ژرف نگاہی کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ مسجدوں کو بدلنا مت، آج اگرچہ وہ ویران ہوچکی ہیں۔ وإن كان اليوم خربانا ولكن يمكن أن يجتمع المسلمون حوله وبعد ذلك نجد فيها مصليا أوذاكراً۔ تو الحمدللہ ایسے واقعات پیدا ہورہے ہیں۔

اب رہا تعلق کہ مساجد سے متعلق اوقاف ہیں یا بڑے بڑے قبرستان ہیں یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے قائم کئے جانے والے اوقاف ہیں، اب آبادی نہیں رہی، یا غیروں کا قبضہ غالب اندیشہ ہے کہ وہاں پر ہوجائے گا، بلکہ ہوچکا ہے اور ہورہا ہے، ایسے اوقاف کے بارے میں یہ سوال ہے کہ: "هل يجوز أن نستبدل هذه الأوقاف أي نبيعها ونشتري بثمنها وقفاً آخر، فهذا متفق عليه بين الفقهاء، وأنها أنا إذا نستبدل شيئا من الأوقاف ونشتري منه أرضا أخرى، فيكون هذا البدل محل المبدل منه، ويكون وقفا كما كان الأول وقفاً، فيصرف دخله وتصرف محاصله على ما صرح به الواقف في الوقف الأول، فنرجو من جميع العلماء أن الوقف إذا صار خربانا لا يمكن أن يستعمل وليس له دخل، وفيه خطر قوي للتغلب من غير المستحقين لا أقول من غير المسلمين، بل غير المستحقين، لأنا نحن المسلمين كما تعرفون قد تغلبنا الأوقاف وجعلناها أملاكا شخصية ذاتية، وهذه جريمة كبيرة منا، فإذا كان منا خوف على أنهم يتغلبون ويتصرفون في هذه الأوقاف

كتصرف الملك الشخصي فهل يجوز أن يباع ويشترى أرض أخرى، وتصرف محاصله على ما صرح به الواقف في الوقف الأول"۔

کیا یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ایسے ویران اوقاف جن پر غیروں کے قبضہ کا خطرہ بھی ہے اور وہ آمدنی کے مواقع سے محروم بھی ہیں، کیا ان کو فروخت کر کے دوسری زمین خرید لینا اور اس کو بھی انہیں مصارف کے لئے وقف سمجھنا اور وقف ماننا جن مصارف کے لئے پہلا وقف کیا گیا تھا تو کیا سارے علماء اس کے جواز سے متفق ہیں؟

جتنے جوابات اور مقالات آئے ہیں ان میں اس پر اتفاق ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ سب حضرات اس پر اتفاق کا اظہار کریں گے، تاکہ یہ مجمع علیہ مسئلہ لکھ دیا جائے کہ اگر وقف ویران ہے، وقف پر خطرہ ہے غیروں کے قبضہ کا، وقف کی نافعیت کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقف کو بدل دیا جائے اور اس کی جگہ ایک نئی اراضی حاصل کرلی جائے، اور جو مصرف پہلے وقف کا تھا اسی مصرف پر اس دوسرے وقف کی آمدنی بھی خرچ کی جائے تو کیا یہ جائز ہے، آپ لوگ اس پر رائے دیں، سب لوگوں کا اتفاق ہے؟ الحمدللہ۔

قاضی صاحب:

میں نے عرض کیا کہ پیسہ نہیں، بلکہ ہمیشہ ایک وقف کو فروخت کر کے دوسری اراضی اور جائداد کو حاصل کیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ اجازت اسی حالت میں دی جاسکتی ہے جب پورا پورا اعتماد ہو، آپ جو اصول طے کریں گے اور علماء جو فتوی اس پر دیں گے اور قضاۃ جو فیصلہ کریں گے اس پر، تو ان کو اس شرط کی پابندی کرنی پڑے گی، ایسا نہ ہو کہ وقف کی نافعیت کے سامنے ہم اصل وقف کی حفاظت کو بھول جائیں ٹھیک ہے، چلئے کوئی اشکال نہیں۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

......آپ نے یہ فرمایا کہ وقف بورڈ کو قاضی کا بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، اور دوسری

طرف حکومت کا یہ قانون موجود ہے کہ وقف بورڈ کی منظوری کے بغیر وقف کی کوئی جائداد منتقل نہیں ہوسکتی، اور اس کا بھی ایک طریقہ کار یہ ہے کہ آپ پہلے اس کی ایک پراپرٹی پیمنٹ جو ہوتی ہے...... پہلے سے، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے طریق کار کیا ہوں گے، پہلے اس کی پراپرٹی کمیٹی ہوتی ہے............۔

قاضی صاحب:

طریق کار تو ہم سب جانتے ہیں، میں خود وقف بورڈ کا ممبر ہوں برسہابرس سے، آپ تفصیل نہ بتائیں، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں دراصل وہ بتائیے۔

حکیم صاحب:

وقف بورڈ کو قاضی کا بدل نہیں مانا جاسکتا اور اس کی اجازت کے بغیر پراپرٹی فروخت نہیں ہوسکتی تو پھر آخر اس کا کیا مطلب ہے؟

قاضی صاحب:

موجودہ قانون میں وقف بورڈ کو قاضی کا بدل قرار دیا گیا ہے قانونی طور پر، ہماری کوشش یہ ہوگی جیسا کہ پہلے بات آچکی ہے کہ موجودہ حالات میں قانونی جبر جہاں پر ہے وہاں پر ہم کچھ نہیں کرسکتے، لیکن کم ازکم اگر وہی علماء جاکر کے وہاں پر بیٹھتے ہیں تو وہاں پر اوقاف میں حکم شرعی کی رعایت کریں گے، جس کا فیصلہ آپ کریں گے انشاء اللہ۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

اگر پنجاب اور ہریانہ کے اوقاف کو بالعموم ہم بیچنے کے جواز کے قائل ہوتے ہیں تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟ یہ معاملہ کس کے ذریعہ حل ہوگا، ملت اسلامیہ ہند میں یا مسلمانوں میں کون قاضی یا کون ایسا نمائندہ گروہ ہے جس کے ذریعہ یہ معاملہ انجام پائے گا، اصل مسئلہ اس نزاکت کا ہے۔

قاضی صاحب:

اصل میں یہ مسئلہ نزاکت کا نہیں ہے، وقف بورڈ جو کر رہے ہیں وہ ہم سے فتوی بھی مانگنے کے محتاج نہیں ہیں، ان کے ذہن میں جو آرہا ہے وہ کر رہے ہیں، جہاں جہاں ہم لوگوں کے کچھ اختیارات چلتے ہیں ہم ان کو احکام شرعیہ کا پابند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جہاں پر یہ ممکن نہیں ہے وہاں پر ان کے جو مطلب میں آرہا ہے وہ کررہے ہیں، میں ایک بات اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہزار ہا مایوسی کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا سب سے مالدار وقف بورڈ ہے، ایک تو خیر ان لوگوں نے محنت اور کوشش بھی کی اور ان کو کچھ اچھے لوگ وقت پر ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے مل گئے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں مصرف ہی نہ ہو وہاں تو آمدنی بچے گی ہی، وہاں کے مصارف کو ہی ختم کردیا تو آمدنی کا بچنا لازمی تھا، لیکن پھر بھی اس کے باوجود جو احکام شریعت ہیں جن کی آپ وضاحت کریں گے، اپنی تمام ممکنہ قوتوں کے ساتھ ان کی تنفیذ کے لئے کوشش کرتے رہنا ہمارا فرض ہوگا، لیکن اس کے باوجود جہاں مجبوریاں ہیں وہاں مجبوریاں ہیں، اللہ کے یہاں آپ بھی مکلف نہیں ہیں، لیکن کوشش کرنا ہمارا فرض ہے، جیسا کہ خود بھی آپ نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے جو آپ نے ابھی دکھلایا تھا کہ حالات کو جوں کا توں قبول کرنے کے بجائے حالات کی تبدیلی کے لئے ہم کو کوشش کرنا چاہئے، اور یہ مبارک بات ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

استبدال وقف کے سلسلہ میں جو محترم مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے ابھی اپنے فیصلے کا ذکر کیا کہ استبدال کے لئے یہ کرلینا چاہئے کہ وہ دست بدست ہو، یہ بہت اچھی چیز ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم استبدال کی جو تجویز پاس کردیں اس میں یہ جز ہونا چاہئے۔

اگر اس علمی مجلس میں زباں بندی نہیں ہے تو میں معذرت کے ساتھ مساجد کے سلسلہ میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں زباں بندی کا سوال نہیں ہے، لیکن جو مسئلہ مفروغ عنہا ہے اس کو زیر بحث لانا نہیں ہے۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی صاحب:

میں اپنے علم میں اضافہ کیے لئے بس یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مساجد کے سلسلہ میں محترم قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ عرب اور تمام علماء ہند کی موجودگی میں ان کے نزدیک متفقہ علیہ ہے کہ اس کا استبدال جائز نہیں ہے، یہاں میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں کئی جگہ احمد بن حنبلؒ کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں کوفہ کی ایک مسجد تنگ پڑ گئی تھی تو اس کو امیر المؤمنین کی اجازت سے اس کے بدلہ میں ایک دوسری مسجد بنادی گئی اور پہلی مسجد کھجوروں کا بازار بن گیا، خود اس عہد میں سرزمین حجاز میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاہراہوں کی تعمیر یا توسیع کے سلسلے میں حائل کتنی مساجد ہٹا دی گئیں، قاضی صاحب نے مسجد کے سلسلہ میں اتفاق کی رائے لکھی ہے، وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر ہوتو ٹھیک ہے، لیکن اگر وہ مطلق رائے ہے تو امام احمد بن حنبل کی روایت اور عربوں کے نقطۂ نظر کے بارے میں خاص طور سے میں مہمان علماء اور عرب علماء سے جاننا چاہوں گا۔

قاضی صاحب:

نمبر ا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو واقعات اور قصہ آپ دہرا رہے ہیں ان واقعات کی سندی حیثیت اور مختلف مسئلوں پر بحث کرنی پڑے گی۔

نمبر ۲۔ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی عہد میں مختلف فیہ رہا ہو، لیکن بعد کے علماء نے اس پر اتفاق رائے کرلیا ہو تو اس سے گریز نہیں ہونا چاہئے۔

نمبر ۳۔ یہ کہ عرب ممالک کے بارے میں یہ تصور کہ وہ سراسر اور سو فیصد ان کا سارا

عمل عین اسلام ہے، اور علماء ہند کے سامنے اس کو ایک تتبع کی حیثیت سے اس کو بطور نمونہ پیش کیا جائے تو ہم اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں، صاف الفاظ میں ہم کہنا چاہتے ہیں، اور یہ حجت ایک واقعہ ہے اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج کی بات نہیں ہے، بلکہ مسلم پرسنل لا کا اجلاس بابری مسجد کے انہدام سے پہلے جب علماء اکٹھا ہوئے اور تقریباً ہر مسلک کے ممتاز ترین علماء جمع تھے اور انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام حکم ومصالح کو آپ بھی سمجھتے ہیں، اس کے بعد اس مسئلہ کو متنازع فیہ بنانا صحیح نہیں ہے، جو فیصلہ اجماعی طور پر ہوا اس پر قائم رہنا چاہئے اور کل خود ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا: ”لا یباع ولا یوهب ولا یورث“، یہ ان کے الفاظ تھے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد مزید اس مسئلہ پر کسی اور بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی صاحب:

مساجد کی فاضل اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے ان فاضل اراضی پر مکاتب قائم کرنا، اور مدارس قائم کرنا یا اور تعلیمی ورفاہی ادارے قائم کرنا، یہ مسئلہ زیر بحث ہے، جن حضرات کو اس موضوع کے بارے میں اظہار خیال کرنا ہو فاضل اراضی پر مدارس ومکاتب قائم کرنے کی بات جو سوال نمبر ۲ کے (الف) میں آئی ہے اس پر وہ اظہار خیال فرمائیں، اپنا نام پیش کریں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب:

کچھ کہنے سے پہلے پنجاب وہریانہ کے وقف کے مسئلہ کے سلسلہ میں استبدال کی میری رائے نہیں ہے، میرا اختلاف نوٹ کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

ٹھیک ہے نوٹ کرلیا جائے گا آپ پریشان نہ ہوں۔

سوال نمبر ۲ (الف) کے بارے میں کوئی اظہار خیال کرنا ہو، مسجد کی زائد اراضی جن کی فی الحال ضرورت نہیں ہے اور جو مسجد کے اوقاف ہیں ان میں مکاتب کی تعمیر کے بارے میں اگر کوئی بات کہنی ہو۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

ایک گراؤنڈ کی پوزیشن یہ ہے کہ پورے سال خالی پڑی رہتی ہے، بعض جگہ تو یہ صورت حال پیش آئی کہ اس میں آر، ایس ایس کی پریڈیں ہونے لگیں اور کرکٹ کے میدان بن گئے، میں قصاب پورے کی عیدگاہ کا واقعہ تفصیل سے بیان کررہا ہوں کہ چار پانچ سال سے مسلسل آر، ایس، ایس کی پریڈیں ہونے لگی تھیں، پھر ہم لوگوں نے کسی طرح لوگوں سے مل ملا کر ان پریڈوں کو ختم کروایا، اور اس کے اندر ایک اسکول بھی ہے، اس سے لگا ہوا، تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کی فاضل اراضی پر اس حیثیت سے کوئی تعمیر کردی جائے کہ پہلا گراؤنڈ جو ہے وہ نماز کے لئے وقف رہے اور اس کے اوپر دو تین منزلہ عمارت بن جائے تو کیا اس بات کی اجازت ہوسکے گی؟

مولانا عتیق احمد بستوی صاحب:

گویا آپ نے ایک سوال کھڑا کیا ہے، اس میں جو آپ کی رائے ہے اسے آپ لکھ کر دیدیجئے انشاء اللہ بعد میں اس پر بھی غور کرلیں گے۔ سوال نمبر ۲۔ الف کے بارے میں جو اظہار رائے کرنی ہو کسی کو ہماری درخواست ہے خاص طور سے اصحاب افتاء سے، علماء سے، وہ کچھ کہنا چاہیں مسجد کی زائد اراضی کے بارے میں تو اظہار فرمائیں۔

پروفیسر احسان الحق صاحب:

میں صورت مسئلہ کے بارے میں کچھ وضاحت چاہوں گا کہ جس کو فاضل اراضی سمجھا جارہا ہے، آجکل عمارت کے برابر میں خالی جگہ چھوڑنا بھی عمارت کی ضرورت میں شامل ہے، خالی جگہ کو ضرورت سے زائد سمجھنا غیر مناسب ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقف نے مسجد

کے لئے پلاٹ دیا ہےتو کہیں یہ شرع میں لکھا ہے کہ فاضل جگہ کو دوسرے مصرف میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ عام طور سے واقف یہ کہتا ہے کہ میں یہ مسجد کے لئے جگہ دیتا ہوں، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جتنی اس میں تعمیر ہو وہ مسجد ہے اور جتنی جگہ خالی رہےتو وہ بھی مسجد ہی کے لئے ہوتی ہے۔

مولانا عتیق احمد صاحب:

ڈاکٹر احسان صاحب جو سوال پیش کر رہے ہیں وہ سوال نامہ میں پیش کر دیا گیا ہے اب جو اصحاب افتاء اور علماء ہیں ان کو کوئی نئی بات کہنی ہوتو وہ اپنی رائے دیں۔

سوال نمبر ۲ کا متن یہ تھا کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں مساجد و مدارس یا مقابر کے بڑے بڑے اوقاف ہیں اور مسلمانوں کی آبادی وہاں بہت معمولی رہ گئی ہے، مثلاً ایک مسجد ہے اس کے لئے بہت زمینیں اور مکانات وقف ہیں، مسجد کے اوقاف کی آمدنی اس کے مصارف سے زیادہ ہے اس سلسلہ میں دو باتیں دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا مسجد پر وقف اراضی میں جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، یہ گویا سوال نمبر ۲ کا جز الف ہوا، اسی کے بارے میں اگر اظہار رائے کسی کو کرنا ہوتو کرے۔

مفتی شبیر قاسمی صاحب مرادآباد:

موجود لوگوں میں سے جن لوگوں کی رائے آ گئی ہے اس کو طے کر کے اس پر تبصرہ کیجئے، مثلاً یہ کہ میری رائے یہ آئی ہے کہ دینی ادارہ قائم کرنے کی اجازت ہے اور عام رفاہی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایک رائے یہ بھی آئی ہے تمہید میں اس کے اوپر......۔

مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب:

جو موقف آ چکے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں، عرض میں بتایا جا چکا ہے کہ تین آراءتقریبا اس سلسلہ میں آئی ہیں، ایک رائے تو یہ ہے کہ جو مسجد کے لئے زمین وقف ہے اس میں کسی قسم کا

کوئی ادارہ قائم نہیں کیا جاسکتا، نہ مدرسہ نہ مکتب نہ کچھ، دوسرا موقف یہ ہے کہ دینی مکاتب قائم کر سکتے ہیں عصری تعلیم گاہوں کی اجازت نہیں ہے، تیسرا موقف جو بعض حضرات نے ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عصری تعلیم کے ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، لیکن شرط ہے کہ وہاں بنیادی دینی تعلیم کا نظم بھی ہو اور دینی تربیت بھی، گویا دینی تعلیم کے ساتھ عصری ادارے بھی قائم کئے جاسکتے ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ اس زمین کا کرایہ بھی اس مسجد کو دیا جائے، تاکہ مسجد کو بھی اس کا فائدہ پہنچتا رہے، یہ تین موقف ہمارے سامنے آئے ہیں، اس کے بارے میں مزید کسی صاحب کو کچھ کہنا ہو جن کے مقالے نہیں آسکے تھے، جن کی رائے نہیں آسکی تھی وہ اپنی رائے پیش فرمائیں۔

قاضی صاحب:

جہاں تک میں نے تلخیص کو پڑھا ہے اور عرض کو سنا ہے، اس کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اراضی جو مسجد کے مفاد کے لئے وقف کی گئی ہوں، اور مساجد پر جو وقف اراضی ہیں وہ ضرورت سے زائد ہیں، مسئلے دو الگ الگ ہیں، ایک پراپرٹی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، اور ایک آمدنی ہے جو ضرورت سے زائد ہے، ابھی بحث ہے پراپرٹی کی، املاک اور اراضی کی، یہ اگر ضرورت سے زائد ہیں اور امت کو ضرورت ہے اس بات کی کہ وہاں پر تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، بیشتر ہمارے یہاں وہ مساجد ہیں الحمدللہ جن کے اردگرد اچھی خاصی اراضی موجود ہیں جو افتادہ رہتی ہیں اور اگر اس پر زراعت ہوئی بھی تو وہ برائے نام ہے، اور وہاں پر بسنے والی آبادی کی تعلیم کے لئے کوئی دوسری جگہ فراہم نہیں ہے تو کیا ایسی اراضی پر تعلیمی اداروں کے لئے مکان بنایا جاسکتا ہے اور اس کو امت کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ سوال ہے، اس سوال میں تھوڑی سی تنقیح ہے، ایک تنقیح تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو خالص روایتی طور پر تعلیم کے ادارے چلتے ہیں جن کو ہم مدارس اسلامیہ عربیہ کہتے ہیں، ایک تعلیمی ادارہ یہ ہے، دوسرا ابتدائی مسئلہ تعلیم کے مکاتب کا ہے وہ بھی دینی تعلیم سے خاص متعلق ہے، اور تیسرا ہائی اسکول یا کالجز وغیرہ ہیں، جن میں عصری تعلیم دی جاتی ہے۔ چوتھا صنعتی تعلیم کے

ادارے ہیں ٹیکنیکل ایجوکیشن کے، پھر ٹیکنیکل ایجوکیشن یا اسکول یا کالجز یا ریذیڈنشیل اسکولس کی بھی دونوعیتیں ہیں، خالص سیکولر انداز میں چلایا جانا، یا دیندار مسلمانوں کے ذریعہ ایسے اداروں کا قیام جس میں ہوسٹل میں لڑکوں کو اسلامی ماحول میں رکھ کر اور دین کی بنیادی تعلیم دیتے ہوئے ان کو جدید عصری علوم بھی سکھائے جائیں یا ٹیکنیکل ایجوکیشن دیا جائے، اس طرح کے متنوع ادارہ ہوں ،تو خالص مدرسہ قائم کرنا، خالص بنیادی تعلیم کے مکاتب قائم کرنا ....ان کو تعلیم دے کر مشن اسکولوں، اور جنرل پبلک اور انگلش اسکولوں میں جانے سے بچایا جا سکے، اور چوتھے خالص سیکولر ایجوکیشن کے لئے کالجز یا ہائی اسکول کے قیام کی کوشش، یہ چار رخ ہیں۔

آپ کو مصالح امت اور احکام شرع کی بنیادی باتیں جو میں نے عرض کیں ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا ہے، اس سلسلہ میں جو تجویزیں آئی ہیں ان میں عرض یہ کرنا ہے کہ اگر ضرورت سے زائد اراضی کو ایسے اداروں کو کرایہ پر دیدیا جائے تو غیروں کو اور دوسرے قسم کے مصارف کے لئے کرایہ پر دینے سے افضل ہے کہ امت کی تعلیم کا انتظام ہوگا، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں تو کوئی شاید شرعی نقص نہ ہو کہ زائد اراضی جو افتادہ پڑی ہوئی ہیں ان میں بجائے اس کے کہ دکان کے لئے، ورکشاپ کے لئے، موٹر ڈیپکلس کرنے کے لئے ہم مدرسہ قائم کرنے کے لئے اجازت دیں، یا جناب رعایتی شرح پر جیسے آپ یہاں مثال کے طور پر جس حج ہاؤس میں بیٹھے ہیں، یہاں پر یہ تجویز ہے جو بڑے دیندار طبقے کی طرف سے ہمارے پاس آئی ہے، اور ہم نے یہاں کے وزیر خارجہ سے بات بھی کی ہے جو حج ہاؤس کے انچارج بھی ہیں کہ یہاں پر ایک بہترین قسم کا فلاحی اسپتال مسلمانوں کا قائم کیا جائے، اس کی دو منزلیں یا جتنی مناسب ہوں اس مصرف کے لئے دیا جائے اور چاہے قانوناً اس کو کچھ کہو، لیکن شرعاً تو یہ بھی وقف ہی ہے، تو کیا ہم اس کی اجازت دے سکتے ہیں کہ ہم اس کو یا تو رعایتی شرح کرایہ پر یا بغیر کرایہ کے ہم اس کو ایک بہترین فلاحی اسپتال جس کی ضرورت کا احساس اہل ممبئی کو زیادہ شدید ہوگا، اور دوسرے لوگوں کو بھی، جو حالات کا تقاضا ہے، تو اس طرح کے سوالات کھڑے ہوسکتے ہیں، اس لئے اگر ہم کرایہ

پر کوئی چیز دیں گے تو اس میں شاید لگتا ہے کہ کوئی شرعی قباحت نہیں ہوگی، لیکن بحث وہاں آتی ہے کہ کیا ہم کرایہ نہ لیں اور اس طرح کے ادارے قائم کرنے دیں، اس کی اجازت آپ دیں گے یا نہیں ،تو اب اس تنقیح کو سامنے رکھ کر مختصر الفاظ میں آپ حضرات اپنی رائے ظاہر کریں، نمبر ا۔ بنیادی دینی تعلیم کے مکاتب قائم کرنا، جس سے تعلیم دین کی اشاعت پورے ہندوستان میں ہم کرسکیں، نمبر ۲۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کا قیام جس سے ہم متخصصین اور متبحرین علم دین پیدا کریں، نمبر ۳۔ رہائشی یا غیر رہائشی ایسے اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کرنا جس میں دینی تعلیم لازم ہو اور، اسلامی ماحول میں ہم اپنی نسل کو جدید علوم سے بھی آشنا اور واقف کراسکیں اور جدید علوم کو اس میں پڑھا سکیں، نمبر ۴۔ خالص سیکولر تعلیم کے لئے ہائی اسکول یا کالجز وغیرہ قائم کرنا، یہ ایک سوال اور آگے آسکتا ہے، میڈیکل کالج قائم کرنا، انجینئرنگ کالج قائم کرنا، یا اس طرح کے اور دوسرے ادارے، تو ان چار سوالات پر آپ لوگ جو سمجھتے ہیں نمبر وار اپنی رائے دیدیں۔

مفتی اشرف علی صاحب:

اگر مسجد پر وقف اراضی سے وہ زمینیں مراد ہیں جو مسجد کے احاطے سے الگ ہیں، تو کرایہ پر تعلیمی اداروں کے لئے دینے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اگر مسجد مسقّف ہے اور پھر اس کے احاطے ہیں جو مسجد کا حصہ ہوتے ہیں تو اس کے بارے میں مجھے تامل ہے، اس لئے کہ مسجد کی ضروریات میں اضافہ ہوسکتا ہے، آگے چل کر اس کی توسیع وغیرہ میں اس کی ضرورت ہوتی ہے، دوسری بات جو اس سوال کے تحت ہے کہ مساجد کی فاضل آمدنی کو دینی تعلیمی مقاصد کے لئے یا عصری تعلیم کے لئے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ دوسری ضرورت مند مساجد پر اس فاضل آمدنی کا صرف کرنا ضروری ہوگا۔

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب:

مسجد کے متصل جو اراضی ہیں ان اراضی میں جب تک مسجد کی توسیع کی ضرورت نہ ہو

اس وقت تک مدرسہ اس شرط پر چلایا جائے کہ مدرسہ کچھ کرایہ مسجد کے نام پر جمع کرتا رہے، تاکہ آئندہ مسجد کی توسیع کے وقت میں مدرسہ کو ختم کر کے مسجد کی توسیع کردی جائے........۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

میں نے اپنے مقالہ میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ مساجد کے تحت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تعلیمی ادارے، خواہ دینی ہوں یا عصری ہوں قائم کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ مسجد کو اس کا کرایہ ادا کرے۔

قاضی صاحب:

میں اس بات کو پھر واضح کروں کہ ضرورت سے زائد جو اراضی مسجد پر وقف ہیں جن کی مسجد کو فوری ضرورت نہیں ہے ان پر کرایہ لے کر کوئی بھی کام ہو، دوکان کھلوا سکتے ہیں کچھ اور کام کروا سکتے ہیں، مسجد کی آمدنی ہوگی، یہ مسئلہ تو میں نہیں سمجھتا کہ زیر بحث ہے یا مختلف فیہ ہوسکتا ہے، بحث یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے جن کا تعلق دینی تعلیم سے ہے یا مسلمانوں کے اس فلاح سے ہے جس کا تعلق دینی تعلیم یا عصری تعلیم سے ہے اس کے لئے اس زائد اراضی کا استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کرایہ کی بات نہیں، کرایہ تو استیجار ہے، یہ تو مسئلہ صاف ہے اس میں کسی شک کی بات نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

اس کو بغیر کرایہ کے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مساجد کے تحت جو مکاتب قائم کئے جاتے ہیں بنیادی دینی تعلیم کے لئے اس کی تو اجازت ہے، یعنی مسجد کے تابع مکاتب دینی قائم کئے جاسکتے ہیں، باقی مدرسہ قائم کرنا اور تعلیمی ادارہ قائم کرنا اس پر صحیح نہیں ہوگا بغیر اجرت لئے ہوئے۔

مولانا زبیر قاسمی صاحب:

مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہوں تو اس زائد

ازضرورت زمینوں کے اوپر دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کرنا اس سلسلہ میں متقدمین فقہاء یا علمائے ہند کے موجودہ اکابر سبھوں کے فتاوی کی تصریحات کے جواب نفی میں آتے ہیں، مگر ایک حقیقت جو میری سمجھ میں آتی ہے، ایک ہے وہ زمین جو وقف ہو علی عمارۃ المسجد، تو ہمارے یہاں ایک جزئیہ ہے ''فتح القدیر'' کا ''**إن الوقف علی عمارۃ المسجد ومصالح المسجد سواء**'' عمارت مسجد پر کوئی چیز وقف ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے اخراجات یا اس کی آمدنیاں خرچ ہوں گی اسی کے اوپر، اور مصالح مسجد پر چونکہ بات ایک ہی ہوئی، تو عمارت مسجد اور مصالح مسجد تقریباً ایک ہی چیز ہے، اب مصالح مسجد کے اندر مثلاً مصلی ہیں، امام ومؤذن ہیں، یہ سارے کے سارے گویا مصالح مسجد میں داخل ہیں، اوقاف علی عمارۃ المسجد سے یہ ساری چیزیں پوری کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں، تو میرا یہ خیال ہے کہ وہ زمین جو مسجد کے اوپر وقف ہے اور فی الحال مسجد کی ساری ضروریات سے فاضل ہیں ان پر ایسے دینی ادارے مستقلاً جن میں دینی تعلیم ہو وہ در اصل امام اور مؤذن اور مصلی وغیرہ ہی کو پیدا کرتا ہے، اور یہ مصلحت مسجد ہی میں داخل ہیں، اس لئے ایسا مدرسہ یا مکتب جس میں بنیادی دینی تعلیم ہو اس کے قیام کو ہم جائز سمجھتے ہیں، ایسا مکتب جو ابتدائی شکل کا ہو یا ایسا مدرسہ جو اسی سطح کا ہو جس میں عصری علوم کا بھی انتظام ہو، مگر ان کے اندر بنیادی دینی تعلیم کا بھی نظم ہو اور دینی تربیت کی بھی شرط ہو، اس شرط کے ساتھ اس قسم کے عصری علوم کے ادارے کے قیام کو میں صحیح سمجھتا ہوں، لیکن خاص عصری علوم کے لئے جہاں بنیادی دینی تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو اور دینی تربیت کا کوئی نظم نہ ہو وہ میرے نزدیک جائز نہیں۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب:

مسجد کے احاطے میں جو فاضل زمین موجود ہے اور وہاں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاتا ہے دینی تعلیم کا، اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور ایسا ہو بھی رہا ہے، اور اگر اس کے ساتھ عصری تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے تو وہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور آج کل جدید صورت یہ چل گئی ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کا اہتمام کیا جاتا ہے، اب اگر بجائے اس

کے کہ صرف دینی تعلیم ہو اور اس کے ساتھ عصری علوم کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اجازت ہی نہیں دے رہے ہیں کسی ایسے مکتب کو اور کسی مدرسہ کو قائم کرنے کی، اس لئے کہ جدید عصری تقاضوں کے مطابق اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں۔ البتہ اگر سیکولر ٹائپ کی کوئی تعلیم ہوتی ہے تو وہ مسجد کے احاطے میں ہرگز مناسب نہیں ہوگی۔

مولانا مصطفیٰ مفتاحی صاحب:

عہد نبوت میں مساجد کا استعمال کیسے ہوتا تھا اس کو ذہن میں رکھا جائے، عہد نبوت میں وسیع تر مقاصد کے لئے اس کا استعمال ہوتا تھا، قاضی کے فیصلے بھی مساجد ہی میں ہوا کرتے تھے، ابھی جو گفتگو ہو رہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ مدارس اور مکاتب کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے اور عصری علوم بھی اگر مفید انسانیت ہے تو وہ بھی دینی علوم ہیں، اس لئے عصری علوم کے لئے بھی فاضل زمین پر کسی ادارہ کے قیام میں کوئی حرج نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ایسا ادارہ جس میں خالص سیکولر انداز کی تعلیم ہو تو اس کی اجازت نہیں، خلاصہ یہ کہ فاضل زمین پر، خواہ دینی ہوں یا عصری، دونوں علوم کے ادارہ قائم کئے جاسکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے۔

مولانا سعود عالم قاسمی صاحب:

یہ ایک اچھا سوال مولانا مصطفیٰ صاحب نے اٹھایا ہے میں ان ہی کے حوالہ سے عرض کر رہا ہوں، مساجد کا استعمال اسلام میں مختلف ایسے مقاصد کے لئے کیا گیا ہے جو اسلام کی ضرورتوں سے ہم آہنگ تھے، قیدیوں کو باندھا بھی گیا ہے، غنائم کی تقسیم بھی کی گئی، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب مسجد نبوی ہی ایک ٹھکانہ تھی مسلمانوں کے لئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ممبر بھی فراہم کیا...... لیکن بعد میں جیسے حالات بدلے یہ سارے امور منتقل ہوتے چلے گئے، قید خانے الگ بنے، جیل خانے الگ بنے، قضایا کے محکمے الگ بنے، یہاں تک کہ

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ کہا کہ جس کو شاعری کرنی ہو وہ مسجد کے باہر جائے، دیکھنا یہ ہے کہ کون سی چیز مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے اور کون سی چیز ہم آہنگ نہیں ہے، جو چیزیں ان کے مقاصد سے ہم آہنگ ہیں ان کو باقی رکھا جائے، تعلیم مسجد سے عین ہم آہنگ ہے، چنانچہ نہ صرف یہ کہ عہد نبوی میں، بلکہ صحابہ کرام کے زمانے میں، تابعین عظام کے زمانے میں، بلکہ مسجد کا بعد کے عہد میں بھی تعلیمی کردار برقرار رہا ہے اور ہندوستان میں بھی برقرار رہا ہے، اس لئے ہم دینی تعلیم کو مساجد کے مقاصد سے الگ نہیں کر سکتے اور اس میں تعلیم گاہ کے قیام کی اجازت دینا ہوگی، رہی دوسری بات کہ تعلیم میں ہم تفریق کر سکتے ہیں یا نہیں کر سکتے، اور کر سکتے ہیں تو کہاں تک کر سکتے ہیں، اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسلامی تعلیم ایک یونیٹی ہے، اس میں دین اور دنیا کی تفریق نہیں ہے، وہ تعلیم جو قرآن وسنت اور انسان کو اس کی معرفت اور کائنات کی معرفت عطا کرے اس کے ادارے قائم کریں، ہمارے زمانہ میں سیکولر تعلیم کے جو ادارے کہے جاتے ہیں جن کو آپ ٹیکنکل ادارہ کہہ سکتے ہیں یا پیشہ وارانہ تعلیم کے ادارے کہہ سکتے ہیں یا پروفیشنل تہذیب کے سنٹر کہہ سکتے ہیں، میرے خیال میں مسجد کے مقاصد سے یہ ہم آہنگ نہیں ہیں، لیکن قرآن کی تعلیم، قرآن کی تفسیر، فقہ کی تعلیم، عبادات کی تعلیم، صلاتیات کی تعلیم، یعنی وہ ساری تعلیم جو اقدار پر مبنی ہیں ان کی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی ہم اجازت دیں گے، اور وہ تعلیم جو مسجد کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے اس پر پابندی لگانی پڑے گی، ورنہ ہر کوئی مسجد کی زمین پر ایک ٹیکنیکل ادارہ کھول کر بیٹھ جائے گا۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب:

مولانا سعود عالم قاسمی صاحب نے جو بات کہی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں اور یہ بات میں نے اپنے مقالہ میں بھی عرض کی ہے کہ وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں ان کو ہم قائم کرنے میں کوئی پابندی نہیں سمجھتے، لیکن وہ چیزیں جو مسجد کے مزاج کو بدلنے والی ہوں اس سے تعلق نہ رکھتی ہوں ان کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مفتی محبوب علی وجیہی صاحب:

میری رائے کے مطابق فاضل زمین میں دینی تعلیم کے ادارے قائم کئے جاسکتے ہیں، لیکن مسجد کی کمیٹی کے افراد کو بھی اس کے نظم میں شامل رکھا جائے، تاکہ آئندہ چل کر اس زمین کے مسئلہ میں کوئی ملکیت کا دعوی نہ کرے۔

مولانا شاہین جمالی صاحب:

ایسا ہے کہ مسئلہ تعلیم کے غلبہ کا ہے اگر کسی ادارہ میں عصری تعلیم کا غلبہ ہے اور دینی تعلیم نہیں ہے اس میں تو یقیناً اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر عصری علوم برائے نام ہوں اور اس مقصد کے لئے مسجد کی زمین میں کوئی ادارہ قائم ہو تو سعود عالم قاسمی صاحب نے بات واضح کردی ہے اور یہی مناسب ہے اور میری رائے بھی یہی ہے۔

مولانا محی الدین صاحب:

اصل میں مسجد کی زائد اراضی پر دینی ادارہ، مکتب وغیرہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور دنیوی تعلیم کے جو ادارے ہیں اگر سیکولر انداز کے ہیں تو اس کی اجازت میں تو بہت سے مسائل کھڑے ہوں گے، لیکن دنیوی تعلیم اگر سیکولر طرز پر نہیں ہے صرف مسلم اس کو چلا رہے ہوں، چونکہ اس زمانے میں بہت سے خرافات ہوتے ہیں ایسے اداروں میں، اس لئے مسجد کی زمین پر یہ سب قائم کرنا تو درست نہیں ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ ادارے یا مسلم ہوسٹل وغیرہ جس کا مقصد یہ ہو کہ کالج وغیرہ کے طلبہ جو وہاں آکر رہیں اور جن کی دینی تربیت کی جاسکے، چونکہ اس کی بہت ضرورت ہے اس زمانے میں، یا کہیں شہر میں کالج وغیرہ ہیں اس میں مسلم طلبہ وغیرہ رہتے ہیں اور وہ دینی ماحول سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں تو اگر کوئی ایسا ہوسٹل تربیت کے لئے قائم کیا جائے اور اس میں تربیت کی جائے اور باقاعدہ ان کو دینی تعلیم دی جائے تو اس قسم کے ادارے کی اجازت ہوسکتی ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں نظام تعلیم جو ہے اس میں کوئی تفریق نہیں ہے، یہ تو بعد کی چیز ہے کہ عصری تعلیم ہو اور دینی تعلیم ہو، اصل ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا جو نظام تعلیم ہو، چاہے وہ صنعت سکھائی جائے یا حساب یا جغرافیہ اور اس کا اسلامائزیشن ہوتا ہے تو اس اسلامائیزیشن کے بعد تو وہ دینی بن جاتا ہے، تو یہ ایک اہم بات ہے کسی بھی تعلیم کے سلسلہ میں، اگر اس میں اسلامی رنگ غالب ہے اس نظام تعلیم میں تو پھر یہ علوم بھی سکھلائے جاسکتے ہیں۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب:

جیسے ہمارے مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا، اس طرح کی تفریق نے ہمارے مسلم سماج کو بہت سخت نقصان پہونچایا کہ یہ دینی تعلیم ہے اور یہ عصری تعلیم ہے، اس میں کوئی شک نہیں، حالانکہ بدر کے قیدیوں کو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ اس میں سے لکھنا پڑھنا جانتے ہوں وہ ہمارے مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے گا، تو کیا انہوں نے توحید سکھائی تھی؟ وہ تو مشرکین تھے، تو اس طرح یہ جو ذہن ہے ہمارا، اس ذہن کو سب سے پہلے وسیع کرنا ہوگا، عصری تعلیم گاہوں کو یا اس کو عصری تعلیم کا نام دے کر اس طرح سے مسلمانوں کو اس سے الگ کیا گیا کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان عصری علوم سے بہت بڑا نقصان ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیوی تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے، ایک طرف ہم یوں کہیں کہ عصری تعلیم بھی ہماری تعلیم ہے اور دوسری طرف ہم یہ کہیں کہ یہ عصری تعلیم ہے، یہ دنیوی تعلیم ہے اس سے بچو، یہ چیز میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ تعلیم میں کوئی تفریق نہیں ہے، اگر مدارس اور مکاتب کے قائم کرنے کا جواز ہے تو عصری تعلیم گاہوں کا بھی جواز ہوگا اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

مولانا قمر الدین صاحب:

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ احاطہ مسجد جہاں مسجد کی ضروریات کا اس سے تعلق ہے تو اس میں اس قسم کا کوئی ادارہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جو فاضل اراضی ہیں اس میں دینی تعلیم گاہیں قائم کرنا مسجد کمیٹی کی اجازت سے جائز ہے ورنہ مسجد کمیٹی کے جو اراکین ہیں اس میں اور دوسرے افراد میں نزاع پیدا ہوجائے گا،لیکن فاضل اراضی پر عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

مفتی اسماعیل صاحب کنتھاریہ:

سب سے پہلے تو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ زمینیں جو مسجد پر وقف ہوتی ہیں وہ **لاستغلال الارض، لاستغلال المسجد**،یعنی مسجد کے لئے ذرائع آمدنی کے طور پر ہوتی ہے،تو پہلی بات یہ ہے کہ کیا واقف نے اس مقصد کے لئے وقف کیا تھا کہ اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے تو مقصد واقف کے خلاف وہاں پر کوئی دینی ادارہ،یعنی مکتب یا مدرسہ قائم کرنا درست ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی ہے کہ مقاصد مسجد میں سے تعلیم اور وعظ وغیرہ بھی ہے اس لئے مسجد کی ایسی زمین پر جو فاضل ہے اگر کوئی دینی مدرسہ قائم کیا جائے تو درست ہے،باقی اس کی ملکیت تو وہ مسجد ہی کے پاس رہے مسجد سے ختم نہ کیا جائے، یہ قید اس لئے ضروری ہے کہ آج کل مسجد کا وقف، مدرسہ کا وقف ہے اور عموماً جہاں مکاتب کی تعلیم پہلے سے چلتی ہے وہاں پر مکتب کا وقف ہے، یہ بھی الگ ادارہ شمار ہوتا ہے اور کہیں کسی وقف بورڈ میں الگ سے اندراج ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسجد ہی کی ملکیت میں رکھ کر مسجد کی خالی زمین پر مدرسہ ومکتب قائم کرنا درست ہے، البتہ عصری ادارہ قائم کرنا عصری تعلیم کے لئے یہ احقر کے نزدیک درست نہیں ہے، اس لئے کہ عصری تعلیم کے لئے اس کے پورے نصاب کو بھی دیکھنا پڑے گا،جس انداز سے عصری تعلیم دی جارہی ہے اس طریقے سے اگر رسمی مدارس یعنی سرکاری اسکول کے نہج پر اگر تعلیم دی جاتی ہے تو اس میں

جو تاریخ ہے، اسی طرح سے جو زبان سکھانے والی کتاب ہوتی ہے اس میں عموماً ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ شاید فرض کفایہ کے درجہ میں بھی اس کا جواز نہ ہو یعنی اس تعلیم کا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ کیسی چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور کیسی چیزیں ہوتی ہیں، حساب کے اندر دیکھئے کہ وہ بھی عصری تعلیم کا ایک جزء ہے اور بہت ضروری ہے فرائض وغیرہ کے سلسلہ میں، زکوۃ کے حسابات وغیرہ کے سلسلہ میں، لیکن حساب سکھانے کا جو طرز ہے وہ ہمارے یہاں عموماً سودی حسابات ہوتے ہیں تو اس کو جواز کے درجہ میں لکھا ہے کہ چونکہ وہ مجبوری ہے اس لئے حساب سکھایا جائے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عصری تعلیم کے جو عناصر ہیں اس میں سے بعض چیزیں جیسے زبان، حساب، جغرافیہ ہے اس کا جاننا فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، لیکن جس نہج سے وہ پڑھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ جو دوسرے فنون پڑھائے جاتے ہیں تاریخ وغیرہ اور زبان سکھانے کے لئے جو مضامین ہوتے ہیں ان کتابوں میں ایسی چیزیں ہیں کہ عصری تعلیم کا جو موجودہ نہج ہے اس کے لئے وہاں پر ادارہ قائم کرنا مسجد کی فاضل اراضی میں یہ درست نہیں ہے۔

مولانا مفتی مسرور صاحب:

جہاں تک مکاتب دینیہ اور مدارس عربیہ کا تعلق ہے ان کے قیام کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور جہاں تک عصری علوم کی تعلیم کا سوال ہے، جیسا کہ مجھ سے پہلے افاضل نے فرمایا اگر وہ عصری علوم کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہیں اور نہج تعلیم بھی کتاب وسنت سے متصادم نہیں ہے تو ایسی حالت میں عصری تعلیم کا بھی جواز ہوسکتا ہے، جواز ہے۔

مولانا کمال احمد صاحب دیوریا:

یہ بحث جو چل رہی ہے عصری اور دینی تعلیم کے اداروں کے بارے میں تو دراصل تعلیم کوئی بھی ہو، تعلیم تو ایک وحدت ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، اور عہد صحابہ میں، جیسا کہ ہمارے فضلاء نے ذکر کیا مثال کے طور پر بدر کے قیدیوں کی مثال دی وہ ہمارے لئے راہ ہے کہ آپ ﷺ نے بدر کے چند قیدیوں کو اس لئے رہا کردیا اور ان کی دیت یہ مقرر کی کہ

ہمارے مسلمان بھائیوں کو جو دیگر زبان نہیں جانتے ہیں وہ زبان سکھائیں، اور ظاہر ہے وہ زبان جو سکھائی گئی وہ دینی زبان نہیں تھی، عربی زبان نہیں تھی........اس سے تو ہم کو یہ روشنی ملتی ہے کہ جو زمین احاطہ مسجد کے علاوہ ہے وقف کی ہے، جس طرح ہم مساجد اور مکاتب اور اسلامی ادارہ قائم کرنے کے قائل ہیں اسی طریقہ سے ہم کو عصری علوم کے جو مراکز ہیں ان کے قیام کی بھی اجازت دینی چاہئے، اس لئے کہ جس طریقہ سے آج مسلمانوں کو علماء و مفتیان کی ضرورت ہے ویسے ہی ہم کو ڈاکٹر کی بھی ضرورت ہے، انجینئر کی ضرورت ہے، سائنسداں کی بھی ضرورت ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب ہمارے علوم ہیں ہمارے علم کو غیروں نے اپنایا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح مدارس اور مکاتب کے قیام کی اجازت ہونی چاہئے، اسی طرح علوم عصریہ کے مراکز کی بھی اجازت ہونی چاہئے بشرطیکہ کوئی اسلامی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

مفتی محمد یحییٰ صاحب:

مدارس دینیہ کے لئے، مساجد کے لئے جو اراضی وقف ہیں اگر وہ مساجد کو حالاً اور مآلاً ضرورت نہیں ہے تو اس کو نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں استعمال کیا جاسکتا ہے جائز ہے، بقیہ ۳، ۴، ۵ میں میرے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں شرط یہ ہے کہ جس کو بھی زمینیں دی جائیں مکتب یا مدرسہ کے لئے اس میں یہ شرط لگا دی جائے کہ جس وقت بھی مسجد کو ضرورت ہوگی فوراً بلا کسی تاخیر کے خالی کرنا ہوگا، ورنہ قانونی چارہ جوئی کرنی پڑے گی۔ نمبر ۱، اور نمبر ۲، میں اجازت ہے اس شرط کے ساتھ، نمبر ۳، ۴، ۵ میں جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

(آواز صاف نہیں ہے)

مفتی حبیب اللہ صاحب:

مسجد کی فاضل اراضی پر مدارس دینیہ اور مکاتب بنانے کی اجازت ہے، البتہ عصری

علوم کی درس گاہیں قابل غور ہیں ان پر اہل علم حضرات نظر ثانی فرمالیں، میرے نزدیک دینی مدارس ومکاتب کی طرح ان کی اجازت ہے۔

مولانا عبداللہ جولم صاحب:

دینی مدارس کے ساتھ عصری علوم اگر دینی ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، خاص کر تفریق جو دینی تعلیم اور عصری تعلیم میں موجود ہے، اور عصری تعلیم میں مسلمان طلبہ بہت پائے جاتے ہیں دینی مدارس میں داخلہ لینے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے اس طرح سے دینی مدارس میں عصری تعلیم کو داخل کر کے پڑھایا جائے تو پھر ٹھیک ہے، مستقل عصری تعلیم کے اعتبار سے اس کا قیام ایسی جگہوں پر صحیح نہ ہوگا۔

مفتی عبداللہ صاحب ہانسوٹ:

الحمد للہ، ہمارے ارباب فتاوی کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں غالباً جزئیہ مجوث عنہا سے ہماری بحث دور ہوتی جارہی ہے، اس کی اصل یہی ہے کہ اس کو بجائے دینی اور دنیوی علوم میں تقسیم کرنے کے نافع اور غیر نافع میں ہو، احادیث میں جو الفاظ وارد ہیں اگر اس میں محدود کردیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ پریشانی نہیں ہوگی اور یہی کہا جائے گا کہ جو علوم نافعہ کے لئے ہیں اس کا استعمال جائز، اور جو غیر نافعہ کے لئے ہیں وہ جائز نہیں، فجز اکم اللہ۔

قاضی صاحب:

میں اپنے ان دوستوں سے معافی چاہتا ہوں جو اظہار رائے کرنا چاہتے ہیں، لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم مجبور ہیں دوسرے موقعہ پر ہم ان سے بات کرائیں گے، میں خلاصہ کے طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سارے حضرات ان پوائنٹس کو ضرور نوٹ کرلیں گے، تاکہ ہم لوگ ایک اتفاقی نقطہ تک پہنچ سکیں، عجیب توارد ہوا ہے کہ میرے اور مولانا عبداللہ صاحب کے درمیان، میں ابھی بیٹھ کر سوچ رہا تھا کہ میں اپنی بات یہاں سے شروع

کروں گا۔

اللهم إني أسألك علما صحيحا نافعا وعملا صالحا متقبلا ورزقا واسعا حلالا طيبا، والقول الثاني: اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع، میں سمجھتا ہوں کہ هذا هو أساس الكلام۔

ہم لوگ بحث میں ذرا دوسری طرف نکل گئے، العلماء كلهم قد اتفقوا على أن العلم النافع ينبغي للمسلمين جميعا ولا يقول أحد منا، إن علما نافعا يجب علينا أن نحترمه، كل علم ينفع فهو أساس للمسلمين، من طلب الحكمة فهي ضالة المؤمن۔

یہاں پر بحث ہے وہ دراصل یہ ہے کہ وقف مسجد پر ہم کیا کر سکتے ہیں کیا نہیں کر سکتے ہیں، بیشک مسجد اسلامی تاریخ میں بہت ساری ضرورتوں کا مرکز رہی ہے، هذا معروف أن المسجد محل للعبادة، ومحل للتعليم ومحل للجهاد وللحرب ولفلان ولفلان وللقضاء كل ذلك حينما كانت الحاجة داعية إليها، والأحوال لما تغيرت والأمكنة توسعت فخرج القضاء من المسجد إلى دار القضاء وخرج التعليم من الصفة إلى المدارس ، كذلك كل شئ خرج من محله ووصل إلى محله، فكل هذا يبنى على الاحتياج إذا كان المسلمون في محل لم يتيسر لهم أي موضع ومحل وأرض؛ لأن يعلموا صبيانهم، فماذا يفعلون هل يمكن أن نفتي أنه حرام عليهم أن يدخلوا المسجد لتعليم الصبيان لا يمكن ذلك۔

اب عرض یہ کرنا ہے مجھے کہ مسئلہ کی تنقیح کے لئے اور بات کو ختم کرنے کے لئے یوں چلیں کہ بہت سی مساجد کے ساتھ واقف کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کا کام بھی اس کے ساتھ ہوگا فإذا صرح الواقف أن ما هو موقوف على المساجد يستعمل لتعليم الصبيان للمسلمين أيضا فلا حاجة إلى البحث إن قد صرح الواقف بها، وإن لم

يصرح الواقف فماذا نفعل، فهذا معروف بين علمائنا في الهند أن جميع العلماء في جميع الأزمان قد علموا في المساجد مثلاً المسجد الجامع في دهلي ، شاهي مسجد لاهور ، مسجد مدرسة الذي أسسه شير شاه سوري على شاطئ نهر كنكا في بتنه، وجميع العلماء كانوا يجلسون في المساجد ويعلمون الطلاب، هذا هو المعروف والمتعامل فيما بين المسلمين من زمان قديم، فصار كعرف ليس بعرف حادث بل هذا عرف قديم قد ثبت به ولا يمكن لأي عالم أن يفتي بأن كل هذا كان غير جائز۔

پس یہ بات بھی منقح ہے کہ تمام وہ مساجد جن میں صراحت موجود ہے اس میں کوئی پرابلم نہیں ہے، کوئی دشواری نہیں ہے، اور مساجد میں وہ تعلیم جس کو ہم دینی کہہ رہے ہیں یہ معمول ومتعارف رہی ہے، اس لئے اگر کہیں بھی مسجد میں تعلیم دین کی دی جارہی ہے جو متعامل اور معروف ہے اس پر بھی کوئی اعتراض ہمیں نہیں ہونا چاہئے، اس کی صاف صاف اجازت دے دینی چاہئے، عین مسجد ہو یا حوالی مسجد میں کمرے بنے ہوئے ہوں، ہماری ساری مساجد جتنی بڑی بڑی مسجدیں ہیں ان میں ایسی عمارتیں موجود ہیں جہاں تعلیم دی جارہی ہے، ایسا فتوی نہ دیں ہم کہ جو ہو رہا ہے اس میں بھی مشکل پیدا ہو جائے۔

تیسری طرف ہم اس حاجت کو دیکھیں، کیا یہ سچائی نہیں ہے دوستو کہ ہمارے یہاں اسّی، پچاسی فیصد مسلمان بچے جاہل بھی ہیں اور بدقسمتی سے ان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، کیا ہم پوری قوم کے بچوں کو جاہل چھوڑ دیں، ظاہر ہے کسی کی بھی ایسی رائے نہیں ہوگی، لیکن جہاں پر ہمارے لئے علاحدہ جگہ کا انتظام ہو سکتا ہے وہاں ہم مکاتب، مدارس، اسکول سب قائم کر سکتے ہیں، اور جہاں پر کوئی صورت نہیں اور مسجد کی اراضی میسر ہے جو اس آبادی کے مصالح کے لئے ضروری ہے، پہلی کوشش کہ ایسے مکاتب ومدارس یا تعلیمی ادارے جو بھی ہم قائم کریں اس کو بذریعہ اجرت مسجد کمیٹی سے حاصل کرلیں، تاکہ بلا اختلاف یہ شی صحیح ہو جائے، اور اگر یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ وہاں پر اجرت کیا دی جائے گی، وہاں تو وہ دو پیسہ بھیک مانگ کر یوں ہی پریشان ہیں، برائے نام جیسے گورنمنٹ کرتی ہے کہ ایک روپیہ کرایہ رکھ دیتی ہے، ابھی راوڑ کیلا میں ہمارے دوستوں نے ۹۹ برس کے لئے دوایکڑ زمین دی ہے اور دو روپیہ سالانہ کرایہ رکھا ہے اور ہم نے ۹۹ برس کے دوسو روپئے ادا بھی کر دئے ہیں، تو اگر ایسی کوئی شکل ہے تو دوسری بات ہے، ورنہ ایسے تعلیمی اداروں کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، ایسے مقامات کے لئے جہاں حاجت مسلمین اس کی متقاضی ہو، اب اس کے بعد اس کا غلط استعمال بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ بعض دوستوں نے کہا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے، یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ عام طور پر جو کمیٹیاں ہیں مسجدوں کی، بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے مسجد کی اراضی کا اپنے من مانے اداروں کو قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بنانے کے لئے استعمال کیا ہے، اس لئے ہمارا جو بھی فتوی ہو اس میں اس طرح کے تجربات سے بچنے کے لئے احتیاط کی تحریر ضرور ہونی چاہئے، یہ بھی تجربہ ہے ملک کے مختلف علاقوں کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا خوف نہیں رکھتے اور دین کے احکام کو سمجھتے نہیں کمرشیل ادارہ قائم کر کے اس کو ذریعہ آمدنی بناتے ہیں اور مسجد بے چاری محروم کی محروم رہتی ہے، نہ اس سے اس کو مصلی مل پاتے ہیں اور نہ اس کو آباد کرنے کے لئے ذرائع مل پاتے ہیں، اس لئے ان سارے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات تجویز منظور کریں گے، میں امید کرتا ہوں اور یہ قطعاً ایک الگ بحث ہے، ہم کسی علم کو اپنے لئے اجنبی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ یہ ہماری آج کی بحث کا موضوع ہے، ابھی چونکہ وقف کا مسئلہ آرہا ہے کہ اراضی وقف کا استعمال ہم ان کاموں کے لئے کر سکتے ہیں یا نہیں، ظاہر ہے کہ تعلیم قرآن کی خاص نسبت قرآن سے ہے، اور اپنی ساری وسعت ذہنی کے باوجود میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میعھد اور سائنس کی تعلیم کو اتنا مناسب کہوں مسجد کے ساتھ جتنا مناسب مسجد کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا ہے، اور پھر اس پر ہندوستان کے ماحول میں غور کرنا چاہئے، جہاں پر عصری سیکولر ایجوکیشن کے ادارے ہوں، ابھی اتر پردیش میں بی جے پی گورنمنٹ نے ایک فیصلہ لیا ہے کہ پرائمری ایجوکیشن کے تمام اسکولوں میں سرسوتی کی مورتی لگی

رہے گی اور ہر طالب علم جو وہاں پڑھنے آئے گا اس کو روزانہ ایک مالا ایک ہار لا کر اس کو پہنانا پڑے گا، جہاں اس سے ہماری پریشانی بڑھتی ہے وہاں ہماری ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہیں کہ ان بچوں کو ہم مسجد یا مسجد سے ملحق اراضی میں پڑھنے کی اجازت دیں یا ان اسکولوں میں بھیجیں جہاں وہ جا کر مورتیوں پر مالا چڑھائیں گے، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کی کوئی اجازت دی جاسکتی ہے، پس آپ جو بھی فیصلہ کریں مصالح امت کو سامنے رکھ کر کریں، اور جو دو بنیادی اصول ہیں کہ وقف کی صیانت وحفاظت اور وقف کی نافعیت کو سامنے رکھیں، اس گفتگو کے بعد میں اس سلسلہ میں ایک کمیٹی کا اعلان کردوں گا، ابھی چند منٹ میں مولانا عتیق صاحب اور مفتی محمد عبید اللہ اسعدی صاحب لسٹ تیار کر کے دیں گے اس کے بعد پھر انشاء اللہ بحث ہوگی، اب اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے، اگلی بحث شروع ہوگی۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے اس پر توجہ دیں آپ حضرات کہ کچھ ایسی مساجد ضرور ملک میں ہیں، سو ہوں، دوسو ہوں پچاس ہوں، جن کے پاس ...... ہوتی ہے، مال جامد پیدا ہوجاتا ہے، آمدنی زیادہ ہوتی ہے اور ضرورت مسجد کی پوری ہورہی ہے، لیکن ایک بات ذہن میں رکھنی ہے کہ مسجد کی تزئین پر جتنا خرچ کرتا ہے متولی، مسجد کے امام کی تنخواہ پر خرچ نہیں کرتا، وہ بے چارہ ویسے ہی کے ویسے یتیم رہتا ہے، اس لئے جلدی سے ہم اس کو...... مانیں گے نہیں اور نہ مال جامد اس کو ماننے کو تیار ہیں، لیکن اگر کوئی ایسی مسجد ہو جس کے پاس اس کی تمام جائز اور واجب ضرورتوں کے علاوہ کافی بڑی رقم جمع ہے تو اہل دنیا کو آپس میں لڑنے کی بہت اچھی گنجائش ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ زائد آمدنی اس دینی یا عصری تعلیم کے یا دینی اور عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں، یا دیگر رفاہی مقاصد کے لئے خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں، جبکہ وقف میں صرف مسجد کی صراحت ہے اور کوئی صراحت موجود نہیں ہے، اس پر کون لوگ اظہار خیال کریں گے جو لوگ پہلے کر چکے ہیں ذرا وہ معذرت قبول کرلیں تو اچھا ہے۔

مولانا ابوبکر قاسمی صاحب:

میں مساجد کی فاضل اراضی کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ اس سلسلہ میں دو بنیادی نقطوں کو پیش نظر رکھا جائے، ایک تو یہ کہ مساجد کے مقاصد کو ملحوظ رکھا جائے، دوسرے ہندوستان میں سرکاری اداروں کے بجائے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا جائے، اس لئے کہ ہمارے ہندوستان میں جو سرکاری ادارے یا مدارس ہیں ان کی جو صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان اداروں کا مقصد دور حاضر میں تعلیم کے بجائے فقط معاش تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اسلئے آزاد ادارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں تو اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن سرکاری ادارہ کے لئے نہیں۔ اور فاضل آمدنی کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ پہلے تو مساجد پر خرچ کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے، لیکن اگر مساجد وغیرہ موجود نہ ہوں اور تعلیم پر خرچ کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہو تو پھر دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے۔

کیرالا سے آئے ہوئے مہمان:

سوال یہ ہے کہ کیا مسجد کی آمدنی تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، میرے خیال میں اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، رفاہی مقاصد ایسے ہوں جو ہمارے لئے آج کل جائز امور پر چل رہے ہوں، اور رفاہی مقاصد سب سے اہم مقاصد ہیں اس ماحول میں مسلمانوں کے لئے جو اہم مقاصد ہیں ان مقاصد کو دیکھ کر وہاں کے علماء اور مفکرین سب کو مل کر طے کرنا چاہئے، اور قرآن اور حدیث کی روشنی میں جب غور کیا جائے تو مسجد کی ضروریات کے بارے میں مولانا مسرور صاحب نے جو رائے پیش کی ہے أنا أوافقه على ما بين من آراءه القيمة حول المسجد وما يتعلق به۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی صاحب کیرالہ:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مسجد قرطبہ اور مسجد غرناطہ اور وہ مساجد جو جامع کی حیثیت سے

جہاں رفاہی اور مصالحتی اور مصاحبتی جتنے علوم تھے، وہ سب سکھائے جاتے تھے، اس لحاظ سے مسجد کی فاضل اراضی میں یا مسجد کی فاضل آمدنی میں تفریق کر کے عصری اور دینی علوم کو الگ کر کے کچھ طے کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے، مساجد جو ہوتی ہیں وہ بھی امت کی ہوتی ہیں اور تعلیم بھی امت کے لئے دی جاتی ہے اس لئے اس کے مصالح بھی امت کے لئے ہیں۔

مفتی بشیر احمد صاحب میسور:

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ جو فاضل آمدنی مساجد سے حاصل ہوتی ہے کمیٹی کے ذمہ داران کو اس پر تاکید کیا جائے کہ دینی ضروریات کے علاوہ اگر قوم کی بہبودی کے لئے دوسری ضرورت پڑے اس میں بھی خرچ کیا جائے، اگر عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم ہو کہ جس سے دینی تعلیم کا غلبہ ہو استعمال کر سکتے ہیں۔

مفتی انور علی صاحب:

اوقاف کی جو فاضل آمدنی ہے سب سے پہلے اسی وقف کی نوع کے مصارف میں خرچ کیا جائے، تا کہ واقف کی شرط کی زیادہ سے زیادہ رعایت ہو سکے۔

مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی صاحبؒ:

مساجد کی فاضل آمدنی کا استعمال کیا ہوگا اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ضروریات مسجد ہی میں اسے صرف کرنا ضروری ہوگا، تعلیمی یا رفاہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر کسی مسجد کے پاس اتنی زائد آمدنی ہو کہ جس کی مسجد کو نہ اس وقت ضرورت ہو اور نہ مستقبل قریب میں ضرورت ہو تو ایسی صورت میں مقاصد وقف کی رعایت کرتے ہوئے بہتر اور مفید طریقہ یہ ہوگا کہ مزید اراضی خرید کر اسی مسجد پر وقف کر دیا جائے اور اگر زمین خریدنا ممکن نہ ہو تو پھر ''الأقرب فالأقرب'' کے قاعدہ کے تحت اس سے قریب کی جو مسجد ہوگی اس کی ضروریات اور مصالح میں اس زائد آمدنی کو خرچ کرنا ہوگا۔

مولانا مفتی ابوسفیان صاحب:

مسجد کی فاضل آمدنی بوقت ضرورت دینی اداروں میں اور اوقاف کی چیزوں میں صرف کرنے کی اجازت ہے۔

مولانا وقار احمد صاحب:

اگر اوقاف کی آمدنی مسجد کی ضروریات سے زائد ہو تو پہلے واقف کی جو شرائط ہیں ان کی پوری رعایت ہو، ان شرائط کے بعد اگر آمدنی فاضل بچتی ہے تو دینی ضرورتوں میں خرچ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، دینی علوم ہوں، عصری علوم ہوں جن کی مسلمانوں کو اس وقت ضرورت پڑ رہی ہے اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

مفتی ارشاد قاسمی صاحب:

فاضل آمدنی کے سلسلہ میں فقہاء نے مصالح مسجد بیان کیا ہے، اور مصالح مسجد کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے "**الإمام والخطیب والمؤذن والوقاد والفراش والمدرس والناظر**"، اسی طرح عالمگیری میں بیان کیا گیا ہے کہ مصالح مساجد میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو مسجد کے ابقاء اور نفع کے لئے ہوں، چنانچہ کہا گیا ہے: ... "**کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة**" تو مدرسہ کے اوپر خرچ کرنے کے لئے تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی عدم گنجائش ہو، تمام حضرات نے مصالح مساجد میں تعلیم دین کو اور تعلیم قرآن کو داخل مانا ہے، چنانچہ "حاشیہ منحۃ الخالق" میں لکھا گیا ہے:

"**إنما هو عموم النظر لمصالح المساجد ولإقامة الشعائر**" اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم دین ہمارے یہاں شعائر اسلام میں داخل ہے، اس لئے مصالح مسجد میں تدریس، افتاء، تقریر وغیرہ سب داخل ہیں۔

مولانا شیر علی صاحب:

مسجد کی زائد زمین میں مدرسہ قائم کرنا یہ تو توارث چلا آرہا ہے اور یہ جائز ہے، اور مسجد کی زائد آمدنی کہاں خرچ کی جائے تو فقہاء کرام یہ لکھتے ہیں کہ اس جنس سے جو قریب ہے اس کو منتقل کیا جائے جس کو ضرورت ہو، یہی حال قبرستان کا ہے جو وہاں سے قریب ہے وہاں منتقل کیا جائے، اور مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا یہ بھی جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں اور اس میں مسجد کی آبادی بھی ہے، اور ہندوستان میں یہ تعامل ہے کہ جہاں مسجد ہوگی وہاں مدرسہ بھی ہوگا اور ہمارے یہاں افغانستان میں تو مسجد ہی میں طلبہ پڑھتے ہیں کوئی مستقل مدرسہ نہیں ہوتا ہے اسی مسجد میں تعلیم ہوتی ہے تو مسجد کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا درست ہے۔

جہاں تک واقف کے مقاصد کی بات ہے تو مشہور مسئلہ ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" ہمارے یہاں عرف ہے کہ مدرسہ الگ سمجھتے ہیں اور اسلام اور دینی علوم علی الاعلان الگ سمجھتے ہیں، لہذا مدرسہ اور مسجد کی آمدنی سے کوئی کالج قائم کرنا یا اسکول قائم کرنا یا رفاہی ادارہ قائم کرنا یہ میرے خیال میں جائز نہیں ہے، اور واقف کی شرط جو ہے میرے نزدیک کنص الشارع ہے، یہ میری رائے ہے کہ مدرسہ قائم کیا جائے پھر اگر کچھ دین کی غرض سے طبعاً ایسی چیزیں رکھی جائیں تو گنجائش نکل سکتی ہے۔

قاضی صاحب:

مولانا نے اصولی بات یہاں پر فرمادی کہ کوئی وقف اگر اپنا مصرف کھودے تو اس کو قریب ترین مدات کی طرف منتقل کیا جائے یعنی "الأقرب فالأقرب" کا اعتبار ہے یعنی وراثت کی ایک جھلک یہاں پر بھی موجود ہے، اب رہا کہ تحری اور اجتہاد کی ضرورت پڑے گی کہ کون اقرب ہے اور کون نہیں ہے، ہمارے یہاں تو اصولاً یہ قاضی کی ذمہ داری ہے اور قاضی کا نظام نہ ہو تو علماء اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں ہر وقف کے لئے، اب اس وقت صرف ایک مسئلہ پر بہت ضروری

سمجھتا ہوں کہ رائے دے دوں پھر کمیٹی جملہ مسائل اوقاف پر تجویز مرتب کرے گی۔

جہاں تک تعلق ہے استبدال وقف کی ان تمام شرائط کا جو ہمارے فقہاء نے لکھی ہیں، اگر ایک شئی اپنا نفع کھوچکی ہے اس کو باقی رکھنے کا کوئی مصرف نہیں ہے، اس کی جگہ پر جملہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے نفع بخش وقف کے قیام کی کوشش، اس پر تقریباً کہیں بھی ہمارے علماء میں اختلاف نہیں ہے، اس پر کئی رسائل موجود ہیں، بحث صرف وہاں پر ہے کہ نفع کم ہے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، مثال کے طور پر آج کل بہت سے شہروں میں ہماری بعض بلڈنگس ہیں، اور مان لیجئے کہ وہ غیر مسلم علاقہ میں چلی گئی ہیں، یا ان کا کرایہ بہت تھوڑا مل پاتا ہے، کہیں پانچ روپئے، کہیں دس، اور کہیں بیس روپے، اگر ہم ان کو فروخت کردیتے ہیں اور ان سے کوئی زمین دوسری مناسب جگہ پر حاصل کرلیں اور وہاں پر شاپنگ کمپلکس بنادیں تو اس سے لاکھوں روپئے کی آمدنی ہوسکتی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے، لیکن قائم ہے، فتوی کی زبان میں یوں کہئے کہ اصل نفع اگرچہ قلیل ہے، مگر قائم ہے، تو اس صورت میں اس کی نافعیت کو بڑھانے کے لئے استبدال وقف جائز ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت پر ہمیں زیادہ بحث نہیں کرنی ہے صرف اس پر آپ حضرات کی رائے ضرور جان لینی ہے کہ اگر اس کا اطمینان ہے کہ اس وقف کے استبدال کے ذریعہ اس کے نفع قلیل کو ہم نفع کثیر سے بدل سکتے ہیں اور مصارف چاہے مسجد ہوں مدرسہ ہوں، فقراء ہوں ان کے لئے ہم مفیدتر بناسکتے ہیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات جلدی جلدی دو دو منٹ میں رائے دیدیں "أنا أريد أن نتعرف من الأخ الدكتور خالد المذكور بهذه القضية، الوقف لم يخرج عن النفع مطلقا ولكن نفعه قليل فهل يجوز لنا أن نستبدلها بما هو أنفع لمصارف الوقف.

الدکتور خالد المذکور:

.........إذا كان الوقف نفعه قليل، فيجوز استبداله بوقف أو بأرض

زراعية يكون نفعه كثيرا إن شاء الله لكن التعريف كذلک على المدارس التي تكون بقرب المساجد حتى ولو كان شرط الواقف أن يكون للمسجد و.......الشرعي والعلم الغير الشرعي أو العلم الأخروي والعلم الدنيوي هناک يعني تعبير دقيق عن هذا، كل ...ما عبر عنه الشيخ مجاهد،...... وهو العلم النافع او العلم المباح وما دام علم نافعا و علم مباحا .... بأن يدرس وبأن يتعلم و إذا كانت هناک أراضي ...... وتكون عن حاجة المسجد فمن الممكن شرعاً استبدال هذه للإقامة لمدرسة أو إقامة .... للعلم الشرعي وغير العلم الشرعي........

مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب–خلاصہ:

وقف استبدال کا جہاں تک مسئلہ ہے اگر وقف کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے اس کو بدلنا چاہتے ہیں تو اس کی اجازت ہے ہمارے یہاں، البتہ دوسرے مسئلہ میں جو مدارس کے قیام کے سلسلہ میں ہے کہ اگر علم نافع اور علم مباح ہے اور وہ مساجد جہاں پہلے سے مدرسہ قائم ہے اس میں علم دین اور علم دنیا کی تفریق کے بغیر صحیح تعلیم جو علم نافع اور علم مباح ہو اس کی تعلیم دی جانی چاہئے اس کی گنجائش ہے۔

مہمان کویت:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله.

يتفق بالنسبة لمنافع الوقف مادامت منافع الوقف كثيرة بشرعنا الإسلامي لكنه إذا تعطلت منافع الوقف، ولم يكن هناک لجنة فيصرف عليه ولكن هناک مصلحة، وكما يقال في الأمس ،نص الواقف كنص الشارع، لكنه صرح الفقهاء وعندنا كذلک بمذهب أحمد بن حنبل، وكذلک بغير

مذهب أحمد بن حنبل...... والأفضل بشرط هذه المبدأ فلا جناح إذا وجد هناک نص لأحد الواقف .... وأن ينبغي هناک أن تتوسع المنافع بخيرات بما يكون للمسلمين .... وهذه توسعة كثيرة ونحن عندنا في الكويت بحمد الله الأمانة العامة للأوقاف صندوق في عمل حواليه كثيرة الأوقاف بها علوم القرآن وعيادة المرضى وللثقافة نعم وصندوق للصحة وعدة صنا ديق وقفية لخيرات المسلمين وارتفاع لهم فجزاكم الله۔

مولانا عبدالعظیم اصلاحی:

فقد صرح علامة حافظ ابن عابدين في شروط استبدال الوقف بالخط تكون ستة أو سبعة ومنها ان يستبدل القاضي الذي يتصف بالعلم والعمل ومن شروط استبدال الاوقاف ....۔

مولانا شیر علی صاحب:

قاضی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ وقف کا نفع کم ہوگیا اور اس کا معمولی نفع ہے اس کو بدلا جاسکتا ہے یا نہیں، تو فقہاء کرام نے بہت جگہ ذکر کیا ہے کہ للاً نفع سے بھی بدلا جاسکتا ہے اور الٹا بھی کرسکتے ہیں، اور یہ بھی قاضی الجنہ کرسکتے ہیں، عالم باعمل ہے وہ کرے، اور یہ شبہ ہو کہ اگر وقف کو اس نے بیچ دیا یا بدل دیا اور اس کی جگہ زمین نہیں خریدا تو کیا؟ اس کے متعلق آپ حضرات خود سوچ لیں کیا ہونا چاہئے۔

مفتی شبیر صاحب:

اس سلسلہ میں حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ وقف کی دو قسم ہے، ایک زمین کی شکل میں ہے عمارتی شکل میں نہیں، اگر عمارتی شکل میں نہیں ہے تو اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں، راجح قول کے اعتبار سے انفع کے لئے استبدال جائز نہیں ہے اور قول مرجوح کے مطابق انفع کے

لئے استبدال جائز ہے، لیکن اگر وقف عمارتی شکل میں ہے تو ایسی صورت میں کسی کے نزدیک بھی استبدال جائز نہیں ہے، الثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار وأن الخلاف في الثالث إنما هوفي الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخرابها ولم تذهب أصلا، فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال۔

قاضی صاحب:

جس عبارت کو آپ نے نقل کیا ہے مولانا اس میں ایک بہت بڑی بات ہے آپ کے لئے اور حضرات علماء کے لئے، اور اس کی وجہ بھی بتادی ہے، یعنی حکم معلل تو میں نہیں کہتا حکم موجہ کہتا ہوں، وجہ یہ لکھی ہے کہ ''فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال، قال: ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استيجارها بل في شرائها، أما الدار يرغب في استيجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى''۔

یہ بحث انہوں نے کی ہے یعنی قیاس کیا ہے اس بات پر کہ زمین کا معاملہ جو ہے وہ عام طور پر حالات پر مبنی ہے کہ کوئی ایسی جگہ پر مکان واقع ہے جہاں کرایہ دار نہیں مل رہا ہے تو وہاں پر بغیر بیچے آپ کو چارہ نہیں ہے، اور کہیں زمین ایسی جگہ پر ہے کہ ہے تو وہ بے کار لیکن اس کے استیجار کے بہت سے خواہش مند موجود ہیں تو وہاں پر حکم بدل جائے گا، اس لئے ان صراحتوں کو ان حالات پر آپ ضرور تطبیق دیں جن میں آپ مبتلا ہیں، اس لئے کہ یہ سارے مسائل مجتہد فیہ ہیں، اور یہ دراصل ہر فقیہ نے اپنے زمانے اور اپنے شہر کے حالات کو سامنے رکھ کر یہ فتوی دیا ہے، اور جب حکم معلل میں ہمارے لئے موقعہ ہے تو یہ تو حکم موجہ ہے، یعنی خود فقہاء نے اس کی توجیہ کردی ہے اس کو بھی اب آپ کو سوچ لینا ہوگا۔

مفتی شبیر احمد صاحب:

آپ نے جو فرمایا کہ اگر کرایہ پر مکان کو لینے والا وہاں پر ہے نہیں تو ایسی صورت میں تو میرے نزدیک بھی بیچنے کی اجازت ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔

قاضی صاحب:

قبل اس کے کہ اجلاس ختم ہو ہمارے لئے بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور خاص کر میں رحمت اللہ ندوی صاحب سے کہتا ہوں کہ وہ ڈاکٹر وہبہ صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جائیں، اور تمام عرب علماء کے ساتھ ایک ایک مترجم فوراً بیٹھ جائیں، ابھی ہمارے دوست رحمٰن خان صاحب جو ممبر پارلیمنٹ بھی ہیں، اور میں اہمیت بتادوں کہ اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک بہت اہم کمیٹی بنائی ہے، دعاء کیجئے کہ اس سے ہم لوگ پورا فائدہ اٹھاسکیں، اس کمیٹی کے آپ چیئر مین ہیں، آپ حضرات جو بہت سارے فیصلے کریں گے اور ان کو جب آپ ان کے حوالہ کریں گے تو قانون وقف میں میں امید کرتا ہوں کہ ان کی کوششوں سے بہت سی ترمیمات ہم لاسکتے ہیں جو شرع کے ساتھ زیادہ موافق ہوں یہ بہت اچھی بات ہے، میں نے ان کو خصوصی طور پر وقف کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے بلایا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ ان کی بات سن لیں اور کیا مسائل ہیں اور کیا مشکلات ہیں اس کی روشنی میں ہم کو بہت سارے فیصلے کرنے میں مدد ملے گی اور ہماری واقفیت میں اضافہ ہوگا۔

عبدالرحمٰن خاں صاحب ممبر پارلیمنٹ:

علماء کرام، بزرگو اور بھائیو!

آج یہاں تمام حضرات اوقاف کے مسائل پر اور شرعی طریقہ سے کس طرح ملک میں اوقاف کے اداروں کو چلایا جائے اس سلسلہ میں آپ غور کررہے ہیں، اس دفعہ اتفاق کی بات ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک سال پہلے اوقافی اداروں کے ناجائز استعمال اور جس طرح سے اوقافی

اداروں کا غلط استعمال ہورہا تھا اور اوقافی جائداد اور خاص کر بنگلور میں بہت سے اوقافی اداروں کو کوڑیوں کے دام پر، جو کروڑوں روپئے کی جائداد تھی، وقف بورڈ کی طرف سے ہی غلط استعمال ہورہا تھا تو پارلیمنٹ میں جب یہ بحث ہوئی اس وقت یہ طے کیا گیا کہ اس ملک میں قانون تو ہے اوقاف کا، مگر اس کا استعمال صحیح نہیں ہے، پہلے ۱۹۵۴ میں اس کا قانون بنا اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں ایک وقف انکوائری کمیٹی بنی، سارے ملک میں اس پر بحث ہوئی، ۲۰-۲۲ سال کے بعد ایک دوسرا قانون بنا اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں یہ قانون جاری ہوا اور پہلی جنوری سے یہ قانون نافذ ہے اس ملک میں، مگر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ جو قانون ہے اس میں اور زیادہ تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اور اوقاف کے تحفظ کے لئے قانون میں اور زیادہ مضبوطی اور تبدیلیوں کی ضرورت ہے، اس لئے پارلیمنٹ میں یہ سجھاؤ آیا کہ ایک کمیٹی بنا کر اور اس کمیٹی سے ایک رپورٹ حاصل کر کے پھر اس قانون میں ترمیمات کئے جائیں، چنانچہ ایک جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی بنائی گئی ہے، یہ کمیٹی دونوں راجیہ سبھا اور لوک سبھا سے مل کر بنی ہے، اور پہلی مرتبہ اس پچاس سال کی تاریخ میں مسلمانوں کے مسائل پر ایک جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی پارلیمنٹ نے تشکیل دی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس کا ہم کس طرح استعمال کریں، قانون تو اپنی جگہ بن رہا ہے، مگر پارلیمنٹ کو صحیح رہنمائی چاہئے کہ کس طرح کا قانون ہونا چاہئے، اب اس کمیٹی کے سامنے چھ نکات ہیں۔

پہلی شق Terms of Reference یہ ہے کہ وقف کی جائداد جو اس ملک میں ہے اس کی نشاندہی کی جائے کہ کون سی جائداد وقف کی ہے اور کون سی جائداد وقف کی نہیں ہے، اس لئے پہلے اس کا سروے ہوجائے کہ پورے ملک میں اور تمام ریاستوں میں اوقافی جائدادیں کون سی ہیں۔ دوسرے اوقافی جائداد جو ناجائز قبضوں میں ہے، حکومت کے ناجائز قبضہ میں ہے متولیوں کے ناجائز قبضہ میں ہے اور بہت سے لوگوں کے ناجائز قبضہ میں ہے تو اس کو کس طرح حاصل کیا جائے، چاہے حکومت سے ہو یا جس کے ناجائز قبضہ میں ہو اس سے کیسے لیا جائے گا یہ بھی پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے ایک مسئلہ ہے اس کے اوپر غور ہورہا ہے۔ تیسرے آمدنی وقف کی

جو ہے وہ بہت ہی کم ہے، یعنی بہت سی جائداد ایسی ہے جس سے آمدنی اور زیادہ ہوسکتی ہے مگر دوسرے قانون کی وجہ سے جیسے.....کنٹرول ایکٹ ہے، ایکویزیشن ایکٹ ہے یا دوسرے جو قانون ملک کے ہیں ان کی وجہ سے وقف کی آمدنی میں بہت ہی مشکلات آرہی ہیں، اب اس کو کس طرح سے کریں کہ وقف کو.....کنٹرول ایکٹ سے بری کیا جاسکے، اور جو اوقافی پراپرٹی ہے اس کو کیا ہم پبلک پراپرٹی ڈکلیر کرسکتے ہیں یعنی یہ ایک شخص کی جائداد نہیں، بلکہ پبلک پراپرٹی ہے اللہ کی ملکیت ہے اس پر کسی ایک فرد کا حق حاصل نہیں ہے، جیسا کہ گورنمنٹ کی پراپرٹی ہوتی ہے ، پبلک پراپرٹی ہوتی ہے، تو اس پر جو قانون نافذ ہوتا ہے اس سے کسی کو اس جائداد کے حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، اس طرح سے وقف کو پبلک پراپرٹی میں لایا جائے یا نہیں، یہ بھی ایک سوال کمیٹی کے سامنے ہے، اور اس کا علم ہم سبھی کو ہے کہ اوقاف بورڈ میں صحیح طرح سے کام نہیں ہورہا ہے تو ان کا جائزہ لیں کہ کیا وقف بورڈ اپنا صحیح کام کررہے ہیں یا نہیں، قانونی طریقے سے اور شرعی طریقہ سے کام کررہے ہیں یا نہیں؟ اس کا بھی جائزہ لے کر اوقاف بورڈ میں مضبوطی لانے کے لئے ہمیں یہ بھی کرنا ہے، اور اس کے بعد یہ کمیٹی ایک تفصیلی رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرے، تاکہ ایک ایسا جامع قانون بنے جس سے اس جائداد اوقاف کا تحفظ بھی ہو اور صحیح استعمال بھی ہو اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا کام انجام پائے، یہ کام گذشتہ سات آٹھ مہینوں سے چل رہا ہے اور اس کی بہت سی ذیلی کمیٹیاں بنی ہیں اور ہر کمیٹی کو الگ ریاستیں دی گئی ہیں، مجھے نو ریاستوں کے کمیٹیوں کی ذمہ داری دی گئی ہے، پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، دلی، ویسٹ بنگال، کرناٹک، آندھرا پردیش یہ جو علاقے ہیں ہماری کمیٹی نے اس پورے علاقوں کا دورہ کیا ہے، وہاں پر تبادلہ خیال کیا ہے، پنجاب، ہریانہ میں وہاں پر جو اوقاف ہیں ان کے جو حالات ہیں اور پراپرٹی کا جو غلط استعمال ہورہا ہے اس کی تفصیل میں نہیں جاسکتے، اور ہماری کمیٹی کا اندازہ ہے کہ اس وقت ہندستان میں پانچ لاکھ اوقافی ادارے ہیں، اگر اس کے ویلو اور قیمت کو دیکھتے ہیں تو گورنمنٹ کے اندازے کے مطابق پچاس ہزار کروڑ سے زیادہ بنتے ہیں، اور اتنی پراپرٹی

ہمارے پاس ہے، اب اسے کس طرح استعمال کرنا ہے اس کے لئے ہماری اور آپ کی پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں، مگر پارلیمنٹ کو قانون بنانا ہے، ہم کو قانون میں تبدیلیاں لانا ہے، اگر رہنمائی کمیٹی کو نہیں ملے گی کہ ہم کس طرح کی تبدیلی چاہتے ہیں تو کل ہم کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے کہ یہ قانون صحیح نہیں ہے، تو میری آپ تمام علماء کرام سے گذارش ہے کہ اب جو ہمارا قانون ہے اس پر آپ غور کریں، ۱۹۹۵ء کا جو قانون ہے اس پر، اب اس قانون میں کن کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے جو تبدیلی شرعی نقطۂ نظر سے ضروری ہے اس سے متعلق اگر آپ بل بھی بنا کر دے سکتے ہیں تو یہ کمیٹی پارلیمنٹ کے سامنے اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہے، آج میں آپ سے یہی گذارش کروں گا کہ اس کمیٹی سے فائدہ اٹھائیے، کیونکہ سب سے اہم یہ ہے کہ اس کمیٹی میں ہر پارٹی کے لوگ ہیں اور میں چھ سات مہینے سے اس کمیٹی میں کام کر رہا ہوں کسی کا کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اچھا قانون بنایا جائے، نہ بی جے پی کا ہے، نہ شیوسینا کا ہے، نہ کسی پولیٹکل پارٹی کا ہے، ہر پولیٹکل پارٹی چاہتی ہے کہ وقف کا قانون مضبوط بنے اور صحیح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں ہم اس قانون میں کس طرح مضبوطی لا سکتے ہیں اس لئے ہم اس کو صحیح رہنمائی کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ ۱۹۷۵ء میں جو کمیٹی بنی تھی ہمارے ہی اختلافات سے ۲۰؍سال لگے، ۱۹۹۵ء کا قانون اب سامنے آیا ہے، جس میں بہت سی اچھی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ٹریبونل آیا ہے، اوقاف کے جو جھگڑے دس دس پندرہ پندرہ سال سے کورٹوں میں چل رہے تھے اب صرف اوقاف کیلئے ٹریبونل بن گیا ہے، اور لمیٹیشن ایکٹ تو پہلے ۱۲؍سال کا تھا اب ۳۰؍سال ہوا، اگر اوقاف کی پراپرٹی ہے اور سو سال سے بھی ناجائز قبضہ میں ہے تو اب وہ پراپرٹی واپس لی جاسکتی ہے۔ اور دوسرا جو آثار قدیمہ کا سوال ہوا تھا، ہمارے یہاں پر آثار قدیمہ کا ڈپارٹمنٹ جو مساجد ڈکلیر کرتی ہے، آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس کو ڈبیٹ کے طور پر لایا گیا تھا اور تین گھنٹے ان سے ڈبیٹ لیا گیا، اور یہاں پر یہ سوال آپ کے سامنے ہے کہ آثار

قدیمہ کے تحت ہمارے آثار قدیمہ، آرکیولوجیکل ڈپارٹمنٹ کے پاس جو مساجد ہیں ان میں پھر نماز کا پڑھنا کیسے شروع ہو اور کس طرح سے ان کو حاصل کیا جائے، یہ کسی کا اعتراض نہیں کہ وہ آثار قدیمہ ہے اس کا تحفظ کیا جائے، اور وہاں میں نے خود آرکیولوجیکل ڈپارٹمنٹ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کو یا کسی کو کیا حق ہے کہ جب ایک واقف نے مسجد وہاں بنایا تو اس کے منشا کے خلاف کسی کو نماز پڑھنے سے روکنا، آپ کو اس کا کوئی حق نہیں ہے، تو اس میں قانوناً کوئی گنجائش نہیں، مگر اس طرح کے قانون کو وہ انٹرپریٹ کر رہے ہیں کہ وہاں ہم اجازت نہیں دیں گے، مگر ڈائرکٹر جنرل ہمارے سامنے اتنی باتیں کر چکے ہیں کہ قانون میں تو کوئی ایسی گنجائش نہیں ہے، مگر اس کے تحفظ کے لئے ہم کام کر رہے ہیں، اگر ہم صحیح طریقہ سے غور کر کے جذبات سے ہٹ کر قانونی موقف میں ہم لیں تو مجھے امید ہے کہ یہ بھی مسئلہ ہم حل کر سکتے ہیں انشاء اللہ، اس لئے میری گذارش آپ تمام سے یہی ہے کہ اس کے اوپر ہم زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، کیونکہ یہ موقعہ اگر ہاتھ سے نکل گیا اور یہ قانون نہیں بنا تو پھر اس مسئلہ میں ہم الجھ کے رہ جائیں گے اور ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، بس اتنا کہہ کر میں آپ تمام کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب:

(آواز صاف نہیں ہے)

قاضی صاحب:

جو بات ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے فرمائی، میں سمجھتا ہوں کہ سمینار کی طرف سے کہی جانی چاہئے، بہر حال اس سلسلہ میں ایک پختہ نظام بننا چاہئے کہ وقف احکام شرع اسلامی میں سے ایک حکم ہے اور اس کا ایک مستقل شرعی نظام ہے، اور مسلم پرسنل لا اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے کہ ۱۹۳۷ء کے شریعت اپلیکیشن ایکٹ کے تحت کوئی بھی قانون بننے میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ حکم شرع کی مخالفت نہ ہو، اس لئے علماء شریعت کا اس میں عمل دخل ضروری

ہے، لہذا جدید وقف ایکٹ میں اگر کوئی ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو اس میں اس پہلو کو ضرور سامنے رکھا جائے کہ ایسے علماء ہوں جو ماہرین شریعت ہوں اور وہ سرکار کے نامزد کردہ نہ ہوں بلکہ جو آج جمہوریت ہر سسٹم میں آرہی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے علماء ہوں جن کو خود علماء بیٹھ کر منتخب کرلیں اور دعا کیجئے کہ ہم لوگ اتفاق کے ساتھ کرلیں۔

بہر حال میں ابھی دو اہم بات کہنا چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ جتنے سوالات اوقاف سے متعلق ہیں اور ایک بڑا اہم سوال آپ کا آگیا کہ جو موجودہ وقف ایکٹ ہے اس میں آپ کیا تبدیلی چاہتے ہیں جو مطابق شرع اور مقاصد وقف کی حفاظت کے لئے بہتر اور اس کی ترقی کے لئے بہتر ہو، میں سمجھتا ہوں کہ جو کمیٹی میں اس وقت بنانے جارہا ہوں وہ تمام مسائل سے دلچسپی ختم کر کے آج ہی شام سے یہ کمیٹی بیٹھ جائے، اور وہ ان مسائل پر بھی تجویزیں طے کرے اور ساتھ میں ہمارے عبد الرحیم قریشی صاحب ہیں ایک ایک پوائنٹ پر ان کی نظر ہے اور ہم طویل بحث بھی کر چکے ہیں موجودہ وقف ایکٹ پر، چند پوائنٹ ہی ایسے ہیں جن پر گفتگو کی سخت ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان پر اپنی تجاویز اس سمینار کی طرف سے تیار کی جائے جو ہم جوائنٹ وقف کمیٹی کو بھیجیں، وزیر اوقاف کو بھیجیں اور کیا پتہ کہ آج بمبئی کی سرزمین پر جو ہم چند لوگ بیٹھ کر فیصلہ کر رہے ہیں نظام وقف میں ایک بڑے انقلاب کی بنیاد بن جائے، ایسا تاریخ میں ہوا ہے اور ایسا ہوسکتا ہے، انشاء اللہ۔

ایسا ہے شمس پیرزادہ صاحب کہ جو نیا وقف ایکٹ بنا ہے وہ پورے ہندوستان کی تمام ریاستوں کے لئے مشترک ہے اور اس کو بہر قیمت ملک کی تمام ریاستوں میں نافذ ہونا ہے، یہ قانون موحد ہوگا وقف کا جو ہندوستان کی تمام ریاستوں میں نافذ ہوگا، اب اس میں ذرا بعض ریاستیں آگے پیچھے کر رہی ہیں، لیکن وقف ایکٹ کا جو قانونی نفاذ ہے دو چار مہینہ آگے پیچھے کر کے مجبور ہیں ساری ریاستیں کہ اسی ایک وقف ایکٹ کو پورے ہندوستان میں نافذ کریں اور یہ انشاء اللہ ہوجائے گا۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب:

متولیوں کو یہ جو اختیار بیچنے کا خریدنے کا ہے اس سلسلہ میں یہ بات پہلے ذہن میں سب کے بٹھا دی جائے کہ متولی وقف کا مالک نہیں ہوتا مالک خالص اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اللہ کا نائب بن کر سب کچھ کرتا ہے، جو خرید فروخت اور جو تصرفات وہ کرتے ہیں سب اسی حیثیت سے کرتے ہیں۔

قاضی صاحب:

بہرحال جو کمیٹی اس موضوع پر بنائی گئی ہے وہ وقف سے متعلق جملہ سوالات اور موجودہ ۱۹۹۵ء وقف ایکٹ کو سامنے رکھ کر اپنی سفارشات تیار کرے گی، چونکہ یہ کام ذرا زیادہ اہم ہے اس لئے میری درخواست ہے کہ پرسوں کا انتظار کئے بغیر آج عصر کی نماز کے بعد آپ حضرات بیٹھ جائیں اس میں ہمارے دکتور وہبہ زحیلی صاحب، مولانا عبداللہ جولم صاحب، ڈاکٹر خالد مذکور صاحب، مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب، شمس پیرزادہ صاحب، مولانا عتیق احمد صاحب، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب، مولانا ظفر عالم ندوی صاحب، مفتی اشرف علی صاحب، جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اور جناب رحمٰن خان صاحب، گیارہ افراد پر مشتمل ہوگی یہ کمیٹی جو آج عصر بعد کام شروع کردے، مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب اس کے کنوینر ہوں گے، یہ بہت بڑا اہم کام ہے، اس سمینار کے ذریعہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا تعمیری کام انجام دیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حق اور خیر کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

☆☆☆☆